بسم الله الرحمن الرحيم

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ حصاریہ

و

مقالاتِ علمیہ

مصنف

[illegible] حصاری

www.KitaboSunnat.com

[illegible]

جمع و ترتیب

حضرت مولانا ابراہیم خلیل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ناشر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ حصاریہ

و

مقالاتِ علمیہ

مصنف

محقق العصر حضرت مولانا عبد القادر حصاری رحمہ اللہ

جلد ہفتم

کاوش و پیشکش
شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ
بانی دار الحدیث راجووال اوکاڑہ

جمع و ترتیب
حضرت مولانا ابراھیم خلیل حفظہ اللہ
آف حجرہ شاہ مقیم اوکاڑہ

ناشر
عبد اللطیف ربانی مکتبہ اصحاب الحدیث
حافظ پلازہ مچھلی منڈی بالمقابل جلال دین ہسپتال
اردو بازار، لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... فتاویٰ حصاریہ ومقالات علمیہ

نام مصنف .... محقق العصر حضرت مولانا عبدالقادر حصاری رحمہ اللہ

کاوش وکوشش .... شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف (راجووال)

نام مرتب .... مولانا ابراہیم خلیل حجرہ شاہ مقیم

طبع اول 2012ء

مطبع .... العربیہ پرانی انارکلی لاہور

قیمت مکمل سیٹ .... سات ہزار روپے

تعداد 600

المکتبة
۹۹-۰۰ جے ماڈل
نمبر 1919

ناشر

مکتبہ اصحاب الحدیث

حافظ پلازہ، مچھلی منڈی بالمقابل جلال الدین ہسپتال، اردو بازار، لاہور

042-37321823 - 0301-4227379

جلد نمبر ہفتم

مضامین **صفحات**

حدیث نقد و جرح 8

امامت و امارت کا مسئلہ 66

چند تحقیقی مسائل 78

قرآن مجید سے متعلق 236

گانے بجانے کا شرعی حکم 305

لباس کے بارے میں 313

مختلف مضامین 330

مولانا فضل احمد غزنوی سے خطاب 490

متفرق مسائل 518

فہرست عنوانات جلد ہفتم

حدیث نقد و جرح

حدیث و مراتب حدیث ۸
مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ توجہ فرمائیں ۳۰
جواب تعاقب بر فاضل سیالکوٹی رحمہ اللہ ۳۶
مذاکرہ علمیہ بابت سماع علقمہ رضی اللہ عنہ ۴۰
ایک اصلاحی تعاقب (پہلی وضعی حدیث) ۴۵
امام طحاوی کا مسلک چند مسائل کی صراحت ۴۹
تعاقب بر مضمون غزنوی ۵۵
کیا محدثین مقلد تھے (ایک غلط فہمی کا ازالہ) ۵۸
اہل صحیفہ کی علمی قابلیت کا نمونہ ۶۲
نزاع امام بخاری و مسلم ۶۵

امامت و امارت کا مسئلہ

امارت شرعیہ ۶۶
بیعت پیری مریدی ۷۵

چند تحقیقی مسائل

تبرکات کی شرعی حیثیت ۷۸
فتویٰ بابت تبرک غلاف کعبہ ۸۸
حیات و نزول مسیح علیہ السلام ۹۲

پدر ابراہیم علیہ السلام کا نام و مذہب ۱۰۱
والدین رسول اللہ ﷺ کا ایمان ۱۲۸
ابو طالب کی وفات اسلام پر ہوئی یا کفر پر؟ ۱۳۳
حنفی مذہب کا عجیب مسئلہ تناسخ ۱۳۴
شرک و بدعت کی تباہ کاریاں ۱۳۸
ماہ ربیع الاول میں ہمیشہ سیرت النبی ﷺ کے جلسے ۱۴۳
ماہ ربیع الاول میں رسومات ۱۵۲
مروجہ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت ۱۶۳
شرعی احکام ماہ محرم الحرام ۱۶۶
انبیاء علیہم السلام کا قتل ۱۷۷
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو متضاد وصف کے متعلق استفسار ۱۸۰
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اہل حدیث کا عقیدہ ۱۸۲
تجلی کا متعصبانہ تبصرہ ۱۹۱
ماہنامہ تجلی دیو بند کی خدمت میں ۲۱۲
سات قسم کے سید ۲۱۵
لفظ مولیٰ و سید پر تبصرہ ۲۱۷
القاب قبلہ و کعبہ کا شرعی حکم ۲۲۳
کیا کسی عالم یا بزرگ کو قبلہ و کعبہ دارین لکھنا جائز ہے؟ ۲۲۷
ایک اہم مسئلہ جس سے لوگ عموماً غافل ہیں ۲۳۳

قرآن مجید سے متعلق

موجودہ فن تجوید پر تبصرہ ۲۳۶
قول سدید در مروجہ فن تجوید ۲۵۲
تلاوت قرآن (بزم علمی کے ایک جواب پر تعاقب) ۲۶۳
طلباء کو گھر بیٹھا کر قرآن مجید ختم کرانا---الخ ۲۶۷

کیا نئے تعمیر شدہ مکان میں تبرکاً قرآن پڑھانا جائز ہے؟ ۲۷۲
تعویذات شرعیہ ۲۷۵

گانے بجانے کا شرعی حکم

ضروری اصلاح ۳۰۵
گانے بجانے کی حرمت پر محدثین وفقہاء کا فتویٰ ۳۰۹

لباس کے بارے میں

ٹخنوں کے نیچے پاجامہ کے مسئلہ پر تبصرہ ۳۱۳
مسئلہ سراویل پر بحث ۳۱۹

مختلف مضامین

مسئلہ مصافحہ بالید ۳۳۰
عہد کی پابندی ۳۳۵
(مذاکرہ علمیہ) نیل وفرات پر بحث ۳۴۸
بادل اور بارش ۳۵۵
سرکار مدینہ کے احکام ۳۶۳
اسلام روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے پاس امانت الٰہی ہے ۳۷۱
حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے حقائق کی روشنی میں ۳۸۱
مقدمات قتل کا شرعی فیصلہ ۳۸۹
شریعت کے خلاف قانون بنانے والے کون ہیں؟ ۳۹۱
استفتاء بابت استصواب رائے عامہ ۳۹۳
انتخاب کا صحیح طریقہ ۳۹۴
موجودہ انتخابات میں اسلامی ہدایات ۳۹۷

منکرین آئین اسلام ۴۰۷
مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی تصریحات ۴۱۲
قومی راہنماؤں کی آزاد خیالی ۴۱٦
حکومت کی غریب رعایا پر مہربانیاں ۴۲۴
اہل حکومت و علماء اسلام کی خدمت میں اپیل ۴۲۹
موجودہ مسلمانوں کے حال پر تبصرہ ۴۳٦
اسلامی دنیا میں حیرت انگیز ترقی ۴۴۰
قوم اوڈ کی اصلاح اور ان کا مصلح اعظم ۴۵۴
پاکستان کی تنزلی کا مجرب علاج ۴۵۹
نیک اعمال کو کھا جانے والے گناہ ۴٦۳
گناہوں کا سیلاب اور اس کے انسداد کی صورت ۴٦٦
عذاب سیلاب اور اس کا واحد علاج ۴۷۵
مولوی محمود الحسن دیوبندی کی قرآن مجید میں تحریف ۴۸۲
مولوی محمود الحسن کا ایک عجیب فتویٰ ۴۸٦

مولانا فضل احمد غزنوی سے خطاب

اعتراف و اصرار ۴۹۰
غلطی معاف اصرار بے کار ۴۹۴
اصلاحات مسائل ۵۰۴

متفرق مسائل

مکتوب حصاری فرقہ ناجیہ ۵۱۸
علماء خیر و شر کا تعارف ۵۳۱
علماء کے دو طبقے ۵۵۲
فرضی مناظرے (ایک اصلاح طلب پہلو) ۵۵۷

صالح اور طالح کا معیار	۵۶۳
تبلیغ کی اہمیت اور اس میں ہمت و استقلال	۵۶۵
ضرورت تبلیغ	۵۷۱
تبلیغ کی ضرورت	۵۷۴
حلوے مانڈے	۵۷۷
مرد کی فقاہت اور عورت کی ذہانت کا مقابلہ	۵۸۴
گھر میں کتا رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟	۵۹۳
ہجڑوں کی مردم شماری	۵۹۴
مولانا حصاری کا مزاحی ظلم	۵۹۷
ظلم کا غلط تصور	۶۰۱
کچھ حافظ عنایت اللہ گجراتی کے بارے میں	۶۰۷
ایک مولوی صاحب اور ان کے بعض عقائد	۶۱۳
مولانا عبدالقادر حصاری بنام قاضی محمد اسلم سیف	۶۱۷
حکیم محمد علی چند یادیں چند باتیں	۶۲۳
خدا کے بعد ایک سہارا تھا سو وہ نہ رہا	۶۳۳

علم حدیث وفن -- جرح وتعدیل

حدیث و مراتب حدیث

تعریف حدیث: محدثین کے محاورہ میں لفظ حدیث جناب نبی کریم ﷺ کے قول اور فعل اور آپ کی تقریر پر بولا جاتا ہے اور تقریر سے مراد یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا یا بات کہی اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا- نہ اس سے انکار کیا اور نہ اس کو منع فرمایا بلکہ اپنی خاموشی سے اُسے برقرار رکھا- پس اگر آپ کا قول ہے تو حدیث قولی ہے اور اگر آپ کا فعل ہے تو حدیث فعلی ہے اور اگر تقریر ہے تو حدیث تقریری ہے-

جب آنحضور ﷺ مبعوث برسالت ہوئے اور آپ نے اسلام کی تبلیغ کی تو اس وقت جو لوگ مسلمان ہوئے' انہوں نے ہر امر طرز عبادت' لین دین کے معاملات' کھانے پینے' چلنے پھرنے' اُٹھنے بیٹھنے' سونے جاگنے' لباس پہننے' حجامت بنوانے وغیرہ کے آداب و عادات اور دیگر اخلاقی و معاشرتی حالات اور تمام باتوں میں آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق کیا- آپ کو دیکھ کر یا دیکھا کر یا آپ سے پوچھ کر اور آپ کے فرمانے کے عین موافق وہ کام سرانجام دیا- پس آپ کے اقوال و افعال' آپ کا انکار یا سکوت ہی مسلمانوں کا مشعل راہ رہا- اسی کا نام حدیث ہے اور یہی وہ ہدایت ہے جس کو آپ اپنے ہر خطبہ میں یوں فرمایا کرتے تھے کہ:

"ان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم-" کہ بہترین کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بہترین ہدایت وہ ہدایت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہے-"

اور یہی وہ علم ہے جس کی بابت آپ نے آخری وقت میں یہ فرمایا کہ: "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ ﷺ میں نے تمہارے میں دو چیزیں چھوڑی ہیں- جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے' کبھی گمراہ نہ ہو گے- وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی حدیث ہے-"

سنت کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جس کام کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا یا جس کام سے روکا یا کسی چیز کو مستحسن سمجھ کر خود کیا یا کرتے ہوئے کسی کو دیکھا تو اس پر سکوت فرمایا' اس کو سنت کہا جائے گا۔ جب تم حدیث میں پڑھو کہ "علیکم بسنتی" "کہ میری سنت کو لازم پکڑو" تو اس سے یہی مراد ہے۔

حدیث کی ابتداء: مذکورہ بالا تشریح سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ حدیث کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی ہے۔ پس جو زمانہ آغاز نبوت کا ہے' وہی زمانہ ابتداء حدیث کا ہے۔ کیونکہ ملک عرب میں جہالت اور ضلالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور تمام امور میں جہالت اور گمراہی نمایاں تھی۔ اس لیے جن لوگوں نے اسلام کو قبول کیا' انہوں نے اپنی خواہشات ملکی اور قومی رسومات کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہر امر میں آنحضور ﷺ کے ارشادات و ہدایات کے پابند ہوئے اور اسی چیز کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا تھا:

"وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا" (حشر) "جو کچھ تم کو رسول نے دیا ہے' اس کو لے لو اور جس سے روکا ہے' اس سے رک جاؤ۔"

"وان تطیعوہ تھتدوا" "اور اگر تم اس کی پیروی کرو گے' اطاعت بجا لاؤ گے تو ہدایت پاؤ گے۔"

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنة لمن کان یرجوا اللّٰہ والیوم الاخر وذکر اللّٰہ کثیرا۝" (احزاب) "ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی چاہتا ہے اور اللہ کو بہت یاد رکھتا ہے' اس کے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) ایک بہترین نمونہ ہیں۔"

کیونکہ آپ جب اللہ کے رسول تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی شریعت نازل ہوئی تھی تو لازم تھا کہ آپ کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے ماتحت ہوتی اور جب آپ اس شریعت کے قائد اعظم تھے تو آپ سے کوئی ایسا فعل یا کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہوتی جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہوتی۔ اس لیے آپ کی ذات والاصفات تمام ملت اسلامیہ کے لیے اسوہ حسنہ قرار پائی اور ہر نیک کام متعلقہ دین اسلام کی ابتداء آپ سے ہوئی' جس کی اتباع تمام امت پر فرض ہے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ "فاتبعونی" "کہ تم میری اتباع کرو۔" کیونکہ جملہ اسلامی امور کا صدور آپ سے ہوا اور آپ ہر اسلامی کام کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

علم حدیث کا موضوع: ہر علم کا موضوع ہوتا ہے اور علم حدیث کا موضوع رسول اللہ ﷺ کے حالات ذاتیہ ہیں یعنی جس میں آپ کے حالات ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔ پس علم حدیث کا موضوع آنحضرت ﷺ کی ذات جامع صفات ہے۔ کیونکہ جملہ احادیث نبویہ میں آپ ہی کے اقوال و افعال و حالات و اسوہ حسنہ کا بیان ہے کہ آپ نے یوں فرمایا۔ آنجناب ﷺ نے یہ کیا۔ اس چیز سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا۔ فلاں کام حضور ﷺ کے سامنے ہوا۔ اس سے آپ نے روکا نہیں تھا' اس لیے ہم کرتے ہیں۔ فلاں کام آپ کے عہد سعادت مہد میں ہوتا رہا' اس کے متعلق کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔

الغرض تمام بزرگان دین صحابہ کرام' تابعین عظام و تبع تابعین و ائمہ محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ہی کے اقوال و افعال کو نقل کر کے آگے پہنچاتے رہے ہیں اور سننے والے آپ ہی کا نام مبارک سن کر ان احادیث کو قبول اور سینوں اور کتابوں میں محفوظ کرتے رہے۔ پس آپ ہی علم حدیث کے موضوع قرار پائے۔

"فاکرم به من علم موضوعه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔" "اس علم کی کرامت کا کیا کہنا کہ جس کا موضوع خود حضور اکرم ﷺ کی ذات والاصفات ہو۔"

علم حدیث کی غرض: ہر چیز کے حاصل کرنے کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہوتی ہے۔ جو کام بے غرض ہو وہ لغو اور بے ہودہ ہوتا ہے اور اس کے حاصل کرنے میں محنت رائگاں جاتی ہے اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ پس علم حدیث ایسا عظیم الشان علم بے غرض کیسے ہو سکتا ہے۔ سو یاد رہے کہ علم احادیث حاصل کرنے کی غرض اطاعت رسول ہے۔ پس امت رسول علم حدیث اس لیے حاصل کرتی ہے اور اس لیے اس کو پڑھتی اور حفاظت کرتی ہے اور اس لیے اس کا درسگاہوں میں اہتمام کرتی ہے کہ غرض اس سے اطاعت رسول ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے : یاایها الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم○ "یعنی اے ایماندارو! تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر کام' ہر عمل درگاہ الٰہی میں تب منظور ہے کہ وہ اللہ و رسول کی اطاعت میں ہو اور اگر اپنی خواہش یا رسم و رواج کے مطابق ہوا اور اللہ رسول کے موافق نہ ہوا تو وہ عمل مردود ہے۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے : "من عمل عملا لیس

علیہ امرنا فھو رد" "جس شخص نے ایسا کام کیا کہ اس پر ہمارا حکم نہ تھا تو وہ مردود ہے۔"

پس اطاعت اللہ اور رسول کی واجب ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اطاعت کا دارومدار رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر ٹھہرا دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے: قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ "اے ہمارے نبی! کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتے ہو تو میری اتباع کرو' اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔"

دوسری آیت میں ہے کہ: "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ" "جنہوں نے رسول کی اطاعت کی' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرلی۔"

رسول کی اطاعت رسول اللہ کے قول و فعل کو ماننے اور نافرمانی کرنے سے بچنے میں ہوتی ہے۔ اور آپ کا قول و فعل و حکم احادیث میں ہے۔ لہٰذا اطاعت رسول کے لیے علم حدیث کا حاصل کرنا فرض ہوا۔ کیونکہ فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے۔ پس اطاعت رسول کا فرض ادا کرنے کے لیے علم حدیث کا حاصل کرنا فرض ہوا۔ لہٰذا تمام امت پر فرض ہے کہ احادیث نبویہ کا علم حاصل کریں۔

علم حدیث کا فائدہ: علم حدیث حاصل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اطاعت رسول حاصل ہوگی اور اطاعت رسول سے جنت ملے گی۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قالوا من ابی یارسول اللّٰہ قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی۔" "میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ شخص کہ انکاری ہوا۔ صحابہ نے کہا یارسول اللہ! انکاری کون ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی انکاری ہوا۔"

علم حدیث کی ضرورت: سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ عمران بن حصین صحابی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو قرآن میں نہیں ملتیں۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ تفصیل ہے کہ ہر چالیس درہم پر ایک درہم ہے۔ اتنی بکریاں ہوں تو اتنی بکریاں ہیں' اتنے اونٹ ہوں تو ان پر یہ زکوٰۃ ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمران صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم نے یہ کیونکر کہا؟ تم نے ہم سے سنا اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن میں اساسی احکام ہیں اور وہ بطور عموم اور کلیات ہیں۔ کہیں

مجمل ہیں، کہیں مبہم ہیں، کہیں محکم ہیں، کہیں متشابہہ ہیں۔ پس احادیث نبویہ ان جملہ احکام کی تفسیر و تشریح ہے۔ کہیں قول سے اور کہیں عمل سے۔ جناب رسول کریم ﷺ کلام الٰہی کے مبین و مفسر ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : "انا انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون○" "یعنی اے نبی! ہم نے یہ نصیحت نامہ تیری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تو اس کو خوب بیان کر کے سمجھا دے۔"

اگر احادیث نبویہ کو قرآن کریم کا بیان اور تفسیر نہ ٹھہرایا جائے تو ہر شخص اس کی مراد اور تفسیر اور مطلب اپنی اپنی رائے اور عقل سے لینے لگے گا۔ چونکہ سب انسان یکساں فہم و فراست نہیں رکھتے اور سب کی قابلیت اور لیاقت علمی ایک سی نہیں ہوتی تو ہر شخص قرآن کے معانی اپنی رائے سے کرے گا۔ جس سے اختلاف اور شقاق بعید پیدا ہو جائے گا اور قرآن مجید بازیچہ اطفال بن جائے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

اگر تسلیم کیا جائے کہ قرآن مجید مفصل کتاب ہے اور عربی محاورہ پر یہ نازل ہوا ہے اور ہر شخص کو اس کے سمجھنے اور اس کے احکام کے بیان کرنے کا حق ہے۔ تب بھی یہ عرض ہے کہ جس شخص پر یہ قرآن مجید نازل ہوا' وہ اپنے زمانہ کے محاورات اور اپنی زبان کی اصطلاحات اور لغات کو خوب جانتا تھا اور وہ لوگ بھی خوب جانتے تھے جن کے سامنے قرآن مجید اُترا اور وہ اس پر سمجھ کر ایمان لائے۔ پھر بھی قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنا اور اس کے احکام کی تشریح کرنا اور اس کے مطابق عمل کر کے دکھلانے کا بھی انہی کا حق مقدم ہے اور ان کے خلاف مطلب بیان کرنا یا ان کے تعامل بالقرآن کے خلاف عمل کرنا گمراہی ہے۔ کیونکہ ان کی ہدایت اور فلاح کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں گواہی دی ہے اور اپنے نبی اور آپ کے صحابہ کرام اور انصار و مہاجرین کو صراط مستقیم اور ہدایت پر قرار دیا ہے اور رضائے الٰہی کی ان کے حق میں شہادت ہے۔

بہرکیف احادیث نبویہ سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا اور بغیر احادیث کے قرآن مجید پر عمل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قرآن کو سمجھنے کے لیے احادیث کی سخت ضرورت ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ :

"اقیموا الصلٰوۃ" "نماز کو قائم کرو!"

بس یہ ایک اصولی حکم ہے۔ اب نماز کا وقت اور اس کی تعیین' نماز کا حکم' نماز کی رکعتیں' نماز کی کیفیت' نماز کے ارکان' نماز کے نواقض' نماز کے شرائط وغیرہ وغیرہ احادیث سے معلوم ہوں گے۔ قرآن میں ان کی تفصیل نہیں ہے۔

نماز کس عمر میں فرض ہے' سفر میں کتنی ہے' حضر میں کتنی' بیمار کس طرح نماز پڑھے' تندرست کس طرح پڑھے؟ یہ سب مسائل احادیث سے ثابت ہوں گے۔ اگر احادیث کو ترک کیا جائے تو صرف قرآن سے یہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکتی۔ جس سے ہر نمازی کو بہت مشکل گزرے گی بلکہ نماز ہی نہیں پڑھ سکے گا۔

یہی وجہ ہے کہ فرقہ چکڑالویہ نماز ادا کرنے میں بڑے پریشان ہیں۔ کوئی تو پانچ نمازوں کا قائل ہے' کوئی تین کا' کوئی دو کا' کوئی کسی طرح ادا کرتا ہے اور کوئی کسی طرح عجیب تماشا ہے۔

پس اسی طرح زکوٰۃ' حج' روزہ وغیرہ عبادات اور معاملات کو قیاس کرلیں کہ بغیر حدیث کے کسی پر بھی کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ اور کرتا ہے تو ایسے طریقہ سے کرتا ہے جس کی نظیر آنحضرت ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک کسی کتاب شرعی میں پائی نہیں گئی اور نہ کسی تواتر عملی سے ثابت ہے بلکہ وہ نماز قرآن میں بھی نہیں ہے۔

برعکس اس کے وہ نماز جو تواتر عملی سے ثابت ہے' وہ احادیث سے ثابت ہے اور تمام امت میں نسلاً بعد نسل عہد نبوی سے چلی آرہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ علم حدیث معتبر ہے اور قرآن پر عمل کرنے کے لیے اس کی سخت ضرورت ہے۔

اور یہ سخت تعجب ہے کہ ہر عالم کسی علمی کتاب کی شرح آسان لفظوں سے کرنے کا مجاز ہو۔ ہر قانون کی شرح عدالت کا جج کر سکے اور ہر استاد کسی کتاب کا مطلب اپنے شاگرد کو بتلا سکے۔ لیکن نبی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کتاب کا مطلب لوگوں کو اپنے قول و فعل سے بتلا سکے جس پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ (ولم یقل به احد الا من سفه نفسه)

اہل حق تو اس بات کے قائل ہیں کہ نبی بھی یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اس آسمانی کتاب کا جو اس پر نازل ہوئی ہے' اپنی امت کو مطلب بیان کرے اور اس کی تفسیر و تشریح کر کے لوگوں کو سمجھائے اور اس پر عمل کر کے یہ ظاہر کرے کہ اس حکم قرآنی کا یہ مطلب ہے۔

حدیث وحی الٰہی ہے: اہل حق نے یہ واضح کیا ہے کہ آنحضور ﷺ پر دو قسم کی وحی نازل ہوتی ہے۔ "ایک وحی جلی" جس کو وحی متلو بھی کہتے ہیں یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت

کی جاتی ہے اور نماز وغیرہ میں ذکر اور عبادت کے طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اس کے کلمات' حروف' معانی اور احکام سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اس کو کلام اللہ کہتے ہیں۔

دوم "وحی خفی" جس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں یعنی پوشیدہ وحی جو عام طور پر قرآن مجید کی طرح نماز وغیرہ میں اس کی قرأت نہیں ہوتی البتہ مطلب اور مقصد اور احکام اور مسائل جو اس سے سمجھے جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور کتاب اللہ کے بیان کے ہیں جو نبی پر وارد کئے گئے ہیں یا استنباط آیات قرآنی سے ہیں۔ جن کی اصلیت قرآن میں بجنسہ یا قریب قریب موجود ہے جس کو بغیر رسول اللہ کے دوسرا استنباط نہیں کر سکتا اور قرآن سے نہیں جان سکتا۔ وہ بھی آنحضور ﷺ کے بیان سے واضح ہوئی تو اس کو بھی وحی خفی کہیں گے۔

قرآن مجید سورہ تحریم میں ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی بیوی سے ایک خفیہ بات کہی۔ بیوی نے اس کو ظاہر کر دیا۔ تب اللہ نے نبی کو خبر دے دی۔ نبی نے بیوی سے دریافت کیا' بیوی نے کہا تم کو کیوں کر خبر ہوئی؟ نبی نے کہا کہ مجھ کو علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔

اس آیت میں بیوی نے جس خبر کی اطلاع کا سوال کیا ہے وہ قرآن میں مذکور نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ کتاب الٰہی کے سوا نبی کریم ﷺ پر وحی آتی تھی۔ بس وہی وحی خفی ہے جس کو آنحضور ﷺ بیان فرمائیں گے۔

اس لحاظ سے وہ حدیث نبوی ہو گی۔ قرآن مجید میں جو ہے کہ "ويعلمهم الكتاب والحكمة" "نبی لوگوں کو کتاب الٰہی اور حکمت سکھلاتا ہے۔" اس حکمت سے مراد بھی وحی خفی ہے جو احادیث کی صورت میں کتب ہائے حدیث میں موجود ہے۔ ورنہ کوئی بتلائے کہ نبی کریم ﷺ نے جو کتاب اللہ کے ساتھ حکمت سکھلائی تھی وہ کہاں گئی؟

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے کہ "كان جبرائيل ينزل على النبي صلى الله عليه وسلم بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن" "جس طرح رسول اللہ ﷺ پر جبرائیل علیہ السلام قرآن لے کر اترتے تھے' اسی طرح حدیث بھی لے کر اترتے تھے۔ (دارمی)

قرآن میں ہے کہ "الم تر الى الذين نهوا عن النجوىٰ ثم يعودون لما نهوا عنه۔" "کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کانا پھوسی کرنے سے منع کیا گیا تھا مگر وہ باز نہیں آئے۔"

اس آیت میں نجویٰ کے منع کیے جانے کا ذکر ہے اور اس کو اللہ نے اپنا حکم قرار دیا ہے مگر قرآن میں اس آیت سے پہلے نجویٰ کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ ہاں نبی کریم ﷺ نے منع کیا تھا۔ چونکہ وہ وحی خفی کے ذریعہ تھا اور حسب حکم الٰہی تھا' اس لیے اللہ نے اس کو اپنا حکم فرمایا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی وحی الٰہی کا سلسلہ تھا۔

اسی طرح قبلہ کے متعلق ذکر ہے کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم قرار دیا ہے حالانکہ بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔ اسی طرح اور کئی آیات اور واقعات کتاب اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں' اس سے وحی خفی کا ثبوت ملتا ہے۔ آنجناب ﷺ کی شہادت ہے کہ "اوتیت القرآن ومثلہ معہ۔" (مشکوٰۃ شریف) "میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن دیا گیا ہوں اور ساتھ اس کے اسی کی مانند اور چیز دیا گیا ہوں۔"

وہ قرآن کی مانند وحی خفی حدیث ہی ہے جس کو جبرائیل علیہ السلام لایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ یہ بتلایئے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا میرے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہاں درآنحالیکہ تو صبر کرنے والا ثواب کا طالب ہو اور آگے بڑھنے والا ہو' نہ پیٹھ دینے والا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم نے کس طرح سوال کیا؟ اس شخص سائل نے کہا کہ اگر میں راہ الٰہی میں قتل کیا جاؤں تو بتلایئے کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں گناہ معاف ہو جائیں گے۔ درآنحالیکہ تو صبر کرنے والا اور اجر طلب کرنے والا اور میدان جنگ میں آگے بڑھنے والا ہو۔ پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو مگر قرضہ معاف نہ ہو گا۔ "فان جبرائیل قال لی ذالک" "یہ مجھ سے جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہے۔ (مسلم شریف)

اس طرح کئی ایک احادیث میں جبرائیل علیہ السلام کے آنے کی تصریح ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے شروع میں ایمان' اسلام' احسان کے متعلق جبرائیل علیہ السلام نے آکر سوالات کیے اور آپ نے جوابات دیئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حدیث وحی خفی ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں جبرائیل علیہ السلام نے آکر دو دن امام بن کر آنحضور ﷺ کو پڑھائیں اور سکھلائیں' ملاحظہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

نیز بخاری مسلم کی متفقہ حدیث میں ہے کہ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے بشیر بن ابو مسعود

رضی اللہ عنہ سے سنا' بشیر کہتے ہیں کہ میں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا' ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "نزل جبرائیل فامنی فصلیت معه ثم صلیت معه ثم صلیت معه ثم صلیت معه ثم صلیت معه یحسب باصابعه خمس صلوٰت۔ (مشکوٰۃ شریف) "یعنی جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے میری امامت کی اور انہوں نے میرے ہمراہ نماز پڑھی' پھر پڑھی اور پھر پڑھی۔ پانچ نمازیں انگلیوں پر حساب کرکے آپ نے بتلائیں۔"

جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے نماز پڑھائی' اسی طرح آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھائی اور فرمایا "صلوا کما رأیتمونی اُصلی۔" "تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔"

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین رحمہم اللہ عنہم کو اسی طرح پڑھ کر دکھلائی۔ تابعین نے صحابہ سے سیکھ کر اسی طرح پڑھی اور تبع تابعین کو سکھلائی اور پڑھائی۔ یہاں تک کہ تمام ممالک اسلامیہ میں وہ نماز آج تک نسلاً بعد نسل پڑھی جا رہی ہے اور وہی احادیث میں موجود ہے۔

پس یہ ہیئت نماز اور اس کی کیفیت جو تواتر عملی سے ثابت ہے' قرآن میں نہیں ہے۔ یہ اس وحی خفی سے تعلیم کی گئی ہے جو قرآن کے علاوہ آیا کرتی تھی۔ پس ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ ؎

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تانہ گفتے جبرائیل
جبرائیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

یہی مطلب ہے اس سورۃ نجم کی آیت کا "وما ینطق عن الھوٰی ○ ان ھو الا وحی یوحٰی ○

تاریخ حدیث : فن روایت ایک ایسا فن ہے کہ جس کی قدامت مسلم ہے۔ ہر ملک' ہر زمانہ' ہر قوم میں کم و بیش جاری رہا ہے۔ قبل از اسلام بھی تاریخی واقعات' انسانی انساب حفظ کرنے کے لوگ عادی تھے۔ بڑی بڑی کہانیاں' اشعار' اونٹوں کے سلسلے سو سو نسلوں تک گنا جایا کرتے تھے۔ پہلے لوگوں کی قوت حافظہ انتہائی درجہ پر تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قوت حافظہ کی غیر مسلموں نے بھی شہادت دی ہے۔ انہوں نے اپنے خداداد حافظہ کی بنا

پر کماحقہٗ گرمی اور محنت سے کام لے کر احادیث نبویہ کو یاد کیا اور آگے لوگوں کو پہنچایا۔

آنحضور ﷺ کی زندگی ہی میں احادیث کو حفظ کرنے کا اہتمام کیا اور رات دن اس کی درس و تدریس کرتے رہے۔ پھر آگے تابعین اور تبع تابعین نے آکر اس کا استحکام کیا۔ یہاں تک کہ ائمہ محدثین نے علم حدیث کو ایک فن کی صورت میں مدون کر دیا اور اس کے قواعد و ضوابط و قوانین مرتب کئے اور اسماء الرجال یعنی ان راویوں کے نام بمعہ نسب اور ان کے ذاتی حالات لکھے جو علم حدیث ایک دوسرے سے اخذ کرتے رہے اور بعد از تحقیقات اور راویوں کے تفتیش حالات سے اس علم کی صحت و حفاظت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ یہ علم پورے طور پر مدون ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کی درسگاہوں میں داخل ہو گیا اور اب تک مسلسل پڑھا جا رہا ہے جو تواتر عملی' تواتر علمی' تواتر اسنادی رکھتا ہے۔ اور یہ آنحضور ﷺ کی یادگار معجزہ تمام دنیا میں قائم ہے اور بایں طور کسی مصلح' کسی نبی' کسی رسول' کسی بادشاہ' کسی ریفارمر' کسی دیوتا' گرو کے اقوال و افعل' احادیث کی صورت میں قائم نہیں ہیں۔ اگر قائم ہیں تو کوئی مورخ اسلام کے مقابلہ میں آکر پیش کرے۔ (ودونہٗ خرط القتاد)

الغرض علم حدیث کی روایت تعامل اور توارث اور سلسلہ اسناد سے مضبوط اور مستحکم ہو گئی جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ (الا من سفہ نفسہٗ)

حدیث کے لیے اسناد کی ضرورت: جامع العلوم حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعی جن کے علو مرتبہ اور جلالت شان و امامت دین پر اجماع ہے' وہ فرماتے ہیں :
"الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔" "یعنی اسناد دین سے ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو کچھ چاہتا کہتا۔"

یعنی اسناد اسلام میں معتبر ہے۔ بغیر اسناد کے کسی شخص کا مسئلہ اور حدیث تسلیم نہیں کی جائے گی۔ جو شخص صحیح اسناد سے کوئی حدیث بیان کرے گا تو ہم قبول کریں گے ورنہ اس کو چھوڑ دیں گے۔

اس پر علماء اسلام کا اجماع ہے کہ بغیر اسناد کے کسی کی حدیث قبول نہ کی جائے گی۔ علم حدیث کا پہلا اصول مسئلہ اسناد کا ہے اور اسناد راویوں کے سلسلہ کو کہتے ہیں۔ مثلاً بخاری شریف میں حدیث ہے کہ :

"حدثنا عبید اللّٰہ بن موسیٰ قال اخبرنا حنظلۃ بن ابی سفیان عن عکرمۃ بن خالد

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ واقام الصلٰوۃ وایتاء الزکٰوۃ والحج وصوم رمضان۔" "یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی' عبیداللہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس حدیث کی حنظلہ بن ابوسفیان نے خبر دی اور حنظلہ نے عکرمہ بن خلد سے یہ حدیث روایت کی اور عکرمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور نماز کو قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔"

اب اس حدیث میں لفظ "حدثنا عبیداللّٰہ" سے لے کر "قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" تک تو اسناد ہے اور "بنی الاسلام" سے لے کر آخر تک حدیث کا متن ہے اور درمیان میں جن لوگوں کے نام مذکور ہیں ان کو راوی حدیث کہتے ہیں۔ پس ان کے اعتبار پر حدیث کا دارومدار ہے۔ جو حدیث معتبر شخصوں کے ذریعہ مسلسل اسناد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گی' وہ حدیث معتبر متصور ہو گی۔

جس حدیث میں اسناد کا یہ سلسلہ نہ ہو یا ہو مگر اس حدیث کے بیان کرنے والے جھوٹے کذاب اور محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہوں تو وہ حدیث قابل قبول نہ ہو گی۔ اس لئے ہر حدیث کی قبولیت کے لیے اسناد کا ہونا ضروری ہے۔ پس جو احادیث کتب حدیث معتبرہ متداولہ کے بغیر کتب فقہ' کتب قصص' کتب تفاسیر غیر معتبرہ اور چھوٹے موٹے رسالوں اور کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور ان کی اسناد نہیں ہے' وہ سب غیر معتبر اور مردود ہیں۔ مثلاً بدعتیوں نے یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے :

"انا احمد بلا میم وانا عرب بلا عین۔" "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں احمد بغیر میم کے ہوں یعنی احد ہوں اور عرب بغیر عین کے ہوں یعنی رب ہوں۔"

یہ بغیر اسناد کے اہل بدعت کی کتابوں اور رسالوں میں پائی جاتی ہے اور جو بالکل موضوع ہے۔ اسی طرح یہ روایت کہ "اول ما خلق اللّٰہ نوری" "سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا۔"

یہ حدیث بلا اسناد ہے یا ایسی اسناد سے اس کے ہم معنی روایت ہے جو ناقابل اعتبار اور جھوٹی ہے۔ اس لیے جو واعظ اور قصاص اور غزلیں' نعتیں پڑھنے والے اپنی تقریروں' قصوں' نعتوں' غزلوں میں ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں۔ ان سے ان کی اسناد طلب کرنی چاہیے۔ اگر اسناد نہ پیش کر سکیں تو آپ جان لیں کہ وہ روایتیں جھوٹی ہیں۔

اسی طرح کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں "رُوِیَ" کہہ کر کئی روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ ان کی اسناد بھی طلب کی جائے ورنہ اعتبار نہ کیا جائے۔

اقسام حدیث: کتب اصول حدیث میں حدیث کی بہت سی قسمیں لکھی ہیں جو مختلف اعتبارات سے ہیں۔ مثلاً باعتبار نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہونے کے حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قولی (۲) فعلی (۳) تقریری۔

جب صحابی اس طرح ذکر کرے کہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا تو یہ حدیث قولی ہو گی۔ اور اگر کہے کہ فلاں کام رسول اللہ ﷺ نے اس طرح سے کیا تو یہ حدیث فعلی ہے۔ اور اگر صحابی بیان کرے کہ فلاں شخص نے یا میں نے یہ کام یوں کیا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ کام ہوا اور آپ نے منع نہیں کیا' خاموش رہے تو یہ حدیث تقریری ہے یعنی وہ کام برقرار رکھا گیا۔ کیونکہ اگر منع ہوتا تو اس سے روک دینا اللہ کے نبی کا فرض تھا۔ جب نہیں روکا گیا تو وہ جائز ہوا۔

پھر باعتبار سلسلہ اسناد کے حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) متواتر (۲) خبر واحد۔

متواتر وہ حدیث ہے کہ جس کو اس قدر راوی بیان کریں کہ عقل ان کا جھوٹ پر جمع ہونا غیر ممکن قرار دے۔ پھر یہ تواتر عملی بھی ہوتا ہے کہ اس حدیث پر ہر زمانہ میں مسلمان مسلسل عام طور پر عمل کرتے چلے آئے ہوں اور تواتر قولی بھی ہوتا ہے کہ اس کو عام طور پر راوی بیان کرتے چلے آئے ہوں۔ یہ حدیث قطعی اور یقینی ہوتی ہے جس میں شک کرنا اور اس کا انکار کرنا کفر قرار دیا گیا ہے اور اس کا انکار ایسا ہے جیسا کہ قرآن کا انکار ہے۔

اور خبر واحد وہ ہے کہ اس کو اس قدر اشخاص بیان نہ کریں جو تواتر کی حد کو پہنچیں۔ ایک راوی بیان کرے' دو راوی بیان کریں' تین راویوں سے زائد بیان کریں۔ اگر ایک راوی بیان کرے تو وہ حدیث غریب ہے اور اگر دو راوی بیان کریں تو وہ عزیز ہے اور اگر تین راوی بیان کریں یا تین سے زیادہ تو وہ مشہور ہے۔

خبر واحد کی یہ تینوں قسمیں بھی قابل قبول اور لائق عمل ہیں اور ان پر ائمہ محدثین رحمہم اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ عمل کرتے چلے آئے ہیں۔

پھر باعتبار قبولیت کے حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مقبول۔ (۲) مردود۔

مقبول حدیث وہ ہے جس کو ائمہ حدیث نے باعتبار روایت اور درایت کے قابل استدلال قرار دیا ہے اور احکام میں اس کو حجت ٹھہرایا ہے۔

اور مردود وہ حدیث ہے جس کو ائمہ محدثین نے کسی عیب اور نقص کی وجہ سے رد کر دیا ہے اور اس کو ناقابل استدلال قرار دیا ہے۔

جو حدیث مقبول ہے' اس کے اقسام باعتبار صحت کے دو ہیں۔ (۱) صحیح (۲) اور حسن۔

پس جس حدیث کے راوی ثقہ' عادل' ضابط' جید الحفظ اور متدین اور متقی ہوں اور اس کی سند میں کوئی علت نہ ہو تو وہ صحیح ہے۔ اور جس روایت کے راوی ان صفتوں میں کچھ کم درجہ رکھتے ہوں لیکن سخت جرح قدح سے پاک ہوں تو وہ حدیث حسن ہے۔

اور باعتبار طعن و جرح راوی کے مردود حدیث کی کئی قسمیں ہیں۔ موضوع' منکر' متروک' مقلوب' مضطرب' محرف وغیرہ۔ تفصیل ان کی کتب اصول حدیث میں ہے۔

اور حدیث باعتبار اپنے منسوب الیہ کے تین قسم پر ہے۔ ایک مرفوع' دوم موقوف اور سوم مقطوع۔ یعنی اگر مسلسل اسناد سے آنحضور ﷺ تک پہنچتی ہے تو مرفوع متصل ہے اور اگر صحابی تک پہنچتی ہے تو موقوف ہے اور اگر اس حدیث کی نسبت تابعی کی طرف کی گئی ہے تو وہ حدیث مقطوع ہے۔

اور حدیث باعتبار ثبوت حکم کے پانچ قسم ہے۔ (۱) محکم (۲) مختلف الحدیث (۳) ناسخ منسوخ (۴) راجح مرجوح (۵) متوقف فیہ۔

یعنی جس حدیث کی دلالت اپنے مدلول پر قطعی ہو اور اس حدیث کے معارض کوئی حدیث نہ ہو تو وہ حدیث محکم ہے۔ اور اگر اس کے معارض کوئی دوسری حدیث ہے تو ان ہر دو احادیث میں تطابق کیا جائے گا۔ اگر مطابقت ہو سکتی ہو تو مختلف الحدیث ہے۔ اگر مطابقت نہ ہو سکے تو ان کا تقدم و تاخر دیکھا جائے گا۔ جو مؤخر ہو گی وہ ناسخ ہے' دوسری منسوخ ہے۔

اور اگر تقدم و تاخر معلوم نہ ہو سکے تو حسب قواعد حدیث ان میں سے کسی کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی پھر ایک ان میں سے راجح ہو گی اور دوسری مرجوح (محدثین رحمہم اللہ

علیہم اجمعین ان چیزوں کے پرکھنے والے ہیں)

یہ مختصر ذکر ہے جو عوام کی تفہیم کے لیے کیا گیا ہے۔ تفصیل مطولات میں ہے۔

احادیث کی تشخیص: محدثین نے فرمایا ہے کہ حدیث خبر کی قسموں سے ایک قسم ہے۔ جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے۔ لہٰذا بموجب قواعد حدیث ہر حدیث کی جانچ کرنا ضروری ہے۔ اول راویوں کے حالات ملاحظہ کئے جائیں' دوم حدیث کے معانی اور مطلب پر غور کیا جائے۔ یعنی ہر حدیث کو اصول روایت اور اصول درایت سے جانچا جائے تاکہ سچی احادیث اور جھوٹی احادیث میں التباس اور اختلاط نہ ہو جائے۔

سو یہ کام محدثین کرام کا تھا جن کو قدرت نے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا۔ وہ احادیث کی چھان بین کر کے ہم کو اس بار سے سبکدوش کر چکے ہیں۔ پس ہمیں محدثین متقدمین خصوصاً ارباب صحاح کی اتباع کرنا لازم ہے۔

موضوع روایات کی شناخت: مردود حدیث کی اقسام سے ایک قسم موضوع حدیث ہے جو سب روایتوں میں بدترین روایت ہے۔ کیونکہ موضوع مصنوعی اور بناوٹی حدیث کو کہتے ہیں۔ بعض واعظوں نے مجمعوں اور مجلسوں میں اپنا اثر ڈالنے کے لئے' بعض گمراہ فرقوں نے اپنے عقائد باطلہ کو ثابت کرنے کے لیے' بعض عابدوں اور زاہدوں نے ترغیب و ترہیب کے لیے' بعض حکیموں نے چیزوں کے خواص مشہور کرنے کے لیے' بعض زندیقوں نے اپنے خیالات باطلہ پھیلانے کے لیے احادیث وضع کیں اور آنحضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیں۔ مگر قدرت الٰہی نے ہر شیطان کے مقابلہ میں ایک ہادی اور ہر فرعون کے لیے ایک موسیٰ ضرور پیدا کیا ہے۔ اس لیے ان کذابوں اور وضاعوں کی موضوع روایات اور کذبات کا قلع قمع کرنے کے لیے محدثین ناقدین کا ایک ایسا گروہ قدرت نے پیدا کیا جو علم حدیث کے صراف اور طبیب مشہور ہوئے۔ جنھوں نے اصول روایت اور اصول درایت کی رو سے تمام وضعی روایات کی چھان بین کر کے ان کو رد کر دیا ہے۔

چنانچہ علم اسماء الرجال کی رو سے اول ان وضاع اور کذاب راویوں کو چھانٹا پھر اصولی طور پر ان کی روایات کی تنقید کی پھر کتب حدیث کے طبقات ٹھہرائے گئے تاکہ ہر طبقہ کی کتاب معلوم کر کے صحیح اور ضعیف اور موضوع روایت کا علم حاصل کیا جا سکے۔

پس عوام ان تینوں باتوں کے لحاظ سے حدیث کے صحیح یا موضوع ہونے کا پتہ لینا چاہیں تو

بموجب ارشاد الٰہی "فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" "تم نہ جانتے ہو تو اہل علم سے دریافت کر لو۔"

کسی معتبر عالم بالحدیث سے تحقیق کر لیں اور عالم بالحدیث کو چاہیے کہ اول اس حدیث کو طبقات کتب حدیث کی رو سے جانچے پھر اسماء الرجال کی رو سے پھر اصول روایت اور درایت کی رو سے دیکھ لے لیکن ان باتوں میں محدثین کاملین ماہرین فن حدیث کی اتباع کرے۔ جنہوں نے نہایت دیانت داری سے پوری جدوجہد فرما کر صحیح اور موضوع احادیث میں امتیاز کر دیا ہے۔ بس اس طریقہ سے ہر عالم تحقیق حق کر سکتا ہے' فتذکر۔

طبقات کتب حدیث: جاننا چاہیے کہ کتب حدیث کے باعتبار صحت و شہرت و قبول کے چند طبقے ہیں۔ اور ہر طبقہ کی علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں اور ہر کتاب کی حدیث کا علیحدہ حکم ہے۔

طبقہ اول: اس طبقہ میں تین کتابیں ہیں۔ (۱) موطا امام مالک (۲) صحیح البخاری (۳) صحیح مسلم۔ مؤخر الذکر دو کتابوں کو صحیحین کہا جاتا ہے اور ان دونوں کی روایت کردہ حدیث کو "متفق علیہ" کہتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ حدیث کی یہ کتابیں سب سے اول نمبر ہیں اور ان کی احادیث سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ علماء اہل حق کی شہادت ہے اور تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتابوں میں جو احادیث مرفوع متصل ہیں' وہ سب یقیناً صحیح اور مقبول ہیں اور اپنے مضامین میں متواتر ہیں۔ (حجۃ اللّٰہ البالغہ)

طبقہ دوم: سنن ابوداؤد' سنن نسائی' جامع ترمذی' مسند احمد بن حنبل' جامع الاصول۔ ان کتابوں میں اکثر صحیح یا حسن احادیث ہیں۔ ضعیف احادیث قلیل ہیں اور جو ہیں وہ ایسی ہیں جن پر اہل علم کا تعامل پایا جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

طبقہ سوم: سنن ابن ماجہ' مسند شافعی' مصنف عبدالرزاق' مصنف ابن ابی شیبہ' مسند ابوداؤد طیالسی' مسند دارمی' مسند ابویعلیٰ' مسند عبد بن حمید' سنن دارقطنی' صحیح ابن حبان' مستدرک حاکم' کتب بیہقی' کتب طحاوی' تصانیف طبرانی معجم صغیر و کبیر' سنن سعید بن منصور'

مسند حارث، سنن مسلم، مسند بزار، معجم ابن قانع، مسند ابو حنیفہ۔

ان کتابوں کی احادیث شہرت اور قبولیت میں مثل طبقہ اولیٰ اور دوم کے نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے ائمہ مصنفین نے ان احادیث کی صحت کا التزام نہیں کیا۔ اس لیے زیادہ دارومدار کتب طبقہ اولیٰ اور دوم پر ہے۔

تیسرے طبقہ کی احادیث سے وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو صحیح اور ضعیف، سچی اور جھوٹی روایت میں امتیاز کر سکیں اور اس فن کی مہارت رکھتے ہوں۔ ہاں بعض کتابیں ان میں سے بعض کتابوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔ مثلاً سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، صحیح ابن حبان مقدم اور معتبر ہیں۔

طبقہ چہارم : تصانیف دیلمی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف ابوشیخ، تصانیف ابونعیم، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابن نجار، تصانیف جوزقانی، کتاب الضعفاء لابن حبان، تصانیف حاکم، کتاب الکامل لابن عدی، کتاب الضعفاء للعقیلی، تصانیف لابن شاہین، تفسیر ابن جریر، مواہب لدنیہ، تاریخ طبری، خصائص کبریٰ، دلائل نبوت، روضتہ الاحباب، مدارج النبوت، نزہتہ المجالس، سیرت حلبیہ، مسامرۃ الاخبار، طبقات کبریٰ واقدی، دلائل ابونعیم، شرح اربعین، شواہد نبوت، زرقانی شرح مواہب، تاریخ خمیس، ابن خلکان، ابن خلدون، معارج النبوت وغیرہ۔ یہ کتابیں علی الاطلاق قابل اعتماد، لائق حجت اور سزاوار عمل نہیں بلکہ ان کے لیے کتب صحاح ستہ اصول اور کسوٹی ہیں۔

اہل بدعت کا گروہ اپنی بدعات مروجہ و رسومات اختراعیہ پر ان ہی کتابوں کی روایات سے استدلال کرتا ہے جو سراسر قاصر ہے۔

تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ صحاح ستہ پر دارومدار عقیدہ و عمل کا رکھیں۔ یہ کتابیں مشہور اور متداول ہیں اور ان پر اہل علم کا تعامل و تدارس چلا آیا ہے۔ ان کے حسب مرتبہ اسی ترتیب سے یہ ہیں۔ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ترمذی (۴) ابوداؤد (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ)

موطا امام مالک کی احادیث مرفوعہ صحیحین میں مدغم ہو چکی ہیں۔ اس لیے وہ ان کے ساتھ شمار نہیں ہے ورنہ اس کا درجہ بھی یہی ہے۔

اگر صراط مستقیم پر چلنا ہو تو ان کتابوں پر دارومدار عقیدہ و عمل کا رکھیں۔ کیونکہ اہل حق کے نزدیک یہی کتابیں منتہائے بحث ہیں۔

کتب حدیث کتب فقہ پر مقدم ہیں : "فرقہ ناجیہ کی پہچان" شریعت دراصل خطابات شارع کا نام ہے۔ اقوال غیر اور آراء رجال کا نام شریعت نہیں ہے۔ چنانچہ کتب اصول میں ہے۔ "الشریعة مالا تدرک لولا خطاب الشارع۔" (توضیح تلویح ص-۲۱)

"شریعت وہ چیز ہے جو شارع کے بتلائے بغیر نہ جانی جا سکے۔"

شریعت مقرر کرنا اللہ اور رسول کا کام ہے جو دوسرا کوئی شریعت بنائے وہ اللہ کا شریک بنتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے : "ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به اللّٰه" (شوریٰ) "یعنی کیا لوگوں نے ایسے شریک مقرر کر رکھے ہیں جو ان کے لیے ایسی شریعت بنائیں جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔"

جب یہ امر مسلم ہے کہ شریعت خطاب شارع کا نام ہے تو اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ خطابات شارع کہاں اور کن کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ سو کچھ شک نہیں کہ خطاب شارع قرآن و حدیث ہے جو ابتداء اسلام سے اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔ اسی کی تابعداری تمام امت محمدیہ پر فرض ہے۔ علاوہ اس کے تیسری چیز کو شریعت قرار نہیں دیا جا سکتا جو ان کے علاوہ کسی چیز کو شریعت بنائے گا وہ مشرک قرار دیا جائے گا۔

قرآن مجید وحی جلی ہے جو کتاب اللہ کے نام سے اہل اسلام کے پاس موجود ہے اور حدیث وحی خفی ہے جو کتب حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے۔ پس جملہ اہل اسلام پر یہ فرض ہے کہ قرآن مجید اور کتب حدیث صحاح ستہ کو پڑھیں اور سنیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ ان میں شریعت الٰہی پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کے مسلم ہونے سے تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ کتب حدیث کا کتب شریعت ہونا بھی اہل حق کے نزدیک مسلم ہے۔

چنانچہ علامہ طحطاوی شرح درمختار ص-۱۵۳ میں فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے :

"اگر تو یہ کہے کہ مجھے کیسے معلوم ہو کہ تو صراط مستقیم پر قائم ہے۔ یہاں تو ہر فرقہ مدعی ہے کہ میں سیدھے راستہ پر قائم ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دعویٰ سے ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ علماء ماہرین فن اور اہلحدیث علماء کی نقل سے ثابت ہو گی اور اہل حدیث وہ ہیں کہ جنہوں نے صحیح احادیث جمع کیں جو رسول اللہ ﷺ کے امور میں آئی ہیں اور آپ کے اقوال و افعال اور آپ کی نشست و برخواست میں وارد ہیں اور صحابہ مہاجرین و انصار اور تابعین کے متعلق آئی ہیں۔ جن کو امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ دین نے جو

بھروسہ کے لائق مشہور محدثین ہیں' اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ جن کی صحت پر اہل مشرق اور مغرب نے اتفاق کر لیا ہے اور ان کو صحیح مان لیا ہے۔ اب بعد نقل کے ملاحظہ کیا جائے کہ کون فرقہ ان کے طریقہ اور نقش قدم پر چلتا ہے اور اصول و فروع میں کون ان کے راستہ پر ہے۔ پس یہ بات دیکھ کر حکم لگایا جائے گا کہ یہ فرقہ صراط مستقیم پر ہے اور گروہ حقہ میں شامل ہے۔ یہ حق و باطل کا معیار ہے۔

"مجمع البحار" میں بھی اسی طرح ہے کہ اگر تو یہ کہے کہ تجھے پختگی سے کس طرح معلوم ہوا کہ تو صراط مستقیم پر ہے کیونکہ ہر فرقہ اس کا مدعی ہے تو میں کہوں گا کہ یہ ثقہ محدثین کی نقل سے ثابت ہو گا۔ جنہوں نے اپنی کتب صحاح میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے جملہ امور اقوال و افعال کے متعلق احادیث کو جمع کیا ہے۔

جیسے کتب صحاح ستہ ہیں کہ ان کی صحت پر اہل شرق اور اہل غرب نے اتفاق کیا ہے اور ان کتابوں کے شراح خطابی' بغوی' نووی وغیرہ نے بھی اتفاق کیا ہے تو اب بغور ملاحظہ کیا جائے کہ کون ان کے طریقہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور کون ان کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ جو اس طرح ہو گا وہی صراط مستقیم پر قائم ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرقہ ناجیہ وہ گروہ ہے جو شریعت الٰہی کا پابند ہے اور شریعت الٰہی قرآن اور کتب حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے۔ پس نتیجہ صاف ہے کہ فرقہ ناجیہ وہ گروہ ہے جو قرآن اور کتب صحاح ستہ پر عامل ہے۔ کیونکہ قرآن میں کلام الٰہی ہے جس سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا اور کتب صحاح میں رسول اللہ ﷺ کے جملہ امور قولیہ وفعلیہ واستقراریہ اور صحابہ کا تعامل موجود ہے' جو قرآن کی تفسیر ہے۔ اس سے بھی انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے کیونکہ دونوں وحی الٰہی ہیں۔

پس قرآن اور کتب حدیث کا تمام کتب پر مقدم ہونا ثابت ہو گیا اور ان کے مقابلہ میں دوسری کتابوں کو مقدم کرنا جن میں اقوال رجال اور آراء اور قیاسات پاء جاتے ہیں' صریح گمراہی اور سراسر ظلم ہے۔ کیونکہ ان میں عین شریعت الٰہی نہیں ہے ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

کتب فقہ مروجہ میں جو مسائل منقول ہیں وہ ایک مذہب کے اماموں سے منقول ہیں۔

چنانچہ "شامی میں ہے کہ ہمارے حنفیہ کے مسائل کی تین قسمیں ہیں۔ اول مسائل اصول جو امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں ابویوسف' محمد' زفر' حسن بن زیاد وغیرہ سے منقول ہیں۔ دوسرے نوادر ہیں جو انہی حضرات سے ہیں لیکن ظاہر اور صحیح طریق سے نہیں۔ تیسرے واقعات ہیں جن سے وہ مسائل مراد ہیں جو بعد کے متاخرین حنفیہ نے اپنے پہلے اماموں کے اصولی مسائل سے استنباط کئے ہیں۔ اسی طرح شاگرد شاگردان شاگرد پھر ان کے شاگرد اور شاگردان شاگرد نیچے تک شامل ہیں۔

اسی طرح حنفی مذہب کی مملکت کے آزاد حکام اہل رائے فرمانروا اور لاکھوں کروڑوں ہیں جن کے قیاسات کتب فقہ میں پائے جاتے ہیں۔ حنفی رعایا ان سب کی تقلید کرلیتی ہے مگر یہ شریعت نہیں ہے ورنہ اسی طرح حنبلی مذہب کے اماموں کے اقوال و آراء و قیاسات شریعت قرار دینے پڑیں گے۔ پھر اسی طرح شافعی مذہب کے اقوال و افعال شریعت کہے جائیں گے اور اسی طرح مالکی مذہب کے مسائل شریعت الٰہی قرار پائیں گے۔

چاروں مذہب کے مسائل باہم مخالف اور ایک دوسرے کے متضاد ہیں تو چار ہی شریعتیں بن جائیں گی حالانکہ شریعت الٰہی ایک ہے جس میں اختلاف نہیں ہے اور وہ قرآن و حدیث ہے جو سب پر مقدم ہے اور ان پر کسی اور کی شریعت مقدم کرنا کفر ہے۔ نیز یاد رہے کہ کتب فقہ مروجہ میں تین نقص ہیں جو قرآن اور کتب حدیث میں نہیں ہیں۔

اول یہ کہ کتب فقہ مروجہ ائمہ مجتہدین کے بعد تیار کی گئی ہیں اور اس مذہب کے علماء نے بعد میں لکھی ہیں پھر انہوں نے ان مسائل کی اسناد امام ابوحنیفہ وغیرہ اماموں تک نہیں پہنچائی۔ چنانچہ کتب فقہ درسیہ کے مسائل پر ناظرین غور کرلیں کہ کسی کی سند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک نہیں پہنچتی۔ مثلاً ہدایہ' قدوری' کنز' شرح وقایہ وغیرہ کتب فقہ درسیہ ہیں جو امام ابوحنیفہ' ابویوسف' محمد وغیرہ ائمہ کے اقوال درج ہیں۔ ان میں سے کسی کی سند بھی مسلسل امام صاحب تک نہیں پہنچتی۔

اس لئے کتب فقہ کے مسائل ناقابل اعتبار ہیں' برخلاف ان کے کتب حدیث کے مسائل بالاسناد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تک پہنچتے ہیں۔

دوم ان میں بڑا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ قول ہے اور صاحبین کا کچھ ہے اور دیگر فقہاء کا کچھ اور ہے۔ متاخرین کا فتویٰ متقدمین کے خلاف ہے۔

سوم اکثر مسائل کتب فقہ کے قرآن اور حدیث کے خلاف ہیں۔

بنابریں کتب فقہ جس کے اکثر مسائل رائے اور قیاس پر مبنی ہیں' شریعت الٰہی قرار نہیں دیئے جا سکتے اس لیے کتب فقہ کتب حدیث پر مقدم نہیں کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ کتب حدیث کتب فقہ پر مقدم اور ان پر قاضی ہوں گی۔

فن سیرت اور فن حدیث میں فرق: فن سیرت فن حدیث سے علیحدہ چیز ہے۔ اہل سیر اور اہلحدیث دو الگ گروہ ہیں جس میں آنحضور ﷺ کے اخلاق' عادات' فضائل' مناقب' غزوات' جہاد کا تذکرہ ہو' وہ فن سیرت ہے اور جس فن میں عقائد' اعمال' ارکان' فرائض' سنن' احکام حلال و حرام' اخلاق و عادات' جہادو غزوات' عبادات' معاملات وغیرہ کا ذکر ہو اور ہر مسئلہ کو باسناد صاحب شریعت تک پہنچا دیا گیا ہو' وہ فن حدیث ہے۔

فن سیرت کی کتابیں علیحدہ ہیں۔ مثلاً سیرت ابن اسحاق' واقدی' ابن سعد' طبری' سیرت ابن ہشام' سیرت ابن سید الناس' سیرت سیوطی' مواہب لدنیہ' روض الانف' سیرت خلاطی' سیرت گازرونی' سیرت مغلطائی' شرف المصطفیٰ' سیرت ابن عبدالبر' عیون الاثر' سیرت حلبی' زرقانی علی المواہب وغیرہ وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

فن حدیث کی کتابوں کے نام طبقہ وار پہلے لکھے جا چکے ہیں' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ کتب صحاح میں صحیح روایتوں کا التزام ہے۔ ان تمام کتابوں میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا گیا ہو بلکہ ان سب میں رطب و یابس بھرا ہوا ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حافظ زین الدین العراقی فرماتے ہیں[۵]

ولیعلم الطالب ان السیر
تجمع ما صح وما قد انکرا

"یعنی طالب علم کو جان لینا چاہیے کہ فن سیرت میں ہر قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ صحیح بھی اور قابل انکار بھی۔"

چنانچہ سیرت کی کتنی مستند اور مسلم کتاب ہو' اس میں بھی بہت سی روایات ضعیف ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی چیز میں اہل سیر اور محدثین کی روایات کا اختلاف ہو جائے تو روایات کتب حدیث کو ترجیح ہے۔

چنانچہ غزوہ "ذوقرد" کے متعلق اہل سیر اور محدثین کا اختلاف ہے کہ "صلح حدیبیہ" سے پہلے واقع ہوا تھا یا بعد میں اور "خیبر" سے تین دن پہلے؟ اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ غزوہ صلح حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا۔ لیکن محدثین امام بخاری و مسلم وغیرہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوا تھا۔

اب ترجیح صحیح مسلم کی روایت کو ہو گی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں : "فعلی هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوة ذی قرد اصح مما ذکره اهل السیر" "یعنی اس بنا پر صحیح مسلم میں جو غزوہ ذوقرد کی تاریخ مذکور ہے' وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو اہل سیرت نے ذکر کی ہے۔"

الغرض کتب حدیث صحاح ستہ میں جو صحت اسناد ملحوظ ہے' وہ کتب سیرت میں نہیں ہے۔ اس لیے کتب حدیث صحاح تمام سیرت کی کتابوں پر مقدم ہیں۔ روایات کتب حدیث اور کتب سیرت میں اختلاف ہو جائے تو ترجیح روایات حدیث کو ہے۔ چنانچہ کتب سیرت میں واقدی کی تصنیفات مشہور ہیں جن کی بابت امام شافعی کا فرمان ہے : وقد قال الشافعی کتب الواقدی کذب۔ "واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں۔" (موضوعات ملا علی قاری ص-۸۵)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "کتاب التوسل" ص-۱۹۹ میں فرماتے ہیں : کابن السنی وابی نعیم وفی مثل هذه الکتب احادیث کثیرة موضوعة لایجوز الاعتقاد علیها فی الشریعة باتفاق العلماء۔

مثلاً ابن سنی' ابو نعیم اور اس قسم کی کتابوں میں کثرت سے جھوٹی احادیث ہیں جن پر اعتقاد رکھنا جائز نہیں اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ : "کذالک احادیث کثیرة فی مستدرکه یصححها وهی عند ائمة اهل العلم بالحدیث موضوعة۔" "یعنی اسی طرح حاکم کی مستدرک میں بہت سی احادیث ہیں جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک بناوٹی ہیں۔

"مواہب لدنیہ" کے متعلق سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ "مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا بھی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی

موجود ہیں۔" (جلد اول۔ ص)

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتب سیرت پر بحث کرتے ہوئے یہ فیصلہ لکھا ہے کہ "اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں۔ البتہ ان میں سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اتر جائے وہ حجت و استناد کے قابل ہے۔" (جلد ۱' ص ۴۹)

محدثین نے جو اصول قرار دیئے تھے' سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے اکثر نظرانداز کر دیئے۔ (جلد ۱' ص۔۵۳)

محدثین رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت کے متعلق جس قدر روایتیں مذکور ہیں' اکثر منقطع ہیں۔ (تا آخر)

"اسی بنا پر میلاد کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں' ان میں سے اکثر متصل نہیں اور اسی بنا پر دور از کار روایتیں پھیل گئیں۔ (جلد ۱' ص۔۵۳)

نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا ہے اس میں اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا۔ (جلد ۱' ص۔۵۴)

اس تصریح سے بخوبی یہ واضح ہو گیا کہ کتب سیرت مخدوش ہیں۔ وہ کتب حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ کتب حدیث اصل ہیں اور کتب سیرت ان کے تابع ہیں۔ جب ان کا باہم مقابلہ ہو تو کتب حدیث کی روایات کو کتب سیرت کی روایت پر ترجیح ہے۔

فقط والسلام

بندہ احقر العباد عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہل حدیث بابت ماہ رجب شعبان رمضان سنہ ۱۳۷۰ھ

مولانا سیالکوٹی توجہ فرمائیں

جناب مولوی ثناء اللہ صاحب دام ظلکم' السلام علیکم۔

مضمون مندرجہ ذیل اخبار اہلحدیث میں درج فرما کر ممنون فرمائیں۔

جناب مولوی ابراہیم صاحب فاضل سیالکوٹی دام فیضکم' السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ آپ کا ایک مضمون موسومہ "القول المتین" مسئلہ آمین بالجہر کے متعلق شائع ہوا ہے۔ مضمون مبارک ۲۸/ شعبان سے شروع ۶/ رمضان المبارک کے پرچہ میں ختم ہو گیا ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں ماشاء اللہ آپ نے بہت اچھی تحقیق فرمائی ہے۔ خاکسار راقم اہلحدیث ہے۔ آپ سے اس مسئلہ مگر نفس مسئلہ میں متفق ہے لیکن حدیث سفیان جو وائل بن حجر سے مروی ہے' اس میں جو آپ نے تحقیق فرمائی ہے چند جگہ مسامحت سے کام لیا ہے۔ ان جگھوں کو بیان کر کے اپنی تسلی کرانی چاہتا ہوں نہ کہ کم علم ہونے کی وجہ سے تعاقب کرتا ہوں اور نہ میری غرض تعاقب کرنا ہے۔

(ا) آپ نے مضمون کے پہلے حصہ میں جو ۲۸/ شعبان میں طبع ہوا ہے' ترمذی شریف کی پوری عبارت نقل کر کے باتباع محدثین رحمہم اللہ امام بخاری وغیرہ کے شعبہ کی حدیث میں تین غلطیاں بتائی ہیں جو دراصل غلطیاں نہیں ہیں۔ اول یہ کہ شعبہ نے عن حجر ابی العنبس کہا ہے صحیح حجر بن عنبس ہے۔ افسوس اس کو غلطی قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ غلطی نہیں ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حجر راوی جو عنبس کا بیٹا ہے' اس کی دو کنیتیں ہیں۔ ایک ابوالعنبس ہے۔ امام ابن حبان نے ثقات میں یقین سے کہا کہ کنیۃ باسم ابیہ یعنی کنیت اس کی ساتھ نام باپ اس کے کے ہے۔ یعنی اس کی دونوں طور پر کنیت ہے۔ ایک ابوالعنبس' دوسری ابوالسکن جو امام بخاری نے بتائی ہے۔ امام صاحب نے اپنے خیال سے اس کو غلطی قرار دیا ہے' ہم کو تحقیق سے اس کے خلاف معلوم ہو جائے تو تقلید چھوڑ دینی چاہیے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں فرمایا ہے: "لا مانع من وان یکون لہ کنیتان"

"یعنی اس بات کا کوئی مانع نہیں ہے کہ حجر کی دو کنیتیں ہوں۔" سفیان نے اُس طرح بیان کر دیا۔ شعبہ نے اس طرح بیان کر دیا تو دونوں میں کچھ مخالفت نہ ہوئی۔ کتب اسماء الرجال کے دیکھنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک راوی کی دو کنیتیں بھی ہوتی ہیں۔ ایک کے ساتھ زیادہ مشہور ہوتا ہے' ایک کے ساتھ کم۔

حافظ ابن حجر تلخیص الجبیر میں فرماتے ہیں : قال ابن القطان ابن سفیان وشعبة اختلفا ایضًا فی شیئی آخر فالثوری یقول عن حجر عن وائل وشعبة یقول حجر عن علقمة بن وائل عن ابیه قلت لم یقف ابن القطان علی ما رواه مسلم والکجی فی سننه حدثنا عمرو بن رزوق حدثنا شعبة عن سلمة بن کهیل عن حجر عن علقمة بن وائل عن وائل قال وقد سمعه حجر عن وائل عن النبی صلی الله علیه وسلم (فذکر الحدیث) وهکذا رواه ابوداؤد الطیالسی فی مسنده عن شعبة عن سلمة سمعت حجرا ابا العنبس سمعت علقمة عن وائل وسمعه عن وائل (انتهٰی کلام الحافظ)

پس حافظ صاحب کے کلام مبارک سے صاف ثابت ہوا کہ نام اس کا حجر بن عنبس حجر ابو العنبس کو منافی نہیں ہے۔ یعنی حجر کے باپ کا نام بھی عنبس اور بیٹے کا نام بھی عنبس ہے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہے۔ مثلاً مولانا ابراہیم صاحب یا مولانا ثناء اللہ صاحب کے صاحب زادوں سے کوئی صاحب اپنے لڑکوں کے نام باپوں والے نام ابراہیم یا ثناء اللہ رکھ کر ابن ابراہیم اور ابو ابراہیم۔ ابن ثناء اللہ اور ابوثناء اللہ کہلا سکتے ہیں۔ اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ جیسے یہ غلطی نہیں' وہ بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ مجھے امید ہے فاضل محقق میری اس ناقص تحریر پر غور فرما کر مزید تحقیق کر کے تسلی بخش جواب دیں گے۔ نیز خود امام سفیان نے موافقت کی ہے (بیچ ہونے کنیت اس کی کے ساتھ نام باپ اسکے کے) ساتھ شعبہ کے امام دار قطنی نے اپنی سنن میں بیچ حدیث وائل کے جو سفیان کے طریق سے ہے' یوں روایت کیا ہے عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس هو ابن العنبس عن وائل بن حجر' الحدیث۔ ابنو شعبہ کی غلطی نہ رہی۔ فتاٴمل۔

(۲) فاضل محقق نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل فرما کر دوسری غلطی باتباع امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ غلطی قرار دی ہے کہ شعبہ نے "عن علقمة" زیادہ کر دیا ہے اور سفیان کی روایت

میں یہ نہیں ہے۔ پس یہ شعبہ کی غلطی ہے۔ حالانکہ یہ کوئی غلطی نہیں ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ اول یہ کہ شعبہ ثقہ حافظ ہے بالاتفاق اور زیادت ثقہ کی بالاتفاق مقبول ہوتی ہے۔ سفیان اور شعبہ دونوں حافظ ہیں بلکہ شعبہ اعلم بالرجال ہیں اور سفیان فقہ کے عالم ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی صاحب کتاب العلل میں یحییٰ بن سعید کا قول نقل فرماتے ہیں۔ کان شعبة اعلم بالرجال فلان عن فلان وکان سفیان صاحب الابواب' انتھٰی۔ یعنی شعبہ اسناد کے بیان کرنے میں زیادہ عالم ہیں اور سفیان صاحب ابواب ہیں۔ چونکہ نزاع اسناد میں نہیں ہے' اس لئے زیادت ان کی مقبول ہے۔ امام حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں شعبہ کے متعلق سفیان کا قول نقل کیا ہے۔ فرمایا ہے:

کان الثوری یقول ھو امیر المومنین فی الحدیث وھو اول من فتش بالعراق عن الرجال وذب عن السنة۔ انتھٰی۔ "یعنی سفیان کہا کرتا کہ شعبہ تو امیرالمومنین ہے علم حدیث میں اور وہی اول ہے جس نے تفتیش کی عراق میں علم رجال کی اور عیب دور کیا سنت سے۔"

چونکہ نزاع رجال ہی میں ہے' لہٰذا زیادت اس کی مقبول ہو گی' نہ کہ غلطی قرار دے کر متروک۔ جبکہ وہ حافظ عادل ہیں اور امیرالمومنین فی الحدیث ہیں پھر ان کی زیادت کیوں قبول نہیں کی جاتی۔ دوم وجہ یہ ہے کہ علقمہ کی روایات ان کے باپ وائل سے سماعاً کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں اور علقمہ اپنے باپ سے روایت کیا کرتا ہے جس کی دلیل یہ ہے۔ حافظ ابن حجر تہذیب التھذیب میں فرماتے ہیں :

علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی الکندی الکوفی روی عن ابیه والمغیرة ابن شعبة وطارق بن سوید وعنه اخوہ عبدالجبار وابن اخیه سعید۔ الخ۔ "یعنی علقمہ بن وائل روایت کرتا ہے اپنے باپ سے اور مغیرہ سے اور طارق سے اور اس سے روایت کرتا ہے بھائی اس کا عبدالجبار (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علقمہ عبدالجبار سے بڑا ہے) جب ثابت ہوا کہ علقمہ اپنے باپ سے روایت کیا کرتا ہے تو عجب نہیں کہ یہ روایت آمین والی بھی اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہو۔ جیسے کہ شعبہ نے علقمہ کا نام ذکر کیا ہے' سفیان نے نہیں کیا تو اس کی غلطی ہو سکتی ہے نہ کہ شعبہ کی۔ فتدبر۔

(۳) شعبہ کی تیسری غلطی امام بخاری کے قول کی بناء پر یہ بتائی گئی ہے کہ اس نے

"خفص بھا صوتہ" کہا ہے اور صحیح "مدبھا صوتہ" ہے۔ یہ کوئی غلطی نہیں ہے۔ حافظ ابن ابی شیبہ نے سفیان کا جو طریق ذکر کیا ہے' اس میں "خفص بھا صوتہ" ہے۔ اور وہ یہ ہے حدثنا وکیع قال ثنا سفیان عن سلمة بن کھیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا قرا ولا الضآلین فقال آمین وخفص بھا صوتہ۔ اس حدیث پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سفیان کے شاگردوں سے صرف وکیع نے یہ کہا ہے نہ اور کسی نے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وکیع خود حافظ ضابط عادل ہے' اس کا منفرد ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔ فافہم۔ پس سفیان بھی لفظ "خفص بھا صوتہ" کے ذکر کرنے میں شعبہ سے متفق ہوا' پس شعبہ کی کوئی غلطی نہ رہی۔

غرض شذوذ وغیرہ سے یہ روایت شعبہ والی بالکل سالم ہے اور اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ بلکہ دو باتوں خفص بھا صوتہ کے ذکر کرنے اور حجر بن عنبس کی جگہ حجر ابی العنبس کے ذکر کرنے میں سفیان بھی شعبہ سے متفق ہوا ہے۔ کما ثبت۔

رہا علقمہ کا ذکر کرنا سو یہ بھی کوئی غلطی نہیں ہے کیونکہ علقمہ کا سماع باپ سے ثابت ہے اور شعبہ کا علقمہ کو ذکر کرنا بالکل معتبر ہے۔ کیونکہ شعبہ بالاتفاق ثقہ راوی ہے اور اعلم بالرجال ہے۔

پرچہ دوم میں آپ نے سفیان کے متعلق کوئی قابل ترجیح ثبوت پیش نہیں کیا۔ جو کیا ہے' وہ خصم کی پیاس نہیں بجھا سکتا اور بیمار کو شفا نہیں دے سکتا۔ کیونکہ سفیان اور شعبہ دونوں ایک جیسے ثقہ ہیں بلکہ شعبہ اعلم بالرجال ہیں اور سفیان صاحب ابواب۔

پرچہ دوم میں آپ نے بہت لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ بحث کرتے ہوئے آپ نے علقمہ کے متعلق چند حوالے اس بارے میں بھی پیش کئے ہیں کہ علقمہ کو اپنے باپ سے سماع نہیں ہے۔ اکثر علماء اہلحدیث نے اپنے تحریری مضامین اور تقریروں میں یہ بیان کیا ہے کہ علقمہ کو ان کے باپ سے سماع نہیں ہے۔ مگر افسوس اہلحدیث علماء نے اہل حدیث ہو کر اس امر کی کماحقہ تحقیق نہیں کی۔ فاضل سیالکوٹی پر مجھے امید ہوئی تھی مگر افسوس وہ بھی تحقیق میں غلطی کر گئے یا مذہبی لحاظ رکھ گئے ہیں۔ غور سے سننا چاہیے کہ وائل کے دو لڑکے ہیں۔ ایک علقمہ' دوسرا عبدالجبار۔ علقمہ بڑا ہے اور عبدالجبار چھوٹا ہے۔ علقمہ کو تو اپنے باپ سے سماع ہے' عبدالجبار کو نہیں ہے۔

امام ترمذی صاحب اپنی جامع باب المراۃ اذا ستکرھت علی الزنا میں دو حدیث لائے ہیں- ایک عبدالجبار سے جس کے بعد لکھتے ہیں : لیس اسنادہ بمتصل (الی ان) قال سمعت محمد بن اسماعیل یقول عبدالجبار بن وائل لم یسمع من ابیہ ولا ادرکہ یقال انہ ولد بعد وفاۃ ابیہ بستۃ اشہر- "یعنی امام ترمذی فرماتے ہیں' میں نے امام بخاری سے سنا' فرماتے تھے عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا اور نہ اس کو پایا ہے کہا گیا ہے کہ وہ چھ ماہ بعد وفات باپ اپنے کے پیدا ہوا ہے-"

پھر امام ترمذی نے علقمہ کی روایت اسی باب میں ذکر کی ہے- اس کے بعد کہا ہے : ھذا حدیث حسن غریب صحیح وعلقمۃ بن وائل بن حجر سمع من ابیہ وھو اکبر من عبدالجبار بن وائل وعبدالجبار لم یسمع من ابیہ- انتھی- "یعنی علقمہ کی حدیث صحیح ہے اور علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے اور وہ عبدالجبار سے بڑا ہے اور عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا-"

شیخ عبدالحق نے حاشیہ اکمال میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں خوب تصریح کی ہے کہ علقمہ کا سماع ثابت ہے اور جس نے نہیں سنا' وہ عبدالجبار ہے- حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں : عبدالجبار بن وائل بن حجر بضم المھملۃ وسکون الجیم ثقۃ لکنہ ارسل عن ابیہ- انتھی- "یعنی عبدالجبار ثقہ ہے مگر اپنے باپ سے مرسل روایت کرتا ہے' متصل نہیں-"

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی اپنی سنن میں باب کیفیۃ خطبۃ الجمعۃ میں فرماتے ہیں ابوعبیدۃ لم یسمع من ابیہ شیئا ولا عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود ولا عبدالجبار بن وائل- انتھی- "یعنی ان تینوں نے اپنے باپوں سے نہیں سنا- پس ان تینوں کی روایات منقطعہ نہ متصلہ-"

امام دارقطنی کا عبدالجبار کی حدیث کو صحیح کہنا بالکل غیر صحیح ہے' قابل تسلیم نہیں- ایسے تو حاکم نے شعبہ کی روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے جو آپ کے نزدیک غالباً قابل تسلیم نہ ہو گا-

یہ تو ہے محدثین کی رائے علقمہ اور عبدالجبار کے سماع کے متعلق- ایک دو حوالے فاضل سیالکوٹی نے دیئے ہیں جو میرے حوالوں کے مخالف ہیں مگر یہاں کثرت محدثین کی ہے اور وہاں قلت- خیر جو محقق صاحب فیصلہ دیں (انصاف سے) وہی ناطق ہو گا- ہاں ہم کو

احادیث جو کتب حدیث میں منقول ہیں' پڑھ کر غور کرنا چاہیے کہ علقمہ لفظ "حدثنا" کے ساتھ روایت کرتا ہے یا عبدالجبار۔ روایت تو دونوں کی اپنے باپ سے ہے لیکن بصیغہ سماع کس کی روایات ہیں؟ یہ ہم کو پڑتال کرنی ضروری ہے۔ امام ابوداؤد اپنی سنن میں باب "رفع الیدین" میں عبدالجبار کی روایت ذکر کرتے ہیں۔ عن عبدالجبار بن وائل انه قال كنت غلاما لا اعقل صلوة ابى فحدثنى وائل بن علقمة عن ابى وائل بن حجر۔ الحديث۔

غرض خود عبدالجبار کی زبان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اپنے باپ سے سماع نہیں ہے۔ اب علقمہ پر غور فرمایئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ رفع الیدین میں علقمہ سے ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں صاف یوں ہے حدثنی ابی الحدیث۔ امام نسائی نے اپنی سنن میں ایک روایت ذکر کی ہے باب رفع الیدین میں اس لفظ کے ساتھ حدثنی ابی الحدیث۔ نیز امام نسائی نے باب العفو میں یہ لفظ ذکر کیا ہے ان اباه حدثه۔ نیز اسی باب میں یوں ہے ان اباه حدثهم۔ امام مسلم اپنی صحیح مسلم میں باب وضع اليد اليمنى على اليسرى ذکر فرماتے ہیں عن عبدالجبار عن علقمة ومولى لهم انهما حدثاه عن ابيه وائل بن حجر۔ الحدیث۔ غرض صاف لفظ حدثنا کے ساتھ علقمہ کی روایات اس کے باپ سے حدیث کی کتابوں میں اکثر موجود ہیں اور ہمارے اہلحدیث علماء پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر غور نہیں کرتے۔ بلا تحقیق سنی سنائی یا کسی ایک آدھے محدث کے قول کو دیکھ کر اڑے رہتے ہیں۔

میں سیالکوٹ کے فاضل محقق سے امید کرتا ہوں کہ میری ان معروضات پر مزید غور فرما کر دوبارہ پھر روشنی ڈال کر میری تشفی کریں گے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ میرے نزدیک سفیان اور شعبہ کی روایات یکساں ہیں کسی کو ترجیح نہیں ہے۔ ہاں میرے نزدیک یوں تطبیق دی جائے تو درست معلوم ہوتی ہے۔ وائل کی حدیث میں مختلف لفظ آتے ہیں۔ رفع بها صوته۔ مدبها صوته۔ خفض بها صوته۔ اول شاذ ہے' دوم سے غرض جہر کی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آواز کا کھینچنا ثابت ہوتا ہے نہ کہ جہر۔ سوم سے اخفاء تامین صاف طور سے ثابت ہے جو کہ طریق شعبہ وغیرہ کا ہے۔ اس کا تشفی بخش جواب دیجئے۔

ایک عالم نے کہا کہ خیر نافع رفع بها صوته ہو یا مد بها صوته ہو یا خفض بها صوته ہو' خواہ کچھ ہو امام کے لیے جو کچھ ثابت ہو رہا ہے وہی ہوتا ہے مقتدی کے لیے

چونکہ صاف طور پر کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور مقتدی کو امام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس دلیل سے کہ مقتدی قرأت خفیہ پڑھتا ہے' خفیہ ہی آمین کہنا اولیٰ ہے۔ نیز چونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں آہستگی ہی اولیٰ ہے۔ فتأمل۔

اور دیگر عرض یہ ہے کہ جیسے "ربنا لک الحمد" کا جہر ایک دفعہ ثابت ہے اور کوئی ہمیشہ نہیں کرتا آمین کا واقعہ بھی ایک ہی دفعہ کا حدیث سے مفہوم ہوتا ہے نہ ہمیشہ۔ سو اس میں احتمال تعلیم کا ہے نہ ہمیشگی جہر کا۔ البتہ ایک روایت جہر آمین کی ٹھیک تھی' کاش کہ وہ صحیح ہوتی تو دعویٰ ہمارا جہر بالآمین کا ثابت رہتا وہ یہ ہے جس میں الفاظ حتی یسمع اهل الصف الاول۔ اور مشابہ اس کے ہیں۔ اس میں راوی بشیر بن رافع ہے جو ضعیف ہے اور ابن عم ابو ہریرہ مجہول ہے۔ بایں وجہ یہ روایت بھی قابل احتجاج نہیں ہے۔

بالآخر عرض یہ ہے کہ مولانا صاحب مزید تفصیل سے اس مسئلہ کو حل فرمائیں۔ والسلام خیر الختام۔

راقم عاجز ابوالحسنات محمد عبدالقادر عفی عنہ گنگا ضلع حصار۔

اہل حدیث امرتسر جلد ۲۱' شمارہ ۳۲-۳۳' مورخہ ۶/ جون و ۱۳/ جون سنہ ۱۹۲۴ء مطابق ۲/ ذیقعد و ۹/ ذیقعد سنہ ۱۳۴۲ھ

جواب تعاقب بر فاضل سیالکوٹی

حضرت مولانا ابراہیم صاحب فاضل سیالکوٹی کے مضمون "القول المتین فی حدیث الجهر والاخفاء بالتامین" مندرجہ اخبار "اہلحدیث" جلد ۲۱' نمبر ۲۳-۲۴ پر مولوی عبدالقادر صاحب نے ضلع حصار سے اخبار "اہلحدیث" جلد ۲۱' نمبر ۳۲-۳۳ میں تعاقب کیا ہے جس کا ابھی تک جناب مولانا فاضل سیالکوٹی کی طرف سے کوئی جواب نہیں شائع ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس سے بھی زیادہ کسی اہم کام میں مشغول ہیں جس سے اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی ہے۔ گو مضمون نگار صاحب نے مولانا ممدوح ہی کو مخاطب بنایا ہے لیکن خاکسار بھی باوجود اپنی بے بضاعتی کے کچھ عرض کرنے کی جرات کرتا ہے۔ اس پر مولانا جو کچھ رقم فرمائیں گے' وہ تو بقول مضمون نگار فیصلہ ناطق ہی ہو گا۔

امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جو تین غلطیاں نکالی

ہیں اور جس پر فاضل سیالکوٹی نے مزید بحث کی ہے' اُس میں مضمون نگار صاحب کو کلام ہے کہ امام ممدوح ہی اس میں غلطی پر ہیں۔

پہلی غلطی حجر کی کنیت کے متعلق ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مضمون نگار صاحب نے امام بخاری پر تو ہاتھ صاف کیا مگر کوئی ثبوت اس بات کا نہ پیش کیا کہ حجر کی دو کنیتیں تھیں۔ ابن حبان کا قول کنیة باسم ابیه سے دو کنیتیں کس طرح ثابت ہوں گی۔ ممکن ہے کہ ابن حبان کو حجر کی کنیت "ابوالسکن" نہ معلوم ہو اور شعبہ والی روایت جس میں حجر ابوالعنبس ہے' دیکھ کر کہا ہو کنیة باسم ابیه۔ پھر آگے چل کر نیل الاوطار کی عبارت آپ نقل کرتے ہیں مگر وہ بھی آپ کے مفید مطلب نہیں کیونکہ کسی کی دو کنیت ہونے سے امام بخاری کو بھی انکار نہیں ہے اور نہ کسی کو انکار ہو سکتا ہے۔ البتہ دو کنیتوں کا ثبوت ہونا ضروری ہے۔ پھر تلخیص الجبیر کی عبارت نقل کر کے جو آپ نے استدلال کیا ہے' وہ بھی مفید نہیں ہے۔ کیونکہ اُس میں بھی شعبہ ہی کی روایت سے حجر ابوالعنبس ہے نہ کسی اور راوی سے۔ اس کے بعد دار قطنی سے بطریق ابوسفیان ایک روایت نقل کر کے آپ فرماتے ہیں اب تو شعبہ کی غلطی نہ رہی۔

جناب من! اول تو آپ نے سنن دار قطنی کی پوری سند نہیں لکھی جس سے شاید اصلی راز کا انکشاف ہوتا۔ دوم یہ کہ امام دار قطنی نے اپنی سنن میں صرف صحیح احادیث کے جمع کرنے کا التزام نہیں کیا ہے۔ سوم یہ کہ ممکن ہے کہ سفیان کے شاگردوں میں سے کسی نے شعبہ کا طریق حجر ابوالعنبس بیان کر کے پھر سفیان کا طریق ظاہر کرنے کو هو ابن العنبس کہا ہو۔ چہارم یہ کہ امام دار قطنی نے اپنی سنن میں سفیان اور شعبہ دونوں کی روایتوں کو جمع کیا ہے اور شعبہ کی روایت کے بعد کہا ہے ویقال انه وهم فیه یعنی شعبہ کو اس میں وہم ہو گیا ہے۔

دوسری غلطی امام بخاری نے شعبہ کی یہ کہی ہے کہ شعبہ نے "عن علقمه" زیادہ کر دیا ہے اور سفیان کی روایت میں یہ نہیں ہے۔ اس میں بھی مضمون نگار صاحب کو کلام ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ سفیان اور شعبہ دونوں حافظ ہیں بلکہ شعبہ اعلم بالرجال ہیں۔ شہادت میں یحییٰ بن سعید کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن یہی یحییٰ بن سعید کا قول جو فاضل سیالکوٹی نے اپنے مضمون میں پیش کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس وقت سفیان اور شعبہ میں اختلاف ہوتا ہے تو میں سفیان ہی کا قول لیتا ہوں۔ اس کو آپ نے نظر انداز کر دیا ہے۔ پھر آپ نے جو سفیان

کا قول نقل کیا ہے اُس کے مقابل میں بھی فاضل سیالکوٹی نے خود شعبہ کا قول نقل کیا ہے۔ بس یہ برابر کا جوڑ ہے۔ اب دیکھئے فاضل سیالکوٹی نے اور بھی چند مزید شہادتیں پیش کی ہیں۔ آجری اور محمد بن صلح کی شہادتیں اور پھر امام المحدثین امام بخاری' ابو زرعہ' امام ترمذی' امام دار قطنی کی شہادتیں۔

مولوی صاحب اب آپ ہی ایمان سے بتلا دیں کہ یہ جملہ آٹھ شہادتیں ایسے ایسے جلیل القدر شاہد کی کیا پیاس بجھانے کو اور بیمار کو شفا دینے کو کافی ہیں؟ بیشک کافی ہیں لیکن جبکہ پیاس صادق ہو اور مرض لاعلاج نہ ہو ورنہ مستسقی از دجلہ گردونہ سیراب باقی رہی۔ یہ بات کہ علقمہ کو اپنے باپ وائل بن حجر سے سماعت ہے یا نہیں؟ اس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سماعت ثابت ہے بعض کے نزدیک نہیں۔ دیکھئے حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں کہتے ہیں الا انہ لم یسمع من ابیہ یعنی علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا ہے۔ اور تہذیب التہذیب کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے۔ اُس سے سماعت ثابت ہوتی۔ کیونکہ اُس میں روی عن ابیہ کا لفظ ہے جو سماعت پر صریح دال نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ سیالکوٹی نے اور کئی ایک ثبوت علقمہ کے اپنے باپ سے عدم سماع پر پیش کئے ہیں۔ اور آپ کا یہ ثابت کرنا کہ علقمہ اپنے بھائی عبدالجبار سے بڑا تھا' سماعت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ علقمہ اپنے بھائی عبدالجبار سے تین یا چار برس بڑا ہو۔ باقی رہی وہ روایتیں جو آپ نے صحیح مسلم' ترمذی' نسائی اور امام بخاری کا رسالہ جزء رفع الیدین سے پیش کی ہیں۔ اُن کے متعلق عرض ہے کہ مسلم کی روایت سے آپ کا مطلب ثابت نہیں ہوتا' کیونکہ اس میں وہی عن ابیہ کا لفظ ہے۔ ترمذی' نسائی جزء رفع الیدین کی روایتوں سے البتہ سماعت پر استدلال ہو سکتا ہے۔ یہ میں قبل ہی عرض کر چکا ہوں کہ علقمہ کا اپنے باپ سے سماعت پر محدثین کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے شعبہ کے عن علقمہ کا لفظ زیادہ کرنے پر جو گرفت کی ہے وہ اُس زمین والی روایت میں' نہ کہ کل روایتوں میں۔ کیونکہ اس روایت میں سوائے شعبہ کے اور کسی نے عن علقمہ زیادہ نہیں کیا ہے۔

تیسری غلطی امام بخاری نے شعبہ کی یہ کہی ہے کہ اس نے خفض بھا صوتہ کہا ہے اور صحیح مدبھا صوتہ ہے۔ اس میں بھی مولوی صاحب کو کلام ہے لیکن کوئی دلیل سوائے ابن ابی شیبہ کی روایت کے جو بطریق سفیان ہے نہ لا سکے۔ اس روایت پر محدثین نے جو

اعتراض کیا ہے اُس کو آپ نے بھی نقل کیا ہے کہ سفیان کے شاگردوں میں سے صرف وکیع اس لفظ خفض بہا صوتہ کے کہنے میں منفرد ہوا ہے- وکیع بیشک ثقہ ہے لیکن ثقاہت اور بات ہے اور بھول چوک اور بات ہے- دیگر یہ کہ وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے (اکمال لصاحب المشکوٰۃ) ممکن ہے اسی اثر سے متاثر ہو کر اپنے ساتھیوں سے منفرد ہو کر خفض بہا صوتہ روایت کر دیا ہو- کیونکہ یہ محدث کی شان نہیں ہے کہ کسی کا مقلد بن کر فتویٰ دیا کرے- اب دیکھئے کہ خود شعبہ کے طریق سے بھی امام بیہقی نے رافعا بہ صوتہ روایت کیا ہے- امام بخاری نے جو شعبہ پر جرح کی ہے' وہ اس وجہ سے نہیں کہ لفظ خفض بہا صوتہ سے آمین بالسر ثابت ہوتی ہے بلکہ صحت لفظ کے اعتبار سے جرح کی ہے ورنہ خفض بہا سے بھی آمین بالجہر ہی کا ثبوت ہے بالسر کا نہیں- کما سیاتی-

مضمون نگار صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ رفع بہا صوتہ شاذ ہے اور مدبہا صوتہ سے غرض نہیں ثابت ہوتی اور خفض بہا صوتہ سے اخفا تامین صاف طور سے ثابت ہے- اس پر میں اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں- اخبار میں طول کی گنجائش نہیں- دوسرے اس پر کافی بحث ہو چکی ہے- سنئے! رفع بہا صوتہ شاذ نہیں بلکہ بہت ہی معروف ہے- سفیان کی روایت جو ابوداؤد میں ہے' اُس میں صاف رفع بہا صوتہ ہے- اور پھر ابوداؤد ہی میں علی بن صالح کی روایت ہے جس میں فجھر بآمین کا لفظ موجود ہے اور خود شعبہ کی روایت میں جس کو بیہقی نے نکالا ہے رافعا بہ صوتہ موجود ہے- اس پر بھی آپ شاذ کہیں تو تعجب ہے- زیادہ نہیں ایک اور شہادت سن لیجئے- سرگروہ علماء حنفیہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم موطا امام محمد کے حاشیہ میں فرماتے ہیں : والانصاف ان الجہر قوی من حیث الدلیل یعنی انصاف کی بات تو یہ ہے کہ آمین بالجہر دلیل کی حیثیت سے قوی ہے- دوسری بات یہ کہ مدبہا صوتہ سے غرض جہر نہیں ثابت ہوتی- اس میں بھی میں ایک حنفی عالم ہی کے قول پر اکتفا کرتا ہوں- شیخ عبدالحق لمعات حاشیہ مشکوٰۃ میں کہتے ہیں مدبہا صوتہ ای بکلمۃ آمین یحتمل الجہر بہا ویحتمل مد الالف علی اللغۃ الفصیح والظاہر ہو الاول بقرینۃ الروایات الاخر ففی بعضہا یرفع بہا صوتہ ہذا صریح فی معنی الجہر- تیسری بات یہ کہ خفض بہا صوتہ سے اخفا تامین صاف طور سے ثابت ہے- اس کے متعلق مولانا سیالکوٹی صاحب نے پرچہ دوم میں کافی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس سے بھی جہر ہی

ثابت ہے۔ چنانچہ ابن الہمام شارح ہدایہ نے بھی یہی شہادت دی ہے کہ رفع وخفض دونوں روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے عدم قرع عنف ہے یعنی خوب کڑک کر آمین نہ کہے۔

آخر میں مولوی صاحب نے دو باتیں اور کہی ہیں۔ اول کے متعلق عرض ہے کہ امام ومقتدی دونوں کے لیے جہر ثابت ہے۔ پہلی دلیل تو مشہور حدیث صلوا کمارایتمونی اصلی ہے۔ پس آپ کے ہر ایک فعل پر تاوقتیکہ آپ کے مخصوصات میں سے نہ ثابت ہو' عمل کرنا ضروری ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ آپ نے فرمایا اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا اٰمین۔ اس پر مزید بحث فتاویٰ نذیریہ میں ملاحظہ کریں۔ تیسری دلیل یہ کہ ابن ماجہ میں عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ما حسدتکم الیھود علی شیئی ما حسدتکم علی اٰمین فاکثروا من قول آمین۔ پس یہودیوں کا حسد آمین بالجہر میں ہو گا یا بالاخفا میں؟ اس کے علاوہ اور بھی دلیلیں ہیں جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

امرِ دوم کے متعلق عرض ہے کہ اس بات کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آمین بالجہر ایک ہی مرتبہ تعلیم کے طور پر کہی تھی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(ابو النعیم عبدالرحیم عفی عنہ از کھریانواں ضلع گیا)

مذاکرۂ علمیہ بابت سماع علقمہ

حضرات اصحاب الحدیث! آپ لوگوں کو واضح ہو سماع علقمہ کی بابت انصاف کے ساتھ تحقیق کرنی ضروری ہے کیونکہ اس میں بعض متقدمین اور متاخرین حدیث کو تساہل ہو گیا ہے۔ پس اخبار اہلحدیث میں اصحاب الحدیث کو نہایت عرقریزی سے منصفانہ تحقیق کرنی چاہیے جو ہمیشہ کے لیے قول فیصل ہو جائے۔ ہمارے بعض احباب سماع علقمہ سے انکاری ہو جاتے ہیں جس سے بہت سی صحیح شدہ احادیث کو نقصان پہنچتا ہے اور بعض قائل ہو جاتے ہیں جس سے پوشیدہ آمین کہنے کی اور تحت السرہ کی حدیث صحیح ثابت ہو جاتی ہے۔

غرض سماع علقمہ کی بابت اہل حدیث بہت زیادہ غور نہیں کرتے جس کی وجہ سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے عاجز نے ایک مضمون بعنوان "مولانا سیالکوٹی توجہ فرمائیں"

اخبار اہلحدیث مورخہ ۶ و ۱۳ جون سنہ ۱۹۲۴ء میں درج کروایا تھا کہ مولانا دامت فیوضہ توجہ فرمائیں گے۔ چنانچہ اس میں بھی ضمناً سماع علقمہ کے متعلق ذکر ہوا تھا جس کا جواب مولانا صاحب کی طرف سے معرض التواء میں پڑا ہوا ہے۔

راقم الحروف جناب مولوی محمد زکریا خان صاحب بھوجپوری کا ممنون ہے جنھوں نے اب اس مسئلہ علمی پر تحریک کی ہے اور سماع علقمہ کے متعلق مستقل مذاکرہ جاری کرایا ہے۔ اس لیے عاجز پھر دوبارہ فاضل سیالکوٹی کو توجہ دلاتا ہے کہ برائے مہربانی اس مذاکرہ سماع پر تحقیق سے روشنی ڈال کر مجھے آتش انتظاری سے راحت یاب فرمائیں کیونکہ اب موقعہ ہے کہ آپ میرے گذشتہ مطالبہ کا فاضلانہ جواب عنایت فرما کر موجودہ مذاکرہ میں بھی حصہ لیں۔ جس سے ہر دو فرض ادا ہو جائیں گے اور میں بھی سمجھ جاؤں گا کہ فاضل صاحب کا جواب بمقتضائے "کل امر مرھون باوقاتہ" اب تک ملتوی رہ کر اس موقعہ خاص میں ظہور پذیر ہوا۔ اگر اب بھی آپ نے توجہ نہ فرمائی تو عاجز اپنے مضمون کو آپ کے نزدیک مقبول شدہ خیال کرے گا کیونکہ خاموشی نیم رضا ہوا کرتی ہے۔ جب آپ دوسری دفعہ جواب کا مطالبہ کرنے پر بھی خاموش رہے تو یہ کامل رضا ہو جائے گی۔

راقم الحروف سماع علقمہ کی بابت اپنی تحقیق مضمون گذشتہ مطبوعہ ماہ جون سنہ ۱۹۲۴ء میں کسی قدر ظاہر کر چکا ہے۔ مزید آج ظاہر کرتا ہے' انصاف سے غور فرمائیں۔

مخفی نہ رہے کہ وائل رضی اللہ عنہ صحابی ہے' اس کے دو لڑکے علقمہ اور عبدالجبار تابعی ہیں۔ ہر دو کو اپنے باپ سے سماع نہیں ہے' صرف ایک کو ہے۔ اب اختلاف اس میں ہے کہ وہ کون ہے؟ علقمہ ہے یا عبدالجبار؟

عبدالجبار تو خود اقراری ہے کہ میں نابالغ لڑکا تھا' اپنے باپ کی نماز بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے :عن عبدالجبار بن وائل انہ قال کنت غلاما لا اعقل صلوۃ ابی۔ انتھٰی (ابوداؤد)

اور یہ بھی ثابت شدہ بات ہے کہ عبدالجبار چھوٹا ہے اور علقمہ اس سے بڑا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے صاف تصریح کی ہے : "علقمۃ بن وائل سمع من ابیہ وھو اکبر من عبدالجبار بن وائل الذی لم یسمع من ابیہ۔ انتھٰی۔

امام ترمذی نے اپنے استاد امام بخاری سے دونوں کا عدم سماع روایت کیا ہے یعنی امام بخاری عبدالجبار کے متعلق بھی فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کی موت کے بعد پیدا ہوا ہے

اور اس نے کچھ نہیں سنا اور علقمہ کی بابت بھی فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کی وفات سے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہے اور کچھ نہیں سنا۔ اب اگر امام بخاری کی اتباع کی جائے تو دونوں کی روایات اپنے باپ سے منقطع ہوں گی جو صحت سے ساقط ہو جائیں گی۔ امام ترمذی نے امام بخاری سے ہر دو کے متعلق حکم سن کر جو فیصلہ کیا ہے وہ درج ہو چکا ہے۔ جب خود امام ترمذی نے امام بخاری کی بات کو نہیں مانا اور صاف سماع علقمہ کے قائل ہوئے ہیں تو ہم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ بلا دلیل اتباع امام بخاری کی کریں۔ پس امام بخاری کی بات عبدالجبار کے متعلق تو تسلیم کی جائے گی لیکن علقمہ کی بابت ان کا سہو مانا جائے گا۔

اسی طرح ابن حجر نے "تقریب" میں عبدالجبار کے متعلق بھی کہہ دیا ہے کہ "ثقة لکنه ارسل عن ابیه" اور علقمہ کی بابت بھی کہہ دیا ہے کہ "صدوق الا انه لم یسمع من ابیه۔" اب حافظ صاحب کی بات عبدالجبار کے متعلق تو صحیح ہے لیکن علقمہ کی بابت ان سے تساہل ہوا۔ کیونکہ خود "تلخیص الحبیر" میں فرماتے ہیں : وهکذا رواه ابوداؤد الطیالسی فی مسنده عن شعبة عن سلمة سمعت حجرا ابا العنبس سمعت علقمه عن وائل وسمعه عن وائل' انتهٰی۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث ابوداؤد طیالسی جس کا حافظ صاحب نے حوالہ دیا ہے' یوں ہے :
قال ابوداؤد الطیالسی حدثنا شعبة قال اخبرنی سلمة بن کهیل قال سمعت حجرا ابا العنبس قال سمعت علقمة من وائل یحدث عن وائل وقد سمعت من وائل انه صلی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قرأ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قال اٰمین خفض بها صوته ووضع یده الیمنی علی یده الیسرٰی وسلم عن یمینه وعن شماله انتهٰی۔

جب علقمہ صدوق اور ثقہ ہے تو اس کا "سمعت" کہنا کذب ہو گا۔ کیونکہ بقول حافظ ابن حجر اس نے اپنے باپ سے سنا نہیں ہے۔ نہ سنی ہوئی بات کو سنی ہوئی کہنا یہ کذب صریح ہے پھر اس کو صدوق کہنا صحیح نہ ہو گا۔ پس ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجر سے بھی تساہل ہو گیا ہے۔

اسی طرح ابن ہمام حنفی نے "فتح القدیر" میں باتباع امام بخاری وغیرہ علقمہ کے عدم سماع پر تصریح کی ہے جو ٹھیک نہیں۔ امام بخاری اور حافظ ابن حجر اگرچہ دنیا کے امام اور نہایت معتبر ہیں اور اسی طرح ابن ہمام حنفی مذہب کے مجتہد ہیں مگر بشر ہیں اور بشر کبھی خطا کرتا ہے

اور کبھی صواب کو پہنچتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اپنے باپ سے سننے والا علقمہ ہے اور نہ سننے والا عبدالجبار ہے۔

اسی طرح تصریح کی ہے ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں، علقمہ کے بڑا ہونے کی اور اپنے باپ سے سننے کی۔ ایک یہ دلیل ہے جو صحیح مسلم میں بایں الفاظ موجود ہے : حدثنا زهير بن حرب قال حدثنا عفان قال ثنا همام قال حدثنا محمد بن حجاذة قال حدثنی عبدالجبار بن وائل عن علقمة بن وائل ومولی لهم انهما حدثاه عن ابیه وائل بن حجر انه رای النبی صلی اللّٰه علیه وسلم رفع یدیه دخل فی الصلٰوة کبر الحدیث۔

اس سند سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالجبار اپنے بھائی علقمہ کا شاگرد ہے اور علقمہ اپنے باپ سے "حدثنا" کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ اب اگر مسلم شریف کی سندیں بھی منقطع ہو گئی ہیں تو اہل حدیث کو صحیح مسلم پر ناز نہ کرنا چاہیے، اس میں بھی ضعیف احادیث ہیں۔

اور سنئے! امام بخاری اپنے رسالہ "رفع یدین" میں ایک اسناد یوں ذکر کرتے ہیں : حدثنا الفضل بن دکین انبأنا قیس بن سلیم العنبری قال سمعت علقمة بن وائل بن حجر حدثنی ابی قال صلیت مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔ الحدیث۔

اس اسناد میں علقمہ نے بصیغہ "حدث" اپنے باپ سے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ کیا کوئی محدث عبدالجبار کی روایت بھی بصیغہ "حدث" دکھا سکتا ہے؟ اگر ہو تو پیش کریں۔

اسی طرح نسائی نے باب رفع یدین اور باب القعود میں "حدث" کے ساتھ تصریح کر دی ہے کہ علقمہ کو اس کے باپ نے حدیث بیان کی ہے۔ یہ صریح سماع کی دلیل ہے۔ اسی طرح امام ترمذی نے عبدالجبار کی حدیث کو منقطع تسلیم کیا اور علقمہ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ اگر محدثین کا علقمہ اور عبدالجبار کے سماع کے متعلق اختلاف ہے تو وہ احادیث کی اسناد پر غور کرنے سے مٹ سکتا ہے کہ کون سا شخص تصریح سماع کی کرتا ہے، جو ثقہ ہو کر تصریح سماع کی کرے گا، اس کا سماع ثابت ہو جائے گا، دوسرے کا نہیں ہو گا۔ چنانچہ علقمہ ثقہ صدوق ہے۔ اس نے اپنے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے حاشیہ "اکمال" میں کہا ہے کہ "علقمہ بن وائل بن حجر کندی حضرمی بھائی عبدالجبار کا تابعی ہے۔ ذکر کیا اس کو ابن حبان نے ثقات میں۔ روایت کرتا ہے اُس سے اُس کا بھائی عبدالجبار اور سلمہ بن کہیل اور عمرو بن مرہ اور عاصم بن

کلیب روایت کیا ہے اس کے واسطے بخاری نے "ادب مفرد" میں اور "رفع یدین" میں اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الامارۃ میں۔ اصول میں نہ متابعات میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں ابواب الاحکام میں اور کہا حسن صحیح۔" انتہی کلامہ مترجماً۔

حافظ ابن حجر "تہذیب التہذیب" میں فرماتے ہیں : علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی الکندی الکوفی روی عن ابیه والمغیرة بن شعبة وطارق بن سوید وعنه اخوه عبدالجبار وابنَ اخیه سعید وعمرو بن مرة وسماک بن حرب وغیرهم ذکره ابن حبان فی الثقات۔ انتہٰی۔

الحاصل علقمہ بڑا ہے اسناد بیان کرنے میں اپنے باپ سے "حدث" کے ساتھ سماع کی تصریح کرتا ہے اور عبدالجبار کا استاد ہے یعنی عبدالجبار اور اس کے پدر وائل کے درمیان علقمہ کا واسطہ آجاتا ہے۔ کسی اسناد میں برعکس معاملہ نہیں پایا گیا ہے۔ کتب حدیث میں اکثر روایات علقمہ کی اپنے باپ سے وارد ہوئی ہیں جن پر اہل حدیث نے صحت کا حکم لگایا ہے۔ پس سماع ثابت ہوا۔

یہاں تو معاملہ اہل حدیثوں کا حنفیوں کی طرح ہو گیا ہے۔ حنفی لوگ بھی محمد بن اسحاق کو ضعیف اور مدلس کہتے ہیں اور خود کئی ایک مسائل میں اس کی احادیث سے استدلال پکڑتے ہیں۔ اسی طرح اہلحدیث علقمہ کی عدم سماع کی تصریح کر کے خود ہی دیگر احادیث جن میں "علقمہ عن وائل" ہے، استدلال کرتے ہیں۔ جملہ اہل علم کو غور بالفور کرنا چاہیے کہ دونوں بھائیوں کو سماع نہیں ہے یا دونوں کو ہے یا دونوں میں سے ایک کو ہے اور ہے تو کس کو ہے؟ علقمہ کو یا عبدالجبار کو؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ والسلام خیر الختام۔

ابوعبدالشکور عبدالقادر عارف حصاری

اخبار اہل حدیث امرتسر جلد۔۲۴، شمارہ ۳۹، مورخہ ۲۹/ جولائی سنہ۔۲۷ء۱۹

ایک اصلاحی تعاقب

پہلی وضعی حدیث

اخبار اہل حدیث مجریہ ۱۵ر دسمبر و یکم جنوری کے پرچوں میں بعنوان "بعض ججوں کی قانون اسلام سے ناواقفی" شائع ہوا ہے' جو بہت مدلل اور بہت خوب ہے۔
صاحب مضمون فتنہ انکار حدیث کے معرکہ میں جو تقریراً و تحریراً جہاد کر رہے ہیں وہ قابل تحسین و مبارک بادی ہے۔ بندہ اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

ثم جزاہ اللہ عنی انجزی
جنات عدن فی السموت العلیٰ

لیکن جہاد کرتے ہوئے مجاہد غازی سے کچھ لغزش ہو جانا بھی ممکن ہے۔ جیسے نماز میں خواہ امام کتنا محدث' فقیہ' عالم فاضل ہو' اس سے سہو کسی وقت ہو ہی جاتا ہے تو حکم یہ ہے کہ مقتدی سہو پر اپنے امام کو بحکم ذکرونی تسبیح کہہ کر لقمہ دے دیں۔ تاکہ وہ اپنی نماز کی اصلاح کر لے۔ اسی طرح تمام اقوال و افعال میں بمقتضائے حدیث المومن مراۃ المؤمن کہ "ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے" تو سب کو ایک دوسرے کی غلطیوں' لغزشوں اور خطاؤں کی اصلاح کا خیال رکھنا چاہیے۔ مجھے مجاہد فاضل غزنوی کے مضمون میں دو غلطیوں کا احساس ہوا ہے۔ اس لیے بندہ بطور اصلاح کچھ عرض کرتا ہے۔ امید ہے کہ فاضل محترم ان کی اصلاح فرمائیں گے۔

اول غلطی ⇦ یہ ہے کہ جناب جسٹس شفیع صاحب نے یہ لکھا تھا کہ "خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جھوٹی احادیث بنائی گئیں۔"

حضرت فاضل غزنوی ان کی تردید فرماتے ہوئے یہ لکھتے ہیں "میں دنیائے انکار حدیث بمع ان جج صاحبان کے جو پرویزیت سے متاثر ہیں' تمام کو چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ایک حدیث ہی پیش کر دیں' جو سید العالم ﷺ کے عہد مبارک میں بنائی گئی ہو' تم قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔"

ہمارے مجاہد فاضل جلال میں آگئے' اس لیے بہت بلند دعویٰ کر دیا کہ ایک حدیث بھی قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔ ججوں کو تو علم حدیث میں مہارت نہیں اور نہ وہ نازک مزاجی سے زیادہ مطالعہ کی تکلیف گوارا ہی کریں گے۔ لیکن منکرین حدیث میں سے کوئی اہل علم شاید جرات کر کے اگر موضوعات کی کتابوں کا مطالعہ کرے تو ممکن ہے وہ ایک روایت تلاش کر کے لے آئے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حد سے بڑھ کر بھی کوئی کلمہ نہ بولنا چاہیے۔ ورنہ مجمع البحرین کے سفر کی طرح انسان کو کسی خواجہ خضر سے ملنے کی تکلیف برداشت کرنے کا خطرہ پیش آجاتا ہے۔ اس لیے بندہ ایک حدیث موضوع کا ذکر کرتا ہے جو عہد نبوی میں بنائی گئی تھی مگر اس حدیث اور واضع حدیث کا اس وقت ہی قانون قدرت نے قلع قمع کر دیا تھا' تاکہ عہد نبوت میں کوئی شخص آئندہ ایسی ناپاک حرکت اور جرم عظیم نہ کر سکے۔

عہد نبوی میں وضع حدیث اور واضع حدیث کی سزا موضوعات ملا علی قاری کے ص-۴'۵ میں یہ واقعہ درج ہے کہ **انہ علیہ السلام بعث رجلا الی حی من آحیاء العرب فلما اتاهم قال امرنی علیہ السلام ان احکم فی نسائکم بما شئت فقالوا سمعا وطاعة لامر رسول اللہ وبعثوا رجلا الیہ (السلام) ان کان عن امرک فسمعا وطاعة وان کان عن غیر ذالک فاحببنا ان نعلمک فغضب علیہ السلام وبعث رجلا من الانصار وقال اذهب فاقتلہ واحرقہ بالنار فانتهیٰ الیہ وقد مات وقبر فامر بہ فنبش ثم احرقہ بالنار ثم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمد فلیتبوا مقعدہ من النار۔**

عبداللہ بن محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں اپنے باپ کے ہمراہ ایک صحابی کے پاس گیا تو اس نے کوئی ایک حدیث بیان کی' میں نے کہا کہ آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے؟ تو وہ یہ سن کر بہت ناراض ہوا' پھر اس نے یہ حدیث سنائی کہ:

(ترجمہ) "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس گیا تو اس نے یہ حدیث بیان کی کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہاری عورتوں میں جو چاہوں فیصلے کروں۔ انہوں نے کہا کہ

آنحضور ﷺ کا یہ حکم سر آنکھوں پر ہے مگر تحقیق ضروری ہے۔ انہوں نے ایک آدمی آنحضور ﷺ کی طرف اس حکم کی تحقیقات کرنے کے لیے بھیجا۔ اس آدمی نے آنحضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچ کر بیان کیا کہ فلاں شخص ہمارے پاس گیا ہے' وہ یہ کہتا ہے کہ ان رسول اللّٰہ امرنی ان احکم فی نسائکم کہ "رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمہاری عورتوں میں جو چاہوں حکم کروں" اگر یہ واقعی فرمان آپ کا ہے تو سر آنکھوں پر منظور ہے اور اگر کسی غیر نے یہ بات بنائی ہے تو ہم آپ کو اس بناوٹ کی اطلاع کرتے ہیں کہ پھر مناسب کارروائی فرما دیں۔ آنحضور ﷺ کو اس اختراعی حکم خلاف شرم و حیا' دیانت و امانت سن کر بہت غصہ آیا۔ آپ نے ایک سپاہی انصاری کو حکم دیا کہ جاؤ وہاں اس امر کی تصدیق کر کے اس کو قتل کر دو اور پھر آگ میں جلا دو۔ جب انصاری سپاہی گیا تو وہ مر کر دفن ہو چکا تھا۔ اس نے حکم دے کر اس کی قبر کو کھلا کر لاش برآمد کرائی اور اس کو آگ سے جلا دیا اور یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولے' وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھ لے۔

یہ واقعہ سنا کر پھر اس صحابی نے کہا کہ اتر انی کذبت علٰی رسول اللّٰہ بعد ھٰذا۔ "کیا تم مجھ پر یہ گمان کر سکتے ہو کہ میں ایسے عبرتناک واقعہ کے بعد آنحضور ﷺ پر کوئی جھوٹی حدیث بیان کر سکتا ہوں' ہرگز نہیں۔"

یہ روایت علامہ علی قاری نے متعدد طرق سے ذکر کی ہے۔ بحوالہ اوسط طبرانی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اور بحوالہ ابن عدی کامل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اور بحوالہ طبرانی عبداللہ بن محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے اور بحوالہ ابن الجوزی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے درج ہے۔ اگرچہ الفاظ میں کمی بیشی ہے' مگر اصل واقعہ کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضور ﷺ کے نام سے اپنے مفید مطلب حدیث بنا لی تھی۔ جس پر عذاب الٰہی نازل ہوا کہ وہ بری موت مرا اور اس کو جلا دیا گیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد عہد نبوی میں کسی کو حدیث نبوی اختراع کرنے کی جرات نہ ہو سکی' بلکہ عہد خلفاء راشدین میں بھی بڑی احتیاط رہی۔ کوئی منکر حدیث اس واقعہ کے بعد عہد نبوی میں موضوع حدیث ثابت نہ کر سکے گا' انشاء اللہ!

دوسری غلطی ⇦ اس کی اصلاح اور سیماہم التحلیق کا مطلب فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں یہ فرمایا ہے کہ "صحابہ نے پھر عرض کیا" ما سیماھم؟ "ان کی پہچان کیا ہوگی؟" فرمایا سیماھم التحلیق "وہ لوگ کلین شیو ہوں گے" یعنی داڑھی مونچھیں سب کچھ چٹ" پھر مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "مسٹر پرویز کو دیکھ لو وہ کلین شیو ہے، داڑھی مونچھیں صاف چٹ ہے۔

مخفی نہ رہے کہ بندہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انکار حدیث نبوی کفر ہے اور منکر حدیث کافر خارج از اسلام ہے لیکن احادیث سیماھم التحلیق کا مصداق فرقہ خارجی ہے مگر یہاں یہ بحث میرے مقصود سے باہر ہے۔ یہاں میرا مقصد یہ ہے کہ سیماھم التحلیق کا ترجمہ داڑھی مونچھ صفا چٹ کرنا غلط ہے اور اس سے یہ مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا ترجمہ صحیح یہ ہے کہ علامت ان کی سر منڈانا ہے۔ یہی محدثین نے مراد لیا ہے۔ فتح الباری وغیرہ ملاحظہ ہو۔

داڑھی مونچھ کا منڈا ہوا ہونا اس گمراہ فرقہ کی علامت قرار نہیں دیا گیا ہے۔ سر منڈانا قرار دیا گیا ہے۔ لفظ تحلیق کا لغوی معنی بھی اچھی طرح سر منڈانا ہے۔ اس لیے بعض احادیث میں صرف لفظ تحلیق وارد ہے اور بعض میں سر کی تصریح آگئی ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے وفی روایته عاصم بن سمح عن ابی سعید فقام رجل فقال یانبی اللّٰہ ھل فی ھولاء القوم علامة قال یحلقون رؤسھم یعنی "اس قوم کی علامت سر منڈانا ہے۔" سہل بن حنیف کی روایت میں محلقة رؤسھم وارد ہے۔ (مسلم)

پھر اس فرقہ کا بانی اول جس نے اتق اللّٰہ یامحمد (اے محمد اللہ سے ڈر) گستاخانہ طریق سے کہا تھا' اس کا حلیہ ابوداؤد باب قتل الخوارج میں یہ درج ہے کہ کث اللحیة محلوق یعنی "اس گستاخ کی داڑھی گھنی بھاری تھی اور سر منڈا ہوا تھا" پھر یہی علامت اس کے مقلدین کی درج ہے۔ "سیماھم التحلیق" جس کی تفسیر محدثین نے یہ کی ہے "والمراد بالتحلیق حلق الراس یعنی "تحلیق سے مراد سر منڈانا ہے" پس تحلیق کا معنی مونچھ داڑھی صفا چٹ کرنا لفظ حدیث کی معنوی تحریف ہے جس سے ہمارے مجاہد کو بچنا چاہیے۔ متعصبانہ جلال ٹھیک نہیں ہے۔ نیز اس

سے ان اہل حدیث حضرات کو بھی عبرت حاصل کرنی چاہیے جو ہمیشہ سر منڈائے رکھتے ہیں کہ سوائے حج کے سر منڈا کر رکھنا علامت خوارج کی ہے۔ ہاں نابالغ کا سر منڈانا درست ہے مگر بالغ کے لیے سنت یہ ہے کہ سر پر بال رکھے۔ اگر کسی وجہ سے ضرورت ہو تو سر کے بال کٹا سکتا ہے۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قصر راس ثابت ہے۔ حلق راس نہیں کہ یہ ان کے فریق مخالف خوارج کی علامت تھی۔ خوارج کے بعض ظاہری طور پر اچھے کام بھی روایات میں ہیں مگر ان کو خاص علامت قرار نہیں دیا گیا۔ سائل نے خاص علامت کا علیحدہ سوال کیا تو اس کو یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی علامت سر منڈانا ہے۔ یہ علامت دیکھ کر ان کو قتل کر دینا۔ لہٰذا اہل سنت کو سنت نبوی کے مطابق بال رکھانے پر عمل کر کے اس علامت خوارج سے بچنا چاہیے۔ ورنہ خوارج کا قتل کسی موقعہ پر شروع ہوا تو یہ اہل سنت اور اہل حدیث جو سر منڈے ہیں، خواہ مخواہ اس علامت کی وجہ سے مارے جائیں گے کہ حدیث میں ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم، فتفکروا یا اولی الالباب۔**

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۰، شمارہ ۳ مورخہ یکم فروری سنہ ۱۹۶۲ء

امام طحاوی کا مسلک

چند مسائل کی صراحت

سوال نمبر ۱ امام طحاوی مشہور ائمہ سے ہیں، ان کا مشرب کیا تھا؟

جواب نمبر ۱ تراجم حنفیہ میں ان کو حنفی قرار دیا گیا ہے۔ میں نے ان کی مشہور کتاب "شرح معانی الاثار" کا خوب مطالعہ کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حنفی المذہب تھے۔ اختلافی مسائل پر وہ دلائل سے بحث کر کے پھر حنفی مذہب کو ترجیح دے کر یہ فرما دیتے ہیں **"وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد بن الحسن رحمھم اللہ تعالٰی"**

مولانا وصی احمد سورتی حنفی ان کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: **کان اماما فقیھا من**

الحنفیین ولد سنة تسع وعشرین و مئتین ومات سنة احدی وعشرین وثلاث مائة
یعنی طحاوی امام اور فقیہ حنفی المذہب تھے جو سنہ-۲۲۹ھ میں پیدا ہو کر سنہ-۳۲۱ھ میں وفات پا گئے تھے-

سوال نمبر-۲ میں نے پہلے بھی امام طحاوی کی بڑی تعریف سنی ہے- حنفی مذہب کو انہوں نے بڑی تحقیق کے بعد قبول کیا ہے لیکن قدیم بزرگان مذاہب کے مذہبی معیار اور اصول کچھ اور تھے جن کے ذریعہ سے ہر بزرگ کا مسلک معلوم کیا جا سکتا تھا' آج کل کے علماء کا کچھ اور ہے- اب تو سب سے پہلے یہ عقیدہ دریافت کیا جاتا ہے کہ تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بشر کہتے ہو یا نور؟ اگر بشر کہتے ہو تو جنس بشریت میں بمثل دیگر بشروں کے تھے یا بے مثل بشر' یا ظاہر میں بشر اور حقیقت میں نور تھے؟ اور کیا آنجناب ﷺ عالم الغیب تھے؟

اگر جواب میں نور کہہ دیا اور بشریت سے انکار کیا تو وہ حنفی ہے' اور اگر عالم الغیب بھی کہہ دیا تو بس وہ پختہ اصل حنفی سنی ہے' اور اگر بشر کہہ دیا اور حضور ﷺ کو عالم الغیب نہ کہا تو وہ غیر مقلد لا مذہب پکا وہابی ہے جو اسلام سے خارج ہے- اس اعتقادی معیار کی رو سے سوال یہ ہے کہ امام طحاوی کیا مذہب رکھتے تھے؟ اگر وہابی تھے تو پھر آج کے مدعیان حنفیت کو ان کی کتابوں سے استفاضہ نہ کرنا چاہیے- لہٰذا معتبر حوالہ جات سے ان کا مسلک بیان کریں-

جواب نمبر-۲ متقدمین ائمہ میں بشر اور نور کا جھگڑا اس لیے نہ تھا کہ جملہ رسل و انبیاء بشر ہیں- بعد میں اہل بدعت کا ایک فرقہ غالیہ پیدا ہوا' جس نے یہ عقیدہ اختراع کیا کہ انبیاء بشر نہیں اور وہ عالم الغیب ہیں- خصوصاً امام الانبیاء ﷺ مکی مدنی جسمانی نور من نور اللہ عالم الغیب ہیں' بشر نہیں ہیں- یہ عقیدہ سراسر باطل ہے اور ایجاد بندہ ہے- امام طحاوی حنفی کا یہ عقیدہ بالکل نہ تھا- وہ بشریت میں رسول اللہ ﷺ کو کسائر الناس جانتے تھے اور عالم الغیب نہ کہتے تھے- چنانچہ شرح معانی الاثار ج-۲' ص-۱۷ میں یہ ذکر ہے کہ حاملہ عورت سے وطی کرنی جائز ہے یا نہیں- ایک روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے کہ **لا تقتلوا اولادکم سرا** یعنی "پوشیدہ طور پر اپنی اولاد کو قتل نہ کرو" یعنی حاملہ سے وطی نہ کرو- یہ اسوار کو گھوڑے سے گرانا ہے- پھر آپ

نے عزل کرنے اور حاملہ سے وطی کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا لو ضر احدا لضر فارس والروم یعنی "اگر یہ کام ضرر کرتا تو فارس اور روم کے لوگوں کو بھی ضرر کرتا کیونکہ وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔" اس تعارض میں یوں تطبیق دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے جو ممانعت کی تھی وہ بذریعہ وحی الٰہی نہ تھی۔

وعنه علی طریق ما وقع فی قلبه صلی اللّٰه علیه وسلم منه شیئی فامر به علی الشفقة منه علی امته لا غیر ذالک یعنی "آنحضور ﷺ نے امت پر شفقت فرماتے ہوئے اپنے خیال سے منع فرمایا تھا اور کوئی وجہ نہ تھی پھر فارس روم کے احوال سے تجربہ کیا تو ضرر محسوس نہ ہوا پھر اجازت دے دی" کما قد کان امر فی ترک تابیر النخل "جیسے کھجوروں کے درخت پیوند کرنے میں آپ کا منع کرنا اور اجازت دینا" اسی تخیل سے ہے جس پر آپ نے یہ فرمایا۔

انما هو ظن ظننت ان کان یغنی شیئا فلیصنعوه فانما انا بشر مثلکم وانما ظن ظننته والظن یخطی ویصیب ولکن ما قلت لکم قال اللّٰه فلن اکذب علی اللّٰه یعنی "میں نے تم کو کھجوریں پیوند کرتے دیکھ کر ایک اٹکل اور گمان کیا تھا' اگر نر کھجور کو مادی کھجور سے پیوند کرنے میں تم کو فائدہ معلوم ہوتا ہے تو تم کر لیا کرو' میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں' جس طرح تم کسی کام کا اندازہ اور اٹکل لگاتے ہو' میں بھی لگاتا ہوں۔ اس اصول بشری سے میرا ظن کبھی خطا ہوتا ہے اور کبھی صواب۔ لیکن یہ حالت بشری کی کیفیت ہے' باقی رہا بہ حیثیت رسالت کے کسی چیز کا حکم کرنا اور کسی چیز سے منع کرنا' وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ میں کبھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ بولوں گا۔"

اس حدیث پر امام طحاوی فرماتے ہیں فاخبر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی هذا الحدیث ان ما قاله من جمعة الظن فهو فیه کسائر الناس فی ظنونهم یعنی "اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ خبر دے دی ہے کہ من جمعة الظن میں جو کچھ کہوں گا اس میں' میں دیگر انسانوں کی طرح ہوں گا جس طرح ان کے قیاسات میں غلطی کا امکان ہے میری رائے میں بھی ہے' وطی حوامل اور پیوند کھجوروں سے روکنا محض میری طرف سے تھا جو غلط ہوا' اللہ کی طرف سے نہ تھا' ورنہ غلط نہ ہوتا۔

لوکان من قبل اللّٰہ لکان یقف علی الحقیقۃ ذلک ولکنہ من قبل ظنہ الذی قد وقف بعدہ علی ان مافی الحقیقۃ عما نہی عنہ الخ' یعنی "اگر یہ امرونہی منجانب اللہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ حقیقت کام سے واقف تھا لیکن وہ میری اٹکل تھی۔ میں اس منع کردہ کام کی حقیقت سے بعد میں تجربہ سے واقف ہوا۔ث اس تصریح سے صاف نمایاں ہے کہ امام طحاوی نبی اکرم ﷺ کو بشر خیال کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضور ﷺ عالم الغیب نہ تھے بلکہ آنحضرت ﷺ دیگر بشروں کی طرح اپنے اندر بشری خواص رکھتے تھے اور آپ کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک بشریت کی' دوم رسالت کی۔ دونوں کی حقیقت اور کیفیت جدا جدا ہے۔ **بشر مثلکم** پہلی حیثیت سے فرمایا گیا ہے اور اس کو آپ نے ظن غلط ہونے اور نماز میں نسیان ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ اگر آپ بشر نہ ہوں اور یہ لفظ محض تواضعا" آپ نے فرمایا ہو تو پھر ظن خطا اور نماز میں نسیان کا سبب یہ جملہ **بشر مثلکم** نہیں بن سکتا اور کلام سیاق سباق کے مطابق نہیں رہتا۔ بلکہ غیر متعلق اور فضول ہو جاتا ہے۔

نور الانوار ص۔۲۱۴ میں آنحضور ﷺ کی خطا فی الاجتہاد کو تسلیم کیا گیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ **وان کان اخطاء فی الرائی ینزل الوحی للتنبیہ علی الخطاء** یعنی "اگر آنحضرت ﷺ اجتہاد میں خطا کرتے تھے تو وحی الٰہی اس خطا پر آپ کو خبردار کر دیتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مذہب حنفی میں آنحضور ﷺ کی بشریت اور اس کے عوارض اور عالم الغیب نہ ہونا مسلم ہے اور جن کا عقیدہ نہیں ہے وہ حنفی نہیں ہیں۔

سوال نمبر۔۳ بعض مولوی یہ کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں آپ کو غیب کلی نہیں دیا گیا تھا۔ آخر اسلام میں دیا گیا تھا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو کیا اس کی کوئی تاریخ معلوم ہے' اگر صحیح نہیں تو دلیل کیا ہے؟

جواب نمبر۔۳ ان لوگوں کی زبان ایک نہیں ہے' ان کے اقوال اور عقائد بڑے متضاد ہیں۔ بعض تو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی حرام کہتے ہیں' بعض لاہوری' سجدہ تعظیمی مشروع اور مستحب جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالاجماع حرام ہے۔ اسی طرح بعض تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ روز ازل سے جبکہ اللہ کے نور سے پیدا ہو کر نبی بنائے گئے عالم الغیب ہو گئے تھے' پھر تمام کائنات آپ سے اور آپ کے سامنے پیدا کی گئی

تھی۔ آپ ہر جگہ حاضر ناظر تھے۔ آپ کو ہر چیز کا علم ہے اور بعض اس کے معارض نصوص کو مد نظر رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ آپ کو ابتداء میں علم غیب کلی حاصل نہ تھا۔ آخر اسلام میں پورا پورا علم دیا گیا۔ مگر تاریخ بتانے سے عاجز ہیں۔ امام طحاوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام صحابی سے شرح معانی الاثار ج-۲' ص-۵۳ میں مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اریت لیلة القدر ثم ایقظنی بعض اھلی فنسیتھا فالتمسوھا فی العشر الغوابر یعنی "مجھے خواب میں شب قدر بعینہا دکھائی گئی تھی کہ فلاں رات ہے' پھر مجھے میری بعض بیویوں نے بیدار کر دیا' پس میں وہ رات بھول گیا ہوں۔ اب تم لوگ آخری عشرہ میں اس کی تلاش کرو۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر اسلام میں بھی غیب کلی کے عالم نہ ہوئے تھے اور آپ پر عوارض بشریہ برابر آتے رہے۔ اسی طرح نماز میں بھول جانے کے بھی کئی واقعات ہیں۔

سوال نمبر-۴ عام حنفیہ کہتے ہیں کہ رمضان کی ستائیسویں رات کو لیلتہ القدر ہے' کیا ان کے مذہب میں یہ ٹھیک ہے؟

جواب نمبر-۴ یہ بالکل غلط ہے۔ امام طحاوی نے شرح معانی الاثار میں اس رات کے بارے میں مختلف اور متضاد روایات کا ذکر کر کے اس رات کو ایسا مشتبہ کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کے اول یا وسط یا آخر میں یہ کہہ دے اپنی بیوی کو کہ **انت طالق فی لیلة القدر** یعنی "شب قدر میں تجھ پر طلاق ہے" تو اس رمضان میں طلاق نہ پڑے گی جب تک آئندہ سال کا تمام رمضان نہ گذر جائے گا۔ (ج-۲' ص-۵۵)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں **فلا اشکل ذلک لم احکم بوقوع الطلاق الا بعد علمی بوقوعه ولا اعلم ذلک الا بعد مضی شھر رمضان الذی ھو فیه وشھر رمضان الجائی بعده فھذا مذھب ابی حنیفة فی ھذا الباب** یعنی "لیلتہ القدر کا علم حاصل کرنا مشکل ہوا' تو میں بغیر علم کے وقوع طلاق کا حکم نہیں لگا سکتا مگر رمضان حاضرہ اور رمضان آئندہ کے گذر جانے پر یقینی علم ہو سکے گا' پھر اس وقت طلاق وارد ہونے کا حکم لگایا جا سکے گا۔" امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے' اب اگر یہ لوگ ستائیسویں رمضان

پر قبضہ کر کے ختم کے کھانے کھاتے رہیں تو ان کی مرضی ہے۔ مگر وہ مقلد اور حنفی کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔

سوال نمبر۔۵ کیا امام طحاوی نے کوئی ایسی حدیث روایت کی ہے جس میں خود سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میں فلاں چیز کو نہیں جانتا' اگر ایسی روایت آپ پیش کر دیں تو پھر اس بات سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ آپ کو کلی علم غیب نہ تھا۔

جواب نمبر۔۵ اگر ہم اس طرح کی صریح روایت پیش کر دیں گے تب بھی یہ لوگ ایسے ضدی اور متعصب ہیں کہ کبھی نہ مانیں گے۔ چنانچہ قرآن کی زبان سے آنحضور ﷺ کا یہ فرمان واجب الایقان ہے کہ **ولا اعلم الغیب** "میں غیب نہیں جانتا ہوں" پھر بھی انہوں نے تسلیم نہ کیا اور ان میں معنوی تحریف و تاویل کرنے لگے۔ اسی طرح ہی احادیث نبویہ کی تاویل کر لیتے ہیں۔ لیکن حدیث پیش کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام یہ روایت ہے کہ

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال تخیرونی علیٰ موسیٰ فان الناس یصعقون یوم القیامۃ فاکون اول من یفیق فانا موسیٰ علیہ السلام باطش یجانب العرش فلا ادری اصعق فیمن کان صعق فافاق قبلی او کان فیمن استثنی اللّٰہ عزوجل۔ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کا نام لے کر کلی فضیلت نہ دو کیونکہ جزوی فضیلت ان میں بھی مجھ سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن لوگ جب بیہوش ہوں گے تو میں پہلا شخص ہوں گا جس کو ہوش آئے گی۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پائیہ پکڑ کر کھڑے ہوں گے' پس میں یہ نہیں جانتا (یعنی اللہ کی طرف سے مجھے یہ نہیں بتایا گیا) کہ موسیٰ علیہ السلام بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جو بیہوش ہو گئے تھے یا بیہوش ہی نہیں ہوئے اور ان میں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیہوشی سے مستثنیٰ رکھا ہے۔"

اس حدیث میں صاف **لا ادری** وارد ہے کہ میں نہیں جانتا۔ پس دعویٰ کلی علم غیب کا باطل ہے۔ (حدیث مذکور ج۔۲' ص۔۳۸۳ شرح معانی الاثار میں ہے)

اس کے بعد امام طحاوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

بابت تو آپ کو اطلاع دے دی کہ وہ خیرالبریہ ہیں اور بعض کی اطلاع نہیں دی۔ **فوقف فیما لم یطلعه الله عزوجل علیه۔** جس کی آپ کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع نہیں دی' وہاں آپ نے توقف کیا ہے۔ اب آپ فیصلہ کر لیں کہ امام طحاوی کون تھے' والسلام۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

ہفت روزہ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۱' شمارہ ۱۲ بمطابق ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۵۹ء

تعاقب بر مضمون غزنوی

"صحیفہ اہلحدیث" مطبوعہ یکم ربیع الثانی سنہ ۱۳۷۹ھ میں مولانا عبدالغفار صاحب الخیری کے ایک مضمون پر مولانا فضل احمد صاحب غزنوی حیدر آبادی نے تعاقب فرمایا ہے۔ جس کا جواب مولانا الخیری کے ذمہ ہے۔ لیکن جزوی طور پر میرا مولانا موصوف پر تعاقب ہے اور وہ یہ کہ:

مولانا نے جناب نبی کریم ﷺ کی دو حیثیتیں ٹھہرا کر ایک حیثیت واجب الاتباع اور دوسری کو مستحق قرار دیا ہے۔ یہی اصول منکرین حدیث نے لکھ کر آپ کی احادیث اور سنتوں کا انکار کیا ہے۔ آپ ان کی تردید تو ضرور کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کے تاثرات بھی لے رہے ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت میرے دوسرے تعاقب میں ہے جو آپ کی تفسیر بالرائے کی بابت "صحیفہ اہلحدیث" یا کسی اخبار میں شائع ہو گا۔ آپ عالم فاضل ضرور ہیں لیکن عالم فاضل سے بھی خطا ہو جانا ممکن ہے۔ مثلاً:

مقام حدیث حصہ اول کے ص۔ ۹۴ میں ہے: "لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم موطا امام مالک جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرزند دلبند ہیں یعنی ایک صحابی کے لڑکے' جنہوں نے خود اپنے والد ماجد سے لکھی ہوئی احادیث سن کر اپنی موطا میں جمع کی ہیں اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی وہ تو ہوں قابل رد" الخ

یہ سراسر غلط ہے اور آپ کی خطا بینہ ہے۔ کیونکہ امام مالک حضرت انس صحابی رضی اللہ عنہ کے لڑکے نہیں ہیں' کسی اور انس کے لڑکے ہیں۔ چنانچہ آپ کی کتاب سے یہ

ثابت ہے کہ آپ نے امام مالک کی رحلت سنہ-۱۷۹ھ میں لکھی ہے اور پیدائش سنہ-۹۵ھ میں بتائی ہے- (حصہ دوم ص-۱۷۷) اور حضرت انس صحابی رضی اللہ عنہ کی رحلت سنہ-۹۳ھ میں ہے- (حصہ دوم ص-۱۶۸) دونوں میں تفاوت ظاہر ہے-

اسی طرح آپ نے اپنے مضمون میں جو یہ لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی پاجامہ نہیں پہنا' کبھی شلوار نہیں پہنی-" بلکہ نہایت تعلی سے فرمایا کہ "ہرگز نہیں قطعاً نہیں-" یہ دعویٰ نفی باطل ہے ورنہ آپ کسی دلیل قطعی سے یہ نفی ثابت کریں- امام ابن حزم نے "اصول الاحکام" میں یہ لکھا ہے کہ جس طرح کسی چیز کے وجود کا کوئی مدعی ہو تو دلیل اثبات اس کے ذمہ ہے- اسی طرح جو شخص کسی چیز کی نفی کا مدعی ہو تو ثبوت نفی اس کے ذمہ ہے- منکر کے ذمہ تو ثبوت نہیں ہے- نافی کے ذمہ ثبوت ہے- نافی اور منکر کے درمیان فرق ظاہر ہے- **کما لا یخفٰی علٰی اھل الاصول**- اب پاجامہ اور شلوار کا ثبوت ملاحظہ فرمائیے- اگرچہ ثبوت ہمارے ذمہ نہیں لیکن آپ پر تعاقب کرتے ہوئے ہم ثبوت پیش کرتے ہیں-

گر قبول افتد زہے عزو شرف

منتقی بمع نیل الاوطار ج-۲' ص-۱۰۵ میں ہے: **عن ابی امامة قال قلنا یارسول اللّٰه ان اھل الکتاب یتسرولون ولا یاتازرون فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تسر ولوا واتزروا وخالفوا اھل الکتاب رواہ احمد**- یعنی "ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے (صحابہ نے) کہا یارسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں پہنتے- پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شلوار بھی پہنو اور تہبند بھی پہنو- اہل کتاب کا خلاف کرو-" نیل میں ہے کہ یہ حدیث مجمع الزوائد میں ہے- اس کو امام احمد نے روایت کیا-" اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں-

اس قولی حدیث سے سراویل کا پہننا ثابت ہوا اور تہبند باندھنے کا بھی ثبوت ہوا- اور اہل کتاب کے خلاف لباس میں آپ کا اسوہ لینا ثابت ہوا- اور آپ ہر حال میں رسول تھے' کسی وقت معزول یا رسالت سے خارج نہ تھے- دوسری حدیث یہ ہے: **عن مالک بن عمیر قال بعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم رجل سراول قبل الھجرة** مالک بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پانچہ شلوار کا

فروخت کیا۔ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے آپ کا شلوار خریدنا ثابت ہوا۔ ایک پانچہ خریدا شاید دوسرا پہلے موجود ہو گا۔ بہرحال ایک چیز پہننے کو خریدی جاتی ہے۔ آپ نے اس کو پہنا ہو گا۔ یہ حدیث بھی منتقی بمع نیل کے اسی صفحہ میں ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں اخرجه ایضا ابوداؤد والنسائی۔ منتقی میں ہے رواه احمد وابن ماجة۔ نیز نیل میں ہے رجال اسناده رجال الصحیح۔ یعنی اس حدیث کے راوی بخاری کے راوی ہیں۔ پھر اس کی شاہد یہ حدیث ہے کہ جس کو امام شوکانی فرماتے ہیں۔ رواه الخمسة وصححه الترمذی۔ اس میں سوید بن قیس کہتے ہیں کہ ہم ہجر سے کپڑے مکہ میں لائے' تجارت کے لیے فجاء نا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یمشی فساومنا سراویل فبعناه یعنی ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور شلوار کا بھاؤ چکانے لگے۔ آخر وہ شلوار ہم نے رسول اللہ ﷺ کو فروخت کر دی۔

زاد المعاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ واشتری صلی اللّٰه علیه وسلم سراویل والظاهر انه اشترها لیلبسها وقدوری فی غیرحدیث انه لبس السراویل وکانوا یلبسون السراویلات باذنه۔ یعنی آنحضور ﷺ نے پاجامہ خریدا۔ ظاہر ہے کہ یہ پہننے کے لیے خریدا۔ اور اس حدیث کے علاوہ مروی ہے کہ آپ نے پاجامہ پہنا اور صحابہ نے آپ کے اذن سے پاجامے پہنے۔

میں کہتا ہوں کہ ان روایتوں سے آپ کا پاجامہ خریدنا ثابت ہوا۔ اب اس میں دو احتمال ہیں۔ خود پہننے کو خریدا یا گھر میں مستورات کے لیے۔ دوسرے کے لیے دلیل نہیں ہے۔ پہلے احتمال کو معین کرنے کے لیے یہ حدیث نیل الاوطار ص-۱۰۶' ج-۲ میں درج ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بازار میں گیا۔ ہم ایک بزاز کے پاس جا بیٹھے۔ آپ نے اس سے چار روپے میں ایک پاجامہ خریدا۔ آپ لے کر چلے' آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ اس پاجامہ کو پہنیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اجل فی السفر والحضر واللیل والنهار انی امرت استر فلم اجد شیئا استر منه۔ ہاں میں سفر میں حضر میں دن رات میں ہمیشہ پہنتا ہوں۔ مجھے ستر کا حکم ہے لیکن میں نے پاجامہ سے زیادہ پردہ دار لباس کوئی نہیں دیکھا۔ یہ حدیث گو

سنداً ضعیف ہے مگر سابقہ احتمال متعین کرنے کو کافی ہے۔ پس آپ کو اپنے قول سے رجوع کرنا چاہیے۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہل حدیث جلد۔۶۰، شمارہ۔۱۱ یکم جمادی الثانی سنہ۔۱۳۷۹ھ

کیا محدثین مقلد تھے؟

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بھارت سے شائع ہونے والے ایک دیوبندی مسلک کے ماہنامہ میں مضمون شائع ہوا ہے کہ محدثین مقلد تھے۔ ذیل کا مضمون اسی مسئلہ پر لکھا گیا ہے۔ ناظرین کرام بغور مطالعہ فرمائیں کہ ائمہ محدثین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی بابت یہ کہنا کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کے مقلد تھے، غلط، جھوٹ اور محدثین پر افتراء ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے محدثین کا طرز عمل اپنے رسالہ "انصاف" کے ص۔۲۵ میں بیان فرمایا ہے:

لم یکن عندهم من الرای ان یجمع علی تقلید رجل واحد ممن مضی مع مایرون من الاحادیث والاثار المناقضة لکل مذهب من تلک المذاهب فاخذوا یتتبعون احادیث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم واثار الصحابة والتابعین والمجتهدین علٰی قواعد حکموها فی نفوسهم۔ یعنی اہل حدیث (محدثین) کی یہ رائے نہ ہوئی کہ سابقین میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے۔ کیونکہ انہوں نے بہت سی ایسی احادیث و آثار دیکھے جو ان مذاہب میں سے ہر ایک مذہب کے خلاف تھے۔ پس وہ (محدثین) احادیث رسول اور آثار صحابہ و تابعین و مجتہدین کی تحقیق، ان قواعد کے مطابق کرنے لگے جن کو انہوں نے اپنے دل میں مستحکم کر لیا تھا۔

اس سے واضح ہوا کہ محدثین کرام مقلد نہ تھے بلکہ اہل حدیث تھے۔ انہوں نے یہ طرز عمل اسی واسطے پسند کیا کہ ایک کی تقلید کرنے سے بہت سی احادیث اور اقوال صحابہ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور یہ صورت خلاف حق ہے۔ بس یہی اب اہل حدیث کا

طرز عمل ہے۔

ائمہ صحاح کی بابت رسالہ "انصاف" کے ص-۵۹ پر ہے: **اما البخاری وان کان منتسبا الی الشافعی موافقا لہ فی کثیر من الفقہ فقد خالفہ فی کثیر ولذالک لا یعد ما تفرد بہ من مذھب الشافعی**۔ یعنی امام بخاری اگرچہ امام شافعی کی طرف منسوب ہیں اور فقہ کے بہت سے مسائل میں امام شافعی کے موافق ہیں لیکن اکثر مسائل میں مخالف بھی ہیں۔ اسی واسطے جن مسائل میں امام بخاری منفرد ہوئے ہیں وہ امام شافعی کے مذہب سے شمار نہیں کیے جاتے۔

اور امام شافعی کی طرف منسوب ہونے کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اسی رسالہ کے ص-۵۰ میں یوں بیان فرمائی: **یعنی انتسابہ الی الشافعی انہ جری علی طریقتہ فی الاجتھاد واستقرار الادلۃ وترتیب بعضھا علی بعض وافق اجتھادہ اجتھادہ**۔ یعنی امام شافعی کی طرف امام بخاری کے منسوب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اجتہاد اور دلائل کی تفتیش اور ترتیب میں امام شافعی کے طریق پر چلے ہیں اور ان کا اجتہاد ان کے موافق ہے۔

سو اس طرح اہل حدیث کو بھی کوئی شافعی کہے تو کہہ سکتا ہے لیکن تقلید نہ محدثین سابقین میں تھی اور نہ اب متاخرین میں ہے۔ جن محدثین کو مقلدین حضرات مقلد قرار دے رہے ہیں وہ مجتہد تھے۔ جیسے "انصاف" میں ہے: **اما ابوداؤد والترمذی فھما مجتھدان منتسبان الی احمد واسحاق وکذالک ابن ماجۃ والدارمی فیما نری**۔ یعنی امام ابوداؤد اور ترمذی مجتہد تھے جو امام احمد اور اسحاق کی طرف منسوب ہیں۔ اسی طرح ابن ماجہ اور دارمی ہیں۔

اب مقلدین حضرات انصاف سے بتائیں کہ محدثین کرام مجتہد تھے یا مقلد؟ اور امام اسحاق کی طرف منسوب ہونے والے کوئی اسحاقی مذہب کے لوگ بھی محدثین تھے؟ اگر تھے تو پھر تمہارا یہ حصر کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب نہ تھا باطل ہوا۔

ہاں یہ یاد رہے کہ اس نسبت کی وجہ تقلید نہیں ہے بلکہ توافق ہے۔ چنانچہ "انصاف" کے ص-۵۱ میں صاف لکھا ہے کہ:

المجتھد لا یقلد مجتھد او انما ینسبون الیہ لجریھم علی طریقتہ فی

لاجتهاد واستعمال الاولة وترتیب بعضها علی بعض- یعنی مجتهد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کر سکتا اور وہ لوگ مجتہد کی طرف صرف اس سبب سے منسوب ہوئے ہیں کہ وہ اجتہاد اور دلائل کے استعمال اور ترتیب میں اس مجتہد کے موافق ہیں۔

رسالہ "انصاف" ص-۷۶ میں ہے: اما مسلم وابو العباس الاصم جامع مسند الشافعی والام ذکرنا هم بعده فهم منفردون لمذهب الشافعی یناصلون دونه- یعنی مسلم اور ابو العباس اصم جو مسند شافعی اور کتاب الام کے جامع ہیں۔ امام شافعی کے مذہب سے جدا ہیں۔ انہوں نے امام شافعی کے اصول کے سوا اور اصول مقرر کیے ہیں۔

قسطلانی شرح بخاری ج-۸' ص-۲۵۸ میں ہے: والبخاری رحمه الله تعالی لم یتحر مذهب امام بعینه بل اعتمد ما صح عنده من الحدیث ثم اکده من الاثار - یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی خاص امام کے مذہب کا قصد نہیں کیا بلکہ جو حدیث صحیح ان کے نزدیک ثابت ہوئی' اس پر اعتماد کیا پھر اس کو آثار سلف سے موید کیا۔

مولانا انور شاہ دیوبندی عرف الشذی ص-۵ میں لکھتے ہیں: ولکن الحق ان البخاری مجتهد وکثیرا ما یکون اجتهاد ه موافق الاحناف الا انه وافق فی المسائل المشهورة بین اهل العصر الامام الشافعی- یعنی حق بات یہ ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے' کسی کے مقلد نہ تھے اور ان کا اجتہاد بہت مرتبہ ہمارے حنفیہ کے موافق ہوتا ہے اور مسائل مشہورہ میں' وہ امام شافعی کے موافق تھے۔

عرف الشذی ص-۶ میں ہے: فلا اعلم مذهبه بالتحقیق- یعنی میں تحقیق کے ساتھ نہیں جانتا کہ امام مسلم کس مذہب کے تھے۔

ان تصریحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ محدثین کرام کسی مذہب کے مقلد نہ تھے۔ ان کا مطمع نظر صرف فرمان نبوی اور آثار صحابہ کرام ہوتا ہے۔ باقی اقوال محض آگاہی کے لیے یا تائید یا تردید کے لیے نقل کرتے ہیں۔ فافهم وتدبر ولا تکن من المعاندین-

یاد رہے کہ اہل حدیث اور اہل رائے میں تباین ہے۔ اہل حدیث وہ ہے جو

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور جو ان کے موافق ہو' ان پر عمل کرے اور اہل تقلید وہ شخص ہے جو بلا دلیل کسی شخص کی رائے پر عمل کرتا چلا جائے۔ چنانچہ ملا علی قاری اپنی کتاب شرح قصیدہ امالی میں لکھتے ہیں: **والتقلید قبول قول الغیر بلا دلیل** یعنی غیر کا قول بلا دلیل قبول کرنا تقلید ہے۔

اہل حدیث تو تمام شریعت الٰہی پر عمل کر سکتا ہے کیونکہ اس کا مذہب قرآن و حدیث ہے اور شریعت بھی ساری کی ساری قرآن و حدیث میں ہے۔ لیکن مقلد کا عمل تمام شریعت پر نہیں پایا جاتا۔

میزان شعرانی ص-۲۳ میں ہے: **لا یکمل لمؤمن العمل بالشریعة کلها وھو متقلد بمذھب واحد ابدا**۔ یعنی مومن کا عمل تمام شریعت پر کبھی نہیں ہو سکتا جبکہ وہ کسی خاص مذہب کا مقلد ہے۔

میزان شعرانی مصری ص-۲۸ میں امام شعرانی لکھتے ہیں: **والمذھب الواحدہ لا یحتوی علی جمیع احادیث الشریعة ابدا**۔ یعنی کوئی بھی ایک مذہب تمام احادیث شرعیہ کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

پس اہل حدیث وہ ہے جو بلا لحاظ مذہب ہر حدیث نبوی پر عمل کرے۔ لہٰذا مقلد کبھی اہل حدیث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے امام کے اقوال کا پابند ہے۔

مؤرخین نے مقلدین کو اہل رائے میں شمار کیا ہے اور اہل حدیث کو جدا ذکر کیا ہے۔ تاریخ الخلفاء مصری ص-۱۰۱ میں ہے: **صنف ابوحنیفة الفقه والرائی**۔ یعنی امام ابوحنیفہ نے فقہ اور رائے کو تصنیف کیا ہے۔ پس اس رائے پر چلنے والے مقلد ہیں۔

اصحاب الرائی وھم ھل العراق وھم اصحاب ابی حنیفة۔ یعنی اہل رائے عراق والے ہیں جو امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے مقلد ہیں۔ اس سے یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ مقلدین اہل حدیث نہ تھے بلکہ اہل رائے تھے۔ یعنی اہل رائے کے مقلد ہونے کی وجہ سے ان کو اہل رائے کہا جاتا ہے' ورنہ خود ان کی رائے کوئی چیز نہیں ہے۔

حررہ عارف عبدالقادر حصاری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد-۲۰' شمارہ-۲۳' ۲۰ر اکتوبر سنہ-۱۹۶۷ء

اہل صحیفہ کی علمی قابلیت کا نمونہ

اہل صحیفہ اپنے غلط مسائل کے اثبات سے تنگ آکر جنگ پر اتر آئے ہیں اور مسائل کی بحث سے عاجز آکر اب انہوں نے طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ راقم الحروف ازراہ ہمدردی ان کی اغلاط کی نشان دہی کرتا رہے گا۔ (انشاء اللہ)

بندہ جب "صحیفہ" کا نامہ نگار تھا' اس وقت ان لوگوں کے اغلاط پر ان کو آگاہ کرتا رہا۔ چنانچہ مدیر "صحیفہ" نے لفظ "اعضب" کو جو قربانی کے جانوروں کے عیوب کے بارہ میں وارد ہے' اسم تفضیل کا صیغہ لکھ دیا تھا۔ بندہ نے صحیفہ میں ایک مبسوط تعاقب لکھ کر مدیر صحیفہ کا علمی کمال واضح کیا' جس کے جواب سے آج تک یہ لوگ عاجز ہیں۔ پھر صحیفہ مطبوعہ ۱۵ صفر سنہ ۷۷ ۱۳ھ میں یہ مسئلہ شائع ہوا ہے کہ "کوئی شخص اپنی جوان لڑکی کو روکے رکھے' تو لڑکی کے ہر حیض کو شریعت نے ماں باپ کے لیے زنا کے برابر گناہ بتایا ہے۔" اہل صحیفہ کا دعویٰ ہے کہ "صحیفہ" کے مضامین ان کے اکابر علماء کی تصدیق سے شائع ہوتے ہیں' اس لئے یہ مسئلہ ان کی کونسل کا قرار پایا' جس سے شریعت محمدی ﷺ پر صریح بہتان عظیم ہے۔ آنحضرت سے بالتواتر یہ حدیث ثابت ہے کہ "جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔" اس حدیث کی رو سے بندہ نے فوراً ان کو اطلاع دی۔ چنانچہ میرے تعاقب کے بعد صحیفہ ۱۵ جمادی الثانی سنہ ۷۷ھ میں انہوں نے رجوع کیا اور یہ لکھا کہ "یہ غلطی سے لکھا گیا ہے' اللہ معاف فرمائے۔ آمین ثم آمین' ہم مولانا المحترم عبدالقادر حصاری مدظلہ الباری کے شکرگزار ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ان کے مسائل باطل اور غلط بھی ہو سکتے ہیں' لیکن ان کا دعویٰ معصومی (جو صحیفہ بابت ربیع الثانی سنہ ۸۱ ۱۳ھ میں شائع ہوا۔) یہ ہے کہ "میرا دعویٰ ہے اور مجھ کو فخر ہے کہ میرے بتائے ہوئے مسئلے سب صحیح ہیں' نہ آج تک کوئی غلط ثابت کر سکا نہ آئندہ کر سکتا ہے۔"

حالانکہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ علماء اہلحدیث نے کئی دفعہ توڑا ہے' آج کا تازہ علمی شاہکار پیش کیا جاتا ہے' ناظرین غور سے پڑھیں۔ "صحیفہ بابت ۲۲ اگست سنہ ۱۹۶۳ء جلد ۴۴' شمارہ ۷ میں انہوں نے میرے کسی مضمون سے ایک اقتباس لکھا ہے' جو باللفظ مندرجہ ذیل ہے۔" "قاضی ابو شریح کا واقعہ باب الاسامی میں ہے کہ انہوں نے دربار رسالت ﷺ میں

اپنی بابت یہ ذکر کیا تھا کہ ان قومی اذا اختلفو فی شیی ء اتونی فحکمت بینھم فرضی کلا الفریقین بحکمی۔ "میری قوم جب کسی چیز میں اختلاف کرتی ہے' تو میرے پاس آجاتی ہے۔ پس میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں' وہ دونوں فریق میرے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں۔" فقال رسول اللّٰہ ما احسن ھذا۔ یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ کام کیا ہی اچھا ہے۔"

اہل صحیفہ نے لفظ قاضی پر نمبرا کا نشان دے کر مجھ پر بایں الفاظ حملہ کیا ہے' جس سے ان کا عناد' تعصب اور علمی کمال بھی ظاہر ہو رہا ہے' ملاحظہ فرمایئے "نمبرا ہمارے چچا محترم مولانا حصاری صاحب نے مجھ کو اور جماعت غرباء اہلحدیث کے اکابر کو تو علم سے کورے (کہ شرح جامی تک نہیں پڑھا سکتے) وغیرہ وغیرہ لکھا ہے' لیکن آپ کی علمیت کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ حضرت شریح جو کہ مشہور و معروف قاضی ہیں' کو قاضی ابو شریح سمجھ لیا' حالانکہ ابو شریح جن کا نام ہانی تھا' قاضی شریح کے والد ہیں۔ سچ ہے : ذالک مبلغھم من العلم وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزؤن۔

قارئین کرام! آپ پہلے مشکوٰۃ کی فصل ثانی باب الاسامی میں دیکھیں اس میں شریح بن ہانی کی روایت درج ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے : "شریح بن ہانی سے روایت ہے' وہ اپنے باپ ہانی سے نقل کرتے ہیں کہ جب وہ بصورت وفد اپنی قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کی قوم سے سنا کہ وہ ان کی کنیت ابوالحکم ذکر کرتے ہیں' پس آنحضور ﷺ نے ان کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ حکم تو اصل میں اللہ تعالیٰ کا ہے' کیونکہ حکم کی ابتدا اور انتہا اسی کی طرف سے ہے' تم نے کنیت ابوالحکم کیوں رکھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری قوم جس وقت اختلاف کرتی ہے' کسی چیز میں' تو وہ میرے پاس فیصلہ کے لیے آتی ہے' میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں' تو وہ دونوں فریق میرے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں' اس لئے مجھے ابوالحکم کہا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! یہ کام نہایت اچھا ہے' تمہاری اولاد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا میرے یہ لڑکے ہیں۔ شریح' مسلم' عبداللہ۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا' ان میں سے سب سے بڑا کون ہے؟ انہوں نے کہا' وہ شریح ہے۔ تب آنحضور ﷺ نے فرمایا : فانت ابوشریح "پس آئندہ تیری کنیت ابو شریح ہے۔" اس حدیث سے ابوالحکم قاضی القوم کا ابو شریح ہونا روز روشن کی طرح

ثابت ہو گیا اور اہل صحیفہ کی علمی قابلیت بھی نصف النہار کی مانند ظاہر ہو گئی۔

میرا استدلال جس حدیث سے ہے، اس میں قاضی القوم ابوالحکم کا ذکر ہے، جن کی کنیت آنحضرت ﷺ نے ابو شریح خود رکھی ہے اور وہ بدستور اپنی قوم کے قاضی رہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی قضا کی تحسین فرمائی، اس بنا پر بندہ نے اس ابوالحکم کو قاضی ابو شریح لکھا اور مشکوٰۃ کا حوالہ دے کر اسی قاضی کا ذکر کیا تھا۔ اہل صحیفہ نے اپنی علمی قابلیت سے اسے قاضی شریح (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے ہیں۔) سمجھ لیا اور خواہ مخواہ بے جا حملہ کیا اور تاویل الکلام بما لا یرضی بہ القائل باطل کی رو سے باطل کلام کیا، جو عناد اور تعصب کا نتیجہ ہے۔ ابو شریح عہد نبوی ﷺ میں اپنی قوم کا قاضی تھا اور جو شریح قاضی مشہور ہیں وہ اور ہیں۔

تقریب میں ہے : شریح بن الحارث بن قیس الکوفی النخفی ابوا سید مخضرم ثقة وقیل لہ صحبة۔ یعنی "شریح بن حارث بن قیس کوفی قاضی مخضرم ہیں، بعض نے صحابی کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس نے ستر سال قضا کی ہے۔" اہل صحیفہ نے قاضی شریح کا والد ہانی بتایا ہے، جو ان کے علمی کمال کا کرشمہ ہے۔ ہانی کا بیٹا شریح صحابی ہے اور یہ دوسرا ہے۔ شریح قاضی مشہور کوئی نہیں ہے، اہل صحیفہ کے ایک بزرگ نے اپنی کتاب ھدایۃ النبی میں ان کے مصنفین (صحاح ستہ) کا دوسری صدی میں ہونا بتایا ہے۔ (ملاحظہ ہو تختی کلاں) اسی طرح کتاب کے ص۔۷ پر بحوالہ مشکوٰۃ یہ حدیث لکھی ہے : طلب العلم فریضة علٰی کل مسلم ومسلمة۔ (کذا فی مشکوٰۃ) یہ علم حدیث کی عدم معرفت پر دال ہے۔ لفظ مسلمة بعض نے الحاق کر دیا ہے، احادیث کے کسی طریق میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

عبدالقادر عارف حصاری

تنظیم اہلحدیث لاہور، جلد۔۲۶، شمارہ۔ ۱۳، ۱۴ مورخہ ۲۷ ستمبر و ۴ اکتوبر سنہ۔ ۱۹۷۳ء

نزاع امام بخاری و مسلم

بیشک امام الدنیا فی الحدیث امامنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت الامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ اصولی میں یہ اختلاف مشہور ہے کہ راوی غیر مدلس معنعن جو بلفظ عن فلان عن فلاں روایت کرتا ہے' اس کی روایت کب قبول کی جائے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے راوی کی اتصال سند اور صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ جس سے بلفظ عن روایت کرتا ہے' اس کے ساتھ کم از کم ایک بار ملاقات ضرور ہوئی ہو تاکہ عدم سماع کا احتمال باقی نہ رہے اور امام مسلم یہ فرماتے ہیں کہ ملاقات شرط نہیں ہے' صرف ان کی معاصرت کافی ہے۔

چنانچہ امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں اپنے مذہب کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر علماء محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ امام بخاری کی شرط قوی ہے اور ان کا مذہب راجح ہے اور اسی وجہ سے جامع بخاری کو **اصح الکتب بعد کتاب اللہ** کا لقب حاصل ہے اور وہ صحیح مسلم پر راجح ہے۔ صرف معاصرت سماع کو مستلزم نہیں ہے' احتمال عدم سماع کا بدستور باقی رہتا ہے۔ بخلاف ملاقات کے کہ اس میں احتمال عدم سماع کا مرفوع ہو جاتا ہے۔ اگر باوجود عدم سماع وہ راوی روایت کرے گا تو پھر مدلس ثابت ہو جائے گا اور نزاع غیر مدلس میں ہے' مدلس میں نہیں۔ امام نووی مقدمہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ **"ھذا صار الیہ مسلم انکرہ المحققون وقالوا ھذا الذی صار الیہ ضعیف والذی ردہ ھو المختار الصحیح الذی علیہ ائمۃ ھذا لفن علی المدینی والبخاری وغیرھما** یعنی "امام مسلم کے مذہب پر محققین نے انکار کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور جس مذہب کو وہ رد کر رہے ہیں اس کو مختار اور صحیح کہا ہے اور امام علی بن مدینی اور امام الدنیا فی الحدیث وغیرہ ائمہ فن اسی پر قائم ہیں" کیونکہ ثبوت تلاقی کے بعد معنعن کی روایت اتصال پر محمول ہو گی اور غیر مدلس کا عنعنہ سماع پر ظاہر ہے اور استقرار سے بھی امر ثابت ہے"

امام مسلم نے اس مذہب کے رد کرنے میں کوشش کرتے ہوئے اس کو اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ حالانکہ محدثین میں اختلاف مشہور ہے۔ پھر امام مسلم نے اپنے

مخالف کی مخالفت میں مبالغہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا یہ قصور معاف کرے' آمین۔

لیکن یہ خطاب امام مسلم کا امام بخاری سے نہیں ہے بلکہ کسی غیر سے ہے جو امام بخاری والا مذہب رکھتا ہے اور وہ کوئی طالب علم یا ایسا عالم ہے جس نے اس مسئلہ متنازعہ میں کلام کیا ہے۔ امام مسلم نے چونکہ اپنے استاد امام بخاری اور دیگر ائمہ فن سے پوری پوری تحقیق نہیں فرمائی' اس لیے اپنے خلاف کسی دوسرے عالم قرب و جوار کے رہنے والے کی تردید بڑے شدومد سے کر دی ہے اور کہا کہ یہ قول اعتبار کے لائق نہیں ہے اور اختراعی قول ہے۔

العبد عبدالقادر عارف حصاری

اہل حدیث سوہدرہ جلد-۹' شمارہ-۲۹' بتاریخ یکم اگست سنہ ۱۹۵۷ء

امارت شرعیہ

فتنوں کا ظہور ⇦ حضرات! اس وقت مسلمانان عالم طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا ہیں۔ اگر آپ وسیع خیال و عمیق نظر سے غور کریں گے تو آپ کو بہت سے مذہبی' اخلاقی' معاشی' سیاسی' تمدنی فتنے نظر آئیں گے جو اس وقت مسلمانوں پر ہجوم کئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ آنحضور ﷺ کی پیشگوئی کا ظہور ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: ستکون فتن یعنی "عنقریب بڑے فتنے پیدا ہوں گے" مگر حقیقت میں یہ بدقسمتوں کو وہ سزا مل رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر اس قوم کو ملا کرتی ہے جو کتاب و سنت کی اتباع سے منہ موڑ لیتی ہے۔ اس کے منشا کے مطابق عمل کرنے سے جی چراتی ہے۔

اب اس سزا سے اگر مسلمان بچنا چاہیں تو بس اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اس بنیادی جرم سے باز آجائیں جس کے بدلہ میں ان پر یہ فتنے مسلط ہوئے ہیں۔ اور اس کام کے لیے کمربستہ ہو جائیں جس کی خاطر انہیں کتاب و سنت دی گئی ہے۔ لیکن اگر وہ ان سے منہ موڑتے رہیں گے تو پھر جو تدبیریں چاہیں کر کے دیکھ لیں اور یہ یقین کر لیں کہ کسی ایک فتنہ کا سدباب نہ ہو گا بلکہ ہر اختراعی تدبیر چند اور فتنے پیدا کر دے گی اور کبھی کامیابی نہ ہو گی۔

فتنوں سے بچنے کی واحد تدبیر ⇦ صحیح بخاری وغیرہ کے کتاب الفتن میں فتنوں کی خبر دی گئی ہے اور ان کی سلسلہ وار فہرست دیتے ہوئے ان فتنوں سے بچنے کی یہ تدبیر بتائی ہے: **تلزم جماعة المسلمین وامامهم** یعنی فتنوں کے وقت تمہیں مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لینا ہو گا۔ یہ تدبیر شرعی ہے جو حکیم الامت جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے جن کا وصف یہ ہے کہ **وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی** یعنی "آنحضرت ﷺ اپنی خواہش سے دین میں کلام نہیں کرتے، وہی کچھ ارشاد فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو وحی کی جاتی ہے۔" پس یہ تدبیر رحمانی ہے جس پر کاربند ہونا تمام مسلمانان عالم کا فرض ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہی لوگ فتنہ ضلالت سے محفوظ رہیں گے جو ایک امیر شرعی کی قیادت سے سرفراز ہوں گے۔

تقرر امیر ⇦ قرآن کریم میں ارشاد ہے: **یاایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** (الآیة) یعنی "اے ایماندارو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اطاعت کرو اپنے امیروں کی"

اس آیت میں تین شخصوں کی اطاعت کا حکم ہے۔ اول ذات الٰہی، دوم ذات رسول، سوم امیر جماعت۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اپنے رسول کی اطاعت پر موقوف کر دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: **ومن یطع الرسول فقد اطاع الله** یعنی "جس شخص نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔" اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اطاعت امیر جماعت کی اطاعت پر موقوف کر دی ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی** (مشکوٰة) یعنی "فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔"

پس مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے امیر کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے

اور یہ قاعدہ شرعیہ اہل علم میں مسلم ہے کہ **مالا تیم الواجب الا به فهو واجب** (**نیل الاوطار**) یعنی "جس چیز کے بغیر کوئی فرض اور واجب پورا نہ ہوتا ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے" لہٰذا امیر مقرر کرنا واجب ہے کیونکہ بغیر امیر بنائے اطاعت امیر وجود میں نہیں آسکتی' **کما هو الظاهر**-

امیر کے بغیر زندگی گذارنا حرام ہے ⇦ **عن عبدالله بن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یحل لثلاثة یکونون بضلاة من الارض الا امروا علیهم احدهم**- (**رواه احمد کذا فی المنتقیٰ**) یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین شخصوں کے لیے جو کسی جنگل میں رہتے ہیں' رہنا حلال نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے پر امیر مقرر کر لیں-" اس سے ظاہر ہے کہ کسی میدان زمین میں زندگی گزارنا' بسنا بغیر امیر کے حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے- لہٰذا ہر جگہ کے لوگوں کو امیر کے تحت زندگی گذارنا واجب ہے-

سفر میں بھی امیر بنانا ضروری ہے ⇦ **عن ابی سعید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیؤمروا علیهم احدهم**- (**رواه ابوداؤد کذا فی المنتقیٰ**) یعنی "فرمایا آنحضور ﷺ نے کہ جب تین شخص سفر میں نکلیں تو ضروری ہے کہ اپنے پر ایک کو امیر مقرر کریں-"

ان احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کی تعداد خواہ کتنی ہی کم ہو اور وہ جہاں کہیں بھی ہوں- سفر میں یا حضر میں' آبادی میں یا جنگل میں' عارضی اقامت ہو یا دائمی' ان پر واجب ہے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر مقرر کریں- شہروں اور قصبوں میں جہاں آبادی زیادہ ہے بطریق اولیٰ واجب ہے-

بغیر تقرری امام جاہلیت کی موت ہو گی ⇦ **عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من مات ولیس علیه امام جماعة فان موته موتة جاهلیة**- (**رواه الحاکم فی مستدرک**) یعنی "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اس پر کوئی امام جماعت مقرر نہ تھا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے-"

مسلم شریف میں حدیث ہے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ **من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة** یعنی "جو شخص مر گیا اور اس کی گردن میں امام کی بیعت

نہ تھی وہ جاہلیت کی موت مرا۔" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ من مات بغیر امام مات میتة جاهلیة۔ (رواہ الطبرانی) یعنی "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے بغیر مرگیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اسلام سے پہلے زمانہ کا نام جاہلیت ہے۔ اس زمانہ میں سب لوگ آزاد اور خواہشات کے تابع تھے اور شرک و کفرو معصیت میں مبتلا تھے۔ ان کا کوئی عالم باللہ رہبراور پیشوا نہ تھا جس کی ماتحتی میں رہ کر ہدایت حاصل کرتے۔ اسی طرح اب لوگ آزاد اور خواہشات نفسانیہ کے تابع ہیں اور امام کے ماتحت زندگی بسر نہیں کرتے۔ بس جو لوگ امام' امیر مقرر نہیں کریں گے وہ جاہلیت کی موت مریں گے۔

جب آنحضرت ﷺ رسالت سے سرفراز ہوئے تو آپ نے مذہب اسلام کو دنیا میں پیش کیا۔ پس جو لوگ اسلام کو قبول کرتے گئے' ان میں نظم و نسق قائم کر کے سب کو منظم کر دیا گیا اور ان پر سلسلہ وار امیر مقرر ہو گئے۔ اسی طرح آپ کے صحابہ کرام سے لے کر عہد تابعین و تبع تابعین و ائمہ محدثین رحمہم اللہ تک بھی سلسلہ جاری رہا ہے پھر لوگ آزاد ہو گئے۔ خصوصاً جہاں حکومت غیر اسلامی تھی وہاں لوگ اسی طریقہ پر ہو کر آزاد ہو گئے اور محض دنیا کی حکومت پر اکتفا کر کے زندگی گزاری اور دینِ الٰہی کے نظم و نسق سے بے پرواہ رہے۔ بس یہی جاہلیت ہے جس سے بچنا واجب ہے۔

صبح شام سے پہلے امام بناؤ ⇦ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من استطاع الا ينام نوما ولا يصبح صبحا الا وعليه امام فليفعل۔ (رواه ابن عساكر)** یعنی "جو شخص یہ طاقت رکھے کہ نہ سوئے سونا اور نہ صبح کرے صبح کرنا مگر یہ کہ اس پر امام ہو تو چاہیے کہ عمل کرے۔"

اس حدیث سے جلدی امام بنانے کا حکم ظاہر ہوا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ جب فوت ہوئے تو صحابہ کرام نے فوراً امام بنانے کی کوشش کی اور آپ کا غسل' کفن' دفن وغیرہ اس وقت تک ملتوی کر دیا جب تک کہ امیر بنا نہ لیا گیا۔ جب امیر مقرر ہو گیا تو اس کی ماتحتی میں سب امور کو سرانجام دیا۔ اگر فوراً امیر مقرر کرنا ضروری نہ ہوتا تو پہلے کفن دفن کا انتظام کیا جاتا۔ **فاعتبروا يا اولى الابصار۔**

امیر کے بغیر کوئی اسلام نہیں ⇦ عن عمر موقوفا قال لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة۔ (الحدیث' رواہ الدارمی) یعنی ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں اسلام مگر جماعت کے ساتھ اور نہیں جماعت مگر امیر کے ساتھ اور نہیں ہے امیر مگر طاعت کے ساتھ۔'' یہ حدیث حکماً'' مرفوع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں ہے اور جماعت بغیر امیر کے قائم نہیں ہو سکتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بغیر امیر کے اسلام معتبر نہیں ہے کیونکہ امیر کے بغیر لوگ آزاد ہو کر اپنی خواہشات نفسانیہ اور خطوات شیطانیہ پر چلیں گے اور سب فرقہ فرقہ ہو جائیں گے۔ اتحاد اور اتفاق قائم نہ رہے گا۔ بس یہ جاہلیت ہے جو اسلام کے منافی ہے۔

ادنیٰ درجہ کے امیر کی بھی اطاعت کرو ⇦ عن ام الحصین قالت سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول ان امر علیکم عبد مجدع یقودکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا له واطیعوا۔ (الحدیث' رواہ مسلم) یعنی ''آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم پر کوئی غلام ناقص الخلقة ناک کان کٹا بھی امیر مقرر کیا جائے تب بھی اس کی بات سنو اور اس کی تابعداری کرو جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر تم کو چلائے۔'' اس سے ثابت ہوا کہ امیر کی اطاعت فرض ہے اور امیر وہ شخص ہونا چاہیے جو کتاب و سنت کا عالم ہو اور وہ لوگوں کو احکام الٰہی پر چلا سکے۔

اجتماعی زندگی کا حکم ⇦ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ باہم متفق و متحد ہو کر اجتماعی زندگی گذاریں۔ گروہ گروہ اور فرقہ فرقہ نہ بنیں۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے: واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا'' ولا تفرقوا۔ یعنی ''تم سب اکٹھے ہو کر اسلام کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو۔

اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امیر کے بغیر جماعت اور اجتماعی زندگی نہیں بنتی۔ لہٰذا امیر ہونا ضروری ہے۔ پس پہلے امیر بناؤ اور پھر اس کے ماتحت ہو کر اجتماعی زندگی گزارو۔

صدر بنانا ⇦ بعض لوگ انگریزی اور دنیوی نظم و نسق پر نظر رکھتے ہوئے اپنی

انجمن یا جمعیت یا کمیٹی قائم کرتے ہیں تو ان میں سے کسی بڑے شخص کو صدر بنا لیتے ہیں۔ اگر غیر مسلم ہندو، یہود، نصاریٰ وغیرہ ایسا کریں تو یہ ان کا طریق کہلائے گا۔ اسلام کا یہ طریقہ نہیں ہو گا۔ اگر مسلمان ایسا کریں گے تو یہ شرعی طریقہ کے خلاف ہو گا کیونکہ شریعت اسلامیہ نے امارت کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ امیر اور مامور ہونے کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے: **من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد** یعنی "جو شخص ہمارے دین میں ایسی چیز پیدا کرے جو اس میں سے نہیں ہے، وہ نامقبول ہے۔" لہٰذا امارت مشروع ہے اور صدارت نامقبول ہے۔ قرون ثلاثہ میں صدارت کے روپ میں کوئی تنظیم قائم نہیں ہوئی ہے، یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔ حدیث میں ہے: **لیس منا من عمل بسنة غیرنا** یعنی "جو غیر مسلموں کے طریقہ پر چلے وہ ہماری امت سے نہیں ہے۔"

اہلحدیثوں میں پارٹی بازی ⇦ یہ حقیقت ہے کہ امت محمدیہ جو کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے اور ان میں صرف ایک فرقہ ناجیہ اور حق پر ہے اور باقی سب باطل ہیں۔ وہ گروہ اہلحدیث یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے والا ہے۔ جیسا کہ مذہبی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ نظم و نسق و سیاست و تمدن کے لحاظ سے اب ہمارے اہلحدیث بھی پارٹی بازی کرنے لگے ہیں۔ کوئی جمعیت اہلحدیث مغربی پنجاب کے نام سے پارٹی بن گئی ہے، کوئی مؤتمر اہلحدیث کے نام سے تیار ہوئی ہے اور کہیں جمعیت اہلحدیث کل پاکستان سے موسوم ہے اور کہیں کسی اور نام سے پارٹیاں بن رہی ہیں اور یہ سب پارٹیاں مذہبی بھی کہلا رہی ہیں کیونکہ مذہبی کام کر رہی ہیں۔ اگر یہ سیاسی اور تمدنی نہیں بلکہ مذہبی ہیں تو پھر مذہب اہلحدیث کو کئی فرقوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ کل کو یہ مستقل فرقے بن جائیں گے، جیسے مرزائیوں میں لاہوری اور قادیانی اور حنفیوں میں دیوبندی اور بریلوی فرقے بن گئے ہیں۔

یہی اہل کتاب کی روش تھی جس سے ہم کو قرآن نے منع فرمایا ہے۔ **ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء ھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم۔** یعنی "اے امت محمدی! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اختلاف پیدا کر کے متفرق ہو گئے تھے بعد اس بات کے کہ ان کے پاس دلائل واضح آ گئے تھے۔ ان کے لیے بڑا

عذاب تیار ہے۔"

یہی عذاب ان لوگوں کو بھی ہو گا جو اہل کتاب کی طرح فرقہ فرقہ بن رہے ہیں۔ پس تمام اہل حدیثوں پر یہ لازم ہے کہ تفرقہ و عناد و اختلاف سے بچ کر متفق و متحد ہو جائیں اور شرعی طریقہ سے نظام جماعت قائم کریں۔

مدعیان مذہب اہلحدیث پر اظہار افسوس ہے کہ باوجودیکہ ان کا مذہب اہلحدیث ہے اور وہ دنیا کو کتاب و سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ خود قرآن و حدیث کے صریح مسئلہ امارت کے منکر اور تارک بن کر عمل کرنے والوں پر بمثل دیگر گمراہ فرقوں کے طاعن بن رہے ہیں۔ **کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون○** پس ایسے اختلاف کے وقت بھی معیار صداقت وہی سامنے رکھا جائے گا جو اہلحدیث علماء نے دیگر فرقوں کی جانچ کے وقت رکھا تھا یعنی فرقہ ناجیہ اور وہ ہے **ما انا علیه واصحابی** کے مطابق ہے یعنی ناجی فرقہ وہ ہے جو اس طریقہ پر چلتا ہے جس پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام چلتے رہے ہیں۔ سو کچھ شک نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مسئلہ امارت پر عامل ہو کر متفق و متحد رہے' ان کا مجموعی عمل یہی تھا۔ بس اس طریقہ سے جو انحراف کرے گا وہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہے اور دین میں فرقہ بندی اور بدعت پیدا کرنے والا ہے کہ امارت شرعی کا طریقہ عمل چھوڑ کر ملکی نظام یا قومی نظام یا مذہبی نظام اپنی خواہشات سے آزادانہ طریقہ پر قائم کیا گیا' وہ قرون ثلاثہ کے خلاف ہے۔

صراط مستقیم کی طرف دعوت ⇦ ہم خلوص کے ساتھ اخوان اہلحدیث کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ **تعالوا الٰی کلمة سواء بیننا وبینکم** یعنی "آؤ تم سب اس کلمہ پر جمع ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے" وہ یہ کہ زندگی کا نصب العین اقامت دین حق امارت کی صورت میں منظم ہو کر پورا کرنا ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ اقامت دین توحید و سنت کے لیے جدوجہد اجتماعی طاقت کے ساتھ کریں اور اجتماعی طاقت جماعت سے پیدا ہوتی ہے اور جماعت بغیر امارت کے نہیں بن سکتی۔ لہٰذا سب سے پہلے امارت قائم کرنا ضروری اور لابدی ہے۔ بغیر اس کے جملہ امور دینی بالکل بیکار ہیں۔ مثلاً درس و تدریس' وعظ و تبلیغ۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے: لا

یقص الا امیر او مامور او مختال- اسی طرح تنازعات و خصومات کے فیصلے جیسے ارشاد ہے: **لا یصلح للناس الا امیر** "کہ بغیر امیر کے لوگوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی-" امیر کے بغیر دیگر عدالتوں اور پنچائتوں کے فیصلے غیر شرعی فیصلے قرار پائیں گے- اسی طرح نماز' زکوٰۃ بھی بیکار ہیں کیونکہ نماز بغیر امام اور زکوٰۃ بغیر امیر ناقابل اعتبار ہیں- امر بالمعروف نہی عن المنکر بھی امیر کے ماتحت ہی سرانجام پا سکتے ہیں- حج بھی امیر کے حکم سے اور اس کے نظام سے ادا ہوتی ہے- اگر جنگ و جہاد کی نوبت آئے تو یہ بھی امیر ہی کے ذریعہ کئے جائیں گے- **انما الامام جنة یقاتل من ورائه** یعنی "امام ہی کے زیر سایہ غیروں سے مقابلہ کیا جاتا ہے-

الغرض حسب استطاعت امیر کا کام بہت وسیع ہے اور دین اسلام کی اقامت اسی پر موقوف ہے- لہٰذا امیر بنانا بہت بڑا فریضہ ہے- جس کے تارک ہو کر آج مسلمان دین اسلام اور اخلاق سے دور ہوئے جا رہے ہیں- اور اس پر عمل کرنے سے جی چراتے ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح لغو حیلے بہانے تراشتے ہیں اور عذرات باردہ پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ امارت قائم کرنے پر فوراً حکومت قائم کرنے پڑے گی اور جنگ کفار سے کرنا فرض ہو گا اور حدود شرعیہ کا نفاذ لازم ہو گا وغیرہ- حالانکہ یہ امور امارت کے لیے شرط نہیں ہیں- ہاں ان امور کو بجا لانے کے لیے امارت شرط ہے- یہ امور مذکورہ حسب استطاعت اپنے اپنے وقت میں ہوتے ہیں- قرآن میں ہے کہ **لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعها** یعنی "طاقت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو کوئی تکلیف نہیں دیتا" اور حدیث میں ہے کہ **اذا امرتکم بشئی فاتوا منه ما استطعتم** یعنی "جب تم کو کسی چیز کا حکم ہو تو حسب استطاعت اس کو بجا لاؤ-"

دیکھئے! سفر میں اور جنگل میں امیر بنانے کا حکم ہے' خواہ تین آدمی ہوں تو وہاں کون جنگ اور حکومت اور حدود کا نفاذ ہو گا؟ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے امارت کو دنیا کی حکومت اور بادشاہی پر اور حکومتوں کے اقتدار پر قیاس کر لیا ہے جو بالکل غلط ہے- امارت و خلافت سے علیٰ منہاج النبوۃ مراد ہے اور وہ غربت اور **مسکینیت** سے شروع ہوتی ہے- چنانچہ حدیث میں ہے کہ **بدالاسلام غریبا" وسیعود کما بدا فطوبیٰ للغرباء** یعنی "اسلام غریب سے شروع ہوا ہے اور غربت ہی کی حالت میں

لوٹے گا۔ پس غرباء کے لیے مبارک ہے۔" جب تک کسی امیر کو ملکی اقتدار حاصل نہ ہو اس کو مذہبی امور کو منظم ہو کر سرانجام دیتے رہنا چاہیے۔

دو امیروں کا حکم ⇦ ایک ملک میں دو امیر ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ نہایت غور طلب ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر تمام ملک اسلامی کا ایک شخص کی امامت پر اتفاق ہو جائے اور ان کی بیعت سے امیر کو تمکن فی الارض اور اقتدار اس قدر حاصل ہو جائے کہ قوانین اسلام کا نفاذ اور حدود الٰہیہ کا اجراء اور ساکنان ملک کا انتظام کر سکے' وہ شخص خلیفہ اسلام قرار پائے گا جس کی بیعت کرنی جملہ اہل اسلام پر فرض ہو گی اور اگر ایک شخص پر اتفاق نہ ہو سکے اور اس کو تمام ملک پر تمکن اور اقتدار حاصل نہ ہو اور پھر کوئی دوسرا امیر تجویز ہو جائے اور ایک حصہ اہلِ اسلام کا اس امیر مجوزہ کی بیعت کر لے اور یہ گروہ اپنی جگہ امارت کے سلسلہ میں منظم ہو کر اسلامی احکام سرانجام دیتا رہے اور ایک امیر دوسرے امیر سے تعرض نہ کرے اور باہم مصالحت اور مفاہمت سے رہیں تو یہ بھی جائز ہے اور اس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت سے ملک عرب میں دو امیر بن کر رہنا ہے۔ جس پر سب صحابہ اور تابعین کا اجماع ہوا۔ لیکن آج جو امامت اور امارت ملک میں قائم ہے' یہ محض مذہبی ہے ملکی نہیں ہے تو اس میں اپنے اپنے علاقہ میں امیر ہو کر کام کریں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

فقط والسلام

از عبدالقادر عارف حصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد-۴۲' شمارہ-۴' ۵ مورخہ ۱۶ر صفر و یکم ربیع الاول سنہ-۱۳۸۰ھ

بیعت پیری مریدی

اخبار اہل حدیث ۱۵؍ اپریل سنہ-۱۹۶۲ء میں بیعت کی دو قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں- ایک بیعت تزکیہ اور دوم بیعت سیاست- اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ دو بیعت کرنا اور دو قسم کے الگ الگ مرشد بنانا کہ ایک تو احکام شرع کی پابندی کرائے اور دوسرا جہاد و سیاست کی رہنمائی کرے- کیا یہ قرون ثلاثہ اور دلیل شرعی سے ثابت ہے یا بعد کی سوچ ہے؟ اگر ثابت ہے تو اس کا ثبوت درکار ہے- اور اگر بعد کی سوچ ہے تو پھر بدعت ہے-

حدیث میں خیرالقرون کا تعامل تو معتبر قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ کسی نے اس پر نکیر نہ کی ہو- جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صلوۃ ضحی کو بحالت اجتماعی پڑھنے پر انکار کر دیا تھا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اجتماعی حالت سے تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھنے کو بدعت فرما دیا تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اذان عثمانی کو بدعت ٹھہرا دیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو اپنے شہر میں ایک حاجت داعیہ کی بنا پر خارج مسجد سے ندا شروع کرائی تھی پھر یہ ہر جگہ بلا ضرورت

ہونے لگی تو ابن عمرؓ نے اس کو بدعت کہہ دیا۔ چنانچہ اب بھی یہ اذان جہاں لاؤڈ سپیکر لگے ہوتے ہیں اور جمعہ متعدد ہوتے ہیں تو ایک شہر میں کئی اذانیں بدعت حقیقہ کی قسم سے ہیں بلکہ تعدد جمعہ بھی قرون ثلاثہ سے سند صحیح سے ثابت نہیں تو یہ بھی بعد کی سوچ ہے۔

بعض علماء نے بیعت کی دو قسمیں بنا کر پیری مریدی کی رسم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ایک تو بیعت تقویٰ ٹھہرا دی' اس کے لیے ہر فرقہ والوں نے اپنی طریقت کا کوئی اہل تقویٰ مرشد منتخب کر لیا۔ جس سے طریقت کے کئی فرقے تیار ہو گئے۔ نقش بندی' مجددی' سہروردی' نوشاہی' قادری' چشتی وغیرہ ان کے نام رکھ لیے گئے۔ ہمارے اہلحدیث بھی لکھوی' غزنوی خاندانوں میں اسی بیعت محدثہ کا شکار ہیں۔

دوسری بیعت خلافت بتائی گئی ہے۔ یہ ٹھیک ہے اور ثابت شدہ چیز ہے۔ جس سے انکار ممکن نہیں ہے یہ بیعت فرض ہے اور خلیفہ کا انتخاب کر کے اس کی بیعت کرنا ضروری ہے۔ اس خلیفہ اسلام کی صفت **یقودکم بکتاب اللہ** (یعنی قرآن کریم کے مطابق قیادت کرے) ہو گی۔ جس سے وہ اپنی رعایا کو پابند شرع کرے گا۔ اس طرح اسلامی ملک سے جاہلیت دفع ہو گی۔ جب تک یہ خلافت قائم نہ ہو گی تب تک ملک شرعاً" اسلامی ملک نہیں کہلا سکتا۔

جب سے اسلامی خلافت ختم ہوئی ہے اور اس کا انتخاب شرعی صورت سے نہ ہوا اور بیعت کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور ملکوں میں ملکی بادشاہت قائم ہو گئی تو ہمارے مشائخ نے لوگوں کو شرک و بدعات و جرائم سے بچانے کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ لوگوں کو بیعت کر کے ان سے پابندی شرع کا عہد لینے لگے کہ بادشاہوں نے محض ملکی نظام اور سیاسی آئین کو ہاتھ میں لیا اور شرع کی پابندی خود بھی چھوڑ دی اور رعایا کو بھی ان کے حال پر آزاد چھوڑ دیا۔ جس سے عام طور پر گمراہی پھیل گئی۔ تب علماء اتقیا نے اس سلسلہ روحانی کو یوں سنبھالا کہ وہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں سے بیعت تقویٰ لینے لگے اور ان کی اصلاح میں مصروف ہو گئے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ پیری مریدی اتنی ترقی کر گئی کہ اس کے مختلف فرقے بن گئے۔ پس جس طرح شریعت کے چار بلکہ کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ اس طرح بیعت کے سلسلہ سے طریقت کے کئی فرقے بن گئے ہیں'

جو سب بدعت حقیقیہ کی قسم سے ہیں- کیونکہ شرع میں ان سب کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ اس فرقہ بندی پر قرون ثلاثہ میں عمل ہوا- عہد رسالت سے لے کر قرون ثلاثہ کی آخری حد تک بیعت کا سلسلہ خلافت اسلامیہ میں بھی قائم رہا ہے- اس سے باہر کسی امام مرشد' ولی اللہ' رئیس المتقین نے خلیفہ اسلام کے علاوہ بیعت تزکیہ کا سلسلہ شروع نہیں کیا بلکہ تمام علماء و اتقیاء و اولیا اسی خلیفہ اسلام کے ہاتھ پر ہی بیعت کرتے رہے ہیں-

جب خلافت شرعیہ نہ رہی اور قرون ثلاثہ کی مدت ختم ہو کر ضلالت و جہالت کا دور دورہ ہوا تو علماء متقین میں سے بعض نے کسی نیک نیتی کی بنا پر اس بیعت کا سلسلہ شروع کیا مگر اہل حدیث اس سے بچتے رہے- مگر جب ملک ہند میں اس بیعت پیری مریدی کا سلسلہ بڑھ کر مختلف گدیوں میں آکر دوکانداری کی صورت اختیار کر گیا تو بعض نے مجدد بن کر اور بعض نے نبی بن کر اور بعض نے امامت خلافت اپنے مریدوں اور شاگردوں کے ذریعہ بنا کر اپنی اپنی دکانوں کا علیحدہ علیحدہ کاروبار مذہبی شروع کر دیا' جس سے ان کا اب اچھا ذریعہ معاش مستقل قائم ہو گیا ہے جو ہمیشہ خاندانوں میں چلتا رہے گا- تو یہ بیعت جو فرض تھی اور وہ ایک ہی تھی' معدوم ہے- اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان بادشاہ کو یہ توفیق دے یا رعایا ایسی مسلمان بنے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس خلافت شرعیہ کے قائم کرنے کی توفیق دے تو پھر وہ بیعت کا سلسلہ جو قرون ثلاثہ میں قائم تھا' زندہ ہو سکتا ہے- ہاں جب تک یہ سلسلہ شرعیہ قائم نہ ہو' اس وقت تک اہل اسلام اپنا امیر تجویز کر کے منظم ہو کر حتی المقدور شرع کی پابندی رکھنی چاہیے- چنانچہ اب اہل حدیث جماعت نے متفقہ طور پر مسئلہ امارت کو تسلیم کر لیا ہے- لہٰذا اب اپنی خواہشات اور پیری مریدی کے سلسلہ کو ختم کر کے اس متفقہ فیصلہ پر تمام جماعت اہل حدیث کو عامل ہو جانا چاہیے-

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

ہفت روزہ اہل حدیث سوہدرہ جلد-۱۵' شمارہ-۱۶' بمطابق ۱۵ار اگست سنہ-۱۹۶۲ء

تبرکات کی شرعی حیثیت

انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے نفس تبرکات سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ بشرطیکہ ان کا ثبوت کسی دلیل سے پایا جائے۔ لیکن فرضی اور تخمینی تبرکات سے ہمیں انکار ہے جن کا ثبوت کسی دلیل شرعی سے نہیں ہے۔ اس لیے علماء اسلام نے تبرکات کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک مستند تبرکات' دوم فرضی اور مصنوعی تبرکات۔ مستند تبرکات وہ ہیں جو کسی دلیل مستند سے ثابت ہوں۔ مثلاً حجر اسود کا متبرک ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہے اور اس کی تقبیل بڑی سعادت ہے اور اس کا مس کرنا بنی آدم کی خطاؤں کا جذاب ہے' لیکن مستند تبرکات کا موجب برکت ہونا بھی اس وقت تک ہے کہ وہ اپنی حد پر رکھے جائیں' کیونکہ بعض دفعہ تبرکات کی حد سے زیادہ تعظیم کی جائے تو وہ کسی وقت ان کی عبادت کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ عابس بن ربیعہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کا بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ بوسہ دیتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان کر سکتا ہے۔ اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری و مسلم)

ذرا حضرت عمر فاروق رئیس الموحدین رضی اللہ عنہ کی پاس داری توحید ملاحظہ فرمایئے کہ حجر اسود کتنا متبرک ہے جو جنت سے آیا ہے۔ زمین میں یمین اللہ ہے جس نے اس کو چھوا' اس نے اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کیا۔ کتنے ہی خواص اور برکات کا حامل ہے اور ہزارہا انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام اور اولیاء عظام نے اس کو بوسہ دیا ہے' مگر ان اوصاف کے باوجود وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر میں ایک پتھر ہی ہے اس کو بوسہ تو دیتے ہیں اور برکت بھی حاصل کرتے ہیں' لیکن اس کی بے جا اور غیر مشروع تعظیم کے طور پر نہیں اور اس کو نافع و ضار تصور کر کے نہیں' بلکہ اپنے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی نیت سے ایسا کام کرتے ہیں اور اتباع رسول کے سوا اور کوئی غرض نہیں ہے۔ ایسا ہی آپ کے لائق فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وطیرہ تھا کہ آپ برکت حاصل کرنے کے لیے وہاں نماز پڑھتے جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ "انه كان يصلی فی اماكن من الطريق ويقول انه رای النبی صلی الله عليه وسلم يصلی فی تلك الامكنة" یعنی حضرت عبداللہ بن عمر راستہ میں کئی جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ ان جگہوں میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ ایسا ہی حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ میں فلاں فلاں عذر سے جماعت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ وودت انك يارسول الله تاتی فتصلی فی مصلی اتخذه مصلی" یعنی آپ ہمارے ہاں تشریف لا کر ایک جگہ نماز پڑھیں تو میں اس جگہ کو مسجد بنا لوں اور وہاں نماز پڑھتا رہوں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اسی جگہ نماز پڑھتے رہے۔

اس حدیث پر علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں فوائد بہت مستنبط ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ "التبرك بالصالحين وآثارهم والصلوٰة فی المواضع التی حلوابها وطلب التبريك منهم" کہ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے اور ان کے نشانوں سے اور جہاں وہ نماز پڑھیں' ان جگہوں سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ (لیکن جن کا ثبوت ہو' والافلا) ——— ایسا ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت بخاری شریف میں وارد ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کے نماز پڑھنے کے مقامات میں نماز پڑھی۔ چنانچہ اس پہاڑی کے پاس بھی نماز پڑھا کرتے تھے جو روحا کے خاتمہ پر ہے۔ اسی جگہ ایک دوسری مسجد بنا دی گئی ہے' مگر عبداللہ بن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ اس کو اپنے پیچھے بائیں جانب چھوڑ دیتے تھے اور اس کے آگے بڑھ کر خاص پہاڑی کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے اور راوی کا بیان ہے کہ "وكان عبدالله يعلم المكان الذی فيه صلی النبی صلی الله عليه وسلم" کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مقام کو جانتے تھے جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ ایسا ہی اور حدیث میں ذکر ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے لیے چادر لائی اور کہا کہ میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے اور وہ اس غرض سے لائی کہ آپ کو پہنائے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کو قبول فرمایا' اس وقت آپ کو کپڑے کی ضرورت بھی تھی۔ آپ باہر تشریف لائے تو وہ چادر آپ کی ازار تھی۔ ایک شخص نے اس کی

تعریف کی اور کہا یہ مجھے دے دیجئے۔ آپ نے اسے دے دی۔ لوگوں نے اسے کہا کہ یہ تو نے اچھا کام نہ کیا۔ اسے آنحضور ﷺ نے نہایت ضرورت کی حالت میں پہنا تھا' مگر تو نے آپ سے مانگ لی۔ حالانکہ تو جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سوال کو رد نہیں کرتے۔ اس شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے اس لیے نہیں مانگی کہ میں اس کو پہنوں بلکہ اس غرض کے لیے لی ہے کہ وہ میرا کفن ہو گی۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ چادر اس کا کفن ہوئی۔ (بخاری)

الغرض اس طرح مستند تبرکات کا ذکر احادیث میں وارد ہے جن کو اپنی حد پر رکھ کر برکات حاصل کی گئیں' لیکن فرضی اور مصنوعی تبرکات جو غیر مستند ہیں ان سے برکات حاصل کرنا بلکہ تبرکات کی حد سے گزر کر اس طرح ان کی تعظیم کرنا اور ان سے کام لینا جس میں مظنہ شرک ہو تو یہ غیر مشروع اور ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ "**عن نافع ان عمر رضی اللّٰه عنه بلغه ان قوما یاتون الشجرۃ فیصلون عندھا فتو عدھم ثم امر بقطعھا**" (رواہ ابن سعد کما فی القسطلانی) یعنی نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آکر نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی۔ اس پر ان کو ڈانٹا اور اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حسب الحکم اسے کاٹ دیا گیا۔

بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ اصل درخت کچھ دنوں بعد اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے فراموش ہو گیا تھا' مگر باوجود اس کے لوگ یونہی تخمینی طور پر کسی درخت کے پاس آکر تبرکاً" نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ بہرکیف یہ فرضی تبرکات عوام کے لیے ایک تماشہ بن کر فتنہ کا دروازہ کھلنے لگا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا استیصال کر دیا تاکہ آئندہ چل کر کسی شرک یا رسم کا پیش خیمہ نہ ہو جائے اور اس طرح اس کے پاس نماز سے تبرک حاصل کرنا بھی آنحضرت ﷺ سے قولاً" یا فعلاً" استقراراً" ثابت نہیں تھا۔ اس لیے اس فرضی تبرک سے بدعت کی صورت قائم ہوتی تھی جس کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جڑ سے ہی کاٹ دیا' تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہر دو فعلوں (ایک حجر اسود کو باتباع رسول ﷺ بوسہ دینے اور

دوم شجرۂ بیعت کے کلٹ دینے) سے یہ اصول شرعی ظاہر ہوا کہ جو تبرکات مستند ہوں ان سے برکات حاصل کرنا درست ہے اور جو تبرکات فرضی' جعلی اور تخمینی ہیں ان سے برکات حاصل کرنا یا ان کو اپنی طرف سے موجب برکات سمجھنا بدعت ہے۔ خصوصاً جبکہ مظنہ شرک ہو تو پھر اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً دہلی میں قدم رسول ﷺ ایک جعلی نشان ہے جو بالکل فرضی ہے' لیکن اہل بدعت وہاں کئی شرکی' کفری' بدعی حرکات کا ارتکاب کر رہے ہیں اور وہاں سے تبرک حاصل کرتے ہیں جو بالکل ناجائز ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مستند تبرکات میں جب حد اعتدال سے لوگ گزر گئے تو اس سے بھی منع فرما دیا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے قاعدہ جلیلہ میں یہ حدیث نقل کی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے --- **"قال كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى سفر فصلى الغداة ثم اتى على مكان فجعل الناس ياتونه فيقولون صلى فيه النبى صلى الله عليه وسلم فقال عمر رضى الله عنه انما هلك اهل الكتاب انهم اتبعوا آثار انبياء هم فاتخذوها كنائس وبيعا فمن عرضت له الصلوٰة فليصل والا فليمض"** کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے' آپ صبح کی نماز پڑھ کر ایک جگہ پر آئے تو سب لوگ اسی جگہ آپ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی تھی۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کا اتباع اس حد تک کیا کہ ان مقامات پر گرجے و عبادت خانے بنا دیئے۔ پس اے امت محمدیہ جس کو اتفاق سے وقت نماز درپیش آئے تو وہ پڑھ لے' ورنہ چلتا بنے۔ قصداً" ایسا کام نہ کرے۔ پس آنحضرت ﷺ نے بعض مقامات پر تو قصداً" نماز پڑھی ہے۔ مثلاً مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوگانہ اور بیت اللہ کے اندر خاص جگہ پر۔ مسجد نبوی کے ستونوں کے پاس اور بعض جگہ اتفاقیہ پڑھی ہے' جیسے سفر کرتے ہوئے بعض اماکن میں تو جہاں قصداً آپ نے نماز پڑھی ہے وہاں نماز پڑھنی اور تبرک حاصل کرنا باتباع رسول مستحب اور مسنون ہے اور جہاں اتفاقیہ پڑھی ہے وہاں اتفاقیہ نماز کا وقت ہو گیا تو اتباع رسول ﷺ اور محبت نبوی ﷺ کے جذبہ کے ماتحت نماز پڑھ لی جائے تو یہ بھی مشروع اور موجب برکات ہے' لیکن وہاں قصداً اہتمام کرنا اور اس کو اجتماعی طور پر رسم بنا لینا

یہ شبہ بالیہود و النصاریٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے مدبر تھے' وہ کسی جائز چیز کو بھی شرک اور بدعت کا پیش خیمہ نہ ہونے دیتے تھے۔ جب ذرا تبدل اور تغیر ہوتا دیکھا۔ فوراً روک دیتے تھے۔ جب یہ ایک ثابت شدہ چیز کے متعلق اتنا احتیاط ہے تو غیر ثابت شدہ تبرکات اور تعظیمات جو شرک اور بدعت کی حد کو پہنچ گئی ہیں' ان کا کیا حال ہے؟ ان سے تو اللہ تعالیٰ ہی پناہ دے۔

پس عرس کے کھانے کا تبرک حاصل کرنا' قبروں کو بوسہ دینا' چومنا یہ بدعات میں داخل ہے۔ جو فرضی تبرکات ہیں' اسی طرح زمزم کے پانی سے تبرک لینا مشروع ہے اور یہ مستند تبرکات سے ہے' لیکن قدم رسول سے دہلی جا کر پانی لینا یا خانقاہوں کے کنوؤں سے پانی لانا یہ جعلی تبرکات ہیں جو سراسر بدعت اور گمراہی ہیں۔ اسی طرح صالحین اور اکابر دین اور علماء اسلام کا اور اولیاء اللہ کا زندہ بذاتہ موجود ہونا موجب برکات ہے۔ ان کی خدمت سے اور ان سے دعا کروا کر برکات و فیوض حاصل کرنا مشروع ہے۔ فرمایا: "البرکۃ مع الاکابر" کہ برکت بڑے لوگوں کے ساتھ ہے۔ اسی طرح مساکین اور ضعفاء صالحین کی برکات بھی مسلم ہیں۔ حدیث میں ہے: "ھل تنصرون وتزرقون الابضعفائکم" کہ تم ضعفاء کی دعاؤں اور ان کی خدمات' صدقات' تحفہ تحائف وغیرہ سے مدد کیے جاتے ہو اور رزق دیئے جاتے ہو۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء' مہاجرین سے استفتاح کرتے تھے' یعنی ان کی دعاؤں کی برکت سے جنگوں میں فتح حاصل کرتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات چیزوں کا ارشاد فرمایا' ایک یہ کہ "امرنی بحب المساکین والدنو منھم" کہ مسکینوں سے محبت رکھنا اور ان سے قریب ہو کر رہنا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم (مشکوۃ) کہ مجھے ضعیف لوگوں میں تلاش کرو' کیونکہ ان کی طفیل سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تم مدد کیے جاتے ہو۔ دیگر حدیث میں ہے کہ زمانہ نبوی میں دو بھائی تھے' ایک تو خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہتا اور دوسرا کوئی پیشہ کر کے کمائی کرتا۔ پیشہ کرنے والے نے اپنے بھائی کی شکایت کی کہ یہ تو مسجدی درویش ہو گیا' کچھ کمائی نہیں کرتا' بیکار رہتا ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لعلک

ترزق به" (رواہ الترمذی) کہ شاید تجھے اس کی برکت سے رزق ملتا ہو۔ الغرض زندہ بزرگوں کی حضوری' ان کے اعمال صالح اور دعاؤں کی برکات اور فیوض مسلّم ہیں۔ ان کے سبب سے لوگوں کو رزق ملتا ہے اور مصائب میں مدد ملتی ہے لیکن جب وہ دنیا سے رحلت فرما جاتے ہیں اور فوت ہو جاتے ہیں تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ نہ ان سے کوئی فیض ملتا ہے اور نہ ان کی دعا سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ ان کا وسیلہ ہی کام آتا ہے۔ اب جو لوگ ان کے نام یا ان کی ذات سے برکات اور فیوض حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں اور تبرکات لیتے ہیں۔ اس کا ثبوت کتاب و سنت سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بدعت ہے۔ صیانۃ الانسان کے ص-۲۱۵ میں ہے کہ "فان کان ذالک التبرک ثابتا بکتاب او سنۃ صحیحۃ فلا مریۃ فی مشروعتیہ وان لم یکن ثابتا فھو بدعۃ ضلالۃ" یعنی اگر وہ تبرک کتاب و سنت صحیحہ سے ثابت ہو تو اس کے مشروع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اگر ثابت نہیں ہے تو پھر بدعت گمراہی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ بچائے' آمین۔

تبرکات دو قسم کے ہیں۔ ایک شرعی جو کسی دلیل شرعی سے ثابت ہوں اور سلف صالحین کے تعامل سے ان کی تائید پائی جائے۔ مثلاً مدینہ شریف جائے تو مسجد نبوی کی عبادات اور مسجد قبا کی طاعات اور روضہ مبارکہ اور جنت البقیع کی زیارت سے مشرف ہونا اور منبر شریف اور حجرہ مبارک کے درمیان والی جگہ پر نماز پڑھنا اس عبادت الٰہی سے ان مقامات سے تبرک حاصل کرنا مشروع ہے اور مدینہ شریف سے واپسی کے وقت کھجور عجوہ کا اپنے احباب کے لیے لانا بہترین تحفہ ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ عجوہ جنت کے میووں میں سے ہے۔ یہ زہر کے دور کرنے کا تریاق ہے۔ اس کو بطور تحفہ لانا اور احباب میں تقسیم کرنا جائز ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کھجور میں بہت کچھ برکت اور قدرت رکھی ہے۔ "کما لا یخفی علیٰ اھل العلم بالحدیث"

دوم تبرکات اختراعی ہیں۔ جن کا ثبوت کسی دلیل شرعی اور تعامل سلف صالحین' صحابہ اور تابعین سے نہیں ہے اور ان میں ظاہری محبت سے اس قدر غلو کیا گیا ہے کہ شرک یا بدعت تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ مثلاً روضہ نبویہ کی دیواروں اور چوکھٹ کو

بوسہ دینا' چمٹنا' طواف کرنا' جھکنا جہالت اور نادانی کا موجب ہے۔

شیعوں کے فرضی تبرکات ⇦ شیعہ دوست کاغذ' کھپچیوں' ابرق اور بانس کا ایک ڈھانچہ کھڑا کرتے ہیں۔ شدے اور پنجے وغیرہ بھی ساتھ ہی ہوتے ہیں' پھر اس میں ایک مصنوعی قبر کی صورت بنا کر اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو حاضر مانتے ہیں۔ اس کا نام تعزیہ ہے جو محرم میں نکالا جاتا ہے۔ شیعہ حضرات اس کو متبرک سمجھتے ہیں۔ اس پر نذر نیاز منت اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ یا حسین کے نعرے لگاتے ہیں۔ کوئی اس سے رزق مانگتا ہے اور کوئی اولاد طلب کرتا ہے' پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی سبیلیں لگاتے ہیں' شربت پلاتے ہیں اور ان سب کو بہت متبرک خیال کرتے ہیں۔ گویا حضرت حسین رضی اللہ عنہ بجسدہ تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ اسی اعتقاد کی بنا پر حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں اور اس کے آگے مرثیہ پڑھتے ہیں' پھر چیختے چلاتے ہوئے بازاروں سے ہو کر فرضی کربلا میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں ان کو دفن کر دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ خلاف شریعت ہے۔ اس تعزیہ اور سبیلوں کے پانی اور شربتوں میں نہ کوئی برکت ہے اور نہ رحمت ہے اور نہ ان سے تبرک لینا عہد نبوی اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

بریلوی حضرات کے تبرکات ⇦ بریلویوں کے تبرکات تو بے حدوحساب ہیں۔ جہاں کسی بزرگ اور پیر کی مزار اور خانقاہ تیار ہو گئی' بس وہاں کی تمام چیزوں کو متبرک سمجھ لیا گیا اور ان سے تبرک لینے لگے۔ قبروں اور مزاروں کو بوسہ دے کر تبرک حاصل کرنا' مٹی اٹھا کر لانا' وہاں کے درختوں کے پتوں اور شاخوں کو نہ توڑنا' چوکھٹ پر سجدہ کرنا' غلاف پکڑنا' اعتکاف بیٹھنا' عرس کرنا' عرس کے کھانے کو بطور تبرک کے اپنے گھروں کو لے جانا۔ خانقاہوں اور مزاروں کے کنوؤں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا اور غسل کرنا' بدن پر پانی ڈالنا' بلکہ اس پانی کو غائبوں کے لیے لے جانا اور آپس میں بانٹنا وغیرہ محض شرکی حرکات اور بدعی تبرکات ہیں جن کا ثبوت شرع میں نہیں ہے اور نہ یہ تبرکات قرون ثلاثہ مشہود بالخیر میں ثابت ہیں۔ یہ اہل ہویٰ نے اپنی خواہشات نفسانیہ سے اختراع کیے ہیں اور یہ حماقت یہاں تک ترقی کر گئی ہے کہ اہل بدعت کی مستورات زندہ پیروں اور سیدوں کے ہاتھوں اور قدموں کو چوم کر تبرک حاصل کرتی

ہیں اور بعض جگہ اہل ہوئی پیروں کی مریدنیاں بلکہ سب مریدین اور مریدات اپنے پیروں کے جسم سے جسم ملا کر اور مباشرت کاملہ اور خلوت صحیحہ کے ذریعہ کامل تبرک حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب تبرکات حرام اور گناہ ہیں۔ ان سب پر یہ حدیث صادق آتی ہے کہ "من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد" نیز "من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد" کہ جو لوگ دین میں نئے نئے کام کرتے ہیں جن پر نہ ہمارا حکم ہے اور نہ عمل ہے وہ مردود ہیں۔

دیوبندی بزرگوں کے تبرکات ⇦ علماء دیوبند نے بریلوی بدعات و رسومات کی تردید میں متعدد کتابیں لکھی ہیں اور رسالے اور اشتہارات شائع کیے ہیں، جن میں بریلوی بدعتوں کا رد ہے، لیکن ان کے اپنے متعلق مولانا محمد لطف اللہ صاحب جالندھری نے "عشق رسول اور علمائے حق" ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کے ص-۱۱ پر مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کی بابت فرماتے ہیں ——— کہ "آپ جب سفر حج کے لیے تشریف لے گئے تو باوجود ضعف کے مدینہ منورہ سے چند منزل قریب سواری کا اونٹ چھوڑ کر محض روضہ پاک کے احترام میں پیدل چلنے لگے جس سے آپ کے پاؤں میں زخم پڑ گئے۔"

حقیقت یہ ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دلیل بالکل قابل غور ہے، کیونکہ یہ روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں غلو ہے، جس کی اجازت شرع نے نہیں دی۔ "ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به الله" "کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جو دین میں ان کے لیے وہ باتیں مشروع کر دیتے ہیں، جن کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت کا معیار یہ پیش فرمایا ہے: "من احب سنتی فقد احبنی" "جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا۔"

قرآن مجید میں ہے: "قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله" "آپ اپنی امت کو کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔"

لیکن یہ احترام روضہ کا باوجود ضعف اور زخمی ہونے کے پیدل چلتے رہے، غیر مشروع ہے۔ حدیث میں ہے کہ "اکلفوا من العمل ماتطیقون" "اتنے ہی کام کی تکلیف اٹھاؤ جس کو کر سکو۔"

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی بہن نے یہ نذر مانی کہ وہ پیدل حج کریں گی۔ عقبہؓ نے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی اس نذر کی حاجت نہیں' ان سے کہو کہ وہ سوار ہو کر حج کریں۔" اسی طرح ایک شخص قربانی کے اونٹ ساتھ ہونے کے باوجود پیدل چل رہا تھا۔ آپ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔ ہر چند اس نے عذر کیا کہ یہ قربانی کے اونٹ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ قربانی کا جانور ہے' لیکن تم سوار ہو جاؤ ــــ اسی طرح ایک بوڑھے کو سفر حج میں دیکھا جو خود سفر پر نہ چل سکتا تھا' اس کو اس کے بیٹے دونوں طرف سے پکڑ کر چلا رہے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس نے پیدل حج کی نیت کی ہے۔ فرمایا اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ یہ اپنی جان کو اس طرح عذاب میں ڈالے' اس کو سوار کر دو۔" (سیرت النبی ﷺ)

بہرکیف حدیث میں ہے کہ "ان ھذا الدین یسر" "یہ دین آسان ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" "اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے' سختی نہیں ہے۔"

بخاری میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے حجتہ الوداع میں اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا اور لاٹھی سے حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے ــــ تو کیا بیت اللہ کے احترام سے روضہ کا احترام زیادہ ہے ــــ کہ کئی منزل پہلے ہی نیچے اتر گئے۔

پھر حدیث میں ہے کہ معاذؓ سوار جا رہے تھے اور آنحضور ﷺ ان کو وداع کرتے ہوئے پیدل تھے۔ آپ نے ان کو پیدل ہو جانے کا حکم نہیں دیا' حالانکہ بذاتہ پاس موجود تھے ــــ تو پھر بعد از وفات روضہ اقدس کا یہ احترام کس دلیل سے پیدا ہو گیا ــــ؟

پھر آگے چل کر مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا بے پناہ عشق ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ــــ "حضرت مولانا کے ہاں حجرہ مطہرہ نبویہ کے غلاف کا ایک سبز رنگ کا ٹکڑا تھا' جسے آپ ہر جمعہ اپنے ہاتھ سے نکال کر بطور تبرک لوگوں کو زیارت کراتے اور خود سر آنکھوں پر ملتے۔" (ص۔۱۲)

یہ تبرک بھی غیر مستند ہے' کیونکہ روضہ پر غلاف چڑھانا ثبوت طلب ہے' پھر اس

کا تبرک بنانا اور تبرک کے طور سے آنکھوں پر ملنا اور اس کی زیارت کرنا خلاف شرع ہے۔

کتبہ العاجز عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری

ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد-۳' شمار-۴۵ و ۴۸' بمطابق ۴ر جولائی و ۲۵ر جولائی ۱۹۵۲ء

فتویٰ بابت تبرک غلاف کعبہ

سوال: (۴۲۱) کیا حکم ہے شریعت محمدیہ کا دریں مسئلہ کہ بیت اللہ کا غلاف جب کہنہ اور پرانا ہو جاتا ہے تو اس پر نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے' پھر اس پرانے پردہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیچا جاتا ہے اور لوگ اس کو متبرک سمجھ کر خریدتے ہیں اور اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں' پھر اس کو کوئی تو اپنے مکان میں تبرک کے طور پر رکھتا ہے اور کوئی مسجد میں لٹکاتا ہے اور کوئی قرآن میں رکھتا ہے اور کوئی مریض کو اس سے ہوا دیتا ہے اور کوئی دھو کر پلاتا ہے اور کوئی اپنے چہرہ پر پھیر کر برکت حاصل کرتا ہے۔ الغرض مکہ' مدینہ میں دوکانوں پر اس پردہ کے ٹکڑے فروخت ہوتے ہیں اور لوگ دور دراز ملکوں کے جو حج کو جاتے ہیں وہ وہاں سے خرید کر لاتے ہیں۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بروئے قرآن و حدیث و تعامل صحابہ کرام جواب دیا جائے۔

سائل عبداللہ مہاجر

جواب: (۴۲۱) **الجواب وھو الموفق للصواب' الحمد للہ رب العلمین امابعد فاقول وباللہ التوفیق۔** تبرکات دو قسم کے ہیں۔ ایک مستند تبرکات جن سے شرعی حد کے اندر رہ کر تبرک حاصل کیا جاتا ہے جیسے آب زمزم کہ وہ مریضوں کے لیے موجب شفا ہے اس سے نہا کر یا اس کو پی کر تبرک حاصل کرنا مشروع ہے اور اس پر عہد نبوی سے لے کر اس وقت تک برابر تمام امت محمدیہ کا تعامل اجماعی چلا آتا ہے اور احادیث سے ثابت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

ایسا ہی حجر اسود کو بوسہ دینا اور اس پر رخسار ملنا جائز اور موجب برکت و ثواب ہے۔ حضرت عمرؓ حجر اسود کو بوسہ دیتے جاتے اور یہ فرماتے تھے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے۔ "**لولا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل ما قبلتک**" اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

اس حدیث پر غور کرلیں کہ یہ پتھر جنت سے آیا ہے زمین میں یمین اللہ کہلاتا

ہے۔ کتنے انبیاء عظام اور اولیائے کرام نے اس کو بوسہ دیا ہے اور وہ متبرک ہے لیکن بایں‌ہمہ حضرت عمرفاروق رئیس الموحدین ﷛ اس کو ایک پتھرہی سمجھتے ہیں اور توحید الٰہی سے لبریز کلمات استعمال کرتے ہیں اور اتباع رسول ﷺ کے جذبہ میں اور اپنے محبانہ انداز میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے آنحضرت ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔

ان الفاظ سے کسی تابعدار امتی بوسہ دینے والے کی نظر میں اس پتھر کی اتباع رسول کے سوا اور کوئی کشش باقی نہیں رہ جاتی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو تمام امت کے لیے اسوہ حسنہ بنایا ہے کہ اس نمونہ پر اپنے ہر عمل کی تصویر اتاریں۔ اگر اس نمونہ میں کسی تبرک کا ثبوت نہ ہو تو وہ متبرک نہیں ہے۔ چنانچہ نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷛ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آکر نمازیں پڑھتے ہیں۔ جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی۔ اس پر انہوں نے ڈانٹا اور درخت کاٹنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ حسب الحکم وہ کاٹ دیا گیا۔ (رواہ ابن سعد کما فی القسطلانی)

اس سے ظاہر ہوا کہ دوسری قسم تبرکات غیر مستندہ کی ہے یعنی ایسی چیزوں کو متبرک سمجھنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا جن کا متبرک ہونا اور ان سے تبرک حاصل کرنا مشروع نہیں ہے۔ زمانہ حاضرہ میں ہر وہ چیز جو مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے آجائے اس کو متبرک سمجھتے ہیں اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ کوئی وہاں سے مٹی لاتا ہے اور کوئی تسبیح لاتا ہے اور کوئی غلاف کے ٹکڑے لاتا ہے۔ ان تبرکات اختراعیہ کی حد سے زیادہ تعظیم کر کے شرکیات میں پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ خانقاہوں اور مقبروں پر جو غیر شرعی تبرکات حاصل کیے جا رہے ہیں' ان سے دین میں ایک فتنہ کا دروازہ کھل گیا ہے اور لوگ شرک و بدعت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ میں نے اخبار الاعتصام مطبوعہ ۱۸ شوال ۱۳۷۱ھ و ۲ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ میں تبرکات کی شرعی حیثیت کے عنوان سے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے۔ اگرچہ کارکنان الاعتصام نے میرا مضمون مکمل درج نہیں کیا' لیکن تاہم مطبوعہ مضمون سے ایک انصاف پسند شخص اصل حقیقت کو پہنچ جاتا ہے اور اصلی مسئلہ کو پالیتا ہے۔

پس غلاف کعبہ سے تبرکات حاصل کرنا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ یہ چیز تبرکات غیر مستندہ میں داخل ہے اور احداث فی الدین ہے۔ حدیث میں ہے کہ "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد" جو شخص ہمارے دین میں نیا کام پیدا کرے وہ مردود ہے اور حدیث میں ہے کہ "کل بدعة ضلالة" کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

کسی شرعی دلیل اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے غلاف کعبہ کے ٹکڑے اپنے وطن کو لے جانا اور اس سے تبرک حاصل کرنا ثابت نہیں ہے' من ادعیٰ فعلیه البیان۔

بیت اللہ پر غلاف چڑھانے اور اتارنے کا رواج قدیم زمانہ کا ہے' لیکن ان تبرکات کا ثبوت قرون مشھودلھا بالخیر میں نہیں پایا گیا یا میری نظر سے نہیں گزرا۔ مولانا داوٗد صاحب گوڑگانوی نے اپنی کتاب حج بیت اللہ میں بیان فرمایا ہے کہ "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت اللہ پر غلاف چڑھایا جاتا تو پچھلے سال کا غلاف حاجیوں پر تقسیم کر دیا جاتا۔" لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ پھر وہ لوگ اس غلاف کا کیا کرتے تھے۔ جب تک اس کی تفصیل نہ ہو محض کسی کپڑے کا تقسیم کیا جانا کسی خاص برکت حاصل کرنے پر دلیل نہیں ہو سکتی' پھر یہ لکھتے ہیں کہ "حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی عمل رہا۔ ایک دفعہ آپ نے غلاف کعبہ کا کپڑا کسی حائضہ عورت کو پہنے دیکھا تو تقسیم کی عادت بدل دی اور قدیم غلاف دفن کیا جانے لگا۔ اس کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ یہ اضاعت مال ہے اس لیے بہتر ہے کہ پرانا پردہ فروخت کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کی قیمت غریبوں پر تقسیم ہونے لگی۔ عرصہ دراز سے آج تک فروختگی کا سلسلہ برقرار ہے مگر قیمت غریبوں پر تقسیم کرنے کا دستور نہیں ہے۔"

مولانا نے ان آثار کا کوئی حوالہ نہیں دیا تاکہ وہاں تفصیل دیکھ لی جاتی کہ جو لوگ خرید کر لے جاتے تھے وہ کیا کرتے تھے۔ کتاب پیروی صحابیات کے ص ۱۳۹ پر پنجابی نظم میں مولانا عبدالکریم صاحب فیروز پوری دام فیضہ نے عین المصابہ بحوالہ سنن بیہقی یہ لکھا ہے کہ شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ جو کعبہ کے کنجی بردار تھے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی

اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ میں نے کعبہ کے غلاف قدیم کو اتار کر دفنا دیا ہے تاکہ ناپاک لوگ اس کو ہاتھ نہ لگائیں اور استعمال نہ کریں۔ تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ تم برا کرتے ہو۔ جب غلاف کعبہ اتر گیا تو اب اس کو پاک لوگ استعمال کریں یا ناپاک کریں کچھ حرج نہیں ہے۔ تم لوگ اس غلاف کو فروخت کر دیا کرو اور اس کی قیمت اللہ تعالٰی کے راستہ میں غریبوں پر تقسیم کر دیا کرو۔

اس فیصلہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ ظاہر ہوا کہ غلاف فروخت کر کے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسے دوسرے کپڑے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ پس اس سے تبرکات مصنوعہ حاصل کرنے ثابت نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ احترام کرے کہ اس کو حائضہ یا جنبی استعمال نہ کرے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر کے مطابق اتنا ہی درست ہو سکتا ہے مزید تبرک حاصل کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں موجودہ غلاف میں کچھ یہ زیادتی ہو گئی ہے کہ اس میں آیات الٰہی اور کلمات اور اسماء الٰہی لکھے جاتے ہیں یا صنعت کے طریق سے اس میں بنے جاتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے اس کا احترام کیا جائے کہ ناپاک لوگ اس کو استعمال نہ کریں تو یہ درست ہے۔ اور کلام الٰہی اور اسماء سے تبرک اور استشفاء کیا جائے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے دیگر تعویذات اور کلمات مشروعہ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

بہرکیف نفس پردہ کا بوجہ بیت اللہ پر چڑھنے کے قابل استشفاء ہو جانا اور اس سے تبرک حاصل کرنا محتاج دلیل ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس کوئی دلیل شرعی یا تعامل صحابہ کا کوئی ثبوت ہو تو وہ پیش کرے تاکہ اس پر غور کیا جائے ورنہ یہ تعظیم اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ مدینہ شریف میں جا کر روضہ نبویہ کے غلاف سے بھی تبرک حاصل کرنے لگے ہیں اور بطور تبرک لوگوں کو زیارت کراتے اور خود سر آنکھوں پر ملتے ہیں جس کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔

پس یہ تبرک غیر مستند اور اختراعی ہے۔ اول تو روضہ پر غلاف چڑھانا ثبوت طلب ہے پھر اس سے تبرک حاصل کرنا اور تبرک کے طور پر آنکھوں پر ملنا محتاج ثبوت ہے' پھر زیارت کرنا اور لوگوں کو زیارت کرانا دلیل شرعی کا محتاج ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات خلاف شرع اور بدعت ہے' کیونکہ اس کا ثبوت شرع سے نہیں ہے' فقط ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ عبدالقادر المہاجر الحصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہلحدیث کراچی بابت ۱۵ شوال المکرم ۱۳۷۳ھ جلد-۳۴' نمبر-۲۰

19191

حیات و نزول مسیح (علیہ السلام)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول آسمانی کا مسئلہ اسلام اور مسلمانوں میں متفق علیہ ہے جس پر کتاب و سنت کے نصوص قطعیہ ناطق ہیں اور اس پر اہل حق فرقہ ناجیہ کا اجماع قائم ہے' جس سے انکار کرنا کفر بواح ہے کیونکہ اس بارہ میں ۷۰ سے زیادہ احادیث مروی ہیں اور تقریباً ۲۴ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان احادیث کو روایت کیا ہے جو کہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ مجموعہ ان احادیث مرفوعہ کا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے۔ جس سے سوائے کسی گمراہ فرقہ مرزائی' نیچری' چکڑاوی' پرویزی وغیرہ خارج از اسلام کے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور جو شخص انکار کرے گا وہ خارج از اسلام متصور ہو گا ــــــ!

کیونکہ آنحضرت ﷺ صادق مصدوق نے حلفیہ طور پر بالیقین یہ فرمایا ہے: **والذی نفسی بیدہ لینزلن فیکم ابن مریم حکما عدلا واماما مقسطا** یعنی "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ضرور بالضرور تمہارے میں یعنی مسلمانوں میں ابن مریم' حاکم' عادل اور امام انصاف کرنے والے بن کر نازل ہوں گے۔"

اس حدیث میں تین تاکیدیں جمع ہیں: (۱) حلف (۲) لام تاکید (۳) نون ثقیلہ تاکیدی۔ یہ قطعی خبر ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے۔ اگر نازل نہ ہوں تو نبی اکرم ﷺ اپنی قسم میں حانث قرار پاتے ہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کتاب الایمان کے ص-۳۹۲ میں یہ فرماتے ہیں: **ولو حلف علیٰ اعتقادہ فکان الامر بخلاف ماحلف علیہ حنث** یعنی "اگر کسی نے اعتقادی طور پر قسم کھائی اور وہ خلاف ظاہر ہوئی تو حالف حانث ہوا۔"

مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے لفظوں میں نبی کریم ﷺ کی زبانی یہ حلفیہ خبر دی کہ **قل بلیٰ وربی لتاتینکم** (الآیہ) یعنی "اے نبی! آپ یہ کہہ دیجئے کہ قسم ہے میرے رب کی کہ تم پر قیامت ضرور آئے گی۔" اب اگر قیامت نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ دونوں حانث ہو جائیں گے اور یہ شان الوہیت اور شان رسالت کے خلاف ہے۔

اور اگر کوئی یہ خیال کرے کہ یہ تو اس صورت میں ہے کہ ان احادیث کو فی الواقع حق اور صحیح یقین کرے اور جب یہ سمجھے کہ یہ احادیث بناوٹی' موضوع راویوں کی گھڑی اور تراشی ہوئی ہیں تو وہ حانث متصور نہ ہو گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا انکار کرنا اور ان کو موضوع اور بناوٹی کہنا ایسا ہے جیسے کوئی قرآن کو کہے یہ بناوٹی ہے۔ جس طرح کفار مکہ نے کہا تھا' تو یہ کفر ہے کیونکہ احادیث نزول مسیح علیہ السلام کی متواتر ہیں۔ جو شخص ان احادیث کو خبر واحد کہہ کر ان کی تکذیب کرتا ہے وہ علم حدیث سے بالکل جاہل ہے۔

چنانچہ علامہ ابوبکر محمد زہیر شاویش کتاب الایمان مصنفہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ ص۔۳۹۳ میں فرماتے ہیں:

"متفق علیه ونزول عیسیٰ علیه السلام متواتر یجب الایمان به ولا یغتر بمن یزعم انه حدیث احاد فانه لیس من اهل العلم بهذا الشان کیف ذالک وقد استخرجت له بنفسی عشرین طریقا عن عشرین صحابیا باکثر من عشرین سندا صحیحا۔"

یعنی "حدیث نزول مسیح متفق علیہ ہے جس کو امام بخاری و مسلم رحمہم اللہ ہر دو نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس شخص کے قول سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے جو یہ کہتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر واحد ہے کیونکہ وہ فن حدیث میں ماہر نہیں ہے اور یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ میں نے خود بیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیس طریقوں سے اس حدیث کا استخراج کیا ہے جو بیس سے زیادہ صحیح سندیں تھیں۔"

امام ابن کثیر اپنی تفسیر کی ج۔۱' ص۔۵۷۷ میں فرماتے ہیں: "ثم انه رفعه الیه وانه باق حی وانه سینزل قبل یوم القیمة کما دلت علیه الاحادیث المتواترة التی سنورد انشاءالله قریبا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور وہ زندہ باقی ہیں جو عنقریب قیامت سے پہلے نازل ہوں گے۔ جیسا کہ اس پر

احادیث متواترہ دلالت کرتی ہیں جن کو ہم قریب ہی مقام پر انشاء اللہ ذکر کریں گے۔"

پھر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان احادیث کو بیان فرمایا ہے جو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بروایت بخاری و امام احمد و امام مسلم رحمہم اللہ مختلف طریقوں سے حدیث نقل کی ہے جس میں: ینزل فیکم ابن مریم اور اذا نزل فیکم المسیح ابن مریم --- فینزل عیسی ابن مریم--- الفاظ وارد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور حج کا احرام باندھ کر بیت اللہ کا حج کریں گے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر کی گئی ہے جس میں قیامت کے مذاکرہ کا ذکر ہے جو انبیاء کرام کے درمیان ہوا' جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں' البتہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کیا ہے کہ دجال نکلے گا جو مجھے دیکھ کر رنگ کی طرح پگھلے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے ہلاک کرے گا۔

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جو بروایت امام احمد رحمہ اللہ ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: وینزل عیسی ابن مریم عند صلوۃ الفجر (کہ فجر کے وقت عیسیٰ نازل ہوں گے)

ابو رافع رضی اللہ عنہ سے حدیث طویل نقل کی ہے جس میں نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر کی ہے جس میں دمشق کے منارہ شرقیہ پر فرشتوں کے پر سے اترنا مذکور ہے' پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر کی گئی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: فیبعث اللہ تعالیٰ عیسی بن مریم کانہ عروۃ بن مسعود یعنی "اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا وہ عروۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں۔"

اور مجمع بن جاریہ سے حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ فرمان نبوی ہے: یقتل ابن مریم الدجال بباب لد۔ یعنی "ابن مریم' دجال کو باب لد کے پاس جا کر قتل کریں گے۔"

اور ترمذی کا فرمان ذکر کر کے باقی روایات کا حوالہ دے دیا ہے۔ نہایت حوصلہ

سے اس روایت کے تمام راویوں کو ملاحظہ فرما کر اپنا خاص نظریہ قائم کریں کہ ان تمام راویوں کے درمیان امر مشترک نزول مسیحؑ کا ذکر ہے یا نہیں؟ جہاں تک میرا ظن غالب ہے اس مسئلہ سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ روایت حد تواتر کو پہنچ چکی ہے جیسا کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے: **قال وفی الباب عن عمران بن حصین ونافع بن عیینة وابی برزة وحذیفة ابن اسید وابی هریرة وکیسان وعثمان بن ابی العاص وجابر وابی امامة وابن مسعود وعبداللّٰه بن عمرو وسمرة ابن جندب والنواس بن سمعان وعمرو بن عوف وحذیفة بن الیمان رضی اللّٰه عنهم۔**

میں کہتا ہوں بروایت نسائی و مسند احمد ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے بھی حدیث آئی ۔۔ جس میں یہ ذکر ہے کہ میری امت کے دو لشکر ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے آگ دوزخ سے بچا لیا ہے۔

☆ ایک وہ جو ہندوستان پر حملہ کرے گا۔

☆ دوسرے وہ جو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہو گا۔

ایک حدیث ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے آئی ہے جس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جو ذکر دجال اور ابن مریم میں طویل ہے' جس میں یہ ذکر ہے: **فبینما امام قد تقدم یصلی بهم الصبح اذا نزل علیهم عیسی بن مریم۔** یعنی "ان کا امام لوگوں کو نماز پڑھانے کی تیاری کر رہا ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان پر نازل ہو جائیں گے۔"

سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے بھی یہ حدیث بروایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ آئی ہے جس میں بیان ہے: **فینزل عیسیٰ علیه السلام فیقتله اللّٰه تعالیٰ۔** "یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور دجال کو اللہ ان کے ذریعہ ہلاک کر دے گا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دجال کے قصہ میں بروایت مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ آیا ہے: **فینزل عیسیٰ علیه السلام فی الارض اربعین سنة اماما عادلا وحکما مقسطا۔** "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے پھر دجال کو قتل کریں گے اور پھر زمین میں ۴۰ سال آباد رہیں گے اور بادشاہ عادل اور حکم انصاف کرنے والے ہوں گے۔"

مشکوۃ وغیرہ میں عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له (الحدیث) "حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے اور شادی کرائیں گے اور ان کی اولاد ہو گی۔"

اسی طرح امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے عبداللہ بن سلام ؓ سے روایت کیا ہے: یدفن عیسیٰ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وصاحبیه فیکون قبره رابعا۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دو جاں نثار ساتھیوں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس دفن ہوں گے' اس اعتبار سے آپ کی قبر چوتھی ہو گی۔"

یہ حدیث حکماً" مرفوع ہے کہ اس میں رائے قیاس کا کوئی دخل نہیں۔ کنزالعمال میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے: فرمایا آنحضرت ﷺ نے عند ذالک ینزل عیسی بن مریم من السمآء۔ "اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔"

درمنثور ج-۲' ص-۲۴۵ میں جبیر بن مطعم بن نفیر حضرمی ؓ سے مرفوعاً" مرسلاً" آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کو ذلیل اور ناکام نہ کرے گا جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ہیں۔ نیز درمنثور ج-۱' ص-۲۴۵ میں ہے کہ حضرت انس ؓ نے روایت کیا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: من ادرک منکم عیسی بن مریم فلیقراه منی السلام۔ "جو شخص تم میں سے حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کرے تو وہ ان کو میری طرف سے سلام کہہ دے۔"

ابن جریر و ابن ابی حاتم میں حضرت حسن ؓ سے مرفوعاً" یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہود کو یہ فرمایا: ان عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیمة۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے' وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف واپس لوٹ آئیں گے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ نہ سمجھنا اور یہ کہنا کہ وہ مر گئے اور واپس نہ آئیں گے یہ یہود مردود کا عقیدہ تھا۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے اہل اسلام

کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ قیامت سے پہلے نازل ہوں گے۔ اب جو شخص وہی عقیدہ رکھے گا جو یہود کا ہے تو وہ کافر یہودی ہے' مسلمان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس متواتر حدیث کا منکر ہے۔ چوبیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے میں نے نقل کی ہے۔ یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ جن راویوں نے یہ احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہیں اور پھر جن راویوں نے ان تابعیوں سے روایت کی ہیں' یہاں تک کہ کتب حدیث کے مصنفین تک یہ سلسلہ پہنچا ہے۔ ان سب کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کی مختلف سندوں میں بکثرت رواۃ ثقہ ہیں جو مختلف علاقوں اور مختلف قبیلوں کے لوگ ہیں۔ اس قدر کثیر تعداد مسلمانوں کے متعلق یہ ظن کرنا کہ ان سب نے مل کر کسی اجلاس میں نزول مسیحؑ کی کہانی اپنی طرف سے گھڑ کر جناب رسول خدا ﷺ کی طرف منسوب کر دی ہے' نقلاً" و عقلاً" باطل ہے۔

تدریب را الراوی ص۔۳۷۳ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: **اذا اجتمعت علیٰ اخراج حدیث وتعددت طرقه تعددا یحتل العادة تواطهم علی الکذب افاد العلم الیقین بصحته الیٰ قائله**۔ یعنی "جب مصنفین کسی حدیث کے اخراج پر متفق ہو جائیں اور اس حدیث کی سندیں اس قدر تعداد رکھتی ہوں کہ جن کے کثیر التعداد راویوں کا جھوٹ پر موافقت کرنا عادتاً" محال ہو تو وہ حدیث بالیقین صحیح ہوتی ہے' اس حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔"

ارشاد الفحول ص۔۴۶ میں ہے: **وفی الاصطلاح خبر اقوام بلخوا فی الکثره الی حیث حصل العلم بقولهم**۔ یعنی "علم اصول کی اصطلاح میں خبر متواتر وہ ہے جس کو مختلف قوم کے لوگ اس قدر کثرت سے بیان کریں کہ ان کی بات سے یقینی علم حاصل ہو جائے۔"

تدریب الراوی ص۔۳۷۱ میں ہے: **قال الا صطخری اقله عشره وهو المختار** یعنی "علامہ اصطخری نے فرمایا ہے کہ جن کی خبر سے علم یقینی حاصل ہو' ان کی تعداد کم از کم دس ہے اور یہی بات پسندیدہ ہے۔"

چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار متواترہ کے بارہ میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس

میں ایسی احادیث درج کی ہیں جن کو دس یا اس سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ تواتر کی علماء اہل اصول نے دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک تواتر لفظی اور دوم معنوی۔ تواتر لفظی یہ ہے کہ لفظوں کو تمام راوی ایک ہی طرح بیان کریں۔ جیسے قرآن کے الفاظ تواتر لفظی کی قسم سے ہیں۔ اور تواتر معنوی یہ ہے کہ ہر راوی کی روایت کے الفاظ تو مختلف ہوں مگر ان سب کا مفہوم جو قدرے مشترک ہے' ایک ہوں۔ پس اس لحاظ سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث تواتر معنوی رکھتی ہے کہ قدر مشترک ان میں نزول عیسیٰ علیہ السلام ہے اور اس امر کو چوبیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی زیادہ بیان کرتے ہیں۔ جن کے جھوٹ پر متفق ہونے کو عقل اور نقل محال جانتی ہے۔ اس لیے محدثین محققین نے اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

امام شوکانی عالم ربانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر بے نظیر جلد اول ص-۴۹۶ میں فرماتے ہیں: **المراد الایمان به عند نزوله فی اخر الزمان کما وردت بذالک الاحادیث المتواترة**۔ یعنی "اہل کتاب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا جو قرآنی آیت میں مذکور ہے' یہ ان کے نزول کے وقت ایمان لانا مراد ہے۔ جیسا کہ نزول کے بارہ میں احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں۔"

نیز یہ فرماتے ہیں: **قد تواترة الاحادیث نزول عیسیٰ** (ص-۴۹۷) یعنی "نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث متواتر ہیں۔"

جب یہ حدیث متواتر قرار پائی تو اس پر ایمان لانا فرض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح علیہ السلام کے آنے کی جو خبر دی ہے یہ حق اور صحیح ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ ایمان لانا ایمان بالرسول میں داخل ہے۔ چنانچہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "ابانہ" میں فرماتے ہیں: **انا نقر باللّٰه وملئكة ورسله وبما جاؤا به من عند اللّٰه وما رواه الثقات عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا نرد من ذالک شیئا**۔ یعنی "ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور ساتھ اس چیز کے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور ساتھ ان احادیث کے جو ثقہ راویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب حق ہیں اور ہم ان میں سے کسی کو رد نہیں کرتے۔"

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں: ونسلم الروایات الصحیحة عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم التی رواھا الثقات عدل عن عدل حتٰی ینتھٰی الٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ (منقولہ از رسالہ "ابوالحسن الاشعری بقلم فضیلتہ الشیخ حماد بن محمد الانصاری ص-۲۴) یعنی "ہم ان روایات صحیحہ کو تسلیم کرتے ہیں جو بذریعہ ثقہ راویوں کے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہیں' اس سے ظاہر ہے کہ احادیث صحیحہ پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا ایمان بالرسول میں داخل ہے' پس جو شخص کسی حدیث صحیح متواتر ہو یا مشہور یا خبرواحد سے انکار کرے گا وہ کافر ہے۔"

چنانچہ ابن حزم رحمہ اللہ احکام الاحکام' جلد اول ص-۱۰۱ میں فرماتے ہیں: ان کل مانقلہ الثقة عن الثقة مبلغا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قران وسنة ففرض قبولہ والتصدیق بہ واعتقادہ و والتدین بہ۔ یعنی "ہر وہ چیز جس کو ثقہ راوی ثقہ راوی سے نقل کرے اور اس کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دے خواہ قرآن ہو یا حدیث تو اس کا قبول کرنا اور تصدیق کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا اور اس کی پیروی کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا فرض ہے۔"

پھر ص-۹۳ میں قرآنی آیت پیش کر کے یہ لکھا ہے کہ: "جو لوگ آیت' حدیث سن کر سمعنا واطعنا کہتے ہیں وہ اہلحدیث ہیں۔ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مؤمنون ہیں' مفلحون ہیں' فائزون ہیں۔"

اور صفحہ-۸۹ میں یہ فرمایا ہے: من بلغہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خبر یقر بصحتہ ثم ردہ بغیر تقیة فھو کافر۔ یعنی "جس شخص کو آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث اور خبر پہنچ گئی جس کی صحت کا اقرار کرتا ہے اور پھر اس کو بغیر کسی خوف سے جان بچانے کے رد کر دیتا ہے تو وہ کافر ہے۔"

حدیث نزول عیسیٰ جس کو آنحضرت ﷺ مخبر صادق نے بطور پیشین گوئی ارشاد فرمایا ہے' جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآنی پیشین گوئی کے ساتھ تصدیق کیا ہے' اس کی جو شخص تکذیب کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا قائل ہے اس کے کفر میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پیش گوئیاں صداقت رسول کا معیار ہیں' ان کی تکذیب سے رسالت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ دین کے اصولوں میں دو اصول' "ایک

ایمان بالرسالت اور دوسرا ایمان بالقیامہ" ایسے ہیں کہ ان کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کا تعلق ان دونوں اصولوں سے ایسا مضبوط ہے کہ اس کی تکذیب سے دونوں اصولوں کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ اس لیے کتب عقائد میں اس مسئلہ کو دیگر عقائد کے ساتھ عقیدہ شمار کر کے درج کیا گیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اور حدیث نزول سے اس کو ثابت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں: "**فیه الاحادیث المشهورة**" کہ "اس بارے میں احادیث مشہورہ وارد ہیں۔" جن کے الفاظ اور معانی کو ہم ذکر کریں گے۔ بحر محیط ص۔۴۷۳ میں ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ: "تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قرب قیامت بجسم عنصری پھر تشریف لانے والے ہیں۔ جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔"

عبدالقادر الحصاری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد۔۔۔' شمارہ۔۔۔' بمطابق ۳ر دسمبر سنہ۔۱۹۶۵ء

پدر ابراہیم علیہ السلام کا نام اور مذہب

دیگر مسائل فروعی اور تاریخی کی طرح اس مسئلہ میں بھی علماء کا سخت اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے والد صاحب مسلمان تھے یا مشرک؟ اور ان کا نام آزر تھا یا تارخ تھا؟

اخبار اہل حدیث سوہدرہ مطبوعہ ۱۵ر مئی ۱۹۶۱ء میں مفتیان دیوبند کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں یہ لکھا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا' والد نہیں تھا۔ ان مفتیان نے بحوالہ تفسیر مظہری اہل کتاب اور اہل تاریخ کا اس پر اجماع بتایا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا' بلکہ چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا' پھر اس کے ثبوت کے لیے قاموس اور علامہ سیوطی کی بعض تصانیف کا حوالہ بھی دیا ہے۔

ہمارے علماء اہل حدیث میں سے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی سیرت المصطفیٰ کی جلد اول ص۔۷۱ سے ص۔۷۴ تک اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں۔ آپ بھی مفتیان دیوبند کی طرح اس امر کے قائل ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا باپ نہ تھا' اور آپ کا والد مسلمان تھا اور چچا مشرک تھا' لیکن محدثین اور محققین علماء دین اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا' اور وہ مشرک تھا' بظاہر یہ اختلاف معمولی معلوم ہوتا ہے اور نئی روشنی کے لوگ ایسے اختلاف پر بحث کرنا اور سننا پسند نہیں کرتے' لیکن حقیقت پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ اختلاف بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ جو لوگ حضرت ابراہیم کے باپ آزر کو کفروشرک سے بری قرار دے کر بت پرستی اور کواکب پرستی کو ان کے فرضی چچا بنام آزر کے سر منڈھ رہے ہیں' وہ قرآن و حدیث کا سراسر خلاف کر رہے ہیں اور یہ نہایت باطل عقیدہ ہے' جس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل ناطق نہیں ہے۔ اس لیے راقم الحروف اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہے۔ ناظرین اہل انصاف کو غوروفکر سے یہ مضمون پڑھنا چاہیے:

میرا دعویٰ یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے اور وہ بڑے

مشرک تھے' اس پر مندرجہ ذیل دلائل ناطق ہیں:

دلیل اول ⇦ قرآن کریم سورہ انعام پارہ-۷' رکوع-۱۵ میں ہے: **"واذ قال ابراھیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما الھۃ انی اراک وقومک فی ضلال مبین"** اس کا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے' "اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے واسطے باپ اپنے آزر کے کیا پکڑتا ہے تو بتوں کو معبود' تحقیق میں دیکھتا ہوں تجھ کو اور قوم تیری کو بیچ گمراہی ظاہر کے۔"

ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی طرح ہے کہ فرماتے ہیں: "جس وقت کہا ابراہیم علیہ السلام نے واسطے باپ اپنے کے کہ نام اس کا آزر تھا آیا پکڑتا ہے تو بتوں کو خدا اپنا۔" (موضح القرآن)

بریلوی حضرات کے مفتی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔ "جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو۔"

دیوبندی گروہ کے حکیم الامت الحنفیہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بیان القرآن جلد-۷' ص-۹ میں آیت **"اذ قال لابیہ یابت"** (الآیۃ) کا ترجمہ یوں کیا ہے' "جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے۔" پھر اس کی تفسیر میں یہ لکھا ہے' "جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے جو کہ مشرک تھا کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو کچھ نہ سنے اور نہ کچھ دیکھے۔"

مولانا تھانوی شیخ علماء دیوبند نے ترجمہ میں باپ ہی لکھا ہے' بیان القرآن جلد-۳' ص-۹۶ میں آیت **"اذ قال ابراھیم لابیہ آزر"** کا ترجمہ یہ فرمایا ہے "جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے فرمایا" اور تفسیر میں بھی مکرر یہی ترجمہ درج ہے۔

علامہ سیوطی تفسیر جلالین سورہ انعام ص-۱۱۸ میں زیر آیت **"اذ قال ابراھیم لابیہ آزر"** یہ لکھتے ہیں **ھو لقبہ واسمہ تارخ** یعنی آیت میں لفظ آزر حضرت ابراہیم کے باپ کا لقب ہے اور نام اس کا تارخ ہے۔ اور سورہ مریم میں آیت **اذ قال لابیہ** کے تحت تفسیر جلالین میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں "آزر" یعنی باپ کی تفسیر آزر نام سے کی ہے' اس کے حاشیہ پر لکھا ہے **"قیل حقیقۃ وھو مشی علیہ السیوطی فی

سورۃ الانعام بتعا لمفسرھا" یعنی آزر ابراہیم کا حقیقتہ باپ تھا۔ علامہ سیوطی نے سورہ انعام میں بھی اسی خیال سے تفسیر کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تفسیر جلالین لکھتے وقت علامہ سیوطی کا یہی خیال تھا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ تھا اور تمام مترجمین نے قرآن کے تراجم میں آزر کو باپ ہی لکھا ہے۔ حقیقی باپ وہ ہوتا ہے جس کی صلب سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ان بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں جو ان کی صلب سے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآن میں "**وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم**" یعنی تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں جو تمہاری صلب سے پیدا شدہ ہیں' چچا حقیقی باپ نہیں ہے' محض مجازی ہے۔ اس لیے اس پر بھتیجے کی بیوی حرام نہیں ہے۔ علم اصول کی رو سے کسی لفظ سے اس کا اصل موضوع لہ مراد ہونا حقیقت ہے اور موضوع لہ کے خلاف دوسرا معنی مراد لینا مجاز ہے۔ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اس جگہ پر مراد لیا جاتا ہے جہاں حقیقت متعذر ہو' جہاں جہاں حقیقت کا امکان ہو' مجاز ساقط ہے **متی امکن العمل بہ سقط المجاز** (منار) مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ رسالہ اصول فقہ میں فرماتے ہیں کہ **لا یحمل علی المعنی المجازی الا لقرینۃ**" یعنی بغیر کسی قرینہ کے کسی لفظ کو مجازی معنی پر معمول نہیں کیا جائے گا۔

مولانا محمود الحسن صاحب سرتاج علماء دیوبند اپنے رسالہ ادلہ کاملہ ص-۱۷ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ "باوجود امکان ارادہ معنی حقیقی معنی مجازی مراد لینا صریح ناانصافی ہے۔

بروئے مجازی اصول یہ محقق ہوا کہ حقیقت کے ہوتے ہوئے مجاز لینا درست نہیں' بلکہ بے انصافی ہے' تو قرآن کے ظاہر نص سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور یہ حقیقی باپ تھا' چچا نہ تھا۔ چچا باپ حقیقی نہیں ہے' مجازی ہے۔

دلیل دوم ⇦ سورہ مریم میں "**اذ قال لابیہ یاابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا**" (ترجمہ شاہ رفیع الدین) جس وقت کہا اس نے واسطے باپ اپنے کے' اے باپ میرے کیوں عبادت کرتا ہے اس چیز کی کہ نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کفایت کرے تجھ سے کچھ۔"

اسی طرح ترجمہ مولانا تھانوی کا ہے جو پہلے گزر چکا ہے' سورہ مریم میں چار دفعہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کو یاابت اے میرے باپ کہا ہے۔ پس اس سے حقیقی بات مراد ہے' مجازی مراد لینا جائز نہیں ہے۔ اس حقیقت سے پھیرنے کے لیے کوئی نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت مطلوب ہے جو کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے' من ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرھان۔

دلیل سوم ⇦ سورہ شعراء رکوع ۔۵ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ "واغفر لابی انه کان من الضالین" (ترجمہ شاہ رفیع الدین) اور بخش واسطے باپ میرے کے تحقیق وہ تھا گمراہوں سے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گمراہ تھے۔ اس لیے آپ نے ان کے حق میں دعا کی' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کو مسترد کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کی رو سے قابل قبول نہ تھی۔ وہ قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت کو مشرک پر قطعاً حرام کر دیا ہے۔ آزر چونکہ مشرک تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قانون کے خلاف اپنے دوست کی دعا بھی قبول نہ کی' جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء قانون الٰہی کے خلاف تھی کہ ان کا بیٹا کنعان کافر تھا' جب وہ غرق ہونے لگا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لیے دعاء کی کہ اے اللہ اس کو بچا لے تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو مسترد کر دیا اور قبول نہ کیا' بلکہ آئندہ سوال کرنے سے منع فرما دیا۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعاء کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے بیزار ہو گئے تھے۔

دلیل چہارم ⇦ قرآن مجید پارہ ۔۱۱' رکوع ۔۳ میں ہے: "وما کان استغفار ابراھیم لابیه الا عن موعدة وعدھا ایاہ فلما تبین له انه عدولله تبرا منه" (انفال) (ترجمہ شاہ رفیع الدین) اور نہیں تھا بخشش ابراہیم کا واسطے باپ اپنے کے مگر بسبب وعدہ کے کہ وعدہ کیا تھا اس سے یہ پس جب ظاہر ہوا واسطے اس کے یہ کہ وہ دشمن ہے واسطے اللہ کے بیزار ہوا اس سے۔

یہ قرآن مجید کے نصوص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں جن سے میرا یہ

دعویٰ کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ تھے اور وہ پکے مشرک تھے' جن سے اللہ تعالیٰ اور حضرت خلیل اللہ بالکل بیزار تھے اور وہ اللہ کا اور ابراہیم علیہ السلام کا بڑا دشمن تھا۔ صحیح طور سے ثابت ہو چکا ہے جس کے معارضہ میں یہ دعویٰ کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا اور باپ مسلمان تھا' بالکل باطل ہے جس پر قرآن کی ایک آیت بھی دلالت نہیں کرتی اور نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں کوئی ایسی آیت ناطق نہیں ہے جس میں یہ ذکر بلفظہ ہو کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے۔ پس کسی تورات محرفہ کا بیان اور کسی اہل تاریخ کا قول ان نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت سے پھیرنے کے لیے جب تک کوئی نص قطعی پیش نہ ہو گی کسی ظنی بات کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ فقہائے دیوبند اصول فقہ پڑھاتے پڑھاتے تھک گئے ہیں' لیکن آج اس اصول پر عمل نہیں ہو رہا کہ قطعی دلائل کے مقابلہ میں ظنیات سے کام لے کر ملک میں غلط فتوے دیئے جا رہے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں کی جاتی۔ قرآن میں ہے: "کبر مقتا عند اللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑے غصہ کی بات ہے کہ جو کچھ کہتے ہو وہ کرتے نہیں ہو۔ اگر اڑ جاؤ تو حدیث صحیح سن کر اڑ جاؤ کہ اس کو ہم نہیں مانتے کہ یہ خبرواحد ظنی ہے' جو قرآن قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اگر گر جاؤ تو تورات محرفہ کا ظنی بیان اور اہل تاریخ کا ظنی اور مشکوک بیان سن کر قرآن کے محکمات کو مسترد کر کے گر جاؤ' پھر علما دیوبند سے بڑھ کر مولانا میر سیالکوٹی پر تعجب آتا ہے کہ وہ اہل حدیث ہو کر کتاب و سنت کے دلائل قطعیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے محض ظنیات سے کیوں کام لیتے رہے اور انہوں نے اپنے دعوے پر ایک دلیل بھی پیش نہیں کی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے' والد نہ تھے' ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن

اور لے بیٹھے تورات محرفہ کا بیان اور اہل تاریخ کی باتیں اور مجاہد وغیرہ کے منقولہ اقوال جو محض ظنیات کی قسم سے ہیں اور ان آیات قطعیہ کے حقیقی معنی سے اعراض

کرتے ہوئے یوں مجازی معنی بغیر کسی قرینہ کے لیتے ہیں کہ اب سے مراد عم یعنی چچا ہے اور ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ آیت **"قالوا نعبد الٰھک والہ آبائک ابراھیم واسماعیل واسحاق"** (الآیہ) میں دادا کو اور چچا کو باپ کہا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل' حضرت یعقوب کے چچا تھے' باپ نہ تھے' باپ ان کے اسحاق تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس آیت کو بطور نظیر یا دلیل پیش کرنا بالکل نامناسب ہے' کیونکہ قرآن اور حدیث کے دلائل قطعیہ اور اجماع علماء اسلام سے یہ ثابت ہے کہ حضرت یعقوب حضرت اسحاق کے بیٹے ہیں اور اسماعیل اسحاق کے بھائی حضرت ابراہیم کے بیٹے ہیں' علیہم السلام۔ پس یہاں حقیقت متعذر ہے کہ اسماعیل کسی دلیل سے یعقوب کے باپ نہیں ہو سکتے' بلکہ آیت **"من وراء اسحاق یعقوب"** (یعنی اسحاق کے پیچھے یعقوب کی بھی بشارت ہے) سے یہ ثابت ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے باپ حقیقی اسحاق علیہ السلام ہیں تو اسماعیل بن ابراہیم یعقوب بن اسحاق کے چچا ہوئے اور چچا کو مجازاً" باپ کہنا درست ہے۔ پس یہ نصوص قطعیہ کی رو سے نص قطعی میں معنی مجازی مراد لیا گیا ہے۔ کسی ظنی دلیل اور مشکوک اقوال سے نہیں لیا گیا تو یہ نظیر اور دلیل فاسد ہے جس پر قیاس درست نہیں ہے۔ پس بعض علماء کا یہ اقوال پیش کرنا کہ چچا کو بھی باپ کہا جاتا ہے' فضول ہے' کیونکہ اس کے ہم بھی قائل ہیں' لیکن یہ مجاز ہے جو بغیر کسی قوی دلیل کے مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اگر تورات کو تحریف سے محفوظ مانا جائے تو اس کو قرآن کے مطابق کیا جائے گا۔ بایں طور کہ تورات نے ابراہیم کے والد کا نام تارخ بیان کیا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ آزر تارخ کی تعریب ہے جیسے ایشوع کی تعریب عیسیٰ اور اضحاق یا اضحک کی تعریب اسحاق ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی مفردات غرائب القرآن میں فرماتے ہیں: **"قیل کان اسم ابیہ تارخ فعرب فجعل آزر"** یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا' پھر اس کی عربی بنا کر آزر کر لیا گیا ہے۔

تفسیر جامع البیان میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے' جو لفظ آزر پر لکھا ہے' **"والاصح انہ اسم ابیہ ولہ اسمان آزر و تارخ او احدھما لقبہ"** یعنی زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام ہے اور ان کے دو نام تھے' ایک آزر اور

دوسرا تارخ یا ان میں سے ایک ذاتی نام ہے اور دوسرا لقب (وصفی نام ہے)

تفسیر مظہری میں محمد بن اسحاق اور ضحاک اور کلبی سے یہ نقل کیا ہے کہ "ان ازر اسم ابی ابراهیم واسمه تارخ ایضا" مثل اسرائیل و یعقوب" یعنی آزر ابراہیم کے باپ کا نام ہے اور تارخ بھی ان کا دوسرا نام ہے جیسے حضرت یعقوب کے دو نام یعقوب اور اسرائیل ہیں۔ (یہ دونوں قرآن سے ثابت ہیں)

اس سے ظاہر ہے کہ ایک شخص کے دو نام بھی ہو سکتے ہیں، اور مظہری میں حضرت سعید بن مسیب اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ "قال سعید بن المسیب و مجاهد ازر اسم صنم لقب به لانه کان یعبده" یعنی آزر بت کا نام تھا اس سے اس کا لقب رکھا گیا کہ وہ اس کو پوجتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آزر لقب ہے اور نام تارخ ہے پس یہ ایک ہی ذات کے دو نام ہیں تو دو ناموں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آزر اور تارخ دو شخص ہیں، آزر چچا ہے اور تارخ باپ ہے، سراسر غلط ہے۔

تفسیر مدارک میں ہے: "ازر هو اسم ابیه او لقبه لانه خلاف بین النسابین ان اسم ابیه تارخ وهو عطف بیان لابیه وزن فاعل" یعنی آزر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام ذاتی یا لقب نام صفاتی ہے کہ نسب بیان کرنے والوں میں اختلاف ہے۔ لفظ آزر ابیہ کا عطف بیان ہے جو فاعل کے وزن پر آیا ہے۔

تفسیر خازن جزء ثانی ص-۲۶ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "لفظ آزر کے متعلق علماء نے اختلاف کیا ہے، محمد بن اسحاق اور کلبی اور ضحاک یہ کہتے ہیں کہ آزر ابراہیم کے والد کا نام ہے اور وہ تارخ بھی تھا، لفظ تارخ کو بعض نے حا مہملہ کے ساتھ بتایا ہے اور بعض نے خا معجمہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ اس لحاظ سے ابراہیم کے والد کے دو نام مشہور تھے۔ آزر تارخ جیسے ایک ہی شخصیت کے دو نام یعقوب اور اسرائیل ہیں۔ اب اس میں احتمال ہے کہ آزر اصلی نام ہو اور تارخ لقب ہو یا اس کا برعکس ہو کہ تارخ نام اور آزر لقب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آزر نام رکھا ہے۔ نسابین اور مورخین نے تارخ نام لکھا ہے تاکہ آزر کے نام سے اس کی پہچان ہو جائے۔ ابراہیم کے والد آزر کوفی بستی کے رہنے والے تھے جو کوفہ کے مضافات سے ہے۔" ۱۴۱

نیز سعید بن مسیب اور مجاہد تابعین سے خازن نے نقل کیا ہے کہ آزر بت کا نام

تھا جس کی حضرت ابراہیم کا والد پرستش کرتا تھا اور یہ نام اس کا بایں طور مشہور ہوا کہ جو شخص کسی چیز کو پوجتا ہے یا اس کو محبوب رکھتا ہے تو اس معبود یا محبوب کے نام پر اس کا نام مقرر ہو جاتا ہے' پھر بطور فیصلہ خازن میں لکھا ہے: "**والصحیح ھو الاولی ان ازر اسم لابی ابراھیم لان اللّٰہ تعالٰی سماہ بہ**" یعنی صحیح بات یہ ہے کہ آزر ابراہیم کے باپ ہی کا نام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کے ساتھ اس کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔

تفسیر محمدی ترجمہ تفسیر ابن کثیر اردو پارہ ہفتم سورہ انعام ص-۸۳ میں ہے کہ "ابن جریر کا فرمان ہے کہ ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر تھا اور یہ جو عام تاریخ دان کہتے ہیں کہ ان کا نام تارخ تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے دونوں نام ہوں یا ایک تو نام ہو اور دوسرا لقب ہو' بات تو یہ بہت ٹھیک اور نہایت قوی ہے-اھ ا

امام ابن جریر اور امام ابن کثیر دونوں مشہور مفسر ہیں' جن کی تفسیریں علماء اہل حدیث میں معتبر اور مستند تسلیم کی گئی ہیں' ان ہر دو کا فیصلہ ظاہر قرآن کے مطابق ہے اور مفسرین جو دو نام لکھتے ہیں ان میں بھی تطبیق دے کر ان کو قرآن کے موافق کر دیا گیا ہے' کیونکہ قرآن اصل ہے اور قطعی ہے۔ اس میں تاویل نہیں کی جا سکتی ہے۔ اقوال سب ظنی ہوتے ہیں' ان میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے اور قطعی اور ظنی کا مقابلہ ہو تو تاویل ہمیشہ کمزور جانب کی جاتی ہے اور ظنی کو قطعی کے موافق بنایا جاتا ہے تاکہ قطعی کی تکذیب لازم نہ آئے۔ نسابین' مورخین وغیرہ غلطی کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کلام غلطی سے مبرا ہے' اس لیے اس پر صحیح ایمان رکھنا لازم ہے اور نصوص کو جہاں تک ہو سکے ظاہر پر محمول کرنا چاہیے کہ قاعدہ علماء میں مسلمہ ہے۔ "**النصوص یحمل علی ظواھرھا**" یعنی نص شرعیہ ظاہر پر محمول کی جاتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے فرقہ ناجیہ کی تعریف میں یہ لکھا ہے کہ وہ عقیدہ اور عمل میں اس چیز کو پکڑتے ہیں جو کتاب و سنت کے ظاہر نصوص سے ثابت ہو' تعلیم القرآن رسالہ جو راولپنڈی سے شائع ہوتا ہے اس کے پرچہ مطبوعہ جولائی ۱۹۵۹ء کے ص-۳۸ میں لکھا ہے کہ "ظاہری معنی یہ ہے کہ جس طرف آیت ذہن کو **متشکل** کر دے اور عام عرف

اہل لسان میں متعارف ہو۔" پس میں کہتا ہوں کہ آیات قرآنیہ میں جو لفظ' اب' ابو' ابی' ابت' وارد ہیں جن کے تراجم میں باپ لکھا ہے عام عرف اہل لسان میں اس کا حقیقی معنی باپ ہی مراد لیا جاتا ہے اور یہی متعارف ہے' چچا' تایا' دادا' مجاز ہیں وہ متعارف نہیں ہیں کہ باپ کے لفظ سے یہ مراد رکھے جائیں' **فافهم ولا تغفل!**

دراسات اللبیب کے ص-۳۰۱ میں یہ لکھا ہے کہ "**واما اصحاب الظواهر فهم اهل الحديث خير اهل الحديث خير اهل العمل على الارض وخيار العلماء وسادات هذه الامة والفرقة الناجية ان شاء الله تعالیٰ**" یعنی کتاب و سنت کے ظاہر اور متعارف معنوں پر عمل کرنے والے ہی اصلی اہل حدیث ہیں اور اہل حدیث ہی روئے زمین پر کتاب و سنت کے بہترین عامل ہیں اور بہترین علماء ہیں اور اس امت محمدیہ کے سردار ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ یہی گروہ ناجیہ ہے۔

حضرت ابراہیم جب صاف یاابت "اے میرے باپ فرما رہے ہیں تو پھر کس طرح اس سے چچا مراد لیا جا سکتا ہے۔ اگر چچا مراد ہوتے تو کسی جگہ قرآن یا حدیث میں لفظ عم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے' **اذ ليس فليس**

دلیل پنجم ⇦ جامع البیان میں ص-۱۷۷ پر ہے: "**عن علی رضی الله عنه انی سمعت رجلا يستغفر لابوية المشركين فنهيته فقال الم يستغفر ابراهيم عليه السلام لابيه فذكرت ذلک للنبی صلی الله عليه وسلم فنزل ماكان للنبی الی قوله ان ابراهيم لاواه حليم**" (**رواه الترمذی**) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے حق میں دعا کر رہا تھا' میں نے اس کو اس سے منع کیا کہ مشرک کے حق میں دعاء نہیں کرنی چاہیے۔ اس شخص نے کہا کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے حق میں دعا کیوں کی تھی؟ (حالانکہ اس کا مشرک ہونا قرآن سے ثابت ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کا ذکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت سورہ توبہ کی نازل فرمائی: "**ماكان للنبی والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين**" الخ' یعنی نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ لائق نہیں تھا کہ وہ مشرکوں کے واسطے بخشش مانگیں اگرچہ ان کے رشتہ دار ہوں' جبکہ ان کو یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ (کفرو شرک پر مرکر) دوزخی ہیں۔"

او راس شخص کے جواب میں یہ آیت وارد ہوئی: "**وما کان استغفار ابراهیم لابیه**" (الآیہ) جو دلیل نمبر۔۴ میں گزر چکی ہے کہ ابراہیم کا بخشش مانگنا ان کے وعدہ کی بناء پر تھا کہ اس کو پورا کیا گیا' لیکن جب ان کو یہ ظاہر ہوا کہ وہ مشرک عدواللہ ہیں' تو پھران سے بیزار ہو گئے۔

پس اس حدیث اور آیات سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مسلمان نہ تھے' بلکہ مشرک تھے' اگر ان کا باپ مسلمان ہوتا تو اس شخص کا اعتراض لغو جاتا اور اللہ تعالیٰ یہ جواب فرماتے کہ ابراہیم کا باپ مسلمان تھا۔ ان کا دعا مانگنا درست ہے' لیکن تم دعاء نہ مانگو کہ تمہارے والدین مشرک ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بخاری شریف کی حدیث جو حضرت مسیب (صحابی صغیر) سے مروی ہے اس میں یہ ذکر ہے کہ آیت "**ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین**" (الآیۃ) "ابوطالب کے بارہ میں وارد ہوئی ہے پھر حدیث علی رضی اللہ عنہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فوز الکبیر میں رقمطراز ہیں' جس کا ترجمہ الفوز الکبیر مترجم کے ص۔۳۸ پر یہ لکھا ہے "کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے (یعنی صحابہ نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کوئی سوال پیش کیا یا آپ کے زمانہ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا اور اس آیت کو اس موقعہ پر تلاوت کیا ہو تو ایسے واقعات کو بھی بیان کرتے ہوئے وہ کہہ دیتے ہیں "**نزلت فی کذا**" ایسی خاص صورتوں میں کبھی "**فانزل اللّٰه تعالٰی قوله کذا**" یا صرف **نزلت** بھی استعمال کرتے ہیں ان کا یہ کہنا اس بات کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت سے استنباط اور آپ کے قلب مبارک میں اس وقت اس آیت کا القاء وحی اور **نفث فی الروع** کی ایک قسم ہے۔ یہی وجہ ہے جو اس موقع پر **فانزلت** کا استعمال جائز ہے اگر کوئی شخص تکرار نزول کے ساتھ اس کی تعبیر کرے تو یہ بھی ممکن ہے' جب یہ قاعدہ معلوم ہوا تو اب جان لو کہ آیت **ماکان للنبی** ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی تھی' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو اپنے والدین مشرکین کے حق میں دعاء کرتے دیکھا تو آپ نے اس کو منع کیا' پھر اس نے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پیش کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش کر دیا۔ آپ نے اس کے مناسب حال ان آیتوں کو پڑھ کر مطلب واضح کر دیا' جس کو راوی نے فنزلت سے تعبیر کر دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ نزول میں تکرار ہو گیا ہو۔

میں کہتا ہوں کہ تفاسیر میں آیت "واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتو" کے بارہ میں نو اقوال ہیں کہ کوئی اس کا کچھ شان نزول بتاتا ہے اور کوئی کچھ' مثلاً بعض نے کہا کہ جماعت ہو رہی ہوتی اور امام جہر سے پڑھ رہا ہوتا پھر کوئی شخص آتا تو وہ السلام علیکم کہتا نمازی اس کو وعلیکم السلام سے جواب دے دیتا' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس طرح کرنے سے روک دیا۔

بعض نے کہا کہ جمعہ کے خطبہ میں لوگ آپس میں بات چیت کر لیا کرتے تھے' جس پر یہ آیت نازل ہوئی' گویا اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا۔

بعض نے یہ بیان کیا کہ نماز کے اندر نمازیوں سے غیر نمازی باہر سے آنے والے بات چیت کر لیا کرتے تھے کہ کتنی رکعت پڑھ لیں اور کتنی باقی رہ گئیں ہیں' اس امر پر یہ آیت نازل ہوئی' پھر لوگوں کو نماز میں بات چیت کرنے سے روک دیا گیا۔ اب آیت تو مکی ہے اور شان نزول اکثر اقوال مدینہ میں اس کا نزول ظاہر کرتے ہیں۔ اب یا تو یہ آیت ان سب حالات کو شامل ہے' اس بناء پر یہ کہہ دیا یا پھر بار بار ہر موقع بموقع نازل ہوتی رہی ہے۔ اسی طرح جن آیتوں کے شان نزول میں اختلاف ہو یہی کچھ سمجھ لینا چاہیے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی لغزش ⇦ یہ بات مسلم ہے کہ خواہ کوئی کتنا بڑا عالم ہو اس سے لغزش ضرور ہو جاتی ہے۔ مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو بہت عمدہ ہے' جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا' لیکن اس میں ان سے بعض مقامات پر کچھ لغزش ہوئی ہے' کسی جگہ انہوں نے حضرت ابراہیم کے والد کو جو مشرک تھے' موحد بنانے کی کوشش کی ہے' کسی جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو موحد لکھا ہے' یہ سب غلط اور صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ اسی طرح ان سے یہ بھی لغزش ہو گئی کہ وہ ابوطالب کو رسالت کا منکر اور توحید

کا اقراری موحد لکھتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ ابوطالب کو نبوت پہنچ چکی ہے اور وقت کے نبی یعنی خود آنحضرت ﷺ بالمشافہ ان کو دعوت دے رہے ہیں اور وہ دعوت قبول نہیں کرتا تو وہ کافر ہوا نہ کہ مشرک اور عبدالمطلب کی بابت یہ لکھتے ہیں کہ "حضرت عبدالمطلب نے تو دعوت کا زمانہ ہی نہیں پایا' لہٰذا نہ آپ ان کو کافر کہہ سکتے ہیں نہ مشرک۔

یہ کس قدر عجیب عقائد ہیں' حالانکہ دونوں مشرک تھے' جن کا مشرک ہونا قرآن و حدیث کی قطعی دلیل سے ثابت ہے جس سے کوئی اہل حدیث انکار نہیں کر سکتا۔

جامع صحیح بخاری جلد اول باب قصہ ابی طالب ص-۵۴۸ میں یہ حدیث وارد ہے کہ ابن مسیب اپنے باپ مسیب صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب ابوطالب کی موت کا وقت ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس پہنچے' اس وقت ابوجہل بھی پاس بیٹھا تھا' آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے چچا آپ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیجئے' تاکہ میں اس کلمہ کی رو سے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں آپ کی بابت شہادت دے کر جھگڑا کر سکوں' اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا اے ابوطالب کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے اعراض کریں گے؟ (یہ ٹھیک نہیں ہے) وہ یہی بات کہتے رہے تو آخری کلام جو ابوطالب نے ان سے کی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

کتاب الجنائز میں جو حدیث بخاری کی ہے' اس میں یہ ہے کہ **ابی ان یقول لا الہ الا اللّٰہ**" یعنی ابوطالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا' اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "**لاستغفرن لک مالم انہ عنک**" میں آپ کے لیے ضرور بخشش مانگتا رہوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے روک نہ دیا جاؤں گا۔ اس پر یہ دو آیتیں نازل ہوئیں: "**ماکان للنبی**" الخ' اور دوسری یہ آیت نازل ہوئی: "**انک لا تھدی من احببت**" جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں ہو سکتی' لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کر دے۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے آنحضور ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ میں یہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔

اس حدیث اور آیت **وما کان للنبی** نے مندرجہ ذیل امور ثابت کر دیئے ہیں' اول یہ کہ ابوطالب کے سامنے کلمہ توحید پیش کیا گیا تھا' دوسرا یہ کہ ابوطالب نے اس کلمہ توحید سے صاف انکار کر دیا تھا' سوم عبدالمطلب مشرک تھا' اس کے مذہب پر ابوطالب مرا اور عبدالمطلب کا مذہب کلمہ توحید کے خلاف تھا' جس پر قائم رہنے کے لیے ابوجہل وغیرہ کفار تلقین کر رہے تھے' چہارم یہ کہ قوم کی عار سے کلمہ توحید نہ پڑھا' پنجم آنحضور ﷺ کے باوجود کلمہ توحید پیش کرنے کے ابوطالب نے انکار کیا' پھر بھی اپنا چچا جان کر اس کی محبت کی وجہ سے اس کے لیے استغفار پڑھنے اور دعا بخشش کرنے کا وعدہ بالحلف کیا' ششم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے "**وما کان للنبی**" آیت بھیج کر آنحضرت ﷺ کو منع کر دیا کہ آپ کو بخشش مانگنا بالکل لائق نہیں۔ ہفتم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے دعاء کرنا منع کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ابوطالب مشرک تھا۔ اگر ابوطالب کو مشرک نہ مانا جائے تو آیت حدیث کے خلاف ہو جائے گی کہ ابوطالب مشرک نہ تھا' صرف کافر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرک کے لیے دعاء استغفار کرنی منع کی ہے۔ کافر کے لیے اس آیت میں دعاء کی ممانعت نہیں ہے۔ سو اس خیال کا بطلان صاف ظاہر ہے' جس کا کوئی اہل حدیث قائل نہیں ہو سکتا۔ ہشتم یہ کہ نبی کے اختیار میں صرف رہنمائی ہے' اصل ہدایت جو موصل الی المطلوب ہے یہ نبی کے اختیار میں نہیں ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پس نبی کے حق میں مختار کل ہونے کا عقیدہ باطل ہے۔ ابوطالب نے قوم کی عار سے کلمہ توحید سے انکار کیا تو یہ اتباع ہوئی ہے' جو شرک ہے۔ قرآن میں ہے: "**افرایت من اتخذ الهه هواه**" یعنی اے نبی کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے' دیگر یہ کہ ابوطالب نے آنحضور ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی قوم کفار کے لوگوں کا کہا ماننا یہ بھی شرک ہے۔ اس کو شرک فی الحکم کہتے ہیں' پھر مولانا سیالکوٹی مرحوم کی یہ بھی بڑی ڈبل غلطی ہے کہ وہ کافر اور مشرک میں فرق کرتے ہیں' حالانکہ ہر کافر خارج از اسلام مشرک ہے اور ہر مشرک خارج از اسلام کافر ہے۔ چنانچہ محلی ابن حزم جلد-۴' ص-۲۴۰ میں ہے: "**فصح ان کل کفر شرک وکل شرک کفر وانهما اسمان شرعیان اوقعهما اللّٰه تعالٰی علی معنی واحد**" "یعنی یہ بات دلائل سے صحیح ثابت

ہو چکی ہے کہ ہر کفر شرک ہے اور ہر شرک کفر ہے۔ یہ دونوں نام شرعی اصطلاح ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی معنی پر وارد کیا ہے۔" پھر ان پر بحث کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ "**فقد صح انهما اسمان نقلهما الله تعالىٰ عن موضوعهما فى اللغة الى كل من انكر شيئا من دين الاسلام**" "یعنی یہ بات صحیح ثابت ہے کہ یہ دونوں نام اصل لغوی معنوں سے منقول ہو کر اس شرعی محاورہ پر قائم ہیں۔"

مولانا سیالکوٹی نے آنحضرت ﷺ کے ابوین کے علاوہ عبدالمطلب کو بھی موحد بنانے کی کوشش کی ہے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے تاریخ ابن کثیر اور تفسیر ابن کثیر کا بغور مطالعہ نہ کیا، صرف حب رسول ﷺ میں آکر غلو کر گئے کہ مشرک کو موحد اور دوزخی کو جنتی قرار دے دیا۔ تاریخ ابن کثیر جلد۔۳، ص۔۱۳۴ مطبوعہ مصر میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ابوطالب گزر گئے تو آپ بہت غمگین بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ کے چچا ابولہب نے آپ کو اندوہگین دیکھا تو بڑی دلیری سے کہا اے میرے بھتیجے! جیسا تو ابوطالب کی حیات میں بے خوف ہو کر اپنے دین کی اشاعت کیا کرتا تھا، ویسے اب بھی علانیہ طور پر کرتا رہ، میں ہر طرح سے تیرا مددگار ہوں، لات کی قسم ہے جب تک میں زندہ ہوں تیری طرف کوئی دشمن بری نگاہ سے دیکھ بھی نہ سکے گا۔ قریش میں سے ابوجہل وغیرہ نے جب یہ بات سنی تو وہ غضبناک ہو کر ابولہب کے پاس آئے اور کہا کہ کیا تو بھی صابی بن گیا ہے؟ عبدالمطلب کا دین ترک کر چکا ہے؟ ابولہب نے جواب دیا کہ میں نے عبدالمطلب کا دین ہرگز ترک نہیں کیا، لیکن میں نے اپنے بھتیجے کو اعانت اور حمایت کی ضمانت دے دی ہے، تاکہ وہ اپنے مذہب کی آزادی سے تبلیغ کر سکے۔ یہ سن کر اس گروہ متعصب نے کہا کہ یہ تو آپ نے خوب کام کیا اور صلہ رحمی کا حق ادا کیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد انہوں نے ایک سکیم بنائی اور ابولہب کے پیش کر دی کہ آپ اپنے بھتیجے کی حمایت کا اعلان تو کر چکے ہیں، ذرا اس سے یہ تو دریافت کریں کہ ہمارے سردار اور آپ کے والد عبدالمطلب کی بابت وہ کیا عقیدہ رکھتا ہے اور کیا کہتا ہے؟ ابولہب ان کے بہکانے پر آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آیا اور یہ دریافت کیا کہ "**این مدخل عبدالمطلب؟**" یعنی آپ کے نزدیک عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "**مع قومه**" یعنی عبدالمطلب اپنی قوم کے ہمراہ ہے۔ یہ

جواب سن کر ابولہب واپس ہوا اور قریش کے پاس جا کر آپ کا قول بیان کر دیا۔ ان مخالفین نے ابولہب سے کہا کہ تم نے اپنے بیٹے کی بات پر غور نہیں کیا' اس کا مطلب یہ ہے کہ عبدالمطلب دوزخی ہے۔ یہ سن کر ابولہب ششدر رہ گیا اور واپس دربار رسالت میں آیا اور دوبارہ یہ دریافت کیا: "یامحمد ایدخل عبدالمطلب النار" یعنی کیا عبدالمطلب دوزخ میں ہے؟ اس پر حضرت ﷺ نے یہ فرمایا: "من مات علٰی ما مات عبدالمطلب دخل النار" یعنی جو شخص اس دین پر مرا جس پر عبدالمطلب کو موت آئی تو وہ دوزخی ہے۔

یہ سن کر ابولہب غصہ میں لال پیلا ہو گیا اور بکواس کرنے لگا اور کہا میں تیرا علانیہ دشمن ہوں اور صاف بیزاری ظاہر کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام قریش عبدالمطلب کے مذہب پر تھے اور عبدالمطلب کا مذہب مشرکانہ تھا اور وہ دوزخی تھا۔ ابوطالب نے بھی باوجود آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے آخری وقت یہی کہا تھا کہ "انا علٰی ملة ابی عبدالمطلب وابٰی ان یقول لا الٰه الا اللّٰه" (شرح فقہ اکبر ص-۱۳۲) یعنی میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ پس یہ ثابت ہوا کہ قریش میں عبدالمطلب کا دین کلمہ طیبہ کے خلاف مشرکانہ مشہور تھا۔

جو شخص دین اسلام کی کسی بات کا انکار کر دے گا وہ کافر و مشرک معاند رسول قرار دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں احادیث میں بھی کفروشرک کا ایک ہی محاورہ ثابت ہے۔ چنانچہ بے نماز کے بارہ میں ایک حدیث یہ ہے: "من ترک الصلٰوة فقد کفر" اور دوسری حدیث میں ہے: "من ترکھا فقد اشرک" یعنی بے نماز کافر بھی ہے اور مشرک بھی ہے۔

کیا ابوطالب مسلمان ہے؟ ⇦ مولانا سیالکوٹی سے بڑھ کر علامہ شبلی نعمانی تو ابوطالب کے اسلام کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے محمد بن اسحاق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (جو اس وقت کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔ (ابن ہشام مصری ص-۱۴۶) لیکن اس پر مولانا سید سلیمان مرحوم ندوی نے حاشیہ سیرت نبوی ص-۲۴۸' جلد-۱) میں اس پر تعاقب

فرمایا ہے اور حدیث ابن اسحاق کو منقطع قرار دے کر مسترد کیا ہے اور حدیث بخاری کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی تائید میں دوسری حدیث پیش فرمائی جو یہ ہے کہ "حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے چچا ابوطالب کو آپ سے کیا فائدہ پہنچا؟ کہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے آپ کے دشمنوں سے برسرپرخاش رہتے تھے۔ فرمایا وہ دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنے تک ہیں' مگر اس کا اثر دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علم میں تھا کہ ان کا خاتمہ توحید کے اقرار پر نہیں ہوا۔"

میں کہتا ہوں کہ مشکوۃ میں یہ حدیث وارد ہے کہ: **"قال ابوبکر قلت یارسول اللہ مانجاۃ ھذا الامر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبل منی الکلمۃ التی عرضت علیٰ عمی فردھا فھی لہ نجاۃ"** (رواہ احمد) یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی نجات کس بات سے ہو سکتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے وہ کلمہ قبول کر لے جس کو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا' تو اس نے رد کر دیا تھا' تو بس وہ کلمہ (توحید لا الہ الا اللہ) موجب نجات ہے۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ (ابوطالب نے کلمہ نہیں پڑھا اور اس نے اس توحید کو رد کر دیا تھا۔ لہٰذا وہ مشرک تھا' چونکہ اس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے دین پر بتایا اور کلمہ توحید سے انکار کیا' لہٰذا عبدالمطلب کا مشرک ہونا بھی ظاہر ہوا اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی کا اس مشرک کو موحد اور مومن بنانا سراسر باطل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ذکر ⇐ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ اکبر ص-۱۵ مطبوعہ گلزار محمدی لاہور میں یہ لکھا ہے: **"ووالدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر و ابوطالب عمہ مات علی الکفر"** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر مرے تھے' اور آپ کا چچا ابوطالب بھی کفر پر مرا ہے۔ اس کی شرح میں ایک بزرگ ابوالمنتہی حنفی یہ فرماتے ہیں: **"ھذا رد علیٰ من قال ماتوا علی الایمان وھم الروافض"** (شرح فقہ اکبر لابی المنتہی ص-۳۵) یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان

سے ان لوگوں کا رد ہوا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین اور چچا ابوطالب ایمان پر مرے تھے اور اس عقیدہ کے لوگ رافضی ہیں۔

دیوبندی' بریلوی' احناف کے اس اعتساف کے خلاف سخت افسوس ہے کہ وہ اپنے امام صاحب کے عقیدہ سے اعراض کر کے روافض کا عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور پھر ساتھ ہی امام صاحب کے مقلد بھی کہلاتے ہیں ۔

این چہ ابو العجبی است!

خیانت مجرمانہ ⇦ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اکبر علاقہ سندھ میں ادارہ اشاعۃ التوحید میرپور خاص نے شائع کی ہے جو مطبع ربانی واقع نزد مسجد جامع میرپور کی مطبوع ہے' اس میں ناشر حنفی نے یہ خیانت کی ہے کہ امام صاحب کی یہ کلام جو ان کے عقیدہ کی مظہر تھی' کتاب سے خارج کر دی ہے۔ چنانچہ اس کے ص-٦ پر سے عبارت لا تفاوت بینهما ...... اور عبارت وقاسم وطاهر وابراهيم كانوا من رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ' کے درمیان کی یہ عبارت ووالدا رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر وابوطالب عمه مات كافرا صاف اڑا دی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور عبارتوں میں تحریف سے کام لیا ہے بلکہ اس طرح کتب حدیث میں بھی ان مقلدین کی خیانت مجرمانہ پائی گئی ہے' جس کی تفصیل کی اس وقت فرصت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ثبوت طلب کرے گا تو اس کو ثبوت دیا جائے گا۔ اب یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کفر پر تو مرے تھے' مگر وہ آنحضور ﷺ کے معجزہ سے زندہ ہو کر ایمان لے آئے تھے۔ یہ بات نہایت ہی باطل ہے' جس کا ثبوت کسی قطعی ثبوت اور قطعی الدلالت دلیل سے نہیں پایا گیا' بلکہ یہ بات صریح نص قرآن اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی ص-۸۱' جلد-۱' کتاب العقائد میں تفسیر احمدی کے حوالہ سے لکھا ہے: "ان ايمان الباس يكون غير مقبول بالاجماع" یعنی ایمان خوف بالاتفاق غیر مقبول ہے۔ نیز لکھا ہے: "وان راى الملك عيانا وارتفع عنه حجاب الله تعالىٰ لايقبل ايمانه لانه ايمان الباس فلا يقبل لقوله تعالىٰ فلم يك ينفعهم ايمانهم لما راوا باسنا" یعنی اگر فرشتوں کو دیکھ لیا اور اس سے اللہ تعالیٰ کا حجاب اٹھ گیا' تو اس کا ایمان مقبول نہیں'

کیونکہ اس وقت یہ ایمان یاس ہے پس مقبول نہ ہو گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' پس ان کو ایمان نفع نہ دے گا' جبکہ انہوں نے ہمارے خوف کو دیکھ لیا ------ یہ اجماع اور نص قرآنی دونوں قطعی ہیں اور مطلق ہیں' جو والدین نبوی کو بھی شامل ہیں۔ ان کی تقیید و تخصیص بروئے معجزہ کسی نص قطعی سے تو ہمیں منظور ہے' ورنہ اصول حنفیہ میں نقض لازم آئے گا جو یہ ہے کہ نص قطعی کی تخصیص ظن سے جائز نہیں ہے۔" لہٰذا گزارش ہے کہ امام صاحب کے مقلد کہلا کر تحریف اور ظنی اور وہمی دلیلوں سے کام لیتے ہوئے امام صاحب کے عقیدہ اور کلام کو باطل نہ کریں' ورنہ دعویٰ تقلید شخصی کے ہوتے ہوئے یہ عقیدہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صریح بے وفائی ہے جو وفاداری کے سراسر منافی ہے اور حنفیہ کی کتاب درمختار کا یہ شعر یاد رکھیں ۔

فلعنة ربنا اعد اد رمل

علٰی من رد قول ابی حنیفه

(جو شخص ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو رد کرتا ہے اس پر ریت کے ذروں کے برابر لعنت ہو)

دلیل ششم ⇦ مسمی آزر والد ابراہیم علیہ السلام کے مشرک ہونے پر چھٹی قطعی دلیل یہ ہے کہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کو اس حال میں پائیں گے کہ چہرہ اس کا سیاہ اور غبار آلود ہو گا۔ اس وقت آپ اس سے فرمائیں گے کہ کیوں؟ میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ تو میری نافرمانی نہ کر' باپ جواب دے گا کہ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے.کہ اے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تجھے رسوا نہ کروں گا' پس آج اس دور افتادہ رحمت باپ کی ذلت سے بڑھ کر میری اور کیا رسوائی ہو گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے؟ پھر کہا جائے گا اے ابراہیم علیہ السلام پیروں تلے دیکھو کیا ہے؟ اب جو دیکھیں گے تو ایک نجاست آلود گھنے بالوں والا خون میں لتھڑا ہوا بجو پڑا ہے' پھر اس کی ٹانگ پکڑ کر اسے آگ میں ڈالا جائے گا۔ (صحیح بخاری باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراهیم خلیلا) صحیح بخاری کی اس حدیث

میں ابراہیم کے باپ کا نام آزر بتایا ہے۔

اب بلا قرینہ صارفہ قویہ یا کسی دیگر دلیل قطعی کے بغیر آزر کو چچا بتانا بہت بڑی جسارت بلکہ ہٹ دھرمی ہے' جو علماء کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس کے خلاف کوئی قول یا تاریخی بات قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں جو شخص علماء متقدمین میں سے ان نصوص قطعیہ کے موافق کلام کرے گا وہ صادق القول ہو گا۔

چنانچہ امام الدنیا فی الحدیث والتاریخ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے: "قال البخاری فی تاریخ ابراهیم بن آزر وهو فی التوراة تارخ" یعنی ابراہیم آزر کا بیٹا ہے' جس کو توریت میں تارخ کہا گیا ہے۔ یعنی اس کے دو نام ہیں آزر اور تارخ جیسے یعقوب علیہ السلام کے دو نام ——— "یعقوب اور اسرائیل" ——— میں کہتا ہوں کہ ابن مریم کے بھی دو نام ہیں۔ قرآن و حدیث میں عیسیٰ اور انجیل میں ایشوع ہے' فتذکر

-

بعض لوگوں نے ابراہیم کے والد کو مسلمان کہہ کر اس حدیث صحیح کا خلاف کیا ہے اور ابوطالب کو موحد کہہ کر اس کے مشرک ہونے سے انکار کر کے اس حدیث کا خلاف کیا کہ مشکوۃ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقول الله لاهون اهل النار عذابا یوم القیامة لو ان لک ما فی الارض من شیئی اکنت تفتدی به فیقول نعم فیقول اردت منک اهون من هذا وانت فی صلب ادم ان لا تشرک بی شیئا فابیت الا ان تشرک بی" یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص سے یہ فرمائے گا' جس کو سب سے بہت نرم اور سہل عذاب ہو گا کہ اگر تیرے پاس تمام روئے زمین کے خزانے اور ہر چیز موجود ہو تو کیا تو اپنے فدیہ میں اس کو دے سکتا ہے؟ وہ کہے گا ہاں اے اللہ! میں سب کچھ دے کر اپنی جان کی رہائی ضروری سمجھتا ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پس میں نے تو تجھ سے اس سے بھی نہایت آسان بات کہی تھی کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا' لیکن تو نے اس سے انکار کیا اور شرک میں مبتلا ہوا۔

اس حدیث میں "اهون اهل النار" سے ابوطالب مراد ہے' کیونکہ دوسری حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ "اهون اهل النار" وہ ہو گا جس کے پاؤں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی' جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہو گا' اور وہ ابوطالب ہے۔ یہ سب

احادیث جو باہم ایک دوسری کی تفسیر ہیں' مشکوٰۃ "باب صفة النار واھلھا" کی پہلی فصل میں موجود ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور ابوطالب کا یہ سوال و جواب ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ مشرک ہے۔ اسی طرح مفتیان دیوبند کا بھی رد ہو گیا کہ قرآن اور حدیث کے قطعی دلائل سے آزر کا ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہونا اور اس کا مشرک و جہنمی ہونا ثابت ہوا۔ پس ان کا روح المعانی وغیرہ غیر معتبر کتابوں کی ظنی باتوں سے یہ عقیدہ رکھنا کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں ہے' بلکہ یہ چچا ہے' سراسر باطل ہے۔

ساتویں دلیل ⇦ تفسیر خازن جزء ثانی ص-۳۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے' جو ابن عباس سے منقول ہے۔ اس میں بار بار یہ ذکر ہے: "ثم رجعت به الی ابیه ازر" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں اس کے باپ آزر کی طرف اس کو لے کر لوٹی اور ام ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زوج سے ابراہیم علیہ السلام کے دین کا ذکر کیا' تو اس نے کہا: فانه ابنک ثم اخبرته بھا قال فاتاہ ابوہ آزر" یعنی یہ تیرا بیٹا اس طرح کہتا ہے' تو ابراہیم کا باپ آزر اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا۔ اس حدیث میں تین لفظ قابل غور ہیں' اول ام ابراہیم کا زوج آزر' دوسرا اس کا بیان کہ یہ تیرا بیٹا اپنا عقیدہ (توحید) اس طرح بیان کرتا ہے' تیسرا آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہنا' اس دلیل سے صاف عیاں ہوا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ تھا' جو ان کی والدہ کا خاوند تھا اور ان کا باہم توحید ابراہیم علیہ السلام پر تذکرہ ہونے کے جھگڑا ہوا' اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اس سے اللہ سمجھے ۔

فخر کیا کرتا ہے ایسی بوجھ پر
روئے گا محشر میں ایسی سوجھ پر

آٹھویں دلیل ⇦ تفسیر ابن کثیر میں طبرانی کی روایت سے یہ حدیث ہے جس کا ترجمہ تفسیر محمدی پارہ گیارہ ص-۱۸ میں یہ ہے کہ غزوہ تبوک کی واپسی میں عمرہ کے وقت ثنیة عسفان سے اترتے ہوئے نبی علیہ السلام نے اپنے رفقاء صحابہ سے فرمایا' تم عقبہ میں ٹھہرو' میں ابھی آیا' وہاں سے اتر کر آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے' اللہ تعالیٰ

سے دیر تک مناجات کرتے رہے' پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ آپ کے رونے سے سب لوگ رونے لگے' اور یہ سمجھے کہ آپ کی امت کے بارے میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی' جس سے آپ اس قدر رو رہے ہیں۔ انہیں روتا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ واپس آئے اور دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا' آپ کو روتا دیکھ کر' اور یہ سمجھ کر کہ شاید آپ کی امت کے بارہ میں کوئی ایسا نیا حکم اترا' جو طاقت سے باہر ہے۔ آپ نے فرمایا' سنو بات یہ ہے کہ یہاں میری ماں کی قبر ہے' میں نے اپنے پروردگار سے قیامت کے دن اپنی ماں کی شفاعت کی اجازت طلب کی' لیکن اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمائی' تو میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا۔ جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھ سے فرمایا' ابراہیم علیہ السلام کا استغفار اپنے باپ کے لیے صرف ایک وعدے سے تھا' جس کا وعدہ ہو چکا تھا' لیکن جب اس پر عیاں ہو گیا کہ اس کا باپ دشمن خدا ہے تو وہ فوراً بیزار ہو گیا' پس آپ بھی اپنی ماں سے اسی طرح بیزار ہو جایئے' جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے بیزار ہو گئے۔ یہ سن کر مجھے اپنی ماں پر رحم آیا اور ترس آیا پھر میں نے دعاء کی کہ میری امت پر سے چار سختیاں دور کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو تو دور فرما دیں' لیکن دو کے دور فرمانے سے انکار فرما دیا۔ (۱) آسمان سے پتھر برسا کر ان کی ہلاکت' (۲) زمین میں انہیں دھنسا کر ان کی ہلاکت' (۳) ان میں پھوٹ اور اختلاف کا پڑنا' (۴) ان میں ایک کا دوسرے کو ایذائیں پہنچانا۔ ان چاروں چیزوں سے بچاؤ کی میری دعا تھی' دو پہلی چیزیں تو مجھے عنایت ہو گئیں' میری امت پتھراؤ سے زیر زمین میں دھنسائے جانے سے تو بچا دی گئی' ہاں آپس کا اختلاف آپس کی سر پھٹول یہ نہیں اٹھی' یہ روایت سند کے لحاظ سے گو کچھ کمزور ہے مگر سابقہ روایات سے اس کو قوت حاصل ہے' اور دیگر روایات اس کی تقویت کے لیے موجود ہیں۔

بہرحال یہ حدیث تائید کے لیے کافی ہے اور اس حدیث نے کئی لوگوں کا رد کر دیا۔ اول یہ کہ جو لوگ آنحضور ﷺ کو خصوصاً اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاء کو عموماً مختار کل اعتقاد رکھتے ہیں' وہ جھوٹے ہیں۔ اس حدیث اور گذشتہ دلائل سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کو مسترد کر دیا اور ان کی

آرزو پوری نہ ہوئی اور آنحضور ﷺ نے بھی ابوطالب اور اپنے والدین کے بارہ میں اپنا اختیار پورا چلایا' لیکن ان کی بخشش نہ ہوئی کہ قانون الٰہی کے خلاف تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے بارہ میں دعا کی' اپنا اختیار چلایا' لیکن یہ دعا قانون الٰہی کے خلاف تھی' مسترد کر دی گئی۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء مختار کل نہیں تھے۔ جب انبیاء کا فیصلہ ہوا تو اولیاء کا بھی ساتھ ہی ہو گیا کہ وہ بھی مختار کل نہیں کہ وہ ان سے کم درجہ کے ہیں۔

دوسرا ان لوگوں کا رد ہوا جو کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے والدین مومن موحد تھے۔ چنانچہ مولانا ابراہیم سیالکوٹی کا یہی عقیدہ ہے' جو سیرت المصطفیٰ میں درج ہے۔ اس پر انہوں نے امام سیوطی کی تقلید میں سخت غلطیاں کی ہیں' جن پر مفصل بحث درکار ہے۔ یہاں صرف ایک حدیث صحیح مسلم کی درج کی جاتی ہے' جو بخاری کے بعد صحت کا دوسرا درجہ رکھتی ہے اور کتب احادیث پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ "این ابی" کہ میرا باپ کہاں ہے؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ "فی النار" وہ جہنم میں ہے' جب وہ واپس چلا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو واپس بلا کر یہ فرمایا کہ "ان ابی واباک فی النار" یعنی تیرا باپ اور میرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔

اس حدیث پر امام نووی لکھتے ہیں کہ: فیه ان من مات علی الکفر فهو فی النار ولا تنفعه قرابة المقربین" یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص کفر پر مرگیا وہ دوزخ میں ہے' اس کو مقربین کی رشتہ داری کچھ نفع نہ دے گی۔

پھر امام نووی فرماتے ہیں: "وفیه ان من مات فی الفترة علیٰ ماکانت علیه العرب من عبادة الاوثان فهو من اهل النار ولیس هذا مواخذة قبل بلوغ الدعوة فان هؤلاء کانت قد بلغتم دعوة ابراهیم وغیره من الانبیاء صلوات الله تعالیٰ وسلامه علیهم" یعنی اس حدیث سے یہ اصول بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ اسلام سے قبل زمانہ میں ـــــــ اس دین پر جو کہ عام عرب بت پرستی کا دین رکھتے تھے' تو وہ جہنمی تھے' یہ عذاب ان کو قبل از دعوت و تبلیغ نہ تصور کیا جائے' کیونکہ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تو خیر پہنچا چکا تھا اور دیگر انبیاء کی تبلیغ بھی ان کو آچکی تھی۔

اب فیصلہ صاف ہے کہ اہل فترت کفار تھے۔ یہ حدیث مسلم آنحضور ﷺ کے والد کے متعلق ہے اور ان کی والدہ کے بارے میں حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

پس دونوں سے ثابت ہوا کہ آپ کے والدین حالت کفر پر مرے تھے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تھا۔ چنانچہ فقہ اکبر مترجم مولانا مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم جس کے تصحیح کنندہ مولانا ابوالبشر صاحب کوئی گدی نشین ہیں' اس کے ص-۱۵ میں یہ لکھا ہے:

"ووالدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر وابوطالب عمہ مات کافرا" یعنی رسول اللہ ﷺ کے والدین اور آپ کا چچا ابوطالب کفر پر مرے تھے۔

ایک مقلد کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر حملہ ⇦ مقلدین حنفیہ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح سرائی کرتے ہیں اور ان کی تقلید کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں تو ان کو فرش سے عرش تک پہنچا دیتے ہیں اور ان کو تمام ائمہ دین پر ترجیح دے دیتے ہیں کہ بس ان کی مثل کوئی امام نہیں ہے۔ یہی سراج امت ہیں' لیکن جب ان کا کوئی عقیدہ یا مسئلہ اس زمانہ کے مقلدین کے خلاف آجائے تو جھٹ اس کی تردید شروع کر دیتے ہیں۔ صرف اپنے امام کا نام نہیں لیتے ورنہ تردید مسائل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ چنانچہ مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ مولانا سعد حسن صاحب نے بمع فوائد بڑے ذوق اور شوق سے شائع کیا ہے تاکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث دانی اور ہماری تقلید کی سچائی ظاہر ہو جائے۔ اب حقیقت اندرونی معلوم کیجئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مسند امام اعظم کے ص-۱۹۹ پر یہ روایت نقل کی گئی ہے' جس کا ترجمہ ان کی طرف سے یہ درج ہے:

"حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک جنازہ کے ساتھ نکلے' (دفن میت کے بعد) آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور ایسا پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا کہ معلوم ہوتا تھا عنقریب روح پاک جسم اطہر سے پرواز کر جائے گی۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت ملی' پھر میں نے

شفاعت کی اجازت طلب کی تو منظور نہ ہوئی۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کفر پر مری اور وہ دوزخ میں تھی۔ آپ نے شفاعت کرنی چاہی' تو وہ نامنظور ہوئی۔ یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی ہے۔ ایسی احادیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں یہ مسئلہ لکھ دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کفر پر مرے ہیں۔ فقہ اکبر عقائد کے متعلق ایک کتاب ہے جس پر حنفیوں کو عقیدہ رکھنا واجب ہے' جو اس کتاب کے خلاف عقیدہ رکھے گا' وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گمراہ ہے۔ اب مولانا سعد حسن صاحب مسند امام اعظم کی حدیث اور فقہ اکبر کا مندرجہ بالا عقیدہ معلوم کرانے کے بعد یہ فرماتے ہیں' جس کو میں بمع اپنے جواب کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

مولانا سعد حسن —— یہ مقام نہایت ادب و احتیاط کا ہے کھلم کھلا کفر کی نسبت ان کی طرف کرنی شان ایمانی کے سراسر خلاف ہے۔

جواب —— جب امام صاحب نے حدیث بیان کر دی اور اس کی بنا پر فقہ اکبر میں اپنا عقیدہ لکھ دیا تو یہ شان ایمانی کے خلاف کیوں ہے؟ اگر امام صاحب کا کھلم کھلا کفر پر ——' ان کی موت بتانا شان ایمانی کے خلاف ہے' تو مقلدین کو بھی اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ جنہوں نے تمام دین کا بوجھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ڈال رکھا ہے اور پھر ان کے عقیدہ کو ایمان کے خلاف قرار دے کر ادب اور احتیاط کے بھی خلاف بتا رہے ہیں' لیکن دیگر لوگوں کے سامنے امام صاحب کے تقویٰ کے بڑے بڑے قصے سناتے ہیں اور اندرون کتاب ان کو بے ادب اور بے احتیاط بتا رہے ہیں۔ یہ کیا معاملہ ہے' خوب وفاداری ہے۔

مولانا سعد حسن —— اگر اس باب میں انسان کو کچھ اولہ بھی ملیں اور خیال ادھر جھکے تو پھر بھی سکوت ہی قرین مصلحت ہے اور موافق ادب' کیونکہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ص-۱۴۲ میں حدیث ہے کہ: **جاء علی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان عمک الشیخ الکافر قدمات (الحدیث)** یعنی جب ابوطالب فوت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آکر آنحضرت ﷺ سے یہ فرمایا کہ آپ کا چچا بوڑھا کافر مرچکا ہے' یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا ادب نہیں کیا تو کسی کافر کو شرعاً" کافر کہنا خواہ نبی کا چچا ہو یا

باپ ہو، بے ادبی نہیں)

جواب —— بہت افسوس ہے کہ شرعی ادلہ ملنے پر بھی سکوت کا حکم دیا جاتا ہے، جو صریح کتمان ہے، گویا مقلد ہو کر آپ امام صاحب کی غلطی نکال رہے ہیں کہ ان کو سکوت رکھنا چاہیے تھا، گو ان کو ادلہ معلوم ہو گئی تھیں، مگر کفر کی نسبت شرح فقہ اکبر میں رسول اللہ ﷺ کے والدین کی طرف نہ کرنی تھی کہ یہ بے ادبی ہے، لہٰذا امام صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی کی ہے، یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے۔

افسوس ہے کہ آپ مقلد ہو کر اپنے امام ذی شان کے ایمان پر اور کبھی ادب اور تعظیم رسول پر حملہ کر رہے ہیں جو مقلد کی حیثیت کے سراسر خلاف ہے۔ امام سیوطی ایسا کریں تو وہ شافعی ہیں، اگر احناف ایسا کریں تو امام صاحب سے بے وفائی ہے کہ انہیں بدنام کر رہے ہیں۔

مولانا سعد حسن —— مسلمان کو کہاں زیبا ہے کہ سرور کائنات و سرکار دو عالم کے ماں باپ کو جن کی پوری نوع انسانی ممنون ہے اور مرہون احسان کفر کا مصداق ٹھہرائے۔

جواب —— بہت افسوس ہے کہ امام صاحب کے مقلد ہو کر اب ان کی مسلمانی پر بھی حملہ آور ہو گئے ہیں کہ انہوں نے ادلہ شرعیہ کی رو سے اور خود آنحضرت ﷺ کے فرمان کی رو سے آپ کے والدین کو کفر کا مصداق ٹھہرایا ہے جو امام صاحب کے ایمان کی خوب شان ہے کہ انہوں نے اتباع حدیث کی ہے کہ جب آنحضور ﷺ نے اپنے والدین کا ادب نہ کیا کہ شرعی حکم صاف ظاہر کر دیا تو ان کے نائب امام صاحب کیسے رک سکتے تھے۔ انہوں نے بھی یہ عقیدہ اپنی کتاب میں صاف لکھ دیا۔ اب آپ مقلد ہو کر ان کو اسلام کے خلاف اور نازیبا قرار دیں تو یہ آپ کی امام صاحب پر دریدہ دہنی اور حملہ بے جا ہے اور تقلید میں آکر ان سے غداری ہے۔

مولانا سعد حسن —— پھر یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن پر ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہی ہو کہ بغیر اس فیصلہ کے اس کا ایمان ناقص رہے۔

جواب —— مقلد کا یہ حق نہیں ہے کہ اپنے پیشوا اور امام کی غلطی نکال کر دنیا

میں شائع کرے اور خود علمیت میں ان سے بڑھنے کی جرات کرے۔ امام صاحب نے فیصلہ اولہ شرعیہ سے کیا ہے اور اس مسئلہ کو عقائد میں ضروری سمجھ کر درج کیا ہے کہ واقعی اس کے بغیر ایمان ناقص ہے کہ کافر کو مسلمان اور مسلمان کو کافر جاننے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔

مولانا سعد حسن ——— لہٰذا کیا ضروری ہے کہ ایک غیر ضروری مسئلہ میں پڑ کر اپنی زبان گندی کرے، دل میں شکوک لائے اور ایمان کو ٹھیس پہنچائے۔ (یہ گندہ لفظ کہہ کر آپ نے اپنا قلم اور کتاب گندی کر دی، کیونکہ اس سے حضرت علی ﷜ کی زبان کو آپ نے گندہ کہہ دیا، کیونکہ انہوں نے اپنے باپ کو اور آنحضرت ﷺ کے چچا کو جو بمنزلہ باپ تھا کافر کہا تھا، تو گویا آپ کے نزدیک حضرت علی ﷜ نے اپنی زبان گندی کی، یہ حضرت علی ﷜ کے حق میں بے ادبی ہے، فتفکروا۔

جواب ——— اور کوئی شخص کسی مذہب کا ایسے سخت کلمے امام صاحب کے حق میں کہتا تو کوئی تعجب نہ تھا، آپ مقلد حنفی کہلا کر ایسی گستاخی امام صاحب کی شان میں کہہ رہے ہیں کہ ان کی زبان کو گندی قرار دے رہے ہیں۔ انہوں نے تو یہ کتاب بنام فقہ اکبر مسلمانوں کے عقائد درست کرنے کرانے کے لیے لکھی ہے اور ان کے عقائد میں شکوک اور ایمان میں شبہات ڈالنے اور ایمان کو ٹھیس لگانے کے لیے نہیں لکھی، ایسی بدگمانی نہیں چاہیے۔ امام صاحب نے بروئے حدیث صحیح آنحضور ﷺ کے والدین کو کافر لکھا تو مقلدین حنفیہ کو ناگوار گزرا کہ سندھ کے علاقہ سے فقہ اکبر شائع کی تو خیانت اور تحریف سے کام لے کر یہ عبارت اصل کتاب سے نکال دی، حالانکہ ملا علی قاری نے اس کو درج کیا اور اس پر شرح لکھی اور اس کی خوب تصدیق کی اور ایک مستقل رسالہ لکھ کر منکرین اور مخالفین کی اچھی طرح سے تردید کی مگر اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے! کہ مقلدین حنفیہ ہی ادب رسول کا خشک دعویٰ کر کے امام صاحب کی تردید پر آمادہ ہو گئے اور ان کو بے ادب رسول ٹھہرانے لگے اور اس مسئلے کو لغو بتانے لگے، حالانکہ یہ مسئلہ عقائد سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر عقائد سے تعلق نہ رکھتا تو امام صاحب عقائد کی کتاب میں اس کو ہرگز نہ لکھتے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

پندرہ روزہ اہل حدیث سوہدرہ جلد-۱۵، شمارہ-۴، ۵، ۶، ۸، ۹، ۱۰
بمطابق ۱۵ فروری و یکم مارچ و ۱۴ مارچ و یکم اپریل و ۱۵ اپریل و یکم مئی و ۱۵ مئی
۱۹۶۲ء

والدین رسول اللہ ﷺ کا ایمان

والدین نبوی کے ایمان کے ثبوت میں مولوی سعد حسن صاحب حنفی نے تین نقطہائے خیال بیان کیے ہیں- ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما کر ان کو ایمان نصیب فرمایا' اس بارہ میں ان کے پاس احادیث موجود ہیں' جن کو انہوں نے صحیح یا حسن ثابت کیا' گویا کہ ان تک متقدمین کی رسائی نہ ہوئی ہو-

میں کہتا ہوں کہ اولاً" تو یہ ثابت نہیں ہے' جس قدر روایات اس بارہ میں بیان کی جاتی ہیں' وہ موضوع یا ضعیف ہیں اور طبقہ ثالثہ یا رابعہ کی ہیں' جن کی بابت عجالہ نافعہ میں یہ اصول لکھا ہے کہ ان طبقوں کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں' موضوعات کبیر ص-۱۷ میں علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ:

"حدیث احیاء ابویہ علیہ السلام موضوع" یعنی رسول اللہ ﷺ کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث موضوع ہے- مولانا سیالکوٹی کے دلائل کا ماخذ اور مولوی سعد حسن کے دلائل کا ماخذ کتب علامہ سیوطی ہیں- ان کی تردید ملاحظہ کر کے اپنا ایمان کسی نے صحیح کرنا ہو تو ملا علی قاری کا رسالہ جو اس تردید میں ہے' اور والدین رسول کے کفر کے اثبات میں ہے' تلاش کر کے ملاحظہ کریں' علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

"وقد وضعت فی هذه المسئلة رسالة مستقلة" یعنی میں نے اس بارہ میں مستقل رسالہ لکھ کر نام نہاد حنفیوں شافعیوں کی تردید کر دی ہے جو اس بارہ میں موضوع اور ضعیف دلائل کا سہارا لیتے ہیں' سب کو دندان شکن جواب دے کر امام ابوحنیفہ کا مسلک صحیح ثابت کیا ہے- جزاهم الله تعالیٰ خيرا-

تذکرۃ الموضوعات کے ص-۸۷ میں "حدیث احیاء والدین نبوی" کا حوالہ دے کر لکھا ہے:

"فی اسناده مجاهل وانه حديث منكر جدا وان كان ممكنا لكن ماثبت يعارضه" یعنی اس حدیث کی اسناد میں مجہول راوی ہیں اور یہ حدیث بڑی منکر ہے- اگرچہ یہ ہو جانا ممکن الوقوع ہے مگر جو دلائل اس کے معارض ہیں وہ ثابت ہیں' ان کو ترجیح ہے-

دوسرا یہ مسئلہ عقائد سے تعلق رکھتا ہے اور یہ محدثین کا اصول ہے کہ ضعیف روایات عقائد اور احکام میں حجت نہیں ہیں۔ شرح مسلم نووی اور موضوعات کبیر وغیرہ کا مطالعہ کریں' تیسرا یہ کہ احیاء والدین کی روایات میں جو ایمان لانے کا ذکر ہے' یہ نصوص قرآنیہ قطعیہ کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ: "لیست التوبۃ" (الآیۃ) یعنی ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو برائیاں کرتے ہیں اور پھر موت حاضر ہونے پر یہ کہتے ہیں کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں اور نہ ان کی توبہ قبول ہے جو کافر ہو کر مرے ہیں' ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ (سورہ نساء)

دوسری آیت سورہ انعام ہے: "یوم یاتی بعض آیات ربک لاینفع نفسا ایمانها لم تکن امنت من قبل" (الآیۃ) یعنی جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آئیں' اس دن کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا کہ وہ پہلے ایمان نہ لایا۔

ایسے تو فرعون نے بھی حق کا کلمہ کہہ دیا تھا مگر وہ نامنظور ہوا اور اسے کہا گیا' پہلے تو نافرمانیاں کرتا رہا' اب ایمان لاتا ہے۔ الغرض یہ اصول شرعی مسلمہ ہے جس پر کل امت کا اجماع ہے کہ ایمان باس قبول نہیں ہے (یعنی "فلما راوا باسنا" جب عذاب دیکھا تو ایمان لانے لگے) اب امتوں کی تخصیص کے لیے قطعی دلائل کی ضرورت ہے وہ مفقود ہیں اور جو موجود ہیں وہ کالمعدوم ہیں' پھر امام صاحب نعمان علیہ الرضوان کو ان احادیث سے ناواقف بتانا' جو متاخرین نے مجہول راویوں سے جمع کی ہیں' سخت حماقت ہے اور ان کی مرویہ حدیث جو مسند امام اعظم میں ہے اس کو بیکار کرنا تقلید شخصی کی مٹی پلید کرنا ہے پھر اس روایت کی اس روایت سے تصدیق ہوتی ہے جو مسند احمد میں ہے کہ راوی نے بیان کیا' ہم تقریباً ایک ہزار انسان نبی علیہ السلام کے ہمراہ سفر میں تھے' آپ منزل پر اترے' تھوڑی دیر میں آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' حضرت عمرؓ نے کہا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا' میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تھی' مجھے اجازت نہ ملی' اس پر میری آنکھیں بھر آئیں کہ میری ماں ہے اور جہنم کی آگ ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ آپ کو ہم نے اتنا روتے کبھی نہیں دیکھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ قبر میری ماں آمنہ کی ہے۔ میں نے اسے دیکھنے کی اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی

جو مجھے مل گئی، لیکن اس کے لیے دعاء و استغفار کی اجازت نہیں ملی اور یہ آیت "ماکان للنبی والذین امنوا" (الآیہ) نازل ہوئی۔ (حاشیہ فوائد ستاریہ منقولہ از تفسیر محمدی)

ائمہ اربعہ میں سے دو جید اماموں کی مسندوں کی احادیث ان لوگوں کا خوب رد کر رہی ہیں جو غیر معتبر رسالوں سے موضوع احادیث اور ضعیف روایتیں لا کر قرآن اور صحیح احادیث کا مقابلہ کرتے ہیں اور اہل بدعت کے مسلک کو تقویت دے رہے ہیں اور دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہم اہل حدیث اور آپ کے اہل سنت ہیں۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

صحیح روایات تو یہ بیان کر رہی ہیں کہ آپ کو دعاء کی اجازت نہیں ملی اور جھوٹی روایتوں کے لانے والے یہ کہتے ہیں کہ اجازت ایسی ملی کہ والدین زندہ ہو کر ایمان لے آئے کیا خوب دیانتداری ہے۔

دوسری وجہ یا نقطہ خیال مولوی سعد حسن کا یہ ہے کہ:

"آنحضرت ﷺ کے والدین نے زمان فترت پایا" یعنی قبل بعثت کا زمانہ' اس کا جواب حدیث مسلم اور امام نووی کی شرح سے پہلے گزر چکا ہے۔ اگر اس اصول کو لیا گیا تو زمانہ فترت کے تمام کفار جنتی ماننے پڑیں گے۔ حالانکہ یہ مذہب کسی کا نہیں ہے اور نصوص کے بھی خلاف ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ تیسری وجہ یہ ظاہر کی ہے کہ وہ قدیم ملت ابراہیمی پر تھے' جس کے ماتحت مستحق عذاب نہیں۔ یہ خیال بھی باعث نجات عذاب نہیں' کیونکہ قریش مکہ سب ہی ملت ابراہیمی کے مدعی تھے' لیکن انہوں نے آج کل اہل بدعت کی طرح ملت ابراہیمی کو بدل رکھا تھا کہ توحید ابراہیمی اور ملت حنیفیہ کے سراسر خلاف چلتے تھے' بلکہ انہوں نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے نام کے بت بنا رکھے تھے' جن کی پرستش کرتے تھے' ان کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی تصنیفات اور امام ابن تیمیہ و امام ابن قیم کی کتابوں اور فتح البیان اور دین خالص نواب صدیق حسن خاں رحمہم اللہ تعالیٰ میں ملاحظہ کریں۔

بہرحال مولوی سعد حسن کے تینوں نقطہائے خیال سراسر باطل ہیں۔ مولوی سعد

حسن کی تینوں وجوہ ایمان باہم متضاد ہیں اور کوئی ایک بھی کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں' لہٰذا تینوں مردود ہیں' یہی عقیدہ علماء دیوبند کا ہے' ان کا متفقہ عقیدہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سراسر خلاف ہے اور یہ لوگ عقائد میں غیر مقلد اور اعمال میں مقلد ہیں' گویا نصف غیر مقلد اور نصف مقلد ہیں' یہ بیچارے کیا کریں' ان کی بعض کتابوں میں بھی یہ لکھا ہے کہ جن میں امام صاحب کے خلاف جھوٹی روایات جمع کر کے منسوب کی گئی ہیں۔ شامی مدنی جلد-۳' ص-۳۱۰ میں ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت بخشی کہ ان کے والدین کو زندہ کر کے مشرف بالایمان کیا اور پھر خود ہی کہتے ہیں: "**فانتفحا بالایمان بعد الموت علی خلاف للقاعدہ اکراما لنبیه صلی اللّٰه علیه وسلم**" یعنی آپ کے والدین کا ایمان لانا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے' مگر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کے لیے ایسا کہا گیا ہے' ان فقہاء کو اتنا علم نہیں کہ قاعدہ تو قطعیہ ہے اکرام کے طور پر زندہ کر کے متمتع بالایمان کرنا کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں تاکہ اس قطعی کی تخصیص کی جاسکے یہ تو اصول فقہ کے بھی خلاف ہے۔

شامی میں ہے: "**ان اللّٰه تعالیٰ احیاهما له وآمنا به کما ورد فی حدیث ضعیف**" (ص-۴۱۸ باب نکاح الکافر) یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا اور وہ ایمان لائے' اس بارہ میں جو حدیث وارد ہے وہ ضعیف ہے۔ علامہ شامی نے ضعیف تسلیم کرلی' لیکن علامہ محمد طاہر اور علامہ ملا علی قاری اس کو موضوع بتلاتے ہیں' غور کرو کہ کتنا بڑا مسئلہ ہے کہ قبروں سے والدین کو زندہ کرنا اور پھر ان کا ایمان لانا اتنے بڑے حادثہ کا علم سب صحابہ کو ہونا ضروری تھا اور یہ واقعہ تمام ملک میں مشہور ہو کر روایتوں میں آجاتا لیکن کتب طبقہ اولیٰ اور دوم میں ان کا نام نشان نہیں ہے پھر دلائل قطعیہ کے مقابلہ میں بے ثبوت روایتوں کا سہارا لینا اور ان پر عقیدہ کی بناء رکھنا کس قدر باطل صنیع ہے' پھر لکھتے ہیں کہ معائنہ عذاب وغیرہ کے بعد ایمان غیر نافع ہے' موت کے بعد تو کیا ہونا تھا' مگر یہ خاصہ نبوی ہے' حالانکہ اہل علم نے یہ اصول لکھا ہے کہ: "**الخصائص لایثبت الا بالدلائل**" کہ خصائص بغیر دلائل کے ثابت نہیں ہوتے۔

میں چیلنج کرتا ہوں کہ تمام دیوبندی علماء اور تمام بریلوی علماء جمع ہو کر آیات و احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ایک حدیث قطعی الثبوت پیش کر دیں جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضور ﷺ کے والدین زندہ ہو کر ایمان لائے تھے اور آپ کی دعاء قبول ہو گئی تھی' تو بندہ آپ حضرات کا یہ عقیدہ قبول کرے گا' ورنہ یہ عرض ہے کہ آپ حضرات حنفی کہلا کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عقیدہ کی تکذیب نہ کریں۔ اگر والدین نبوی زندہ ہو کر ایمان لے آتے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اس مشہور واقعہ کا ضرور علم ہوتا اور وہ اپنی فقہ اکبر میں عبارت مذکورہ لکھ کر پھر یہ لکھتے کہ: "**فاحیاھما اللّٰہ تعالٰی اکراما لنبیہ فانتفعا بالایمان بعد الموت**" مگر یہ انہوں نے نہیں لکھا کیونکہ یہ واقعہ ہوا نہ تھا' بلکہ بعد میں گھڑا گیا ہے[۱] جس کو امام سیوطی نے ہوا دے کر مشہور کر دیا اور حنفی لوگ اپنے امام کو چھوڑ کر سیوطی کے مقلد ہو گئے جو امام صاحب سے سراسر غداری ہے۔ تقلید کے وقت تو یہ آیت پڑھ کر جاہل بن جاتے ہیں: "**فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون**" یعنی اگر تم بے علم ہو تو علماء سے پوچھ لیا کرو' لیکن جب تقلید میں پکے ہو جاتے ہیں تو پھر مجتہد بن جاتے ہیں۔ مولانا رومی نے یہ خوب کہا ہے کہ ؎

نوحہ گر بود مقلد در حدیث
جز طمع نہ بود مراد آں خبیث

(۱۔ علما حنفیہ کے رئیس حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم سیرت نبوی جلد۔۳ کے ص۔۳۲۷ میں فرماتے ہیں کہ --- "اس طرح یہ روایت گھڑی گئی ہے کہ آپ کی والدہ بھی آپ کی دعاء سے زندہ ہوئیں اور آپ پر ایمان لائیں۔" مولانا نے یہ سچ فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ تعالٰی خیرا")

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

اہلحدیث سوہدرہ جلد۔۱۵' شمارہ۔۱۷' بمطابق یکم ستمبر سنہ۔۱۹۶۲ء

ابوطالب کی وفات اسلام پر ہوئی یا کفر پر

سوال بخدمت شریف امام صاحب مولانا حافظ عبدالستار صاحب السلام علیکم' مزاج شریف' طالب خیریت بخیریت' خیریت مطلوب' دیگر حال یہ ہے کہ وہ حدیث جو ابوطالب کے مرنے کی ہے' یہاں کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالب کے جنازہ کی نماز حضور رسول کریم ﷺ نے پڑھائی۔ ابوطالب مسلمان ہو گئے تھے' یہ حدیث مکمل مجھے لکھ کر بھیج دیں' ضروری تاکید ہے۔ میں نے یہ کہا ہے کہ گٹھڑی باندھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کو گڑھے میں پھینک آئے تھے۔ برائے مہربانی بہت جلد اطلاع دیں' مزید تاکید ہے۔

سائل محمد اسماعیل راجن پور' ۵ر اگست ۱۹۵۲ء

جواب ابوطالب کافر ہو کر مرا ہے۔ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا' اس سے ثبوت طلب کرو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر بمعہ وصیت میں یہ لکھا ہے: **ابوطالب ووالداہ ماتا علی الکفر"۔** (ابوداؤد) نسائی وغیرہ میں یہ حدیث ہے: **"عن علی لما مات ابوطالب انطلقت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت لہ ان عمک الشیخ الضآل قدمات قال اذھب فوار اباک"** مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ الفاظ ہیں: **"ان عمک الشیخ الکافر قدمات فما تریٰ قال اری ان تغسلہ وتکفنہ"** اور ابن سعد کی روایت میں ہے: **"قال لی اذھب فاغسلہ وکفنہ وواره ففعلت** (درایہ تخریج ھدایہ ص۔۱۲۵)

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ابوطالب فوت ہوا تو میں آنحضور ﷺ کے پاس گیا اور یہ کہا کہ آپ کا چچا کافر مر گیا ہے۔ اس کی بابت کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو غسل کفن کر کے دفن کر دو۔ میں نے اسی طرح کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابوطالب کافر مرا ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری۔

(فتاویٰ ستاریہ ص۔۱۸۰' جلد چہارم)

حنفی مذہب کا عجیب مسئلہ تناسخ و تصرف

تناسخ کا معنی زمانہ کی گردش کا بھی ہے اور قبل از تقسیم ورثہ کسی وارث کے فوت ہو جانے اور اس کے ورثہ کی صورتوں کو بھی تناسخ کہتے ہیں اور کسی روح کا مختلف جسموں میں چلے جانے کو بھی تناسخ کہتے ہیں۔ یہاں تیسرا معنی مراد ہے۔ جس پر تبصرہ ہو گا۔ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تناسخ ہندو قوم کفار کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح مختلف جسموں میں جاتی ہے' نیک روح اچھے جسموں میں جا کر عیش کرتی ہے اور بد روح برے جسموں میں جاتی ہے اور عذاب اور مصیبتیں اٹھاتی پھرتی ہے' لیکن یہ عقیدہ باطل ہے۔ اسلام کے نصوص اس کی تردید کے لیے کتاب و سنت میں موجود ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ حنفی مذہب ایک ایسا فرقہ ہے جو مدعیہ اسلام ہے' لیکن اس مذہب میں دیگر فرقوں کی جو صریح گمراہ ہیں ایسی ملونی ہے کہ اس مذہب میں اسلام کے منافی عقائد اور احکام پائے جاتے ہیں اور بعض ایسی لچر اور بے ہودہ باتیں ہیں جن سے اس مذہب کا بے ہودہ اور گمراہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اب یہاں مسئلہ تناسخ کو لیں جس کا دین اسلام میں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا' لیکن حنفی مذہب کے ہر دو فرقوں کے علماء جن کو مجدد ملت کہا جاتا ہے اس کو مان کر کفار ہند کی تائید کرتے ہیں۔

چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جن کو حکیم الامت اور مجدد ملت کہا جاتا ہے اپنی کتاب (دنیا و آخرت) کے ص-۶۷ میں لکھتے ہیں:

"بہت لوگ باطن کے اچھے ہوتے ہیں ان کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت اور تواضع و اخلاق سب کچھ ہوتا ہے مگر ظاہر میں ان کی صورت شرع کے خلاف ہوتی ہے تو ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص تصرف کر کے اپنی روح کو کتے کے قالب میں حلول کر دے۔ بعض لوگوں کو تصرف کی مشق سے یہ قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی روح کو دوسرے حیوانات کے اجسام میں منتقل کر دیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی روح انسانی کو کتے کے قالب میں منتقل کر دے گا تو وہ اس وقت کتا ہی ہو گا' انسان نہ ہو گا' گو روح انسان کی ہے۔"

واضح ہو کہ مولوی اشرف علی تھانوی اور احمد رضا خان بریلوی کی کتابیں میرے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ مولوی اشرف علی اپنی کتاب الظاہر کے ص-٦ پر لکھتے ہیں:

"بعض کہتے ہیں کہ حضرت ہم کو نماز پڑھتے نظر نہیں آتے' کیونکہ دوسرے جسد سے پڑھتے ہیں' یہ جسم یہیں لوگوں کے سامنے رہتا ہے اور شاہ صاحب نماز دوسرے جسم سے پڑھتے ہیں۔ سو یہ امر ممکن ہے کہ ایک شخص دوسرے جسم سے متجسد ہو جائے' مگر یہ کرامت ہو گی اور کرامت اختیار سے نہیں ہوتی۔ بلااختیار ایک کام خرق عادت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے۔ سو اسی طرح تعدد جسد بزرگوں کے واسطے بطور کرامت ہوا بھی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ ہیں۔" قضیب البیان" ان پر کوئی الزام لگا کر لوگوں نے قاضی کے یہاں چغلی پہنچا دی۔ قاضی ان کو گرفتار کرنے چلے' سامنے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ستر قالب سے چلے آرہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے اپنے مجرم کو پکڑ لو' قاضی حیران رہ گیا' سو ایسے خوارق اکثر تو بلا اختیار ہوتے ہیں .... اور کبھی ایسا تصرف بالاختیار بھی ہوا ہے' مگر اس میں یہ ہے کہ جس دوسرے جسد سے نماز پڑھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ جسم مثالی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے کہ مسجد میں نماز باجماعت ہونے لگی تو یہ شریک نہ ہوئے' جہاں بیٹھتے تھے وہیں بیٹھے رہے' ایک عالم نے اعتراض کیا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے؟ انہوں نے صف کی طرف اشارہ کیا تو دیکھا وہ موجود ہیں اور جماعت میں شریک ہیں۔ ان عالم صاحب نے فرمایا کہ جو جسد نماز میں شریک ہے وہ مثالی ہے۔ اس پر نماز فرض نہیں' وہ نفل پڑھ رہا ہے۔ اس سے تمہارے ذمے سے فرض ساقط نہ ہو گا۔ عارفوں کی بصیرت دیکھیے کہ پہچان لیا کہ جماعت میں جو شریک ہے وہ جسد عنصری نہیں ہے جسد عنصری وہ ہے جو بیٹھا ہے اور وہ جسد مثالی ہے' ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو جسم نماز میں شریک ہے وہ عنصری ہے اور جو بیٹھا ہے وہ مثالی ہے اور اس صورت میں فرض ادا ہو جائے گا' مگر انہوں نے پہچان لیا اور ان کا کہنا سچ نکلا۔ ان بزرگ نے توبہ کی کہ ہاں بڑی غلطی ہے' نماز اس طرح ادا نہیں ہوئی۔"

اور اچھا یہ تو دیوبندی مجدد حنفیت کا بیان ہندوآنہ اور ملحدانہ تھا۔ اب بریلوی مجدد شرک و بدعات کا بیان اس سے ذرا انوکھا سن لیں۔

مولوی احمد رضا خاں کے ملفوظات حصہ اول کے ص-۱۳۹ و ص-۱۳۸ میں یہ لکھا ہے:

(عرض) بحضور اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں؟ (ارشاد) اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار انسانوں کی دعوت قبول کر سکتے ہیں۔"

(عرض مولف) حضور اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عالم مثال سے اجسام مثالیہ اولیا کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اس سے ایک وقت میں متعدد جگہ ایک ہی صاحب نظر آتے ہیں۔ اگر یہ ہے تو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مثل شئی کا غیر ہونا ہے۔ امثال کا وجود شئی کا وجود نہیں تو ان اجسام کا وجود اس جسم کا وجود نہ ٹھہرے گا۔ (ارشاد) امثال اگر ہوں گے تو جسم کے ان کی روح پاک ان تمام اجسام سے متعلق ہو کر تصرف فرمائے گی تو ازروئے روح و حقیقت وہی ایک ذات ہر جگہ موجود ہے۔

"یہ بھی فہم ظاہر میں' ورنہ سبع سنابل شریف میں حضرت سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقت واحد میں دس مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا اور یہ کہ اس پر کسی نے عرض کی حضرت نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرما لیا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا؟ شیخ نے فرمایا کہ کرشن کہنیا کافر تھا اور ایک وقت میں سو جگہ نمودار ہو گیا۔ فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو گیا تو تعجب ہے۔ یہ ذکر کر کے کیا یہ گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں۔ حاشا بلکہ شیخ بذات خود ہمہ جگہ موجود تھے۔ اسرار باطن فہم ظاہر سے ورا ہیں تخمین و فکر بے جا ہے"

دیوبندی صورت مثال کسی بزرگ کے متعدد قالبوں سے کئی جگہ ہونے کے قائل ہیں اور بریلوی پیر اور بزرگ بذاتہ متعدد قالبوں سے کئی جگہ ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد صاحب محدث جوناگڑھی اپنے رسالہ "ذمہ محمدی" کے ص-۲۲ میں ایک واقعہ ان مبتدعین سے نقل کرتے ہیں:

"واقعہ پیر پٹنہ کے ایک مرید نے ایک وقت کی آپ کی دعوت کی۔ آپ نے منظور فرما لیا۔ دوسرے نے بھی اسی دن کی اسی وقت کی دعوت کی۔ آپ نے اس کی بھی منظور فرما لی یونہی کئی ایک مریدوں نے آپ کی اسی وقت کی دعوت کی اور آپ نے

سب کی دعوت منظور فرما لی۔ اس دعوت کے وقت کے گزر جانے کے بعد جب ایک دن یہ سب مرید آپ کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے' ایک نے کہا اس دن پیر ہمارے یہاں آئے تھے' دوسرے نے کہا جھوٹے ہو' وہ تو میرے ہاں تھے' تیسرے نے کہا دونوں بکتے ہو' پیر صاحب میری دعوت میں تھے' چوتھے نے کہا تم تینوں نشہ میں ہو' پیر صاحب نے تو میرے ہاں دعوت کھائی ہے۔ اسی طرح ہر ایک دوسرے کو جھٹلانے لگا۔ آخر پیر صاحب سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تم سب سچے ہو میں تم میں ہر ایک کے ہاں تھا۔ دیکھو سامنے درخت کس چیز کا ہے؟ سب نے دیکھ کر کہا املی کا ہے۔ فرمایا آنکھیں بند کر لو' سب نے آنکھیں بند کر لیں' تھوڑی دیر بعد کہا کھول دو' سب نے کھول دیں' فرمایا اس درخت کے پتوں کی طرف دیکھو' اب جو دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہر پتے پر پیر صاحب بیٹھے ہیں۔ ایسی بے پر کی باتیں نہ تو کوئی عالم باحدیث مان سکتا ہے نہ کوئی عقلمند ایسی باتوں کا اقرار کر سکتا ہے۔

یعنی مولانا جونا گڑھی نے اور شیخ الاسلام (الوسیلہ) مترجم اردو کے ص۔۵۰ میں فرماتے ہیں' بعض ان میں اس خیال کے بھی ہیں کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں دو مختلف مقاموں میں ہوتا ہے جو صریح عقل و نقل کے خلاف ہے۔" پھر مولانا مرحوم نے یہ لکھا ہے کہ "خود حنفی مذہب کی کتاب شامی ملاحظہ کرو اس میں ابن مقاتل کی بابت یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک ایسی کرامتوں کا ماننا کفر ہے کہ فلاں بزرگ فلاں دن مکہ میں تھا اور اسی دین بصرہ میں بھی تھا۔ ابن مقاتل مشہور امام ہے جو حنفیہ میں مسلم ہے۔ اب ہم عرض کیا کریں ؂

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کتاب و سنت سے ایسی کرامتیں نہ اولیاء کی ثابت ہیں اور نہ انبیاء کے معجزوں سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری۔

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور جلد۔۴' شمارہ۔۳۴' بمطابق ۲۴ر اگست ۱۹۷۳ء

شرک و بدعت کی تباہ کاریاں

استخارہ مسنون ــــ اور ــــ استخارہ مشرکانہ

بریلوی مجدد احمد رضا خان صاحب کی ایک کتاب "شمع شبستان رضا" تین حصوں میں شائع ہوئی ہے اس کے ٹائٹل پر یہ عبارت ہے:

"اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی و دیگر علماء اہل سنت کے مجرب عملیات و تعویذات کا مجموعہ"

کتاب پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ شرکیات اور بدعیہ عملیات کا مرقعہ ہے۔ یہاں بطور نمونہ ان کا ایک استخارہ نقل کر کے موحد اہل سنت اور اہل شرک و بدعت کا فرق بتایا جاتا ہے۔

لاجواب استخارہ ⇦ لاجواب استخارہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ ایک ہزار مرتبہ اول آخر درود شریف دس دس بار پڑھ کر سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر دم کر کے سر کے نیچے رکھ کر سو جائے' انشاء المولی الکریم اپنی ہر مشکل کا حل اسی شب میں معلوم ہو جائے گا اور جو بھی جائز مقصد ہو گا یقیناً حاصل ہو گا۔

مسنون استخارہ ⇦ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ماندم من استشار وما خاب من استخار یعنی جو شخص مشورہ کرے گا وہ پشیمان نہیں ہو گا اور جو استخارہ کرے وہ نقصان نہیں اٹھائے گا۔

(کنزالعمال) میں استخارہ کے بیان میں حدیث ہے: من سعادة ابن آدم استخارة اللہ ومن شقاوة ابن آدم ترک استخارة اللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنے میں انسان کی سعادت ہے اور استخارہ چھوڑنے میں بدبختی۔

صحیح بخاری جلد اول' ص-۱۵۵ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہمیں قرآن مجید کی سورتوں کی طرح تمام امور میں استخارہ کرنا سکھاتے تھے۔ ارشاد فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی بات و کام کا ارادہ کرے تو پہلے دو رکعت فرض کے علاوہ پڑھے پھر یہ دعا کرے:

"اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھذاالامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذ الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدرلی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ"

"اے اللہ! میں تجھ سے نیکی چاہتا ہوں تیرے علم کے ساتھ اور تیری قدرت کے ساتھ قدرت چاہتا ہوں اور تیرے بڑے فضل سے سوال کرتا ہوں۔ بیشک تو قدرت رکھتا ہے میں قدرت نہیں رکھتا' تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔

اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین و دنیاو معاش انجام موجودہ اور آئندہ میں میرے لیے بہتر ہے تو اس کو میرے لیے مقدر کر اور میرے لیے آسان کر اور پھر مجھے اس میں برکت عطا فرما اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میرے معاش موجودہ اور آئندہ میں میرے لیے برا ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور مقدر کر میرے لیے بھلائی جہاں بھی ہو پھر مجھے اس کے ساتھ خوش کر دے۔"

(بخاری شریف جلد اول' ص-۱۵۵)

اس دعا استخارہ میں جہاں لفظ امر آیا ہے وہاں اپنی حاجت کا نام لے مثلاً ھذہ التجارۃ یا ان النکاح یا ان ھذا السفر وغیرہ کہے۔

یہ ہے وہ استخارہ جو رحمتہ للعالمین ﷺ نے اپنی امت کو اس طرح سکھلایا جیسے قرآن مجید سکھلایا۔ دعا و استخارہ توحید الٰہی سے لبریز ہے۔ اس کا ایک ایک حرف رب العالمین کی بزرگی اور عظمت کا مظہر ہے۔ عالم ربانی حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مترجم جلد ثانی ص-۹۱۷ میں استخارہ اور یہ دعا درج فرمائی ہے۔ شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اسی کی تعلیم دیتے رہے اور بارگاہ رب العالمین میں یہ عرض کرتے رہے: "فانک تقدر ولا اقدر" اے اللہ! تیری ذات ہر شے پر قادر ہے' میں قادر نہیں

بلکہ عبدالقادر ہوں۔ "وتعلم ولا اعلم" اے اللہ تو ہی غیب کی باتوں کو جانتا ہے' میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا اور فلاں کام کس طرح ہو گا۔ "وانت علام الغیوب" اے اللہ! تو ہی تمام غیبوں کو جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔

اس دعا میں کیسا صاف اور واضح اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب اور مختار کل نہیں ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے نماز استخارہ اور دعا کے بعد یہ ہدایت کی ہے کہ جب سفر یا کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھے:

"اللّٰھم انی ارید الخروج فی وجھی ھذا بلا ثقة منی بغیرک ولا رجاء الا بک ولا قوة اتوکل علیھا' الخ" یعنی اے اللہ! میں اس طرف اس مقصد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور تیرے سوا میرا کوئی سہارا نہیں' نہ تیری ذات کے سوا کسی سے امید ہے اور نہ تیرے سوا کوئی قوت ایسی ہے جس پر بھروسہ کر سکوں۔ آخر تک تمام دعا توحید ربانی کی مشعل نورانی ہے جس سے مشرکین اہل بدعت محروم ہیں۔

سیدالکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو تمام انبیاء و اولیاء کے سرتاج ہیں' حضور ﷺ نے اپنے نام سے استخارہ کرنا نہیں سکھلایا' نہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ نے استخارہ مسنونہ کے علاوہ کسی غیر کے نام کا استخارہ کیا' نہ لوگوں کو بتایا۔ یہ بریلوی مجدد کی ایجاد اور تجدید شریعت ہے جس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن به اللہ۔ کیا ان لوگوں کے لیے ایسے شریک ہیں جو بغیر اذن الٰہی کے شریعت بناتے ہیں' پس اصل لاجواب استخارہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ نے بذریعہ وحی الٰہی اپنی امت کو قرآن کی طرح سکھلایا۔ "شمع شبستان رضا" میں لکھا ہوا استخارہ اختراعیہ شرکیہ اور بدعیہ ہے اور استخارہ نبویہ کے سراسر خلاف ہے' اس لیے اس سے اجتناب واجب ہے۔

فقہاء اور علماء احناف کا فیصلہ ⇦ اس وظیفہ کے بارہ میں حنفیہ کی مستند کتاب غایة الاوطار ترجمہ درمختار جلد-۲' ص-۵۲۹ میں لکھا ہے کہ "یاشیخ عبدالقادر

جیلانی شیئا للہ" کہنا خوف کفر سے خالی نہیں ہے اور مولانا عبدالحی صاحب رئیس الحنفیہ لکھنوی جن کی تصنیفات حنفی مذہب کے علماء عرب و عجم کو مسلم ہیں وہ اپنے مجموعہ فتاویٰ عبدالحی جلد-۲ کے ص-۱۸۳ میں سوال اور ص-۱۸۴ میں جواب یوں درج کرتے ہیں-

(سوال) ایک شیخ اپنے مریدوں کو تعلیم کرتا ہے کہ یاشیخ عبد القادر جیلانی شیئا للہ بطور دعاء و ورد پڑھا کرو' یہ قضائے حاجت کے لیے مفید ہے اور بعض کو تعلیم کرتا ہے کہ یوں کہا کرو یاشیخ میرے حصول مدعا کے لیے آپ خدا کی درگاہ میں دعا فرمائیں- پس ایسی تعلیم کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے اور یہ کلمات مشرک ہیں یا نہیں؟ اور کیا حضرت شیخ جیلانی اتنی قدرت رکھتے ہیں کہ ہر شخص کی فریاد سن کر اس کے فریاد رس ہوں یا اس کے لیے دعا کریں-

(جواب) ایسے وظیفوں سے احتراز لازم اور واجب ہے- اولا" اس وجہ سے کہ یہ وظیفہ شیئا للہ پر مشتمل ہے اور بعض فقہاء ایسے الفاظ کو کفر کہتے ہیں جیسا کہ درمختار میں ہے- کمن قال شیئا" للہ قیل یکفر یعنی اسی طرح شئی للہ کہنا ہے- بعضوں کے نزدیک کفر ہے اور ردالمحتار میں ہے:

"لعل وجهه انه طلب شیئا للہ واللہ غنی عن کل شی والکل مفتقر ومحتاج الیه وینبغی' الخ- (اس طویل عبارت کا ترجمہ یہ لکھا ہے) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے لیے کسی چیز کا طلب کرنا کس طرح درست ہے جب کہ خدا ہر چیز سے بے پرواہ ہے اور سب اس کے محتاج ہیں اور عدم تکفیر کو ترجیح ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کہنے والا یہ مطلب لے کہ میں نے کسی چیز کے طلب کرنے کا ارادہ کیا خدا کی بزرگی کی نیت سے (شرح ادہانیہ)

میں کہتا ہوں پس واجب ہے یا چاہیے کہ اس عبارت کے بعید معنے لیے جائیں اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جن امور میں خلاف ہو ان سے توبہ اور استغفار کرنے اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا (ترجمہ ختم)

ثانیا" اس وجہ سے کہ یہ وظیفہ ندائے اموات کو امکنہ بعیدہ سے متضمن ہے

اور شرعاً ثابت نہیں ہ اولیاء کو امکنہ بعیدہ سے ندا سننے کی قدرت حاصل ہے۔ البتہ زائر قبر کے سلام کو صاحب قبر کا سننا ثابت ہے بلکہ خدا کے سوا کسی کو ہر وقت حاضر ناظر عالم خفی و جلی سمجھنا شرک ہے۔ فتاوی بزازیہ میں ہے (ترجمہ) کسی نے بے گواہوں کے نکاح کیا اور کہا خدا اور رسول خدا اور اس کے فرشتوں کو میں نے گواہ کیا وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے رسول اور فرشتوں کے عالم الغیب ہونے کا دعوی کیا۔ ہمارے علماء (حنفیہ) کہتے ہیں کہ جو ارواح مشائخ کو حاضر ناظر جانے وہ کافر ہے اور حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امت محمدیہ کے اجلہ اولیاء میں ہیں اور آپ کے مناقب و فضائل لاتعداد لاتحصی ہیں مگر آپ کے لیے بھی امکنہ بعیدہ سے ہر ایک کی فریاد کا سننا ثابت نہیں ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ اپنے مریدوں کا حال جانتے ہیں اور ان کی ندا سنتے ہیں شرک ہے' انتہی بلفظہ۔

علماء احناف کے اس فتویٰ سے ثابت ہو گیا کہ شمع شبستان رضا کا مندرجہ استخارہ شرکیہ ہے اور اس اعتقاد سے کرنے اور کرانے والا انسان مشرک ہے اور ایسی تعلیم دینے والا مجدد الشرک والبدعۃ لغویات ہے۔ اس نے سوائے تقریبات و بدعات کی تجدید کے ملت اسلامیہ کے کسی امر توحید و سنت نبویہ کی اشاعت نہیں کی اور نہ کسی شرک کو مٹایا اور سنت کو زندہ کیا۔

ایسی تصنیفات سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

ابو عبد الشکور عبد القادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث جلد-۲۷' شمارہ-۳' سنہ-۱۹۷۴ء

ماہ ربیع الاول میں ہمیشہ سیرت النبی ﷺ کے

جلسے اور جلوس سنت ہیں یا بدعت؟

فرقہ ناجیہ اور اہل حدیث- اہل سنت کی تعریف حدیث نبوی میں یہ وارد ہے "ما انا علیہ واصحابی" یعنی نجات پانے والا وہ گروہ ہو گا جو اس طریقہ پر بروئے عقائد و اعمال قائم ہوا- جس پر آج میں اور میرے اصحاب قائم ہیں- اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں- تمام عقائد اور اعمال کو اس معیار پر پرکھا جا سکتا ہے- جس فرقہ کے عقائد و اعمال آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونہ عقائد و اعمال کے مطابق ہیں' وہ حق پر ہے اور جس کے ان کے اسوہ حسنہ کے خلاف ہیں' وہ باطل پر ہے- پس اس بناء پر اہل حدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے عقائد و اعمال .بفضلہ تعالیٰ اس معیار کی رو سے عین حق و صواب ہیں- لیکن افسوس یہ ہے کہ اس دور پرفتن میں بدعات کا طوفان برپا ہے- چاروں طرف بدعت ہی بدعت پھیل رہی ہے' جس کی وجہ سے امور بدعیہ اور امور مسنونہ میں امتیاز کرنا مشکل اور دشوار ہو گیا ہے- اس لیے بہت سے اہلحدیث اور اہل سنت کہلانے والے بھی ان بدعات سے متاثر ہو گئے ہیں اور وہ بہت بدعیہ کاموں کو مستحسن سمجھ کر کر رہے ہیں- مثلاً میں نے بہت سے اہلحدیثوں کو دیکھا ہے کہ وہ اہل میت کے گھر میں (جب وہ دفن ہو جائے) تعزیت کے لیے آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ "کلام بخشو" پھر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں- پس چنانچہ بندہ راقم الحروف حصاری نے اس بدعت کی تردید میں ایک مضمون لکھا ہے جو بنام حکم حقانی در فاتحہ خوانی بصورت رسالہ مکتبہ شعیب بنس روڈ کراچی سے شائع ہو چکا ہے- اسی طرح یہ بدعت بھی اہلحدیث میں دیکھی گئی کہ جب علماء بمع طلباء کسی دعوت پر کھانا کھانے جاتے ہیں تو وہاں کھانا کھا کر پھر ہاتھ اٹھا کر داعیان الی

الطعام کے حق میں دعا مانگتے ہیں- اسی طرح یہ بدعت بھی رائج ہے کہ بہت سے عوام اہل حدیث دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ محل آمین کہنے کا ہے-

اسی طرح علماء اہلحدیث میں بھی کئی بدعتیں اہل بدعت سے جلسوں میں شراکت اور مجلس کرنے کی وجہ سے دیکھا دیکھی پیدا ہو گئی ہیں- مثلاً یہ کہ مقرر' واعظ حاضرین کو حکم کر کے بلند آواز سے نعرے لگواتا ہے اور درود پڑھواتا ہے حالانکہ اس کیفیت کا اسوہ حسنہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا اور یہ صورت معیار حق کے خلاف ہے- من ادعی فعلیه البیان- اسی طرح خطبہ مسنونہ میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے وحدہ لاشریک له کے بعد یہ اضافہ کرتے ہیں ولا ضد --- له ولا ند اور اشهد ان سیدنا ومولانا وشفیعنا محمدا عبده ورسوله پڑھتے ہیں- حالانکہ ادعیہ و اذکار مسنونہ توقیفیہ ہیں جن میں بڑھانا اور گھٹانا جائز نہیں- اسی بناء پر دعا اذان میں "والدرجة الرفیعة" اضافہ شدہ کلمات بدعت ہیں- اور "وارزقنا شفاعته" کہنا جائز نہیں ہے؟ کہ دعاء نبوی میں یہ کلمات موجود نہیں ہیں-

جب اہلحدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ بموجب آیت لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة - رسول اللہ ﷺ نمونہ عمل ہیں تو پھر کسی جدید نمونہ علم و عمل کی ضرورت کیا ہے؟ اسوہ حسنہ نبوی کو بغیر کسی آمیزش و ایچاو کے یکسوئی کے ساتھ قبول کرنا واجب ہے- اسی کا نام اتباع سنت ہے-

شامی کتاب فقہ حنفیہ کی جلد-۵' ص-۳۵۰ میں ہے عن فتاوی القاضی انه حرام لماصح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد یهللکون ویصلون علی النبی صلی الله علیه وسلم وقال لهم ما اراکم الا مبتدعین- یعنی فتاویٰ قاضی صاحب سے منقول ہے کہ جہر سے ذکر حرام ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو محض اس بناء پر مسجد سے باہر نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے کلمہ لا الہ الا اللہ اور درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں-

آج نام کے حنفی جو حقیقت میں اہل بدعت ہیں' بلند آواز سے درود نہ پڑھنے والوں کو مسجد سے خارج کرتے ہیں جو عکس القفیہ ہے- خیر ہمیں اہل بدعت سے کچھ تعلق نہیں رکھنا چاہیے اور نہ ان کی بات سننی چاہیے- میرا روئے سخن اس وقت اپنے اہل حدیث

بھائیوں سے ہے کہ وہ بھی اہل بدعت سے متاثر ہو کر بدعلت کا ارتکاب کر رہے ہیں- چنانچہ اہل بدعت ماہ ربیع الاول میں میلاد کرتے ہیں اور اہل بدعت کی اکثریت نے اس کو قانوناً بھی عید المیلاد ٹھہرا دیا ہے مگر علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ یہ بدعت سیہ ہے جو مکفرہ بن چکی ہے-

افسوس یہ ہے کہ اب اہل حدیث اور دیوبندی مدعیان مذہب اہل سنت نے اس کو کچھ نام بدل کر کرنا شروع کر رکھا ہے کہ ماہ ربیع الاول میں سیرت النبی کے نام سے بھی تمام شہروں میں جلسے کرتے ہیں اور جلوس نکالتے ہیں- حدیث میں ہے کہ لوگ شراب محرمہ کا دوسرا نام رکھ کر اس کو نوش کریں گے حالانکہ اس میں بھی نشہ ہو گا تو وہ بھی حرام ہو گی- اسی طرح کفار تجار نے بیع کو مثل ربٰو قرار دے کر ربٰو کو بیع کے حکم میں سمجھ لیا تھا- اس سے ظاہر ہوا کہ بغیر شارع کے حکم کے اپنی طرف سے کسی چیز کے نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی- اصل بات یہ ہے کہ ہر چیز کی حقیقت اصلیہ پر غور کرنا چاہیے کہ وہ شارع سے ثابت ہے یا نہیں اور اس پر صحابہ کرام کا تعامل ہمیشہ قائم رہا ہے یا نہیں- سو اس معیار کی رو سے ماہ ربیع الاول میں سیرۃ النبی کا باتعیین جلسہ جلوس قائم کرنا بدعت ہے کہ اس کا ثبوت کسی دلیل شرعی سے نہیں ہے اور یہ محض استحسان یا اس شبہ کی بناء پر جو عام طور پر اہل بدعت کو دلائل عامہ سے ہو جاتا ہے' یہ مخصوص عمل مخصوص ماہ میں جاری کیا گیا ہے جو اصولی لحاظ سے بدعت ہے-

مگر افسوس ہے کہ ہماری جماعت اہلحدیث اس کو مشروع جان کر اس پر عمل در آمد کر رہی ہے- چنانچہ اخبار الاعتصام لاہور مطبوعہ ۱۷/ اگست سنہ ۱۹۹۲ء میں ایک مضمون بعنوان "رسول اللہ ﷺ کی اصل اتباع" شائع ہوا ہے- اس کے آخری حصہ میں یہ درج ہے- "ربیع الاول کا مہینہ ہر سال آتا ہے- ہم ہر سال پورے اہتمام کے ساتھ اس مہینہ میں سیرت النبی کے جلسے منعقد کرتے اور جلوس نکالتے اور آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے واقعات بیان کرتے ہیں' یہ اچھی بات ہے" اس کے بعد کچھ باتیں لکھ کر پھر حضرت مدیر صاحب مدظلہ یہ فرماتے ہیں "ہماری زندگی بھی عجیب ہے کہ ایک طرف تو ہم ربیع الاول کے مہینے میں دھوم دھام کے ساتھ سیرۃ النبی کے جلسے منعقد کرتے ہیں' لمبے چوڑے جلوس ترتیب دیتے ہیں- روشنی کے وسیع انتظام کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ہماری یہ حالت ہے

کہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل سے کوسوں دور ہیں۔ جن امور سے آپ نے منع فرمایا ہے' انہیں اختیار کرتے ہیں۔"

اس صراحت سے سیرۃ النبی کی بدعت مروجہ کی حقیقت صاف سامنے آگئی ہے کہ اس ماہ کو آنحضور ﷺ کی پیدائش کا مہینہ تصور کرتے ہوئے سیرۃ النبی کے جلسے کئے جاتے ہیں اور بڑی دھوم دھام سے جلسے جلوس منعقد کر کے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں اور بڑے اہتمام اور وسیع انتظام سے یہ کام سرانجام دیا جاتا ہے اور یہ صرف ظاہری طور پر ایک رونق میلہ ہے' حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ عمل اور اتباع مفقود ہے۔ یہی امور اس کے بدعت ہونے پر دال ہیں کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ کرام میں نہ یہ اہتمام ہوا اور نہ اسی طرح جلسے جلوس ہر ہر شہر میں اجتماعی طور پر ترتیب دیئے گئے اور نہ واقعات نبوی زندگی کے بالخصوص ماہ ربیع الاول میں بیان ہوئے۔ یہ اہل میلاد کی مشابہت تامہ ہے جو ان کی ریس اور مقابلہ میں رسم نکل گئی ہے۔ اس لیے اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حنفی دیوبندی نے یہ لکھا ہے کہ "حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کسی ختنہ میں بلائے گئے' آپ نے انکار فرما دیا۔ کسی نے دریافت کیا' آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں ہم لوگ ختنہ میں نہیں جاتے تھے' نہ اس کے لیے بلائے جاتے تھے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کام کے لیے لوگوں کو بلانا سنت سے ثابت نہیں' اس کے لیے صحابی نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا اور راز اس میں یہ ہے کہ بلانا دلیل ہے اہتمام کی۔ تو شریعت نے جس امر کا اہتمام نہیں کیا' اس کا اہتمام کرنا دین میں ایجاد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جب مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے مجتمع دیکھا تو براہ انکار اس کو بدعت فرمایا اور اسی بناء پر فقہاء نے جماعت نافلہ کو مکروہ کہا ہے" الخ (اصلاح الرسوم ص ۱۷)

پھر ص ۳۷ میں فرمایا "مسلم میں ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مت خاص کرو شب جمعہ کو شب بیداری کے ساتھ اور شبوں میں سے اور مت خاص کرو یوم جمعہ روزہ کے ساتھ اور ایام میں سے۔ ہاں اگر اس کے کسی معمول روز میں جمعہ ہی آپڑے تو وہ اور بات ہے"

میں کہتا ہوں کہ اس اصول کی رو سے میلاد النبی کو بدعت بتلایا گیا ہے تو اسی اصول سے سیرۃ النبی کے جلسے اور جلوس بدعت ہوں گے کیونکہ سیرۃ النبی اور حیاۃ النبی کے بیان کرنے کے لیے ایسا اہتمام کیا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے نہیں کیا اور ایسا اجتماع کیا جاتا ہے جو قرون ثلاثہ میں نہیں ہوا اور مہینہ مخصوص ہے اور مہینوں سے تو یہ تخصیص اور تعیین بھی موجب بدعت ہے کہ یہ تخصیص سیرت کے بیان کے لیے ثابت نہیں ہے۔
من ادعٰی فعلیہ البیان بالبرھان۔

حضرت مدیر الاعتصام کو بھی اس کا احساس ہوا ہے مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں "بیشک ان جلوسوں کے سلسلے میں کسی انداز سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے مگر یہ بہرحال ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں کو آنحضرت فداہ ابی وامی سے انتہائی شیفتگی اور بعنایت تعلق خاطر ہے۔ اس تعلق و شیفتگی میں ہو سکتا ہے کہ کچھ ناجائز امور داخل ہو گئے ہوں مگر اس سے قطعی انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمان کی زندگی بھر کی تمام متاع رسول اللہ ﷺ سے محبت و عقیدت ہے اور اسی کو وہ اپنے لیے باعث نجات و رحمت سمجھتا ہے" الخ۔

میں کہتا ہوں کہ جس انداز سے اختلاف ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ بدعت ہے۔ سیرۃ النبی کے جلسے اور جلوس ماہ ربیع الاول میں کرنا کرانا قرون ثلاثہ میں اس ہیئت سے ثابت نہیں ہے۔ اس اہتمام میں جن ناجائز امور کا داخل ہونا تسلیم کیا ہے' انہی کی وجہ سے یہ بدعت ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے عید میلاد کے غیر مشروع ہونے پر بحث کی ہے اور اس کے رد کرنے کے لیے چند قواعد بیان کئے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہوا اور تیسرا یہ ہے کہ "فعل مباح بلکہ مستحب بھی کبھی امر غیر مشروع کے مل جانے سے غیر مشروع و ممنوع ہو جاتا ہے جیسے دعوت میں جانا مستحب بلکہ سنت ہے لیکن وہاں اگر کوئی امر خلاف شرع ہو' اس وقت جانا ممنوع ہو جائے گا۔ جیسے احادیث میں آیا ہے اور ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے اور اسی طرح نفل پڑھنا مستحب ہے مگر اوقات مکروہ میں ممنوع اور گناہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر مشروع بوجہ اقتران و انضمام غیر مشروع کے غیر مشروع ہو جاتا ہے' الخ۔

پس اس بناء پر سیرۃ النبی کے جلسے اور جلوس ناجائز امور کے داخل ہونے سے غیر مشروع ثابت ہوئے۔ میں نے دیوبندی مسلک کے ایک مسلمہ عالم فاضل کی کتاب اور ان کی تصریحات کا اس لیے حوالہ دیا ہے کہ سیرۃ النبی کے جلسے علماء دیوبند بھی بڑی دھوم دھام سے

کرتے ہیں جو ان کے اصول موضوعہ کے رو سے بدعات میں شمار ہیں۔
باقی رہا حضرت مدیر الاعتصام کا یہ فرمانا کہ ان جلسوں' جلوسوں سے مسلمانوں کی آنحضرت ﷺ سے انتہائی شیفتگی اور غایت تعلق ثابت ہوتا ہے۔ سو آپ کو واضح رہنا چاہیے کہ اہل بدعت کی انتہائی شیفتگی اور تعلق خاطر میلاد کے جلسوں اور جلوسوں میں اور رافضیوں کا انتہائی عشق اہل بیت سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ سیرت کے جلسے منعقد کرنے والوں سے بھی زیادہ ہے۔ وہ تو قیام تعظیمی بھی کرتے ہیں اور انگوٹھوں کو نام محمد (ﷺ) پر چوم چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور رافضی خونوں خون ہو جاتے ہیں مگر جب یہ افعل ثابت نہیں' جب میلاد اور تعزیہ کی شیفتگی قابل قبول نہیں تو سیرۃ النبی کی بدعت ماہ ربیع الاول میں موجب شیفتگی کس دلیل سے ہو سکتی ہے؟ دونوں مردود ہیں۔ کوئی بڑی بدعت ہے کوئی چھوٹی۔ کوئی مکفرہ ہے اور کوئی غیر مکفرہ۔ نفس بدعت ہونے میں سب یکساں ہیں۔ حدیث میں ہے من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد۔ (مسلم ومسند اعظم) یعنی "جس نے ایسا عمل کیا جس کی بابت ہمارا حکم نہ تھا وہ مردود ہے۔" اور بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو مردود یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں نئی چیز پیدا کی وہ مردود ہے۔

احداث دو قسم ہے۔ ایک ذاتی دوم وصفی۔ ذاتی وہ ہے جس کا اصل وجود ہی شرع میں نہ ہو۔ جیسے گیارہویں یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للّٰہ کا وظیفہ قبروں پر عرس کرنا وغیرہ۔ وصفی وہ بدعت ہے کہ اس کا اصل تو شرع میں ہو مگر اس کی کیفیات و ہیئات معینہ جن کا التزام کیا گیا ہے وہ ثابت نہ ہوں جیسے صلوٰۃ الضحیٰ کو اجتماعی طور پر پڑھنا' عصر کے بعد مصافحہ کرنا' تسبیح نماز کی جماعت کرنا' ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو بارہ رکعت نماز پڑھنا' میت کے گھر میں فاتحہ خوانی کرنا' اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنا' اجتماعی صورت سے تسبیح و تہلیل پڑھنا' ذکر الٰہی اجتماعی صورت سے بالجھر کرنا وغیرہ۔ پس اسی قبیل سے ہے' ماہ ربیع الاول میں سیرۃ النبی کے جلسوں اور جلوسوں کا التزام کرنا کہ یہ بھی بدعات وصفیہ میں شمار ہے۔ کیونکہ اس کی کیفیات و ہیئات پر کوئی دلیل ناطق نہیں ہے۔

احداث ذاتی کے بدعت ہونے میں تو کسی اہل علم کو شبہ نہیں ہو سکتا سوائے اہل بدعت فرقہ کے لیکن بدعات وصفیہ میں اہل علم کا اختلاف ہو جاتا ہے کہ من وجہ وہ ثابت شدہ چیز

ہوتی ہے اور من وجہ وہ غیر ثابت شدہ ہوتی ہے۔ پس اس شبہ کی بناء پر وہ رواج پکڑ جاتی ہے۔ اس لیے اہل علم پر بدعات وصفیہ کا امور مسنونہ سے امتیاز کرنا واجب ہے۔ لغت کی رو سے بدعت وہ ہے جس کی مثال سابق میں موجود نہ ہو۔ سو سیرۃ النبی کا بیان ماہ ربیع الاول میں ہیئت مروجہ سے جو ہو رہا ہے' اس کی مثال قرون ثلاثہ میں نہیں ملتی اور اصطلاح شرعی میں بدعت وہ چیز ہے جو دین میں نئی پیدا کی جائے اور اس کو مشابہہ طریقہ شرعی کے سمجھ کر معمول بہا اس طرح بنایا جائے جس طرح طریقہ شرعی معمول بہا ہوتا ہے لیکن اس کا ثبوت کسی دلیل شرعی اور تعامل سلف سے نہ ہو۔

سیرۃ النبی کے جلسے اور جلوس دین میں اختراع جدید ہے' جس کی نظیر ماہ ربیع الاول میں قرون ثلاثہ میں پائی نہیں گئی۔ لہٰذا یہ بدعت ہے جس میں گروہ غرباء جو اپنے آپ کو اہل حدیث تصور کرتا ہے' اس بدعت میں غرق ہے اور دیگر اہل حدیث بھی مبتلا ہیں۔ میرا یہ مضمون شاید سب اہل سیرت کو ناگوار گزرے لیکن مجھے اس کی دلیل شرعی اور تعامل سلف درکار ہے جو بدعت اور سنت میں فرق کرنے کا اصل معیار ہے۔

ابن حجر ھیثمی سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ اذان کے بعد کیفیتہ معروفتہ کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پکارنے کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا "الاصل سنة والكيفية بدعة" یعنی باعتبار ذات تو مشروع ہے لیکن کیفیت کی رو سے بدعت ہے کہ عقب اذان کے بلند آواز سے پکارنا ثابت نہیں۔ سو اسی طرح ماہ ربیع الاول کے سیرتی جلسوں کا حال ہے کہ تبلیغ اور سیرت نبوی کا بیان اور واقعات حیات نبوی کا ذکر تو ثابت ہے مگر ماہ ربیع الاول کی تخصیص اور لمبے چوڑے جلسوں' جلوسوں کا اہتمام اور دھوم دھام ثابت نہیں ہے۔ یہ کیفیت بدعت ہے۔ فتفکروا یااولی الالباب۔

اصحاب اہل سیرت کو یہ سوچنا چاہیے کہ صحابہ کرام نے ماہ ربیع الاول میں یہ سیرتی جلسے جلوس اس ہیئت سے قائم کیے تھے یا نہیں؟ اگر کیے تھے تو مجھے ثبوت درکار ہے۔ اگر نہیں کیے تو بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ سنن ابوداؤد کے حوالہ سے رسالہ سنن وبدعات کے ص-۵ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کل عبادة لا يتعبدها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها فان الاول لم يدع للاخر مقالا یعنی ہر وہ کام تعبدی جو صحابہ کرام نے نہیں کیا وہ مت کرو کیونکہ سلف صالحین نے خلف کے لیے کوئی

گنجائش مزید عبادت کی نہیں چھوڑی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اوصیکم بتقوی اللّٰہ والاقتصاد فی امرہ واتباع سنۃ رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وترک ما احدث المحدثون۔ (رواہ الدارمی) یعنی میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی اور اس کے دین میں میانہ روی اختیار کرنے کی اور سنت نبوی کی اتباع کرنے کی اور اہل بدعت نے جو نئے کام پیدا کئے ہیں ان سے بچنے اور چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔

پس اہل حدیث کو اس وصیت کا پابند ہونا چاہیے۔ اکثر لوگ بعض امور غیر ثابتہ کو استحساناً معمول بہا بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی بدعت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام المحدثین امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں من استحسن یعنی بدعۃ فقد شرع۔ یعنی جس نے کوئی کام استحسان کے طور پر کیا تو اس نے نئی شرع بنالی جبکہ وہ شرع سے ثابت نہیں ہے۔

دوسرے امام اہل حدیثوں کے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں اصول السنۃ عندنا التمسک بما کان علیہ اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والاقتداء بھم وترک البدع وکل بدعۃ فھی ضلالۃ۔ (کتاب السنن والبدعات ص-۵) یعنی ہمارے نزدیک سنت کی پابندی کا اصول یہ ہے کہ ہم اس طریق کو مضبوط پکڑیں جس پر صحابہ کرام چلتے رہے اور تمام امور شرعیہ میں ان کی اقتداء کریں اور سب نئے نئے کاموں کو چھوڑ دیں کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔

نیز کتاب السنن میں ہے کہ اجتماعھم بعد التسلیم من الصبح علی اللّٰھم اجرنی من النار سبعا بدعۃ یعنی صبح کے وقت نماز سے فارغ ہو کر اجتماعی صورت میں سات بار دعا اللّٰھم اجرنی من النار پڑھنا بدعت ہے۔ والسنۃ ان یقولھا کل لنفسہ فی نفسہ سنت طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص بذاتہ انفرادی طور سے آہستہ اس دعا مذکورہ کو پڑھے۔ کیونکہ اصل دعا ثابت شدہ ہے' اجتماعی کیفیت ثابت نہیں۔

میں کہتا ہوں اسی اصول سے گھوڑے اور مرغ کی قربانی بھی بدعت ہے کیونکہ اس کا ثبوت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے۔ جو شخص بسند صحیح کسی حدیث سے ثابت کر دے اس کو مبلغ ایک سو روپیہ انعام بشرط فیصلہ مسلمہ ثالث ادا کیا جائے گا۔ اسی طرح ایک بکری میں سات متفرق گھروں کا اپنے گھروں میں مقیم ہوتے ہوئے

شامل ہو کر قربانی کرنا بدعت ہے۔ جو شخص ثابت کر دے کسی دلیل شرعی سے تو اس کو ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔

اسی طرح بغیر قوانین شرعیہ کی تنفیذ کی قدرت رکھنے اور اہل اسلام کے ملک کا انتظام کرنے اور ظالموں سے مظلوموں کے حقوق دلانے اور مقدمات فریقین میں شرعی فیصلے صادر کرنے کے اپنی خلافت علیٰ منہاج النبوت تصور کر کے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دینا اور گروہ بندی کرنا بدعت ہے۔ جس کے بعض لوگ مرتکب ہو رہے ہیں اور اس بہانہ سے زکوٰتیں وصول کر کے اپنی شکم پری کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی بدعت ہے کہ جس کے پاس ساٹھ روپیہ کا سونا ہوا' اس سے زکوٰۃ وصول کرنے لگے۔ اسی طرح یہ بھی بدعت ہے کہ امامت اپنے خاندان میں محدود کر کے باپ اپنے بیٹا کو امیر بناتا رہے۔ پس ہر اہلحدیث کو ان تمام بدعتوں سے بچنا واجب ہے۔ والسلام

عبدالقادر عارف الحصاری۔

الارشاد جدید بابت ماہ جنوری سنہ۔۱۹۶۳ء

ماہ ربیع الاول میں رسومات

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین الصطفٰی

قارئین کرام السلام علیکم ورحمتہ اللہ ماہ محرم سنہ-۷۲۰ھ اور ماہ صفر کے احکام آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں- ماہ ربیع الاول کے متعلق بھی پیش خدمت ہیں- قرآن و حدیث میں اس ماہ کے متعلق کہیں خاص فضیلت و خصوصیت کا ذکر تو ہے نہیں- البتہ اس ماہ میں ہمارے پیارے فداہ امی وابی سردار دو جہاں نبی آخر الزماں' ختم المرسلین' خاتم النبین' رحمتہ اللعالمین' شفیع المذنبین' محمد مجتبیٰ' احمد مصطفیٰ' اکرم الاولین ﷺ باختلاف روایات ۹'۱۰' ۱۲ ربیع الاول عام الفیل سنہ-۶۰۰ ------- مطابق ۲۲ر اپریل سنہ-۵۷۱ء بروز دو شنبہ بعد از صبح صادق قبل طلوع آفتاب مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور خداداد برکت سے کفروظلمت کے قلعہ میں کھلبلی پڑ گئی- کنگرے جھڑ گئے' کفر و الحاد کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں- خدا نے آپ کو عین ٹھیک ضرورت کے وقت پیدا فرما کر نہ صرف طالبین حق پر ہی بلکہ تمام دنیا پر بہت بڑا احسان کیا- چنانچہ ارشاد باری ہے- **لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم الآیہ** یعنی رب العالمین نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ انہی میں سے (ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے) ایک رسول بھیجا-

یقیناً آنحضور ﷺ کا دنیا کی رہنمائی کے لیے تشریف لانا ایک لاثانی نعمت ہے- صرف اور صرف اولاد آدم میں آپ ہی ایک ایسے ممتاز اولوالعزم خیرا لبشر اور خیر الرسل محبوب خدا ہیں کہ جن کی پاکیزہ زندگی کی پوری تاریخ آج دنیا میں موجود و روشن اور مشعل راہ ہے- اور آخر دنیا تک قائم و دائم رہے گی- اللہ تعالیٰ نے صرف آنحضور ﷺ کے ذریعہ ہی دنیا میں جبکہ ہر طرف کفرو شرک' ظلم و تعدی قتل و غارت' لوٹ مار اور انسانیت سوز جرائم کا دور دورہ تھا- عدل و انصاف اٹھ چکا تھا- ایک اسلامی

ریاست و مملکت کی مضبوط بنیاد رکھی' جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ تمام مادی اور مسلح طاقتیں اس بے سروسامان نور مبین اور سراج المنیر کے مقابلہ سے پاش پاش ہوئیں اور تمام دنیا کو عدل و انصاف سے نوازا۔ ظلم و زیادتی اور قتل و غارت کی جگہ امن قائم کیا اور مظلوموں کو پناہ دی' جس کی مثال تاریخ میں ملنی ناممکن ہے۔

اول تو آنحضور ﷺ کی تعلیم پر ہی عمل کرنا آپ کا ذکر ہے۔ کیونکہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں ہر وقت ہر قدم پر راہنمائی کرتی ہے۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ کوئی فرض نماز پانچ وقتہ یا دن رات کے نوافل آپ پر مسنونہ درود شریف پڑھے بغیر قبول ہی نہیں ہوتے۔ آپ کا کلمہ پڑھنا اتنا موثر ہے کہ ---------- جس سخت سے سخت دل کافر نے صدق دل سے پڑھ لیا بس اس کی زندگی میں انقلاب آیا کہ وہ دنیا ومافیہا خویش و اقربا کو چھوڑ کر آپ کا ایسا باوفاء محب ثابت ہوا کہ آپ کے اشارہ کرنے پر جام شہادت نوش کر گیا۔ آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنا اور آپ کے اخلاق و عادات کا علم حاصل کر کے اپنی بد اعمالی و بدکرداری و بد اخلاقی و بد عادات کو چھوڑنا ہی آپ کے ساتھ سچی محبت کا اظہار و ثبوت ہے۔ اور اصل محبت یہی ہے کہ آپ کے خدا کی طرف سے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے اقوال و اعمال جو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ احادیث صحیحہ ہیں۔ بصورت ضابطہ حیات موجود ہیں' کے مطابق اپنی ظاہری و باطنی زندگی کو سنوارے۔

یہ آپ کے ساتھ سچی محبت کے اظہار کا طریقہ نہیں ہے کہ صرف ماہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ یا کسی اور دن یا مہینہ میں ایک محفل میلاد مقرر کر کے غزلیں پڑھنا' ستار' سارنگی' ڈولک' باجا بجانا' قوالیاں کہنا اور ایسے لوگوں کی محفل کرنا جن کی شکل و صورت پر ہی آنحضور ﷺ کی لعنت ہو۔ دیکھئے اور غور فرمایئے آنحضور ﷺ نے اپنے سچے محب اور پیروکار مسلمان مرد و عورت کی پوری عمر یعنی از پیدائش تا موت کا یومیہ و ماہانہ و سالانہ پورا و مکمل پروگرام مرتب کر کے دے دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا **ترکت امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما** (الحدیث) یعنی میں اپنی امت کی طریق زندگی کی درستگی کے لیے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ چھوڑتا ہوں' بس جو ان ہر دو کو اپنی زندگی کے ہر

ایک شعبہ میں مشعل راہ بنائے گا' وہ ہرگز گمراہ نہ ہو گا۔

اب جس شخص یا فرقہ کا نیک عمل اس کسوٹی کے مطابق ہو گا وہ مقبول و موجب نجات ہو سکتا ہے ورنہ مردود و متروود اور نیکی بوجہ گناہ لازم جہنم کا راستہ ہو گا۔ حضرات ہر ایک نیک عمل کی قبولیت کے لیے تین شرطیں ہیں۔

(۱) یہ کہ اس نیک عمل کے لیے اخلاص یعنی صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی ہی مطلوب ہو اور بس۔

(۲) یہ کہ اس نیک عمل کے کرنے کا طریقہ سنت نبوی اور خلفاء راشدین و مهدئیین حقیقی عاشقان و فدایان نبی ﷺ کے مطابق ہو۔

(۳) یہ کہ اکل حلال صدق مقال ہو۔ جو نیک کام ان شروط کے مطابق ہو گا وہی مقبول ہے اور جس میں یہ نہ ہوں گی وہ بدعت ہے اور بدعتی کا کوئی نیک عمل نماز' روزہ' حج' عمرہ' زکوٰۃ' صدقہ و خیرات' فرض' نفل' جہاد قبول نہیں۔ کیونکہ اس بدعتی نے خدا اور رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود کو چھوڑ کر اپنی طرف سے دین مکمل و اکمل میں ایک فرضی نیکی کی نئی راہ پیدا کی ہے۔ جس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کا عطا کردہ ضابطہ حیات نعوذ باللہ ناقص تھا' جو اب اس بدعتی نے مکمل کیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف اس امر پر شاہد و ناطق ہے **لا يقبل الله لصاحب بدعة صوما" ولا صلاة ولا صدقة ولا حجة ولا عمرة ولا جهادا" ولا صرفا" ولا عدلا" يخرج من الاسلام كما تخرج الشعرة من العجين** (ابن ماجہ مصری ص۔۱۳) یہی ظالم (باغی) ہے جو بسبب بدعت اسلام سے نکل جاتا ہے۔

خواہ وہ ایک فرد ہو یا فرقہ یا حکومت ہو جیسا کہ قرآن مجید اس پر شاہد و عادل ہے۔ **ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون' فاولئک هم الفاسقون' فاولئک هم الكافرون**۔ دوسری آیت **فلا وربک لا يومنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم (الآية)** یعنی جو شخص یا فرقہ یا مدعی اسلام حکمران یا پنچائیت اپنے حلقہ اثر وحدود کے اندر اللہ رب العالمین کے بھیجے ہوئے ضابطہ قانون شریعت (اسلامی طرز زندگی) تشریح کردہ آنحضور ﷺ کے موافق اپنے مقدمات کے فیصلے نہیں کرتے' بس یہ منکر خدا اور رسول اور منافق' فاسق' کافر راندہ درگاہ ہیں۔ اور آپ کے ساتھ محبت

آپ کی (چھوٹی بڑی) سنت پر عمل کرنے میں ہی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا **من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة۔**

دوسری حدیث **کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی۔ قالو یارسول اللّٰہ من ابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی** (بخاری و مسلم) یعنی جس شخص (یا قوم' فرقہ' بادشاہ' حاکم' برسر اقتدار طبقہ) نے میرے طریقہ کو محبوب و پسند کیا (عمل و عقیدہ' شکل و صورت' لباس و حجامت وغیرہ تمام کام اس کے مطابق کئے تو) وہ میرا سچا محب ہے۔ اور جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ میری تمام امت جنت میں داخل ہو گی مگر میرا منکر نہیں۔ دریافت کیا گیا حضور آپ کا منکر کون ہے؟ فرمایا جس نے میری تابعداری سے انکار و انحراف روگردانی کی۔ اور آنحضور ﷺ نے اپنا امتی ہونے کی نشانی و علامت بھی آپ ہی واضح فرما دی۔ **لیس منی الا عالم او متعلم** یعنی میری امت کا فرد صرف وہی ہے جس نے میرا پیش کردہ علم دین سیکھا اور حاصل کر لیا ہے۔

مقام غور ہے ان حضرات کے لیے جو روزانہ سنت نبوی پر ہاتھ صاف کرتے ہیں اور صرف اقتصادی و مادی تعلیم ہی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر مال تلف اور عمر ضائع کر رہے ہیں۔ یاد رکھئے اس کے لیے خدا کے سامنے جواب دینا پڑے گا۔ افسوس! آج علم دنیا کے قائد قلت علم ہونے کے باوجود قائد ملت کا خطاب حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ مگر مذہبی لحاظ سے فرائض اسلام کے تارک فرض نماز پنج گانہ' نماز جنازہ' نماز تسبیح' نماز خوف' نماز بارش' نماز چاند' سورج گرہن' نماز جہاد' نماز حاجت' نماز تہجد وغیرہ ارکان حج سے ناواقف زکوٰۃ و رمضان سے قطعاً" بے خبر جاہل غافل اور رات دن کے سونے' مجلس میں بیٹھنے' سفر کرنے' کھانے پینے' بازار میں آنے جانے' لباس پہننے' اپنی حفاظت اور صبح و شام کی دعاؤں کا علم نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے نیک سمجھ عطا فرمائے' آمین)

اسی قسم کے جاہل رسم و رواج کے پابند ..... مسلمان اس مہینہ میں عید میلاد النبی کرتے ہیں۔ اور محفل مولود قائم کر کے یعنی اختراعی امور سرانجام دے کر جعلی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ جس کا ذکر نہ قرآن مجید میں اور نہ احادیث صحیحہ حسنہ میں ہے اور نہ ہی اس کا وجود عہد نبوی سے ثابت ہے اور نہ زمانہ صحابہ کرام سے' نہ تابعین سے' نہ

تبع تابعین سے اور نہ ائمہ دین مجتہدین محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ بلکہ یہ تو قرون ثلاثہ جو خیر القرون یعنی خیروبرکت کے زمانہ سے بعد کی ایجاد ہے۔ ہاں اگر بغیر اس ہیئت متعارضہ مروجہ کے بلا تخصیص ماہ و یوم اتفاقیہ تبلیغی جلسہ وعظ و درس میں اللہ کے سچے حبیب اکرم الاولین ﷺ کی ولادت مبارکہ' حیات طیبہ کے واقعات صحیحہ اور روایات ثابتہ سے آپ کا اسوۂ حسنہ اور آپ کے مناقب و فضائل اور معجزات بیان کیے جائیں تو یہ بالاتفاق ثابت اور موجب ثواب ہیں اور اس پر علماء حق کا عمل ہے۔ لیکن دور حاضرہ میں جو خاص ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو عید میلاد اسلامی تہوار کے نام سے منایا جاتا ہے' اس کو شعار اسلام اور ضروریات دین سے سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے۔ جبھی تو یہ بدعت ٹھہرا اور اس مجلس میں شامل ہونا گناہ ہوا۔

حضرات! مقام غور ہے۔ اگر یہ مولود مروجہ نیک کام اور موجب ثواب ہوتا تو قرآن میں اس کا ذکر لازما" ہوتا اور خود آنحضور ﷺ اس کام کے کرنے کا ارشاد فرماتے اور خلفائے راشدین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو آپ کے سچے محب اور جان نثار تھے' وہ اس قسم کے نیک عمل کو کس طرح چھوڑ سکتے تھے اور اسی طرح تابعین' تبع تابعین' آئمہ دین ضرور ہی اس پر بڑی دھوم دھام' شان و شوکت سے عمل کرتے۔ لیکن جب اولیاء اللہ و بزرگان دین میں سے اس محفل میلاد کو کسی نے کبھی منعقد نہیں کیا تو فرمایئے اس کے بدعت و گمراہی ہونے میں کیا شک ہے۔ آنحضور ﷺ پر دین مکمل ہو چکا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے احداث فی الدین یعنی دین میں اپنی طرف سے کوئی نیا نیک کام سمجھ کر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا ایاکم والمحدثات فان کل محدثة ضلالة۔ دوسری حدیث من عمل عملا" لیس علیہ امرنا فھو رد یعنی جس شخص نے ایسا (نیک) عمل کیا کہ جس کے کرنے پر ہمارا حکم نہیں ہے' وہ مردود ہے۔

عمل مردود ہے وہ سراسر
نہ ہو جس کے لیے حکم پیمبر

بعض پیشہ ور شکم پرست مولوی میلاد مروجہ کا ثبوت ہیر پھیر کر کے ناجائز طریقہ پر

عوام جہلا پر ثابت کرنے کے لیے اس طرح سے اثر ڈالتے ہیں کہ تمام مجموعہ کے اجزاء میں سے ایک ایک چیز کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھئے کیا درود شریف پڑھنے کی فضیلت نہیں، پھر کسی معجزہ کا ذکر کر کر کے کہتے ہیں کہ کیا اس کے بیان کرنے کا ثبوت نہیں پھر آنحضرت ﷺ کا شان بیان کر کے کہتے ہیں کہ کیا یہ بیان نہیں کرنا چاہیے۔ بس اسی کے بیان کرنے کا نام مولود ہے۔ واہ سبحان اللہ! بقول

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

حالانکہ یہ طرز بیان سراسر حماقت و جہالت پر مبنی ہے۔ فرداً فرداً کسی جز یا اجزاء کے جواز سے مجموعہ مرکب کا جواز لازم نہیں آتا۔ جو ملاں، مولوی پیر، مرشد، مناظر مروجہ عید میلاد النبی کے کرنے کا ثبوت قرآن و احادیث اور عمل صحابہ و طریقہ تبع تابعین و امامان دین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت کرے تو اس کو مبلغ یک صد روپیہ پاکستانی سکہ کا بطور انعام دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ ثبوت کتب احادیث صحاح ستہ سے ہو۔ ودونہ خرط القتاد۔

علمائے اہل حق نے اپنی تصنیفات میں یہ صاف تشریح کر دی ہے کہ مولود مروجہ کا ثبوت اسلام میں نہیں ہے۔ اس لیے یہ بدعت اور ایک رسم ہے جس کو بیہودہ خواہش پرست لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔ چنانچہ مورخین کی معلومات کا ذخیرہ جو ہمارے سامنے ہے، اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مفتی و مجوز اور موجد اول ابوالخطاب عمر بن دحیہ ہے، جس کو کتب اسماء الرجال وغیرہ میں جھوٹا اور وضاع اور احمق و خبیث لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب لسان المیزان وغیرہ۔

اس عبدالدینار شاہی ملاں نے ایک رسالہ بنام "التنویر فی مولد السراج المنیر" لکھا جو کہ اس نے بادشاہ اربل کے پیش کیا، جو ایک دنیادار، خواہش پرست بادشاہ تھا۔ اس نے اس رسالہ کو قبول کیا اور اپنے ملک میں مولود مروجہ کو رواج دیا۔ بمقتضائے قول الناس علی دین ملوکھم کہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر ہو جاتی ہے۔ اور بادشاہوں کی جائز و ناجائز جاری کردہ رسم ملک میں بہت جلد ترقی پکڑتی ہے۔

چنانچہ مجالس مولود کی شہرت عام ہو گئی۔ اگرچہ علمائے اسلام نے اس زمانہ میں بھی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی لیکن حکومت اور حکومت پرست صوفی و ملاں اس بدعت کے رواج دینے میں غالب رہے۔ جیسا کہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخی کتاب مرالزیان میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ شاہ اربل کی مجلس میں شریک ہوتے تھے' ان کا بیان ہے کہ شاہ اربل کے دسترخوان پر پانچ ہزار بکری' دس ہزار مرغ' سو گھوڑے' تین ہزار رکاب حلوہ کے ہوتے تھے۔ جس میں صوفی اور مولوی بلائے جاتے تھے۔ صوفیوں کے لیے ظہر سے عصر تک ناچ راگ (گانا بجانا) ہوتا تھا۔ شاہ اربل خود بھی سب کے ساتھ ناچتا تھا اور اس میں ہر سال تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔

مورخ ابن خلکان نے بھی محفل مولود کا مروج اور موجد اسی شاہ اربل کو قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ **لم یکن له لذة سوی السماع** کہ شاہ اربل کو راگ کے بغیر اور کسی چیز میں مزا ہی نہیں آتا تھا۔

اب ناظرین اہل انصاف غور فرمائیں کہ جب کھانے پینے کی یہ اشیاء میسر ہوں اور حکومت کا قرب بھی حاصل ہو تو ایسے ملاں' مولوی چاول سفید سے زمین گول کا ثبوت دے دیں تو کیا تعجب ہے؟ چودھویں صدی کے ملاں کو رسومات مروجہ' ختم' تیجہ' ساتہ' دسواں' چالیسواں' نذر لغیر اللہ' قبروں کے چڑھاوے' عرس' گیارہویں وغیرہ کو ثابت کرنے کیا مشکل ہیں۔

شاہ اربل سنہ ۶۰۰ھ میں ہوا ہے۔ (تاریخ ابن خلکان) پس محفل میلاد کی رسم نبی ﷺ کے زمانہ مبارک سے چھ سو سال بعد پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ علمائے دیوبند اور بریلوی گروہ کے پیشواؤں نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب براہین قاطعہ و انوار ساطعہ ص۔۱۵۹ تا ۱۶۰۔

حدیث میں وارد ہے کہ خیر تین زمانوں میں رہے گی۔ (آنحضور ﷺ نے فرمایا) ایک میرے زمانے میں پھر اس کے متصل خلفائے راشدین صحابہ کا زمانہ پھر اس زمانہ میں جو اس کے قریب ہے تابعین کا۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا' پھر کسی زمانہ کے لوگوں کا تعامل معتبر نہ ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ میری امت کئی فرقے ہو جائے گی' وہ سب دوزخی ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ ناجیہ ہو گا جو اس طریقہ پر قائم ہو گا جس پر اب میں

اور میرے اصحاب قائم ہیں۔ اس وقت چونکہ عید میلاد نہیں تھی بلکہ سنہ ۶۰۰ھ میں ایجاد ہوئی ہے۔ اس لیے عید میلاد نہ کرنے والا فرقہ ناجیہ ہے اور اس بدعت کے کرنے والے گمراہ ہیں۔ جو ابن دحیہ شاہ اربل ابوسعید کبوری بن ابوالحسن علی بن سبکتگین ترکمانی کے مقلد ہیں۔ یہ نہ حنفی ہیں نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی نہ اہلحدیث نہ اہل فقہ بلکہ اہل بدعت و ہوا ہیں۔ علامہ سیوطی نے بھی اگرچہ مولود کی تائید میں ایک رسالہ احسن المقصد فی عمل المولد لکھا تھا۔ مگر یہ اس نے بھی صاف بیان کر دیا ہے کہ **اول من احدث فعل ذالک ابن المظفر ابو سعید بن زین الدین بن علی احد الملوک والا مجاد** کہ اس کو اول ابن المظفر ابوسعید شاہ اربل نے ایجاد کیا ہے؟ اور یہ بھی لکھا ہے کہ **ولیس فیہ نص ولکن فیہ قیاس علی الاصلین** کہ اس بارہ میں کوئی صریح دلیل وارد نہیں ہے۔ صرف دو اصلوں پر قیاس ہے۔ مزید علامہ سیوطی نے اس پر بحث کر کے اس کو بدعت حسنہ کہا ہے جو غلط ہے۔ کیونکہ اہل سنت کے نزدیک عبادات بدنیہ میں بدعت حسنہ نہیں ہوتی بلکہ بدعت سیہ ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ شیخ تاج الدین فاکہانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں سچ فرمایا ہے **ھو بدعۃ احدثھا البطالون وشھو نفس اعتمنی بھا الا کالون**۔ یعنی یہ مجلس مولود باطل پرستوں کی ایجاد کردہ ہے۔ اور پیٹ کے پوجاریوں کی نفس پرستی کی مشین ہے۔

محفل میلاد مروجہ میں افعال شرکیہ کا ارتکاب ⇦ (۱) محفل میلاد کے لیے ماہ ربیع الاول کا مخصوص کرنا۔ (۲) رات یا دن کا تعین۔ (۳) ہیئت اجتماعیہ اور مخصوص صورت کے ساتھ مجلس کا اہتمام۔ (۴) اس عید میں ایصال ثواب کا عقیدہ۔ (۵) نمائش و فخر سے محفل کی زینت اور روشنی کرنے پر اسراف کرنا۔ (۶) غلط حکایات بیان کرنا اور خلاف شرع غزلیں اور کافیاں مل کر گانا۔ (۷) خاص اس دن حالات ولادت اور فضائل موضوع روایات سے بیان کرنا۔ (۸) اختراعی درود اور سلام پڑھنا۔ (۹) ہر سال اس محفل کا اعادہ کرنا اور عورتوں' مردوں کو لباس فاخرہ پہن کر اس میں شریک ہونا۔ (۱۰) مٹھائی ثواب سمجھ کر تقسیم کرنا اور طوائفات کے حرام مال سے بھی اس مجلس کو قائم کرنا۔ شکل و صورت سنت کے خلاف تارک سوم و صلوۃ شرابی' راگی وغیرہ بے دینوں سے اس محفل میلاد کو رونق دینا۔ **تلک عشرۃ کاملہ**۔

یہ تمام امور منکرہ اور فاسدہ ہیں۔ جو اس محفل کے ناجائز اور گناہ ہونے کی بین دلیل ہیں۔

محفل میلاد میں شرک ⇦ (۱) روح پر فتوح جناب نبی کریم ﷺ کا محفل میلاد میں آنے کا باطل عقیدہ رکھنا۔ (۲) قیام تعظیمی کرنا۔ (۳) آنحضور ﷺ کو حاضر ناظر جان کر پکارنا۔ (۴) غیر شرعی اور شرکیہ غزلیں پڑھنا مثلاً وہی جو مستوی تھا عرش بریں پر" خدا ہو کر اتر آیا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر۔ (۵) رسول اللہ ﷺ کی شان میں غلو کرنا کہ آپ بشر نہ تھے بلکہ اللہ کے نور سے پیدا ہو کر بذاتہ نور تھے۔ اس نور کے فضائل و اوصاف بیان کرتے ہوئے کلمات شرکیہ کہنا۔ پس یہ محفل میلاد مرَوجہ امور شرکیہ' بدعیہ' منکرہ کے مجموعہ سے ایک تماشہ گاہ بن گئی ہے اور اس کا انعقاد کرنے والے اس آیت کے مصداق ہیں الذین اتخذو دینھم لعباد لھوا" وغرتھم الحیوۃ الدنیا کہ ان لوگوں نے دنیا کی زندگانی سے مغرور ہو کر دین کو ایک تماشہ اور کھیل بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔

تشابہ با لکفار ⇦ حضرات علمائے احناف' اہل انصاف دیوبند و سہارنپور نے اس رسم محفل میلاد کو حرام اور گناہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ علمائے دیوبند کے سرتاج حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کا قلع قمع کر دیا ہے۔ چند اقتباسات آپ کے فتویٰ سے ہدیہ ناظرین ہیں: "آپ کے ذکر ولادت پر جیسا معمول سفہاء زمانہ کا ہے۔ تو یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا" یہ تو ایک عمل محدث ہے۔ پس یہ ہر روز اعادہ ولادت تو مثل ہنود کے ہے کہ سوانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے ہے کہ نقل شہادت اہل بیت ہر سال مناتے ہیں۔ یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اور اس امر کی شرع میں کوئی نظیر نہیں کہ کوئی فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے۔ بلکہ یہ شرع میں حرام ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے یہ قیام حرام ہو کر تشابہ کفار و فساق ٹھہرا۔ اہل فہم کو یہ واضح ہو گیا کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانہ کی بدعت اور منکر ہے اور شرع میں کوئی صورت جواز کی نہیں ہو سکتی" (کتبہ الراجی رحمت اللہ علیہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ)

دیگر علمائے محققین سابقین نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو شیخ الاسلام امام ابن

تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "صراط مستقیم" بر حاشیہ دین خالص ص-۵۱۷ میں رقمطراز ہیں
وان العید شریعة فما شرعه الله اتبع والا لم یحدث فی الدین ما لیس منه وکذالک اما یحدث بعض الناس اماما مضاھاة انصار فی میلاد عیسیٰ علیه السلام (الخ) من التخذ مولود النبی صلی الله علیه وسلم مع اختلاف الناس فی مولده فان هذا لم یفعل السلف (الخ) یعنی عید ایک شرعی دن ہے پس جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ وہ واجب التعمیل ہے۔ اپنی طرف سے کسی کو یہ حق نہیں کہ ایسی عید مقرر کرے۔ ایسی ہی کو بدعت کہا جائے گا۔ جیسا کہ عیسائیوں نے میلاد عیسیٰ علیہ السلام مقرر کیا"

یقیناً اللہ اور اس کے رسول کی سچی محبت سنت طریقہ پر کرنے سے ثواب اور اجر ہے۔ لیکن بدعت پر نہیں۔ محفل میلاد کا ۱۲ ربیع الاول کو خاص طور پر مقرر کرنا' اس لیے بھی درست نہیں کہ تاریخ ولادت بااختلاف روایات ۹' ۱۰' ۱۲ ہے اور صحیح روایت ۹ کی ہے اور اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو وفات و وصال آنحضور ﷺ بھی ہے تو پھر اس ۱۲ تاریخ کو ذکر ولادت باسعادت ہی کے لیے مخصوص کرنا عقل و نقل کے خلاف ہے۔

قیام تعظیمی مروجہ کا شرعی حکم ⇦ آنحضرت ﷺ اپنے آداب میں قیام تعظیمی کرنے سے صحابہ کرام کو منع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد گرامی فرمان رسالت لا تقوموا کما یقوم الا عاجم یعظم بعضهم بعضا (الحدیث) یعنی رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو صحابہ نے (بغرض) تعظیم کھڑا ہونا چاہا تو آنحضور ﷺ نے صحابہ کو فرمایا کہ جیسے عجمی لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' تم مت کھڑے ہوا کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو آنحضور ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔ (منع کرنے کے بعد) پھر صحابہ کرام آپ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ اس فعل کو برا خیال فرماتے تھے۔

انہی دلائل کی بنا پر فقیہہ زماں علامہ شامی حنفی نے اپنی کتاب سیرت شامی باب ششم تنبیہہ دوم میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کا بیان سن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سو یہ قیام شریعت کی رو سے بے اصل اور بدعت ہے۔ حضرت الفاضل مولانا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی بھی قیام تعظیمی

کے عدم جواز پر مفصل تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روح پاک علیہ السلام کی جو عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی اس کی تعظیم کو قیام تو یہ بھی حماقت ہے۔ کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت ولادت شریفہ ہونا چاہیے۔ (اگر وہ بھی شرعاً ثابت ہو) اب ہر روز کون سی ولادت مقرر ہوتی ہے پس یہ ہر روز اعادہ ولادت تو مثل ہنود کے ہے' الخ۔ مزید و مفصل ملاحظہ ہو فتاوی میلاد شریف مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری اصح المطابع ص-۱۲- اسی طرح جناب حضرت العلامہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے بھی جلد دوم' ص-۳۲۹ میں مولود مروجہ کے ناجائز ہونے پر سیر کن بحث فرمائی ہے۔

ازالہ اتہام ⇦ اکثر شور بازار ملاں اپنے حلقہ میں ایک مسموم ہوا منہ سے نکالتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ وہابی اور دیوبندی گلابی وہابی اس لیے مولود کو منع کرتے ہیں کہ وہ بے ادب گستاخ نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر سننا پسند نہیں کرتے۔ حضرات سنئے آپ کو تو سال میں صرف ۱۲ ربیع الاول کی بدعت پر شوق چراتا ہے اور وہ بھی غیر مسنون طریقہ پر اور یہاں ماشاء اللہ قرآن و حدیث کے درس میں لیل و نہار آپ ہی کے ذکر سے ایمان تازہ رہتا ہے جو روزمرہ کا مشغلہ ہے۔ اہل حدیث اور اہل دیوبند کو تو آنحضور ﷺ کے مناقب و فضائل ہی کے تعلیم و تعلم سے تسکین ہوتی ہے اور یہی ایک ذریعہ نجات اور موجب تکمیل ایمان ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو تحقیق کے بعد تسلیم حق کی توفیق اور بدعت سے نجات دے۔

کتبہ عبدالقادر حصاری

حوالہ : ایک اشتہار بصورت تبلیغ مطبوعہ سنہ۔ ۱۹

مروجہ عید میلاد النبیؐ کی شرعی حیثیت

ایک سوال —— اس کا جواب

(سوال) ماہ ربیع الاول میں مروجہ عید میلاد النبیؐ پر جملہ تقریبات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

عبدالرؤف خطیب جامع مسجد اہل حدیث ہارون آباد

(الجواب) جناب رسول اللہ ﷺ کا ذکر ولادت تعریف و توصیف' مدح سرائی' معجزات کا ذکر مبارک کمالات اور خواص نبوت کا بیان جائز ہی نہیں بلکہ موجب ثواب ہے۔ اس میں کسی مسلمان کو کلام نہیں کہ یہ درست اور جائز ہے لیکن اس ذکر ولادت کے لیے ماہ ربیع الاول کا تعین اور اس کی بارہ تاریخ مقرر کرنا' اس میں مروجہ افعال کرنا' اس کو اسلامی تہوار قرار دینا' کاروبار بند کرنا' دوکانوں' درس گاہوں' عدالتوں میں تعطیل کرنا' شیرینی تقسیم کرنا' عمدہ عمدہ کھانے پکانا' شب کو چراغاں کرانا' آتش بازیاں چھوڑ کر خوشی منانا' شہروں اور دیہات میں ہر جگہ مجلسیں قائم کرنا' اس میں صلاتیں و سلامیں پڑھنا' روح نبویؐ کو حاضر ناظر جان کر قیام کرنا اور آپ کے روضہ کی نقل اتار کر بازاروں میں تعزیہ کی طرح لئے پھرنا اور جلوس نکالنا اور بے ریش یا نوجوان لڑکوں کو گانے کی طرح نعتیں پڑھنا اور موضوع روایات اور اختراعی واقعات اور بے ثبوت معجزات کا ذکر کرنا وغیرہ امور جن کا اہتمام و التزام کیا جاتا ہے اور اس کو حکم شرعی سمجھ کر عمل میں لایا جاتا ہے' سراسر بدعت اور ناجائز ہے۔ کتب شریعہ میں اس تہوار عید میلاد کا نام و نشان نہیں پایا جاتا اور نہ اس پر جناب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل پایا گیا ہے نہ دیگر سلف صالحین ائمہ دین نے یہ عید منائی' چھٹی صدی تک اس کا وجود اسلام اور مسلمانوں میں نہیں پایا گیا۔ اس لیے یہ اسلامی تہوار اور شرعی کام نہیں ہے بلکہ بدعات و مکروہات کا مجموعہ ہے اور تشریع شرع جدید ہے اور اس آیت کا مصداق ہے: **ام لھم شرکاء شرعوالھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ** یعنی "کیا ان کے لیے ایسے شرکاء ہیں جو بغیر اذن الٰہی کے ان کے لیے دین اور شریعت

ایجاد کرتے ہیں۔"

شریعت سازی حرام ہے' شریعت اور احکام اسلام جاری کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ ہی شارع ہے جس نے بذریعہ وحی شریعت مقرر کی ہے۔ اصول حنفیہ کی معتبر درسی کتاب توضیح تلویح مصری ص-۱۶ میں' **الشریعة مالا تدرک لولا خطاب الشارع** یعنی شریعت خطاب شارع سے مقرر ہوتی ہے اور بغیر خطاب شارع کے معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے قرآن رسول اللہ ﷺ کی زبان پر یوں ناطق ہے "**ان اتبع الا مایوحی الی**" کہ میں بغیر وحی الٰہی کے شرعی امور میں کسی کی پیروی نہیں کرتا۔ یہی حکم تمام مسلمانوں کو ہے **اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء** یعنی اے لوگو! تم اسی شریعت کی پیروی کرو جو اللہ رب العالمین کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے۔ اس شریعت مقرر کردہ کے بغیر کسی کی پیروی نہ کرو۔ پس یہ شریعت آنحضور ﷺ کی زندگی میں کامل اور مکمل ہو چکی تھی جس کے بعد یہ آیت آئی۔ "**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**" یعنی آج میں نے تمہارے لیے دین کو پورا کر دیا اور اپنی نعمت شرعی تمہارے اوپر پوری کر دی اور اس کامل دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کر لیا ہے پس اس کامل دین اور مکمل شریعت محمدیہ میں عید میلاد مروجہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ نہ اس عید میلاد مروجہ کا آنحضور ﷺ نے حکم دیا اور نہ اس پر خود عمل کیا اور نہ آپ کے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عید میلاد کرنے کا حکم دیا اور نہ اس پر تعامل کیا۔ بلکہ چھٹی صدی تک علماء متقدمین میں اور اہل اسلام سابقین میں اس کا وجود بھی نہ تھا' لہٰذا یہ بدعت سیہ ہے جو بروئے حدیث نبوی مردود ہے۔ ابن ماجہ جو حدیث کی مشہور کتاب ہے' اس کے ص-۶ میں یہ فرمان نبوی ہے: "**الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتها وکل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة**" یعنی تم دین میں نئے کاموں کے پیدا کرنے سے بچو' کیونکہ دین میں نئے کام سب برے کاموں سے برے ہیں اور ہر نیا کام دین میں بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ بخاری مسلم کی صحیح حدیث میں وارد ہے: "**من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد**" یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں نیا کام ایجاد کیا وہ کام اور وہ شخص مردود ہے۔ پس مروجہ عید

میلاد کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں پایا جاتا۔

عید میلاد مروجہ کی ابتداء ⇦ عید میلاد مروجہ کی بدعت ساتویں صدی کے شروع سنہ۔۶۰۴ھ میں ایجاد ہوئی ہے۔ چنانچہ تاریخ ابن خلکان جو علم تاریخ میں معتبر اور مسلم ہے' اس کے ص۔۴۳۶ جلد اول میں ہے کہ ملک مظفر الدین نے جو شہر اربل کا گورنر تھا اس نے اس محفل کو ایجاد کیا' جو آج بھی مروج ہے۔ امام احمد بصری اپنی کتاب قول معتمد میں فرماتے ہیں۔ "ھو اول من احدث من الملوک ھذا العمل" یعنی اس عید میلاد کا پہلا موجد یہی بادشاہ ہے۔ یہ قاعدہ اور مقولہ مشہور ہے کہ "الناس علیٰ دین ملوکھم" یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقہ اور دین پر چل جاتے ہیں۔ انگریز مدت تک برصغیر پر حکمران رہا تو ہندو اور مسلمان اکثر لباس' صورت' سیرت' تعلیم اور طرز معاشرت میں ان کا طریقہ اختیار کر گئے۔ اب تک انگریزیت مسلمانوں سے نہیں نکلی۔

معلوم ہوا کہ حکومت جس کام بدعیانہ مشرکانہ اور ظالمانہ کو جاری کر دے تو وہی دین بن جاتا ہے۔ چنانچہ مکہ میں چار مصلے آٹھویں صدی میں ایک بادشاہ نے مقرر کر دیئے تھے' پھر چودھویں صدی میں سعودی حکومت نے اٹھا دیئے اور کہا کہ یہ موجب تفرقہ اور بدعت ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر ملک میں جس بادشاہ کا جو مذہب ہوا اسی کی زیادہ اشاعت ہوئی۔ ایران اور افغانستان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اسے صداقت کا معیار تو قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اصل دین اور شریعت وہ ہے جو کتاب و سنت میں موجود ہے سو اس میں عید میلاد کا وجود ثابت نہیں ہے۔ یہ ساتویں صدی کی ایجاد ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور جلد۔۴' شمارہ۔۱۶' بمطابق ۲۰ر اپریل سنہ۔۱۹۷۳ء

شرعی احکام ماہ محرم الحرام

ماہ محرم کی فضیلت و عظمت: بعض ناواقف لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ماہ محرم کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے عظمت حاصل ہوئی ہے اور یوم عاشورہ محض شہداء کربلا کے لیے مخصوص ہے اور خاص ان کی یادگار ہے' حالانکہ یہ خیال خام اور سراسر باطل ہے۔ محرم کی فضیلت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے پہلے کی اسلام میں منصوص ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے چار مہینے عظمت اور بزرگی والے قرار دیئے ہیں اور ان میں گناہ اور ظلم کرنے کو خاص طور پر منع فرمایا ہے۔ وہ محرم' رجب' ذیقعد' ذوالحجہ ہیں۔ بخاری و مسلم میں حدیث وارد ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ھذا یوم عظیم "کہ یہ بہت عظیم الشان دن ہے۔" اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی' فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کیا۔ پس موسیٰ نے شکریہ کا روزہ رکھا اور ہم اس دن کی عظمت کے پیش نظر روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عاشورہ کا دن پہلے ہی سے مکرم و معظم ہے۔

یوم عاشورہ یہود کی عید ہے: صحیحین کی حدیث ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں کہ یوم عاشورا یعظمہ الیھود ویتخذونہ عیدا۔ "کہ یہود عاشورہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اس دن عید مناتے تھے۔" اپنی عورتوں کو زیور اور نئے کپڑے پہناتے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ حکم دیا کہ تم اس دن روزہ رکھو۔ پس امت محمدیہ کو چاہئے کہ اس دن کو تہوار نہ سمجھیں اور کوئی زیب و زینت نہ کریں اور نہ کسی قسم کے کھانے پکائیں' یہ دن یہودیوں کی عید کا ہے اور یہود کی مشابہت سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

عاشورہ کے دن اعمال مشروعہ: بخاری مسلم کی حدیث ہے کہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن صبح کو مدینہ کے گرد و نواح کی بستیوں کی طرف یہ حکم بھیجا کہ آج کے دن جو روزہ دار ہے' وہ تو اپنا روزہ پورا کرے اور

جس کو روزہ نہیں وہ بھی باقی دن میں روزہ دار کی طرح ہو کر رہے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد ہم اس دن کا روزہ رکھتے اور اپنے بچوں کو روزہ رکھواتے اور ان کو مسجد کی طرف لے جاتے۔ اگر ان کو کھانے کی طلب ہوتی اور وہ روتے' تو ہم ان کے لئے اون کے کھلونے بنا کر ان کو دیتے اور ان سے بہلاتے۔ یہاں تک کہ وہ افطار تک پہنچ جاتے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عاشورہ میں روزہ رکھنا مشروع اور موجب ثواب ہے۔ طبرانی میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس ماہ مبارک میں ایک روزہ کے عوض تیس روزوں کا ثواب ملتا ہے۔

عاشورہ کے روزہ سے سال بھر کے گناہ معاف: ترمذی ونسائی میں حدیث ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ سال بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے' چنانچہ آنجناب عزت مآب ﷺ نے خود ہمیشہ اس دن کا روزہ رکھا اور کبھی ترک نہیں کیا۔

تمام انبیاء عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے: عن ابی ھریرہ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صوموا یوم عاشورا یوم کانت الانبیا تصومہ فصوموہ۔ (رواہ ابن ابی شیبہ) "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام عاشورہ کے دن کا روزہ رکھو' کیونکہ اس دن کا روزہ سب انبیاء رکھتے تھے۔"

یہودیوں کی مخالفت کا حکم: چونکہ عاشورہ کا روزہ یہودی بھی رکھتے تھے' اس لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ صوموا یوم عاشورا وخالفوا فیہ الیھود وصوموا قبلہ یوما وبعدہ یوما۔ (رواہ احمد) "کہ تم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس بارہ میں یہود کی بایں طور مخالفت کرو کہ ایک دن عاشورہ کے پہلے اور ایک دن بعد بھی روزہ رکھا کرو۔" یعنی ۹' ۱۰' ۱۱ کے روزے رکھا کرو۔

عاشورہ کے دن توبہ اور استغفار: جامع ترمذی میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں اللہ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی تھی اور آئندہ ایک قوم کی توبہ قبول کرے گا۔ پس تم اس مبارک مہینہ میں بکثرت توبہ کیا کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاشورہ کے دن مسلمانوں کو توبہ اور استغفار میں بکثرت مشغول رہنا چاہئے۔

عاشورہ کے متعلق موضوع روایات: یوم عاشورہ کے متعلق بہت سی موضوع اور جھوٹی روایات گھڑی گئی ہیں' جن کو نیم ملا' شکم پرست واعظ عبدالدرہم والدینار اور گمراہ فرقوں کے لیڈر اور رافضی علماء بڑے زور سے بیان کرتے ہیں' جن کی تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اور دیگر محققین نے اپنی اپنی تصانیف میں کی ہے' مثلاً یہ کہ جو عاشورہ کو سرکہ ڈالے اس کی سال بھر آنکھ درد نہ کرے گی اور جو اس دن غسل کرے گا اس کو ساٹھ سالہ عبادت کا ثواب ملتا ہے اور جس کسی نے اس دن کسی بھوکے کو کھانا دیا' گویا اس نے تمام فقراء امت محمدی کو کھانا کھلایا اور جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا' اس کے لیے ہر بال کے بدلے میں ایک درجہ جنت میں بلند کیا جائے گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان' زمین' قلم' لوح محفوظ' جبرائیل وغیرہ ملائکہ اور آدم علیہ السلام اور بیت اللہ کو بنایا اور حضرت ابراہیم بھی عاشورہ کے دن پیدا ہوئے اور اسی دن آگ کفار سے اللہ نے ان کو نجات دی' حضرت اسماعیل کے بدلہ میں دنبہ قربانی ہوا۔ اسی دن آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ عرش پر اللہ نے عاشورہ کو استواء کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا گناہ بھی اللہ نے اسی دن کو ہی بخشا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا اور موسیٰ کو تورات دی اور یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے رہائی بخشی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو بصارت عطا فرمائی اور حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت دور کی اور یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ معاف کیے وغیرہ وغیرہ' یہ سب موضوع روایات ہیں' جن کو بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جو چیز کسی صحیح روایت یا حدیث سے ثابت ہو' وہ قابل بیان ہے' اس کو اس دن کے فضائل میں بیان کریں۔

رافضیوں کے افعال شنیعہ: باطل واقعات اور جھوٹی روایات اور بے بنیاد الزامات اور موضوع حکایات اور غلط رسومات کی بنا پر رافضیوں (شیعہ) نے کئی ایک چیزیں اختراع کر لی ہیں اور ان کو مذہب اسلام قرار دے رکھا ہے اور جاہل حکومت نے اس کو شعار مذہبی تسلیم کر چھوڑا ہے' حالانکہ بروئے قرآن وحدیث ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے' بلکہ وہ صریح شرک یا بدعت ہیں۔ مثلاً تعزیہ اور تابوت بنانا' گھوڑے نکالنا' مصنوعی جنگ کرنا۔ (جیسے ایران میں ہے) رونا' پیٹنا' نوحہ کرنا' ماتم وشیون کرنا' چیخنا' چلانا' واقعات کربلا کو جھوٹ ملا کر بیان کرنا' صحابہ کرام پر تبرا کرنا اور لعنت بھیجنا۔ (اعاذنا اللہ) ماتمی لباس پہن کر سینہ کوبی کرنا' باجوں

گاجوں کے ساتھ تعزیہ کا جلوس نکالنا' مردوں عورتوں کا اجتماع کرنا' تعزیہ کی نذریں نیازیں' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آئمہ اہل بیت کو پکارنا اور ان سے فریاد کرنا اور حاجات چاہنا' ان کے نام کی سبیلیں لگانا' ظاہر میں ماتم اور حقیقت میں عید منانا اور قسم قسم کے کھانے پکانا اور اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو اصلی چیزوں کا حکم دینا اور ان مصنوعی چیزوں کی بت پرستوں کی طرح تعظیم کرنا' پھر ان کو توڑ پھوڑ کر خود ہی ان کی بے حرمتی کرنا وغیرہ وغیرہ شرکیات وبدعات محض رافضی لوگ کر رہے ہیں' جو ہندوستان' پاکستان' ایران وغیرہ میں رائج ہیں اور حرمین شریفین ان نجاستوں سے محفوظ ہیں۔

خارجیوں کی بے جا حرکات: رافضیوں کے مقابلہ میں خارجیوں نے باطل اور بے ثبوت روایات کی بنا پر یہود کی طرح عاشورہ کو تہوار بنا لیا ہے اور عید ٹھہرا لیا ہے' چنانچہ وہ اس دن کو اظہار سرور وخوشنودی کرتے ہیں' نئے کپڑے وزیورات پہنتے ہیں' عید مناتے ہیں' زینت لگاتے ہیں' آنکھوں میں سرمہ ڈالتے ہیں' مہندی اور خضاب لگاتے ہیں' قسما قسم کے کھانے پکاتے ہیں' توسیع نفقات کرتے ہیں' اہل بیت کے حق میں تبرا کرتے ہیں۔ الغرض رافضی بدعات کے مقابلہ میں خارجی بدعات بھی ہیں' جو فاسد کے مقابلہ میں فاسد اور برائی کے عوض برائی ایجاد کی ہے۔ پس یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں اور اسلام سے کوسوں دور ہیں۔

سنیوں سے خطاب: رافضی شیعہ اور فرقہ خارجی کے بالمقابل گروہ اہل سنت ہے' جو ان تمام شرکیہ وبدعیہ رسومات سے محفوظ ہے اور ان ہر دو گمراہ فرقوں سے علیحدہ ہے کہ بعض نادان سنی ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور بعض تماش بینی کے طور پر' بعض حرص' لالچ کی بنا پر' رافضیوں کے اجتماع اور جلوسوں میں شریک ہو جاتے ہیں اور بعض تماشہ کے طور پر ان کے ساتھ شامل ہوتے ہیں' جو صریح گناہ ہے۔ تمام اہل سنت والجماعت حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ سنی اور رافضیوں کے درمیان بعدالمشرکین ہے۔ ہر دو کے مذہب الگ ہیں اور عقائد جدا' اعمال جدا ہیں۔ ان سے میل ملاپ کرنا اور ان کی رسومات میں شامل ہونا کبیرہ گناہ ہے اور بروئے قرآن مجید ان میں شامل ہونے والے رافضی ہی شمار ہوں گے اور اہل سنت سے خارج ہو جائیں گے۔ اہل سنت حضرات کو کچھ شرم کرنی چاہئے کہ جو فرقہ قرآن کریم کو صحیح اور محفوظ نہیں مانتا اور یہ کہتا ہے کہ ان القرآن لا یکون حجۃ "کہ قرآن ہمارے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔" (اصول کافی) اور یہ کہتا ہے کہ یہ

قرآن کامل نہیں بلکہ خلفاء راشدین نے اس میں تغیر تبدل کر دیا ہے اور وہ اس قرآن کے ماننے سے انکار کرتا ہے اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام پر تبرا کرتا ہے' لعنت بھیجنا ثواب جانتا ہے اور نفاق اور تقیہ کو اسلام قرار دیتا ہے اور تارک تقیہ کو مثل تارک نماز تصور کرتا ہے۔ (جامع الاخبار) تو پھر ایسے فرقہ سے میل ملاپ کرنا اور ان کی رسومات میں شریک ہونا کس طرح جائز ہے؟ خصوصاً جب کہ یہ رسومات خود ہی شرک وبدعت ہیں۔ کیا آپ حضرات اپنا مذہب اہل سنت چھوڑ کر شیعہ اور رافضی تو نہیں بن رہے؟ ذرا غور کریں۔

سنیوں کو انتباہ: شیعہ لوگ تقیہ کے طور پر اہلسنت سے میل جول' ظاہری اتفاق' سیاسی امور میں مشارکت کر لیتے ہیں اور سنی لوگ جو قرآن وحدیث سے ناواقف ہیں' سادہ لوح ہیں' بھولے بھالے ہیں اور ان رافضیوں کے اجتماع میں' جلوسوں میں اور رسومات میں شریک ہو کر ان کا شکار ہو جاتے ہیں اور بالآخر مذہب اہلسنت سے خارج ہو کر شیعہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ مولوی خیرات احمد وکیل شیعہ اپنی کتاب نور الایمان میں تعزیہ اور اس کے متعلقات پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ (مطلب صاف ہے کہ تعزیہ وغیرہ سے واقعات کربلا پر نظر رہتی ہے اور مذہب شیعہ زندہ رہتا ہے۔ بعض سنی چونکہ سادہ لوح اور بھولے ہوتے ہیں' وہ ایسے وقت جذبات اور ہنگامی جوش سے متاثر ہو کر مذہب شیعہ قبول کر لیتے ہیں۔)

پس اس تحریر کو پڑھ کر ہمارے سنی بھائیوں کو کچھ غیرت کرنی چاہئے کہ ان رافضیوں کے بالکل قریب نہ جائیں اور ان کے جلوسوں اور ان کے اجتماعوں اور کھانے پینے کی چیزوں سے بچیں کہ سب حرام ہیں اور علماء اہلسنت کو بھی چاہئے کہ اپنے مذہب کی حفاظت کریں کہ رافضی لوگ تقیہ اور اہل بیت کی ظاہری محبت کے فریب سے سنیوں کو شیعہ بنا رہے ہیں اور اپنے اجتماعوں اور جلوسوں میں سنیوں کو شامل کر کے اپنے اندر جذب کر رہے ہیں۔ آپ حضرات متفقہ طور پر کوشش کریں کہ کوئی سنی ان رافضیوں کے ساتھ ان کی رسومات میں شمولیت نہ کرے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل شیعہ ہیں: کتب تواریخ سنی وشیعہ سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہے کہ شیعان کوفہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کئی خطوط لکھ کر دعوت دی کہ ہم آپ کی بیعت کریں گے' آپ جلد تشریف لائیے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پہلے امام مسلم کو بھیجا' تو ان کے ہاتھ پر اسی ہزار شیعہ نے بیعت کی اور پھر امام مسلم سے خط لکھوایا کہ حالات موافق

ہیں۔ آپ فورا تشریف لائیں۔ جس کو پڑھ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کو روانہ ہوئے' یزید کو جب خبر ہوئی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت شیعان کوفہ نے کرلی ہے' تو آپ نے فوج بھیج کر اہل کوفہ کو ڈرایا' دھمکایا اور کسی کو لالچ دیا۔ جس سے شیعان کوفہ سب غدار ہو کر فرنٹ ہو گئے۔ پہلے انہوں نے امام مسلم کو قتل کیا اور پھر جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کربلا پہنچے تو پھر شیعان کوفہ نے یزیدی لشکر میں شامل ہو کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور ان غداروں نے ان کو قتل کیا۔ چنانچہ قاضی نوراللہ شوستری مجالس المومنین میں لکھتے ہیں کہ "شیعوں کو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کے بعد ندامت ہوئی پھر توبہ کرنے لگے اور استغفار کے لئے سب شیعہ زانوؤں کے بل گر پڑے۔" میں کہتا ہوں کہ شیعہ اسی واسطے سینہ کوبی کرتے ہیں کہ ہائے حسین ہائے حسین یعنی ہم نے تجھے قتل کیا اور وہ آج کا دن تھا۔ چنانچہ مصنوعی جنگ سے ہر سال پھر غدار شیعہ اور یزیدیوں کی نیابت میں اہل بیت کو خود قتل کرتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ اصل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی شیعہ تھے اور اس فرضی تصویری سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی شیعہ ہی ہیں' جو ہر سال ان کو قتل کرکے ان کی توہین کرتے ہیں' لیکن سنی لوگ اس ذلت آمیز منظر کو دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔

شیعہ رافضیوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی: فیصلہ شرعیہ بہ حرمت تعزیہ ص ۸۱ پر یہ لکھا ہے کہ دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ایک چھوٹی سی جماعت آئے گی' جن کو رافضی کہا جائے گا' اگر تو ان کو پائے' تو ان سے مقابلہ کر کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تیری تعریف میں غلو کریں گے اور حد سے بڑھ جائیں گے اور سلف صحابہ پر طعن کریں گے۔ یہ رافضی گروہ شیعہ ہے۔ اصول کافی کتاب الروضہ میں ہے کہ ابو بصیر نے ایک روز امام جعفر صادق کو کہا کہ مسلمانوں نے ہمارا نام بہت برا رکھا ہے کہ جس سے ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے اور دل مر گئے۔ امام جعفر نے فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ نام ان لوگوں نے نہیں رکھا بلکہ اللہ نے رکھا ہے۔ الغرض جب شیعہ نے آئمہ اہل بیت کو چھوڑ کر غداری کی تو ان کا نام رافضی ہوا۔

تعزیہ بنانے والے خارج از اسلام ہیں: تعزیہ اور روضہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی نقل بنانا اور اس کا جلوس نکالنا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو اس میں حاضر ماننا اور ان کو پکارنا

اور ان خود ساختہ چیزوں کو سجدے کرنا اور ان کے نام نذریں نیازیں دینا اور عرضیاں لکھ کر ساتھ لٹکانا اور اردگرد گھومنا وغیرہ وغیرہ امور شرک و کفر ہیں۔ شیعہ مذہب کی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ص۔۳۷ میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج من الاسلام۔ "کہ جس نے قبر کو پھر نیا بنایا یا اس کی مثال یا نقشہ تیار کیا' تو وہ اسلام سے خارج ہوا۔" یعنی جو شخص اس طرح نقلی چیز بنا کر اس پر اصلی کے احکام جاری کر دے' تو وہ اسلام سے خارج ہے۔ پس اس طرح تمام شیعہ تعزیہ اور روضہ کے نقل اتارنے والے کافر ہوئے' جو اس نقلی چیز پر اصلی کا حکم نافذ کرتے ہیں اور ان خود ساختہ مورتیوں سے مدد مانگتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہماری آوازیں سن کر حاجات پوری کریں گے' یہ عقیدہ شرک ہے۔

صحابہ کو گالی دینا: جامع الاخبار شیعی ص۔۹ میں ہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سب اصحابی فقد کفر۔ "کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے صحابی کو گالی دی وہ کافر ہوا۔" نیز اسی کتاب میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو مجھے گالی دے اسے قتل کر دو اور جو میرے صحابہ کو گالی دے' اس کے درے مارو' چونکہ شیعہ محرم میں بھی شیطانی کام کرتے ہیں اور تبرا اور لعنت بزرگان دین کو عبادت تصور کرتے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینا بہت ثواب جانتے ہیں۔ لہٰذا ان کو تعزیر لگانی واجب ہے' کیونکہ بروئے قرآن و حدیث کسی ادنیٰ درجے کے مسلمان کو کافر کہنے والا بھی فاسق ہے' بلکہ کافر ہے' تو صحابہ کو گالی دینے اور کفر کی نسبت کرنے سے کافر کیوں نہ ہو گا۔

تعزیہ کی ابتدا: خود شیعہ کی کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماتمی لباس پہننے' نوحہ و گریہ کرنے اور ماتم بپا کرنے کی بنیاد یزید نے ڈالی۔ پھر مختار ثقفی جو پہلی صدی کا ایک مشہور شیعہ اور اہل بیت کا غدار تھا۔ اس نے یزید کی تقلید بغرض تالیف قلوب شیعہ یوم عاشورہ کو اس رسم ماتم کی بنیاد کو مضبوط کیا۔ پہلے کوفہ میں اس کی ابتدا کی۔ پھر کئی چیزوں کا اضافہ کر کے اس کو رواج دیا' جب پورا تسلط ہوا' تو بنام تابوت سکینہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرسی نکالی اور بڑے دھوم دھام سے اس کی پرستش کی۔ (الملل والنحل مصری ص۔۸۴) پھر عباسی خلیفہ کے ایک وزیر معزالدولہ نے جو سخت متعصب شیعہ تھا سنہ۔۳۵۰ھ میں امام مظلوم کی یادگار میں یوم عاشورا مقرر کیا اور نہایت دھوم دھام سے عید غدیر منانے کا لوگوں کو حکم دیا۔ چنانچہ

عید غدیر منائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ خوب باجے بجائے گئے۔ یہ رسم یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کی وجہ سے سنی شیعہ کا بڑا تصادم ہوا اور فساد ظاہر ہوا۔ (ابن خلدون ج۔۳، ص۴۲۵)

آنریبل سید امیر علی صاحب سپرٹ آف اسلام ص۔۴۶۱ انگریزی میں لکھتے ہیں کہ معزوالدولہ نے بیاد گار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ودیگر شہدا کربلا یوم عاشورا کو ماتم کا دن مقرر کیا، پھر وقتاً فوقتاً ہر زمانہ میں اس پر اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس کو مذہبی رنگ چڑھا کر اسلام کا جزو قرار دیا گیا، حالانکہ اسلام میں اس کا نام ونشان بھی موجود نہیں ہے، بلکہ بروئے قوانین اسلام یہ رسم حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ ہندوستان میں یہ رسم تیمور لنگ کے زمانہ میں جاری ہوئی۔ جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بعض وزیر اور بیگمات اور اہل لشکر شیعہ تھے۔ امور سلطنت اور جنگ کے انتظامی معاملات کے باعث وہ ہر سال کربلا نہیں جا سکتے تھے، جس کی ان کو ازحد تکلیف اور شکایت تھی۔ بادشاہ نے اسی کا احساس کرتے ہوئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کی نقل حاصل کی، تاکہ ہند کے شیعہ اس نقل کے ذریعہ زیارت کریں اور ثواب پائیں، چنانچہ یہی ہوا کہ کربلا کی بجائے اس نقل کی زیارت ہونے لگی۔ جس سے وہ نقلیں ماہ محرم میں تمام شہروں میں منتقل ہو گئیں، جس سے کم وبیشی کے ساتھ جلد ہی یہ صورت اختیار کر لی گئی، جو اب مروج ہے۔ (تلخیص مرقع کربلا شیعی ص۔۸۳)

پھر اس بدعت میں اور اضافہ ہوا، تو گھوڑا اور ذوالجناح کے نمونے تیار کر لئے گئے۔ جس سے مسلم آبادی متاثر ہو کر گمراہ ہو گئی۔ الغرض تعزیہ اور اس کے لوازمات اسلام کے بعد کی پیدوار ہیں، اسلام میں ان کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ اب یہ کفر کی حد کو پہنچ کر قطعی حرام ہیں۔ ہر موحد، متقی، عامل بالقرآن والحدیث مسلمان کو ان رسموں سے بچنا واجب ہے۔ تمام انبیاء سے لے کر عہد رسالت تک اور عہد رسالت سے لے کر قرون ثلاثہ کے آخری عہد تک کسی نبی، ولی، شہید، امام کا تعزیہ نہیں بنایا گیا اور نہ کسی نے اس کے بنانے کا حکم دیا، حالانکہ ہر زمانہ میں بزرگان دین کے ایسے واقعات گزر چکے ہیں، جو واقعہ کربلا سے بھی زیادہ افسوسناک ہیں۔

تصویروں کی حرمت اور ان کے مٹانے کا حکم: باتفاق علماء اسلام بروئے قرآن وحدیث روضہ کی شبیہہ صورت بنانا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صورت مثل تعزیہ بنانا حرام اور

باطل ہے۔ اسلام نے اس کے مٹانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ والد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا اور اس کام پر مقرر کیا کہ جہاں کہیں اونچی قبریں دیکھیں' مسمار کر دیں اور جہاں تصویر پائیں' مٹا دیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور پھر اپنی خلافت میں کروایا۔ (صحیح مسلم وفتح الباری) نیز فتح الباری جزء ۱۷' ص ۳۸ میں ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل الکعبۃ فرائی صورۃ ابراھیم فدعا بماء فجعل یمحوھا۔ یعنی "نبی کریم ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے' تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت دیکھی۔ پس آپ نے پانی منگوا کر اس کو مٹا دیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ تعزیہ وغیرہ اور قبوں کو مٹا دیا جائے' کیونکہ یہ خلاف اسلام ہے' لیکن یہ کام حکومت کے ذریعے ہو' ہر شخص خود کرنے کا مجاز نہیں کہ اس سے ملک میں فساد عظیم پیدا ہوتا ہے' کیونکہ اسلامی قانون نافذ نہیں ہے' لیکن زبانی تبلیغ کریں کہ حدیث میں تصویر بنانے والوں پر لعنت آئی ہے اور جس گھر میں تصویر ہو' وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا اور قیامت کو سب سے زیادہ سخت عذاب مصورین کو ہو گا۔ تعزیوں وغیرہ میں دلدل وغیرہ کی تصویریں ہوتی ہیں' جو حرام ہیں۔

سیاہ ماتمی لباس: بدر الدجی ص ۲۴۲ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کیا سیاہ لباس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز اس میں ہرگز نہ پڑھی جائے' اس لئے کہ یہ لباس دوزخیوں کا ہے اور حضرت امیرالمومنین نے فرمایا کہ سیاہ لباس مت پہنو' کیونکہ یہ لباس فرعون کا ہے۔ پس بروئے حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم' یہ ماتمی لباس والے دوزخی اور فرعونی ہیں' جو ان سے مشابہت کرتے ہیں۔

ماتم کا حکم: شیعہ تفسیر عمدۃ البیان ص ۱۹۸ میں ہے کہ قرآن میں ہے۔ فاثابکم غما بعد غم لکیلا تحزنوا علی مافاتکم ولا مااصابکم۔ پس پہنچایا تم کو غم پر غم تاکہ تم نہ غم کرو اپنی فوت شدہ پر اور نہ اپنی مصیبت زدہ چیزوں پر' کیونکہ مشہور ہے کہ الموت تحت ظلال السیوف مکرمۃ۔ "کہ تلوار کی موت عزت کی موت ہے۔" اس واسطے شہدا عنداللہ وعندالناس معزز ہوتے ہیں' جب کسی چیز کے فوت ہونے پر غم وافسوس ہوتا ہے' تو وہ ایک طبعی اور غیر اختیاری موت ہے' جس سے انسان نہ رکتا ہے اور نہ اسلام منع کرتا ہے۔ لیکن ایک مدت کے بعد اسی صدمہ کو دہرانا اور اختیاری طور پر رونا اور رونے کا سامان

کرنا، خلاف شرع میدان گرم کرنا اور پھر اس کو دین سمجھنا اور مذہب قرار دینا یہ عقلاً اور نقلاً حرام اور گناہ ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے مرثیہ خوانی سے منع فرمایا۔ پس بروئے احادیث نبویہ نوحہ کرنا، سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑنا، رخسارے پیٹنا، شور وشیون کر کے مردوں کے اوصاف بیان کرنا، کفر کی رسومات سے ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا جو ایسے کام کرے، وہ ہماری امت سے نہیں ہے۔ (مشکوۃ) اور حدیث میں ہے کہ اگر بس چلے تو ان کے منہ میں مٹی بھر دو۔ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن گندھک کے کپڑے پہنا کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (مسلم) جو شخص ان کے بین و بکا ماتم کو کان لگا کر سنے او. شریک ہو، وہ بھی مردود ہے، اور اس پر لعنت ہے۔

سبیل نیاز حسین رضی اللہ عنہ : نذر غیراللہ اور سبیل نیاز حسین حرام ہے۔ ان کا شربت پینا اور پلانا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن میں ہے : وما اھل بہ لغیراللّٰہ "کہ جو چیز غیراللہ کے لیے پکاری جائے، وہ حرام ہے۔" ایسے پانی پینے سے پیاسا رہنا بہتر ہے۔

نقارے تاشے باجے حرام: آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سارے جہاں والوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں تمام باجوں، طبلہ سارنگی اور ہر گانے بجانے کی چیزوں کو مٹا دوں۔ (مسند احمد) پس بروئے حدیث نبوی ان باجوں، ڈھولوں، نقاروں کو توڑنے کا حکم ہے۔ باجے ہاتھ سے بجانے کے ہوں یا منہ سے یا چوب سے یا کسی کل سے، سب حرام ہیں۔ ان کا بجانا اور سننا شرعاً حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

مستورات کا جلوس میں نکلنا: بروئے قرآن وحدیث مستورات کا گھر میں رہنا اور پردہ رکھنا واجب ہے۔ مستورات وہی ہیں، جو ستر میں ہوں، باقی بے حیا ہیں۔ بے حیاؤں کا جلوسوں کے ساتھ نکلنا حرام ہے۔ ایسے مجمعوں پر لعنت برستی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو عورت بن سنور کر اور معطر ہو کر مردوں کے مجمع میں گزرے، وہ زانیہ ہے اور جو ایسے مجمعوں میں اپنی عورتیں، لڑکیاں، بہنیں بھیجتے ہیں وہ دیوث ہیں اور دیوثوں پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ پس تعزیہ کے جلوسوں میں شامل ہونے والے جنت سے محروم رہیں گے۔

مہندی لگانا: شیعہ رافضیوں میں امام قاسم مرحوم کی مہندی کی رسوم ہے۔ جس کے متعلق شیعہ کتاب الذبیح ص-۱۷ میں ہے کہ "مہندی کی رسم بھی مذہب حق میں کوئی اصلیت نہیں رکھتی' کیونکہ قاسم بن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی رسم عروسی میں یہ مہندی کی رسم جاری اور قائم کی گئی ہے۔ قرآن یا حدیث صحیح میں قطعاً اس کا ذکر تک نہیں آیا' نہ عقد عروسی قاسم کا ذکر کہیں کربلا معلیٰ میں ہونا وارد ہے۔" جب اس کا ثبوت نہ شیعہ کتابوں میں ہے اور نہ سنی کتابوں میں' تو یہ رسم بدعت اور حرام ہوئی اور امام قاسم پر جھوٹا الزام ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا اس سے بچنا ضروری ہے۔

نمازیں چھوڑنا: تعزیے نکالنے والے اکثر نہ علماء ہوتے ہیں اور نہ مشائخ اور نہ متقین' بلکہ یہ لوگ خود ان رسموں سے علیحدہ ہو کر گھر میں بیٹھ کر جہلا اور عوام کو ان پر لگا دیتے ہیں' وہ اکثر بے نماز' بے دین' عوام کالانعام' جاہل مطلق ہوتے ہیں' جو پہلے ہی سے لا مذہب سے ہوتے ہیں' وہ اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر ان رسموں سے دلچسپی لیتے ہیں اور بعض امراء فیس لے کر یہ حرام فعل کرتے ہیں اور جو نمازی سادہ لوح جلوسوں میں پھنس جاتے ہیں' وہ نمازیں ترک کر دیتے ہیں۔ نماز ترک کرنا کفر اور شرک ہے اور بت پرستی کے برابر ہے۔ چنانچہ ارشاد القلوب کتاب شیعہ میں لکھا ہے کہ تارک صلوۃ اور بت پرست برابر ہیں۔ بہر کیف محرم کی رسومات گناہوں کا مجموعہ ہیں اور نیکیوں کے تلف کرنے کا باعث ہیں۔ مسلمانوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ ان بدرسموں سے خود بھی بچیں اور اپنے احباب کو بھی بچائیں' کیونکہ یہ سب موجب عذاب النار ہیں۔ قرآن میں ہے : قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ "کہ اپنی جانوں اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ۔" ھذا ما عنداللّٰہ واللّٰہ اعلم بالثواب وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

عبدالقادر عارف الحصاری سلمہ الباری

اہلحدیث سوہدرہ

جلد-۴' شمارہ-۳۷ مورخہ یکم اکتوبر سنہ-۱۹۵۲ء

انبیاء علیہم السلام کا قتل

سوال : کیا حکم ہے اس مسئلہ میں قرآن وسنت کا کہ گزشتہ امتوں میں جو انبیاء ہو گزرے ہیں' ان میں سے کسی امت نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تھا' یا نہیں۔ بعض اہل علم بلکہ بعض مفتی یہ کہتے ہیں کہ انبیاء جس قدر ہوئے ہیں' لوگوں کی ہدایت کے لیے اور تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہوئے تھے' وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھے' ان کو کوئی شخص قتل نہیں کر سکتا' ورنہ نبی بھیج کر تبلیغ دین اسلام کرنے کی غرض فوت ہو جاتی ہے اور خدا کا نبی بنانا فضول ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں قتل انبیاء کا ذکر ہے' اس سے مراد ارادہ قتل ہے کہ وہ اپنے نبی کو قتل کرنا چاہتے تھے' اس امر میں کوئی صریح دلیل قرآن وحدیث سے بیان کی جائے' تاکہ مخالف کو جواب دیا جائے۔ (سائل غوری مبلغ اسلام ساکن عارف والہ)

الجواب بعون الوهاب وهو الموفق للصواب' الحمد لله رب العالمين اما بعد! فاقول وبالله التوفيق۔ واضح ہو کہ بعض انبیاء کا قتل ہونا اور ان کی امت کے سرکش لوگوں کا قتل کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے' جس میں کوئی شبہ نہیں ہے' بلکہ

ہر کہ شک آرد کافر گردد

قرآن مجید کے پہلے پارہ میں یہود کا کارنامہ مذکور ہے : وضربت عليهم الذلة والمسكنة وبآؤا بغضب من الله ذالك بانهم كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق ذالك بما عصوا وكانوا يعتدون○ یعنی "ماری گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور آگئے وہ غضب الٰہی میں یہ اس سبب سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور انبیاء کرام کو ناحق قتل کرتے تھے اور ان کی یہ حالت اس سبب سے ہوئی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرتے تھے۔"

پہلے پارہ کے گیارہویں رکوع کی ایک آیت میں ہے : ففريقاً كذبتم وفريقاً تقتلون۔ یعنی "جو انبیاء تمہاری طرف آئے' ان میں سے ایک فریق کو جھٹلایا تم نے اور ایک فریق کو مار ڈالتے تھے۔" اور اسی رکوع میں یہود کے دعویٰ ایمان پر الزاماً یہ فرمایا : قل فلم تقتلون انبياء الله من قبل ان كنتم مومنين۔ یعنی "اگر تم کتاب الٰہی اور انبیاء پر ایمان رکھتے تھے تو یہ بتاؤ کہ تم اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے۔" اور پارہ نمبر ۴ سورہ آل عمران کے

رکوع نمبر ۱۰ میں ہے : فلم قتلتموھم ان کنتم صادقین۔ یعنی "اگر تم دعویٰ ایمان میں سچے ہو' تو تم نے انبیاء کو قتل کیوں کیا ہے۔" اسی طرح قرآن میں اور بھی بعض مقام پر قتل انبیاء کا ذکر ہے۔ پس ان نصوص قطعیہ سے بعض انبیاء کا مقتول ہونا ثابت ہوا۔

تفسیر در منثور جلد ۱' ص ۷۳ میں ہے : واخرج احمد عن ابن مسعود ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اشد الناس عذابا یوم القیامۃ رجل قتل نبیا او قتلہٗ نبی وامام ضلالۃ وممثل من الممثلین۔ یعنی "ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن قیامت کے سب لوگوں سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہو گا' جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہے' یا اس شخص کو سخت عذاب ہو گا' جس کو نبی نے خود قتل کیا ہے' یا گمراہ فرقوں کے پیشوا کو یا تصویر بنانے والے کو۔" نیز یہ لکھا ہے : اخرج ابوداود الطیالسی وابن ابی حاتم عن ابن مسعود قال کانت بنو اسرائیل فی الیوم تقتل ثلاث مائۃ نبی ثم یقیمون سوق بقلھم فی آخر النھار۔ (ص ۷۳) یعنی "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تین سو نبیوں کو قتل کیا اور آخر دن میں بازار میں سبزیاں بیچنے بیٹھ گئے۔"

اسی طرح دیگر تفاسیر میں لکھا ہے۔ تفسیر فتح القدیر للشوکانی ج ۱' ص ۷۷ اور ج ۱' ص ۹۳ میں ہے : ومن الفریق المقتولین یحیٰی وذکریا۔ "یعنی جن کو قتل کیا گیا وہ یحییٰ اور ذکریا ہیں۔" اور ص ۳۷۲ میں زیر آیت "فلم قتلتموھم ان کنتم صادقین" یہ لکھا ہے : یحییٰ بن ذکریا وشعیا وسائر من قتلوا من الانبیاء۔ یعنی "جن کو قتل کیا وہ حضرت یحییٰ' شعیا اور سائر دیگر انبیاء تھے جو قتل کئے گئے۔"

اسی تفسیر خازن ومعالم وغیرہ میں لکھا ہے اور مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن کے ص ۱۹ زیر آیت "ویقتلون النبیین بغیر الحق" یہ لکھتے ہیں : موقع پا کر قتل کر ڈالتے رہے بعض انبیاء کو' کیونکہ وہ ان کو بری روش سے منع کرتے تھے۔ مثلاً حضرت شعیا وذکریا ویحییٰ علیہم السلام کو قتل کیا' یا دوسروں سے کرا دیا اور حضرت انبیاء سے ایسا فعل تو سرزد ہوتا نہیں' جو موجب قتل ہو سکے' اس لئے یہ قتل سراسر ناحق تھا۔ متقدمین سلف صالحین صحابہ کرام وتابعین عظام وغیرہم سے کسی نے بھی بعض انبیاء کے قتل کئے جانے سے انکار نہیں کیا' تو یہ اجماع سکوتی ہے۔ پس بعض انبیاء کے مقتول ہونے سے

انکار کرنا قرآن وحدیث وخدا ورسول کی تکذیب آتی ہے اور یہ تاویل کہ قتل کسی نے نہیں کیا صرف ارادہ قتل تھا' یہ سراسر باطل ہے اور یہ ان فاسد تاویلوں میں شمار ہے' جو ظاہر نصوص کی گمراہ فرقوں کے علماء کیا کرتے ہیں۔ تاویل وتوجیہ اس وقت ہوتی ہے جب نصوص شرعیہ باہم متعارض ہوں' یہاں کوئی تعارض نہیں ہے۔ انبیاء بے شک تبلیغ احکام الہیہ کے لیے مبعوث ہیں' لیکن وہ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر کے پھر شہید ہوئے' پس کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مفتیوں کو ہدایت کرے کہ وہ تکذیب قرآن سے بچتے رہیں۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

پندرہ روزہ صحیفہ اہلحدیث کراچی

جلد۔۵۷' شمارہ۔۲' بمطابق ۱۶ محرم سنہ۔۱۳۶۶ھ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دو متضاد وصف کے متعلق استفسار

سوال : عہد نبوی ﷺ کے مسلمانوں کی' جو صحابہ تھے' قرآن نے یہ صفت بیان کی ہے : رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ واقام الصلٰوۃ وایتآء الزکٰوۃ الآیۃ۔ یعنی "وہ ایسے شخص ہیں' جن کو تجارت اور بیع ذکرالٰہی اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔" لیکن قرآن ہی کی شہادت ہے : واذا راوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما۔ یعنی "جب انہوں نے تجارت اور کھیل معلوم کرلیا' تو اس کی طرف چلے گئے اور اے نبی ﷺ تجھے کھڑے کو چھوڑ گئے۔"

ان کا صنیع پہلے وصف کے خلاف ہے' حالانکہ نماز جمعہ فرض عین ہے' اس کو چھوڑ کر تجارت کی طرف جانا جرم عظیم' اس کا جواب کیا ہے؟

جواب : الجواب وھو الموفق للصواب۔ اس کے تین جواب ہیں

(۱) اول یہ کہ یہ وجوب جمعہ کے اوائل کا ذکر ہے۔ اس وقت نماز پہلے پڑھی جاتی تھی اور خطبہ بعد میں تھا' انہوں نے سمجھا کہ نماز فرض تو ادا ہو گئی' اب خطبہ رہ گیا' جو کل سننا فرض نہیں ہے' جو سن لیا وہ کافی ہے' اس لئے چلے گئے۔ چنانچہ تفسیر جامع البیان میں ہے : وکان ذلک فی اوائل وجوب الجمعۃ حین کانت الصلٰوۃ قبل الخطبۃ مثل العید کما رویٰ ابوداؤد فی کتب مراسیل۔

(۲) دوم یہ کہ ان مسلمانوں کے ایمان کے مدارج بھی متفاوت تھے۔ بعض اقویٰ بعض قوی' بعض ضعیف۔ چنانچہ قرآن وحدیث کے احکام و واقعات سے ظاہر ہے۔ کما لا یخفی علی اھل العلم۔ اس واقعہ میں بارہ شخص رہ گئے' جو خطبہ چھوڑ کر نہیں گئے' تو صفت مذکورہ بالا درسوال ایسے لوگوں کی ہے۔ اس آیت میں لفظ "کل" یا کوئی حرف کلیت پر دال ہو' جس سے اس وقت کے سب مسلمانوں اور صحابہ کی یہ صفت لازم آئے وارد نہیں ہے۔ آیت قضیہ مہملہ ہے' جو قوت جزئیہ میں ہوتا ہے' یعنی بعض لوگ مراد ہیں' وہ رہ گئے۔

(۳) سوم یہ کہ اوائل جمعہ کا ذکر ہے' جب کہ اس کی اہمیت اور اس کے دیگر احکام ان

پر واضح نہ تھے' جب واضح ہوئے' تو پابند ہو گئے اور اس صفت سے موصوف ہو گئے۔

فاتلفع ما اورد' ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

فتاویٰ ستاریہ' ص۔۱۲۹' جلد سوم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اہلحدیث کا عقیدہ

واضح ہو کہ قضایا نقلیہ وعقلیہ کی رو سے بصورت اختلاف حق ایک ہی جانب ہوتا ہے۔ حق میں تعدد نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید اس پر ناطق ہے : فما ذا بعد الحق الا الضلال۔ "کہ حق کے بعد صرف ضلال ہی ہوتا ہے۔" امت میں متعدد فرقے ہوئے ہیں' جن میں اعتقادی وعملی اختلاف رہا ہے' مگر حق ہمیشہ ایک ہی میں منحصر رہا' کیونکہ دو قضیئے متقابلہ حق نہیں ہو سکتے' ضرور ان میں ایک صادق اور دوسرا کاذب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وممن خلقنا امة یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ یعنی "جن لوگوں کو پیدا کیا ہم نے ان میں ایک جماعت ہے' جو حق کے ساتھ راہ دکھاتی ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ عدل کرتی ہے۔"

چنانچہ حسب پیشینگوئی آنحضرت ﷺ امت محمدیہ تہتر فرقوں میں منقسم ہو گئی' جن میں صرف ایک فرقہ ناجیہ ہے' باقی سب ہالک وناری ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استفسار پر اس طائفہ کی یہ تعریف ارشاد فرمائی گئی ہے : ما انا علیہ واصحابی۔ یعنی "فرقہ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔" اس طریقہ پر بہت کم لوگ ہیں اور جو لوگ اس طریقہ کے مدعی ہیں' ان میں بھی بعض اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ ما انا علیہ واصحابی۔ سے صرف اعتقادات مراد لیتے ہیں۔ یعنی صرف اعتقادات میں ما انا علیہ سے موافقت ہو گئی' تو فرقہ ناجیہ میں داخل ہو گئے' حالانکہ ان کی یہ ڈبل غلطی ہے' کیونکہ وہ لفظ "ما" کو جو الفاظ عموم سے ہے بلا مخصص کے خاص کر رہے ہیں' جو اصولاً جائز نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لفظ "ما" عام ہے اور اس سے جمیع اعتقادات واعمال مراد ہیں' اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔

پس جس طرح یہ اعتقادی مسائل کو شامل ہے' اسی طرح تمام اعمال' اخلاق' عادات' معاملات وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ بدون عمل کے صحت اعتقاد قابل اعتماد نہیں ہے' کیونکہ اعتقاد جازم ہی مفضی الی العمل ہوتا ہے' بلکہ اہلحدیث کے نزدیک تو عمل ایمان کا تیسرا رکن ہے' اس لئے عمل ہی سے ہر عامل کا عقیدہ جازم ظاہر ہو گا۔ جب یہ اصول مسلم ہو گیا کہ تمام فرقوں میں ایک ہی فرقہ ناجیہ ہے' باقی سب باطل اور ہالک ہیں اور ناجیہ وہی ہے جو اپنے اعتقادات' اعمال' عادات اور معاملات میں اسی طریقہ پر قائم ہے' جس پر نبی اکرم الاولین

والآخرین حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام تھے' تو اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ کرام بھی معیار حق ہیں۔ پس جو فرقہ صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر تضلیل' تذلیل اور تفسیق کرتا ہے' وہ اس شرعی معیار کو معیوب گردانتا اور اس کو بیکار ٹھہراتا ہے' تو وہ فرقہ ناجیہ سے نقلاً وعقلاً خارج ہے' جیسے رافضی وخارجی ہر دو فرقے صحابہ کرام کے بارہ میں بداعتقاد ہیں اور قولاً اور فعلاً ان کے حق میں سب وشتم کرتے ہیں' جو بدترین جرم ہے۔

سب سے پہلا وہ شخص جس سے خارجی مذہب کی ابتداء ہوئی ذوالخویصرہ نامی تھا' جو سب سے بدتر تھا' جس نے نہایت گستاخ ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ "ذرا خدا سے ڈرو" آنحضور ﷺ نے یہ سن کر پیشگوئی فرمائی تھی کہ عنقریب اس کی نسل سے قوم ہوگی' جو قرآن پڑھے گی اور قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا اور وہ دین سے نکل جائیں گے' جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ عبادت میں بہت مشقت کریں گے' جن کے نماز' روزہ کے سامنے تم اپنے نماز' روزہ کو حقیر جانو گے۔ "الحدیث) یہ خبر فرقہ خوارج کے حق میں پوری ہوئی جو عہد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ظاہر ہوا تھا چھ ہزار خارجیوں نے خروج کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی جن کا قصہ کتب تواریخ میں مفصل موجود ہے۔ حدیث میں آیا ہے : الخوارج کلاب اهل النار۔ "کہ فرقہ خارجی دوزخیوں کے کتے ہیں۔" (تلبیس ابلیس لابن الجوزی)

اہل بدعت وشرک اس پیش گوئی کو اہلحدیث فرقہ ناجیہ پر چسپاں کرتے ہیں' جو سراسر باطل ہے۔ محدثین وفقہا کا اجماع ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں' جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کی تکفیر کی تھی اور رافضی کہتے ہیں کہ اہلحدیث خارجی ہیں' حالانکہ خوارج اور اہلحدیث کے عقائد میں بعد المشرقین ہے کہ اہلحدیث خلافت علی رضی اللہ عنہ کو حق کہتے ہیں اور اہل بیت کا اکرام کرتے ہیں اور ان کی محبت کو جزء ایمان سمجھتے ہیں۔ دوسرا فرقہ جو صحابہ کرام کا دشمن ہے' وہ رافضی تعزیہ پرست ہیں' جن کا نہ قرآن پر ایمان ہے اور نہ احادیث نبی آخرالزمان ﷺ پر ایمان ہے اور صحابہ کرام کے بدترین دشمن ہیں اور ان کو سب وشتم کرتے ہیں' اس لئے یہ فرقہ بھی طائفہ ناجیہ اہل حق سے خارج اور مخلد فی النار ہے۔

جس طرح خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی میں راندے گئے' اسی طرح رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں غلو کرنے اور خلفاء راشدین حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم وغیرھم من الصحابۃ کی تکفیر وتفسیق کرنے سے مردود ہوئے اور دین اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ رافضی

فرقہ کی تحفہ اثنا عشریہ میں خوب قلعی کھول دی گئی ہے۔

ہم اہل سنت والجماعت جن کا دوسرا نام اہلحدیث ہے' امت وسط یعنی طائفہ عادلہ ہیں' حد اعتدال پر قائم ہیں۔ صحابہ کرام میں مشاجرات وقتل ہوئے ہیں' جن کی اصل اور حقیقت پر غور کیا جائے تو صحابہ سب مجتہدین اور عدول تھے کہ ان کی ہر بناء مخاصمت کچھ ایسی صورت سے واقع ہوئی کہ ہر ایک فریق خطاء اجتہادی میں مبتلا ہوا ہے۔ عمداً نفسانیت یا ملک گیری یا کسی حرص ولالچ میں آکر کسی نے کسی مسلمان سے قتل نہیں کیا کہ صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ آنحضور ﷺ سے تزکیہ وتعلیم پا کر ایسے عامل بالقرآن والحدیث ہو چکے تھے کہ ان سب پر رضا الٰہی کی بشارت قرآن نے دے دی اور وہ صحبت رسول رحمتہ للعالمین سے فیضیاب ہو کر مبشر بالجنتہ ہو چکے تھے۔ ان کی باہمی غلطیاں جو بظاہرہ غلطیاں معلوم ہوتی ہیں' ان میں بھی ان کی نیت تعمیل حکم شرع کی تھی۔ واقعات میں چونکہ گمراہ فرقوں نے غلط باتیں روایت کر کے ملا رکھی ہیں' جن سے واقعات کی حقیقت ایسی مکدر ہو گئی ہے کہ عوام اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ جس طرح مسئلہ تقدیر بہت نازک ہے کہ اس کے سمجھنے میں دو فرقے گمراہ ہو گئے ہیں۔ ایک جبریہ' دوم قدریہ' اس لئے اہلحدیث ان کے بین بین راہ اعتدال پر ہیں کہ نصوص قطعیہ پر ایمان رکھ کر اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور زیادہ اس میں بحث اور خوض نہیں کرتے۔ نجوم اور ستاروں کے حساب کا مسئلہ بھی دشوار ہے' اس لئے اہلحدیث اس میں دخل نہیں دیتے کہ ان کے پیش نظریہ حدیث ہے' جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

اذا ذکر اصحابی فامسکوا واذا ذکر النجوم امسکوا واذا ذکر القدر فامسکوا۔ یعنی "جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے (کہ ان میں اختلاف وشقاق کیوں ہوا؟ ان میں سے حق پر کون تھا؟) تو تم اس پر بحث کرنے اور فیصلہ دینے سے خاموش رہو اور جب ستاروں کا ذکر آئے کہ فلاں ستارہ کی تاثیر کیا ہے اور فلاں کی کیا؟ تو تم اس میں بحث کرنے میں بند رہو' جب تقدیر کا ذکر آئے تو تقدیر پر ایمان ظاہر کر کے اس پر بحث کرنے سے بند رہو' اس میں کرید نہ کرو۔"

اور حدیث میں ہے : اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا بعدی۔ یعنی "اللہ کی پکڑ سے بچو' اللہ سے ڈرو' میرے صحابہ کے بارے میں کہ میرے بعد ان کو اپنی زبانوں کے

تیروں کا نشانہ نہ بناؤ۔" اور یہ سن لو : فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فبغضی ابغضهم ومن اذا هم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ومن اذی الله او شک ان یاخذه۔ یعنی "جس شخص نے صحابہ کو دوست رکھا' پس اس نے میری محبت کی بنا پر ان کو دوست رکھا اور جس نے ان کو دشمن رکھا' اس نے میرے ساتھ دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان کو دشمن رکھا۔ جن لوگوں نے میرے صحابہ کو ایذا دی' انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی' تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی گرفت میں لے لے۔"

ایسی اور بھی بہت سی احادیث وارد ہیں' جو ہم کو صحابہ کی مذمت سے روکتی ہیں اور ان سے محبت رکھنے اور ان کا اکرام کرنے کی تعلیم دیتی ہیں' اس لئے ہم اہلحدیث صحابہ کرام پر زبان درازی نہیں کرتے' بلکہ ان کے حق میں یہ دعا کرتے ہیں : رضی الله عنهم وارضا هم وادخلنا فیهم رحمة وفضلا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم جلد اول' ص ۹۳ میں اہل سنت کا عقیدہ بیان فرماتے ہوئے یہ لکھا ہے : وان یعتقد فضل الصحابة رضی الله عنهم وترتیبهم (الٰی آخر) وان یحسن الظن بجمیع الصحابة ویثنی علیهم کم الثنی الله عزوجل ورسوله صلی الله علیه وسلم علیهم اجمعین۔ یعنی "ہر اہلسنت کو صحابہ کرام کی فضیلت کا عقیدہ رکھنا چاہیے' اسی ترتیب سے جو نصوص میں اور مناقب میں اور سلف صالحین کی تصریحات میں وارد ہے اور سب صحابہ کرام سے نیک گمان اور حسن ظنی رکھ کر ان کی تعریف کرنی چاہئے' جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف اور مناقب بیان کئے ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ صحابہ کرام اور ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب گیری اور سب دشتم کرنے والے سے اہل سنت کو نفرت کلی اور پورا بائیکاٹ رکھنے کا حکم ہے۔ آج کل جو رافضیوں سے سنیوں کے میل ملاپ ہو رہے ہیں' ہم سلفی اہلحدیث ان سے سخت بیزار ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان الله اختارنی واختارلی اصحابی وجعل لی اصحابا واخوانا واصهارا وسیجئی قوم بعدهم یعیبونهم وینقصونهم فلا تواکلوهم ولا تشاربوهم ولا تناکحوهم ولا تصلوا علیهم ولا تصلوا معهم۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نے سب میں سے مجھے پسند کرلیا ہے اور میرے لئے میرے صحابہ کو پسند کرلیا ہے اور ان کو میری زندگی کا ساتھی بنادیا ہے' کوئی ان میں سے میرا بھائی ہے' کوئی داماد ہے' کوئی خسر ہے۔ عنقریب ہی ان کے بعد ایسے لوگ

پیدا ہوں گے' جو صحابہ کرام کی عیب جوئی کریں گے اور ان میں نقص ظاہر کریں گے۔ پس تمہیں نہ ان کے ساتھ کھلانا پینا ہو گا اور نہ ان سے رشتہ داری' مناکحت کرنی ہو گی اور نہ ان کا جنازہ پڑھنا ہو گا اور نہ ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھنی ہو گی۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ رافضی' خارجی ہر دو فرقے اسلام میں بدترین ہیں' جن سے علیحدہ رہنے کا حکم ہے۔ خارجی تو ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے' البتہ رافضی موجود ہیں' تو ان سے بائیکاٹ رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان تفرقہ پرستوں کے شر سے بچائے' آمین۔

اب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کی بابت سنئے کہ انہوں نے عمداً خلاف شرع کوئی کام نہیں کیا تھا' اس لئے ان کو فاسقہ وغیرہ کہنا بدترین گناہ ہے' جو کسی اہلحدیث اور اہلسنت سے سرزد نہیں ہو سکتا' اس کا ارتکاب یا تو کوئی جاہل کر سکتا ہے' یا کوئی بدترین گمراہ مثل رافضی وغیرہ کے' کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حج کے ارادہ سے بیت اللہ کا سفر کیا تھا۔ جب وہ مبارک سفر پورا ہوا اور حج ایسی عبادت اعلیٰ سے وہ فارغ ہوئیں' تو حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ سے بصرہ کو روانہ ہوئیں اور ان کی نیت جیسا کہ ان کے عمل سے ظاہر ہوئی' یہ تھی کہ "مصلحة للمسلمين" یعنی مسلمانوں کی خیرخواہی اور ان کی باہم صلح کرانا تھا۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ جلد ۷' ص ۲۳۹ میں اس کی تفصیل ہے اور المنتقی مختصر منہاج السنہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ دونوں لشکر ایک جگہ جمع ہو گئے تھے کہ باہم صلح کریں۔

اصحاب الجمل اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علی بن عباس رضی اللہ عنہ کو مصالحت کے امور طے کرنے کے لیے بھیجا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ طالبان قصاص عثمان نے محمد بن طلحہ سجاد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔ دونوں فریقین نے صلح پر بات ٹھہرائی اور رات خوشی سے سب نے گزاری' لیکن قاتلان عثمان جو فتنہ انگیز تھے اور باغی قرار پا چکے تھے' ان کو فکر ہوا کہ اگر دونوں فریق نے مصالحت کر لی' تو ہماری خیر نہیں' ہم سے قصاص عثمان لیا جائے گا۔ تب وہ تمام رات بے چین ہو کر مشورے کرتے رہے کہ کسی طرح جنگ ہو جائے' تو ہمارا بچاؤ ہو۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر جنگ کی آگ بھڑکانے کا عزم بالجزم کر لیا اور آہستہ آہستہ جنگ کو حرکت دینی شروع کر دی۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو یہ سمجھا کہ اصحاب الجمل نے غدر کر دیا ہے اور طلحہ و زبیر اصحاب

جمل نے یہ تخیل قائم کیا کہ حضرت علی نے غدر کیا ہے اور دراصل یہ قاتلان عثمان کی سازش تھی' جس سے دونوں فریق میں جنگ چھڑ گئی اور بہت سے لوگ دونوں طرف سے مارے گئے۔ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی اس جنگ میں شہید ہوئے' اناللہ۔

المنتقی کے ص۔۲۲۳ میں ہے : ولم یکن یوم الجمل لھولاء قصد فی القتال ولکن وقع القتال بغیر اختیارھم۔ یعنی "یوم جمل صحابہ کا باہمی قتل بلاارادہ نہیں ہوا تھا' یہ قتل فتنہ انگیز کی شرارت سے ہوا' جو بے اختیاری معاملہ تھا۔" اس مشاجرت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ سب لوگ بیعت کر لیں اور اتفاق سے امن قائم ہو' تو قاتلان عثمان کا فیصلہ ہو۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال یہ تھا کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ فوج علی رضی اللہ عنہ میں شامل ہیں' وہ ان سے قصاص نہیں لیتے' اس لئے ہم ان سے قصاص لیں گے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ناحق قتل کیا۔ اب دو فریق باہمی سمجھوتہ سے ایک امر طے کر کے عمل کرنے کو تیار تھے کہ فتنہ انگیزوں نے جنگ کرا دی' جس میں ہر دو فریق کو مبتلا ہونا پڑا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس جنگ اضطراری سے واپس آئیں' تو بہت افسوس کرتی تھیں اور نادم ہوتی تھیں۔

منتقی ص۔۲۲۳ میں ہے : فکانت اذا ذکرت خروجھا تبکی حتٰی تبل خمارھا۔ شرح فقہ اکبر ص۔۸۱ میں ہے : وکذا عائشۃ ندمت علٰی ما فعلت وکانت تبکی حتٰی تبل خمارھا۔ یعنی "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس واقعہ اور اپنے خروج کو تصور کرتیں' تو بہت رویا کرتیں تھیں' یہاں تک کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جایا کرتی تھی۔"

شرح فقہ اکبر ص۔۸۰ میں ہے : وقد کان امر طلحۃ والزبیر خطا غیر انھما فعلا ما فعلا عن اجتھاد وکانا من اھل اجتھاد۔ یعنی "طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کی چڑھائی غلطی سے تھی' لیکن جو کچھ انہوں نے کیا اجتہاد سے کیا کہ وہ اہل اجتہاد سے تھے۔" پھر لکھا ہے : وکذا عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔ یعنی "اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غلطی کی کہ وہ بھی مجتہد تھیں' آخر بعد میں نادم ہوئیں۔" بروئے اصول شرعیہ مجتہد کو اجتہاد میں غلطی پر ایک اجر ملتا ہے' اس سے فاسق نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ فقہ اکبر ص۔۸۱ میں ہے : ثم کان معاویۃ مخطئا الا انہ فعل عن تاویل فلم یصربہ فاسقا۔ یعنی "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں غلطی پر تھے'

مگر وہ مجتہد تھے' انہوں نے بھی تاویل سے اور اپنے اجتہاد سے کام لیا۔" کہ شرع سے ایک دلیل سمجھی کہ قاتلان عثمان نے سخت ظلم کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو پناہ دے کر اپنے لشکر میں شامل کئے ہوئے ہیں' اس لئے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا ضرور ہے' چونکہ معاویہ' طلحہ' زبیر اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما وغیرہم کا یہ خیال تھا کہ یا تو علی رضی اللہ عنہ خود ان سے قصاص لے یا ان کو ہمارے حوالہ کر دے' اگر دونوں میں سے کوئی کام نہ کریں اور باغیوں کے حمایتی بنیں کہ اپنے لشکر میں شامل کر کے ہم سے جنگ کریں' تو یہ خلیفہ راشد کی شان نہیں ہے۔ بس اس طرح اپنی اپنی جگہ مجتہد ہو کر اجتہاد کر کے عمل کرنے کا موقع مل گیا' جس سے مخالفت پھیل گئی' آخر صلح پر یہ نزاع ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشیں معاف کریں' آمین۔

ہم کو اب ان پر زبان درازی حرام ہے۔ اب ہم کو ان کا یہ مشاجرہ اور مقاتلہ اللہ رب العالمین کے سپرد کر دینا چاہیے اور ان پر کسی اجتہادی غلطی پر تفسیق یا تکفیر نہ کرنی چاہیے کہ یہ عین گمراہی ہے۔ اگر کوئی محض غلطی کی نسبت کسی صحابی کی طرف کرتا ہے' خواہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہوں یا معاویہ یا علی رضی اللہ عنہما ہوں' یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تو اس سے کسی قائل پر کوئی فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا' کیونکہ صحابہ سے غلطی ممکن ہے اور وہ معصوم نہ تھے۔ ہاں اس غلطی کو بری طرح اپنا فسق و کفر تک پہنچانا یہ گمراہی ہے' پھر جب صحابہ کی باہم صلح ہو گئی اور جس سے کوئی غلطی ہوئی ہے وہ نادم ہوا' تو اب کسی صحابی پر طعن کرنا گناہ ہے۔ کتاب الکبائر للذہبی ص ۲۳۱ میں ہے: من ذم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشی وتتبع عثراتھم وذکر عیبا واضافہ الیھم کان منافقا۔ یعنی "جو شخص صحابہ رسول کی مذمت کرے اور ان کی لغزشوں اور خطاؤں کے پیچھے پڑے اور ان کے کسی عیب کا ذکر کر کے ان کی طرف کسی گناہ' فسق' کفر' نفاق وغیرہ کی نسبت کرے' تو وہ شخص منافق ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مناقب وصفات حسنہ بے شمار ہیں اور ان کی تزویج آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الہام الٰہی سے ہوئی اور وہ آپ کی دنیا اور آخرت میں زوجہ مطہرہ اور ام المومنین تھیں اور ان کو دو ہزار سے زیادہ احادیث یاد تھیں اور وہ صحابہ میں فقیہہ عالمہ' فاضلہ' کثیرۃ الحدیث تھیں اور صحابہ کے وقت فتویٰ دیا کرتی تھیں اور جب وفات پائی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی فقیہ کثیر الحدیث امام المتقین رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

المنتقیٰ کے ص-۲۱۷ میں ہے : ان اهل السنة مجمعون علی تعظيم عائشة ومحبتها یعنی "تمام اہل سنت کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم کرنی اور محبت رکھنے پر اجماع ہے۔" اب جو اس کے خلاف آواز بلند کرتا ہے وہ گمراہ خارق اجماع ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بیویوں میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زیادہ پیاری تھیں اور مردوں میں زیادہ پیارے ان کے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس نے جب جسد مبارک سے پرواز کیا' تو اس وقت آنجناب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں راحت فرما رہے تھے۔ بہرحال حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کثیرہ ہیں' جن کے سامنے کوئی اجتہادی غلطی بھی ہوئی ہو تو وہ لاشئی ہے' جو مغفور قرار دی جائے گی کہ آپ مبشرہ بالجنتہ ہیں۔ اگر کوئی شخص اہلحدیث کی طرف نسبت کرتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف کسی گناہ کی نسبت کر کے ان کو فاسقہ کہتے ہیں' وہ سراسر کذاب اور مفتری ہے۔ ہم تمام اہلحدیث ایسے باطل عقیدہ اور قول خبیث سے اپنی برات ظاہر کرتے ہیں۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

اصلاحی معروضات: مکرمی جناب مینجر صحیفہ اہلحدیث زید مجدہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔
امابعد پس عرض آنکہ حسب الحکم سائل غلام مصطفیٰ کے سوالوں کے جوابات مناسب طریقہ سے دے دیئے گئے ہیں' لیکن اگر مرکزی حکم نہ ہوتا' تو سوالات واپس کئے جاتے' کیونکہ سائل کے سوالات میں تین غلطیاں نمایاں ہوئیں۔

اول اس نے استفتاء کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی' تو یہ خلاف سنت ہے۔ اہلسنت کے لیے یہ عادت اور غفلت زیبا نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار سے مراسلات کئے' تو بسم اللہ لکھتے رہے۔ یہی ابتدا سے انتہا تک اجماعی تعامل رہا اور اہل حق میں اب تک جاری ہے۔

دوم یہ کہ سائل کا نام "غلام مصطفیٰ" ہے' جس کا تبدیل کرنا واجب ہے کہ اس میں ابہام شرک ہے۔ اس کی تفصیل مجموعہ فتاویٰ عبدالحی لکھنوی میں ہے کہ اس میں بحوالہ جلالین ایسے نام ناجائز لکھے ہیں

شرح فقہ اکبر شرعتہ الاسلام اور ابن حجر مکی کی منہاج میں بھی اس کو ناجائز ٹھہرایا گیا ہے۔
حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس نام میں قباحت ہوتی' اس کو تبدیل فرمادیتے تھے۔

تیسرا یہ کہ جہاں دفتر ہے وہاں ایک مسجد ہے' جس کا نام "مسجد غوثیہ" رکھا ہے۔ یہ نسبت شیخ جیلانی مرحوم کی طرف ہے کہ عموما ان کو غوث اعظم کے لقب سے اہل بدعت ملقب کرتے ہیں' یہ بھی موصل الی الشرک ہے' کیونکہ قرآن میں ہے : مساجد اللّٰہ کہ "مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔" دیگر مقام پر فرمایا : ان المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احدا۔ یعنی "مسجدیں اللہ کی ہیں' پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔" اور حدیث میں ہے : المساجد بیوت اللّٰہ "کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں۔" جب مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں اور وہ خاص اسی کی عبادت کے واسطے تعمیر کی گئی ہیں' تو پھر شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یا دیگر کسی عالم ربانی کا ان میں کیا حصہ یا دخل ہے' اگر ان کی تعظیم کے لیے اور ان کی عبادت کے لیے یہ مسجد مقرر ہے' تو پھر یہ صریح شرک ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کے مشاجرات کی تحقیقات سے پہلے توحید سیکھیں اور امور شرکیہ دور کریں' ورنہ اسلام سے دور چلے جاؤ گے۔ ہاں! دوسری حیثیت سے مسجد کو غیر کے نام کی طرف نسبت کیا جا سکتا ہے۔ جیسے مسجد بنی زریق عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی اور بعض مساجد قبیلوں کی طرف منسوب ہیں' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مسجد انہوں نے تعمیر کی ہوتی ہے' تو کسی مسجد کے تعارف کے لیے اس کو تعمیر کنندہ کی طرف نسبت کر دے۔ ہاں! جن کے محلہ میں ہو' اس قبیلہ کی طرف نسبت کر کے مسجد فلاں بن فلاں لکھ سکتے ہیں۔ لیکن شیخ جیلانی نے وہ مسجد تعمیر نہیں کرائی ہے' تو ان کی طرف یہ نسبت تعظیمی ہے۔ جیسے بیت اللہ' ناقۃ اللّٰہ یہ سب نسبتیں تعظیمی ہیں۔ پس بایں طور مسجد غوثیہ نام موہم شرک ہے۔

اسی طرح مسجد محمدی نام اگر تعظیمی ہے' تو درست نہیں' اگر اس لحاظ سے کہ یہاں دین محمدی' شرع محمدی کی تعلیم دی جارہی ہے' نام رکھا گیا ہے' تو درست ہے' یا اس مسجد کا بانی ابو محمد یا محمد ہے' تو بھی درست ہے کہ حیثیت بدل گئی' جس سے حکم بھی بدل گیا۔ پس یہ تینوں مسائل سمجھ سمجھا لیں۔ فقط والسلام

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث کراچی' جلد ۴۷' شمارہ ۸ بمطابق ۵ اگست سنہ ۱۹۶۶ء

تجلی کا متعصبانہ تبصرہ

اور ان کے تقویٰ و ورع پر علماء محققین کا اجماع ہے لیکن بایں ہمہ بعض اندھی تقلید کے مریضوں نے ان کے تقویٰ ان کی ثقاہت' ان کی ایمانداری اور ان کی دیانتداری کے پاک دامن پر اپنے امام کی ناجائز حمایت اور غلو عقیدت میں آکر تعصب فی المذہب کا دھبہ لگایا ہے۔ فیض الباری جلد-۱' ص-۱۷۰ میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں "اصا البخاری فانه یهجوه" یعنی امام بخاری امام ابوحنیفہ کی ہجو کرتے ہیں۔

امام بخاری تمام ائمہ دین کے نزدیک عادل ہیں۔ خود مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے باوجود حنفی ہونے کے ان کے مناقب جمع کئے ہیں اور لکھا ہے کہ "امام الدین فی الحدیث اور شیخ الاسلام' زاہد' متورع حافظ مجتہد امام تھے۔" اور امام مسلم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام بخاری کو خطاب کرتے ہوئے یہ کہا کہ "لا یبغضک الا حاسد واشهد انه لیس فی الدنیا مثلک" یعنی تمہارے ساتھ بغیر حاسد کے اور کوئی دشمنی نہیں رکھے گا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ مہارت علم حدیث میں آپ کی مثل کوئی نہیں ہے۔

باوجود اس کے پھر رای و قیاس اور تقلید کی وراثت پانے والے ایسے جلیل القدر امام کو متعصب اور بے جا ہجو اور برائی کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ تعصب اور ہجو بے جا جرم عظیم ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ عصبیت پر لڑنے والا میری امت سے خارج ہے۔ ڈاکٹر اقبال صاحب فرماتے ہیں۔

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

اگر نعوذ باللہ امام بخاری میں تعصب اور بے جا ہجو تسلیم کیا جائے' وہ ثقہ' امام متورع اور عادل نہیں رہ سکتے۔ نیز اس کی زد صحیح بخاری پر بھی پڑے گی اور وہ معتبر نہ رہے گی۔

مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نے ابن ماجہ پر "ماتمس الیه الحاجه" میں تمام

محدثین کے حق میں سوء ادب سے کام لیتے ہوئے امام بخاری کی توہین کے بارے میں حافظ جمال الدین زیلعی حنفی نصب الرایہ جلد۔۱، ص۔۳۵۵ میں نقل کرتے ہیں کہ فالبخاری رحمه الله مع شدة تعصبه وفرط تحمله علیٰ مذهب ابی حنیفة لم یودع صحیحه منها حدیثا واحدا یعنی "بخاری سخت متعصب تھے اور مذہب ابوحنیفہ پر سخت حملے کرتے رہے ہیں اور اپنی صحیح میں ایک حدیث بھی ان کے نام سے نہیں لائے۔"

جب امام ابوحنیفہ بروئے علم حدیث ضعیف تھے اور ان کی کوئی روایت ان کی شرط کے مطابق نہ تھی تو وہ کیسے لاتے، اس میں تعصب کی کیا بات ہے۔ امام شافعی سے کیا تعصب تھا کہ امام بخاری کی شروط کے مطابق ان سے بھی روایت نہ ملی اور خود مولانا نعمانی صاحب یہ لکھتے ہیں کہ "ومن اشدهم انحرافا" عن الامام الاعظم واصحابه البخاری فانه یذکره واصحابه بکل سوء کانه علیه غضبان وهو له غایظ" یعنی محدثین میں سے امام ابوحنیفہ سے اور ان کے شاگردوں سے سخت انحراف کرنے والے امام بخاری ہیں جو امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کو ہر قسم کی برائی سے ذکر کرتے ہیں گویا ان پر سخت غضبناک ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری جب علم رجال میں ماہر ہیں اور وہ مسلمہ طور پر جرح اور تعدیل کے امام اور ناقد فن تسلیم کئے گئے ہیں تو وہ اپنی تحقیق اور علم کی رو سے امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی بابت اپنے معلومات پیش کر گئے ہیں۔ علم رجال میں وہ کسی کا لحاظ رکھ کر کتمان حق نہیں کر گئے تو اب ہم ان محبان تقلید سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا امام بخاری امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے معاصرین سے تھے اور کہیں ان سے کسی بات پر تبادلہ خیال ہوا تھا کہ امام بخاری ان پر غضبناک ہو گئے تھے اور ان کی ہجو کرتے رہے یا یہ غلط ہے؟ اگر شق اول ہے تو ثبوت دو اگر غلط ہے کہ ان کا کوئی ذاتی رنج اور غصہ کسی بنا پر نہ تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا امام بخاری نے مذہبی عناد میں آکر امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں پر جھوٹی جرح کی یا جو کچھ لکھا اپنی نیت سے صحیح جان کر لکھا۔ اگر شق اول ہے تو امام بخاری امام الحدیث ثقہ، عادل اور معتبر نہ رہے بلکہ جھوٹے معاند، متعصب ضعیف قرار پائے۔ نعوذ باللہ

من ھذہ الھفوات تو پھر حنفی حضرات کو چاہیے کہ جامع صحیح بخاری سے دستبردار ہو جائیں اور اس کو اپنی درسگاہوں میں پڑھانا چھوڑ دیں- چنانچہ ایک فتویٰ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کا شائع بھی ہو چکا ہے جس میں حنفیت کی جھلک اور تقلید شخصی کی روح پوری پوری بھری ہوئی ہے' انہوں نے لکھا ہے کہ کتب حدیث صحاح ستہ کے اکثر مؤلفین شافعی المذہب ہیں- پس حنفی المذہب کو اپنے مذہب کی فقہ کی کتابیں معمول بھابنانی چاہئیں اور مسائل فقیہ پر عمل کرنا چاہیے- (خلاصہ مضمون فتویٰ مندرجہ ذیل حقیقتہ الفقہ حصہ اول ص-۹۶)

جب کتب حدیث کے ساتھ علماء مقلدین حنفیہ کی یہ عقیدت ہے تو پھر ان کو چاہیے کہ ان کو اپنے درسگاہوں میں پڑھانا روک دیں اور مروجہ فقہ حنفی جو رائے قیاس کا ذخیرہ ہے' اس پر کفایت کریں کہ جو بنی اسرائیل کی طرح لہسن' پیاز' سبزی کے خواہشمند ہیں ان کو آسمانی من سلویٰ نعمت رحمانی سے کیا کام؟

اور اگر شق دوم ہے کہ امام بخاری کی جرح صحیح اور درست ہے اور واقعہ کے مطابق ہے تو پھر رائے قیاس لہسن' پیاز کو ترک کر کے کتب حدیث سے غذا روحانی من سلویٰ رحمانی پر کفایت کریں کہ کتب فقہ کتب حدیث کے اکثر خلاف ہیں اور جن ائمہ سے ان کی رائے قیاس کا یہ ذخیرہ جمع کیا گیا ہے- وہ ضعیف ہیں' ان کی روایات معتبر نہیں ہیں- میزان الاعتدال مصری جلد-۳' ص-۳۲۱ میں ہے کہ قاضی شریک کے پاس امام ابویوسف کی کسی امر میں شہادت گذری تو انہوں نے ان کی گواہی کو مسترد کر دیا اور یہ کہا "لا اقبل من یزعم ان الصلوٰۃ لیست من الایمان" یعنی میں ایسے شخص کی گواہی کو قبول نہیں کرتا جو نماز کو ایمان کی جزء نہیں سمجھتا-"

اعمال کو ایمان کی جزء نہ سمجھنا یہ مرجیہ کا مذہب ہے جو بروئے قرآن و حدیث سراسر باطل ہے- بہرحال اس بارہ میں ایک امام بخاری کا کیا قصور ہے کہ دیگر محدثین بھی ائمہ رائے و قیاس کو فن حدیث میں ضعیف اور مسائل شرعیہ کے لحاظ سے سخت خطاکار قرار دے چکے ہیں- اسی کلمہ حق کی بنا پر مقلدین ائمہ محدثین کے حق میں گستاخی کر رہے ہیں- چنانچہ مدیر تجلی اپنے شمارہ مطبوعہ جنوری سنہ-۱۹۶۱ء کے ص-۳۹ پر اپنی گستاخی کا پورا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ "انہوں نے بخاری میں حنفی مسلک کے

بارہ میں جو رویہ اختیار کیا ہے وہ اہل نظر کو چونکا دینے والا ہے۔ دل و دماغ میں جاگزیں سوء ظن کے نتیجے میں حنفیہ کے ساتھ ان کا سلوک جارحانہ ہے اور اسی ذہنی کیفیت کا نتیجہ ہے کہ حنفی مسلک کو پوری طرح سمجھے بغیر وہ اعتراضات کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب بخاری جیسا ابو حنیفہ کے بارہ میں زیادتی سے نہ بچ سکا تو کسی اور کی مثال کی کیا ضرورت؟"

ناظرین کرام! غور کریں کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو اہل حدیثوں کو بزرگان دین کے حق میں بے ادب کہا کرتے اور لوگوں کو نصیحت کر کے خود فضیحت میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے نشہ تعصب میں آکر امام ابو حنیفہ کا قصاص لینے کے لیے امام الدنیا فی الحدیث پر مندرجہ ذیل جھوٹے الزام عائد کر کے اپنی عاقبت خراب کی ہے۔ ہم نے صرف علماء متقدمین کے اقوال جرح نقل کئے تھے جس کی وجہ سے مدیر تجلی نے اہلحدیث کو گستاخ ٹھہرایا ہے حالانکہ اصولاً" وہ ہرگز گستاخی نہیں تھی بلکہ یہ مقولہ مشہور ہے کہ "نقل کفر کفر نہ باشد" لیکن مدیر تجلی نے از خود بڑی دلیری سے امام بخاری سلطان المحدثین پر الزامات عائد کئے ہیں جو شرعاً" اور اخلاقاً" جرم ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) دل و دماغ میں سوء ظن، (۲) سوء ظن کی بنا پر سلوک جارحانہ، (۳) مسلک حنفیہ سمجھے بغیر اعتراض کرنا، (۴) ابو حنیفہ پر زیادتی کرنا۔ یہ چاروں جرم جناب مدیر صاحب تجلی نے بغیر کسی محدث ناقد فن معتبر کی شہادت اور ثبوت کے ازخود عائد کئے ہیں جن کی رو سے امام بخاری علم حدیث میں اسلامی دنیا کا امام اور شیخ الاسلام ہرگز قرار نہیں پا سکتے بلکہ نعوذ باللہ فاسق، ظالم، جھوٹے، معتدی قرار پائیں گے۔

امام بخاری نے آیت اجتنبوا کثیرا من الظن پر باب باندھ کر جو حدیث نبوی ذکر کی ہے اس میں یہ فرمان نبوی ہے کہ "ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث" یعنی اے لوگو! تم سوئے ظن سے بچو کیونکہ بدظنی نہایت جھوٹی بات ہے۔ پس مدیر تجلی کے نزدیک امام بخاری اپنے سوء ظن سے کلام کرنے والے نہایت جھوٹے قرار پائے۔ یہ امام بخاری کی صریح توہین ہے جو اپنے امام کی غلو عقیدت میں آکر محض تعصب اور عناد سے کی گئی ہے۔ اسی طرح سب نمبروں کو سمجھ لیں کہ امام بخاری کے حق میں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ جو الزامات نہایت المناک اور دل خراش ہیں۔ اس کا نام گستاخانہ جہالت

اور مغلوبانہ حماقت ہے اور پھر بایں ہمہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم امام بخاری وغیرہ ائمہ محدثین کی بالکل توہین نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری کسی کتاب میں کسی امام کا برائی کے ساتھ ذکر ہی نہیں ہے بلکہ ہر جگہ ذکر خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا ما لا تفعلون یعنی "اللہ کے نزدیک وہ سخت مورد عتاب ہیں جو بات کہتے ہیں اور پھر خود اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی خطیبوں و ناصحوں کو جہنم میں سخت عذاب ہو گا۔ آنحضور ﷺ نے دیکھا تو سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ آپ کی امت کے وہ ناصحین ہیں جو اوروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

امام شافعی کی توہین ⇦ دیوبندی امت کے حکیم مولانا اشرف علی صاحب تھانوی امداد الفتاویٰ ۸ر محرم سنہ۔۱۳۰۱ھ جلد۔۱' ص۔۵۱۳ میں جماعت اہلحدیث پر ریمارک فرماتے ہوئے یہ الزام تراشتے ہیں کہ "یہ لوگ سلف صالحین خصوصاً امام اعظم علیہ الرحمتہ کو طعن و تشنیع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ سراسر جھوٹا الزام اور گمراہ کن پروپیگنڈا یار لوگوں نے کر رکھا ہے تاکہ لوگ ان سے دور اور نفور رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلحدیث کسی عالم یا امام کے حق میں صرف علماء متقدمین کے اقوال جرح تو نقل کر دیتے ہیں لیکن از خود کوئی عیب نہیں لگاتے لیکن یہ حضرات ائمہ دین اور سلف صالحین پر از خود گستاخانہ حملے کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ نور الانوار مطبوعہ دیوبند کے ص۔۳۰۰ میں ایک مسئلہ پر یہ لکھا ہے کہ کجھل الشافعی یعنی ایک جہالت ان لوگوں کی ہے جو اپنے اجتہاد میں کتاب کا خلاف کرتے ہیں۔ جیسے امام شافعی کی جہالت ہے۔"

ناظرین کرام! آپ نے ان حضرات کی تہذیب کو دیکھا جو امام شافعی کو جاہل قرار دے رہے ہیں۔ دو چار سطروں کے بعد دوبارہ پھر یہی وظیفہ کرتے ہوئے لکھا ہے والجھل فی نحوہ کجھل الشافعی فی جواز القضاء بشاھد ویمین یعنی "یہ مسئلہ کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا یہ بھی امام شافعی کی جہالت ہے۔" اتنے بڑے امام کی شان میں ایسے گستاخی کے الفاظ بولنے کی جرات اسی گروہ کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ علماء اہل سنت کا ہرگز نہیں۔

شاید کوئی نشہ تقلید سے مدہوش شخص یہ کہے کہ امام شافعی کو ہمارے علماء اصول کا جاہل کہنا کوئی گستاخی نہیں ہے تو پھر یہ جہالت پر جہالت کی تعمیر ہے۔ بے ادبی کا احساس تو خود مصنف نورالانوار کو بھی ہے کہ وہ امام شافعی کو جاہل کہہ کر پھر اس پر یوں ملمع سازی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وقد نقلنا کل ھذا علی نحو ما قال اسلافنا وان کنا لم نجتر علیه** یعنی "ہمارے پہلوں نے جو کچھ کہا تھا وہ ہم نے نقل کر دیا ہے ورنہ ہم از خود ایسی توہین پر ہرگز جرات نہ کرتے۔"

مگر قمرالاقمار شرح نورالانوار والے نے اس عذرداری کو مسترد کرتے ہوئے یہ کہہ دیا ہے کہ **فی ھذا البیان سوء الادب** یعنی "یہ کہنا بڑی بے ادبی ہے۔" اب جناب مدیر صاحب تجلی مرتکب **تعلی** سے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے معتقدین سے یہ عرض ہے کہ بزرگان دین کے حق میں بے ادبی کرنے کا رواج علماء حنفیہ میں ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو سب علماء دیوبند جو نورالانوار کو دارالعلوم میں پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس کو حق سمجھتے ہیں۔ مصنف نورالانوار کی صفائی پیش کریں ورنہ ان پر فرد جرم ثابت کر دیا ہے۔ اگر بے ادبی ہے اور اپنی کتابوں کا سوء ادب آپ حضرات کو مسلم ہے تو پھر اہل حدیث کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈا کیوں کیا جاتا ہے۔ ع

این گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اپنے گھر شیشے کا بنا کر دوسروں پر پتھر برسانا عقلمندوں کا کام ہے؟ کیا جناب مدیر صاحب پر یہ مصرعہ صادق نہیں آتا؟ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔ اچھا مصنف نورالانوار کے نورانی فرمان سے یہ نور بھی حاصل ہوتا ہے کہ اسلاف کی بات نقل کرنا ناقل کی طرف سے توہین کا ارتکاب نہیں ہے۔ یہ اصول ہم کو بھی مسلم ہے۔ لہٰذا مدیر صاحب تجلی کا امام صاحب سے متعلقہ جروح کے نقل کرنے پر توہین امام کا الزام دینا قابل غور ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ پھر مصنف نورالانوار بھی اس سوء ادب کے جرم کا مجرم نہ رہا تو کہا جائے گا کہ یہ دو وجہ سے غلط ہے۔ اول یہ کہ مصنف نور الانوار نے اپنے اسلاف میں سے کسی ایسے امام اور برابر کے مجتہد کا قول نقل نہیں کیا جس نے امام شافعی کی طرف لفظ جہل کو نسبت کیا ہو۔ اگر ہے تو دیوبند کے علماء پیش کریں۔ ہاں اگر کسی مقلد نے جو نورالانوار کے مصنف کی مانند ہو سکتا ہو تو ہرگز

نہ مانا جائے گا۔ ہاں نورالانور کے مؤلف نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارے اسلاف مقلدین بھی اس طرح ائمہ مجتہدین کی توہین کرتے چلے آئے ہیں۔ اسی وجہ سے علامہ ابن الہمام کا یہ فرمان درست ہے کہ **کثیر ما یقلد الساھون الساھین** (فتح القدیر باب نکاح الرقیق) یعنی بہت بھولے ہوئے بھولے ہوئے لوگوں کی تقلید کرتے چلے جاتے ہیں۔

تقلید کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مغلوین کے ائمہ جن مسائل میں خطا کرتے چلے جاتے ہیں اور تحقیق سے کام نہیں لیتے' اس لیے مولانا روم فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شاں بربار داد
کہ دو صد لعنت برآں تقلید باد

دوسری وجہ غلط ہونے کی یہ ہے کہ جس مسئلہ میں امام شافعی کو لاعلم بتایا گیا ہے اس میں تمام علماء حنفیہ کی خود علم حدیث سے سراسر لاعلمی ہے اور اسی لاعلمی پر بنیاد رکھ کر ان تمام مسائل میں لاعلمی سے کام لیتے جا رہے ہیں جو اس سے متفرع ہیں۔

مدعی کی قسم کا مسئلہ ⇦ اب علماء حنفیہ کی علم حدیث میں لاعلمی ملاحظہ فرمائیں کہ صحیح حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اور دوسرا نہ ہو تو اس پر قسم ہے مگر صحیح حدیث کے خلاف امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ **لا تردا لیمین علی المدعی** یعنی "مدعی پر قسم نہ ڈالی جائے گی۔" (ہدایہ)

امام ابوحنیفہ نے مندرجہ ذیل احادیث کا خلاف کیا ہے۔ (ا) **عن ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قضی بیمین وشاھد رواہ مسلم وابود اؤد والنسائی وقال اسنادہ جید** یعنی "حضرت ابن عباس ﷛ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک فیصلہ قسم اور گواہ کے ساتھ کیا تھا۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ **فیہ جواز القضاء بشاھد ویمین** یعنی "اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے۔" پھر اس مسئلہ پر اہل کوفہ کا اختلاف ظاہر کر کے یہ فرماتے ہیں کہ "**وقال جمھور علماء الاسلام من الصحابة والتابعین ومن بعدھم من علماء الامصار یقضی بشاھد ویمین المدعی فی الاموال وما**

يتصل به الاموال وبه قال ابوبكر الصديق وعلى و عمر بن عبدالعزيز ومالك والشافعى واحمد وفقها المدينة وسائر علماء الحجاز ومعظم علماء الا مصار وحجتهم انه جات احاديث كثيرة فى هذه المسئلة من رواية على وابن عباس وزيد بن ثابت وجابر وابى هريرة وعمارة ابن حزم وسعد بن عبادة وعبدالله بن عمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة قال الحفاظ اصح احاديث الباب حديث ابن عباس قال ابن عبدالبر لا مطعن لاحد فى اسناده ولاخلاف بين اهل المعرفة فى صحته قال وحديث ابى هريرة وجابر وغيرهما حسان- یعنی "جمہور علماء اسلام صحابہ کرام و تابعین عظام اور ان کے بعد دیگر شہروں کے علماء مالی مقدمات اور ان کے ملحقات میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر (بصورت دو گواہ مرد یا ایک مرد اور دو عورت نہ ہونے کے) فیصلہ کرتے رہے ہیں- یہی مذہب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ائمہ دین مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور فقہاء مدینہ اور تمام علماء حجاز اور دیگر شہروں کے اکابر علماء کا تھا اور ان کے دلائل احادیث کثیرہ ہیں جو اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں- چنانچہ اس بارہ میں حضرت علی اور ابن عباس' زید بن ثابت' جابر' ابوہریرہ' عمارہ بن حزم' سعد بن عبادہ' عبداللہ بن عمرو' مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں آئی ہیں اور حفاظ محدثین نے کہا ہے کہ اصح ان احادیث میں روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے (باقی صحیح' حسن' ضعیف ہر قسم کی ہیں) حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں کوئی طعن نہیں ہے (اگر ہے تو وہ مردود کی قسم سے ہے) اہل معرفت کے نزدیک اس حدیث کی صحت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حسن ہیں-

میں کہتا ہوں کہ نیل الاوطار میں علامہ شوکانی عالم ربانی نے اس مسئلہ پر خوب بحث کی ہے اور حضرت عمر بن خطاب اور ابن عمر' ابوسعید خدری' بلال بن حارث' سلمہ بن قیس' عامر بن ربیعہ' سہل بن سعد' تمیم داری' ام سلمہ' زینب' انس رضی اللہ عنہم کا ذکر بھی کیا ہے- بلکہ تلخیص کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ ذكر ابن الجوزى فى التحقيق عدد من رواه فزاد على عشرين صحابيا یعنی "ابن جوزی نے تحقیق میں بیس صحابہ کا ذکر کیا ہے-" اس لحاظ سے یہ حدیث متواتر قرار پائی جس پر خلفاء راشدین

کا بھی تعامل ثابت ہوا اور تمام اہل حجاز میں یہ حدیث مشہور ہو کر معمول بہا ہو گئی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں فای شهرة تزید علی هذه الشهرة یعنی ایسی شہرت سے بڑھ کر کون سی شہرت ہو گی جیسی اس حدیث کی شہرت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دیوبندی امت کے حکیم مولانا اشرف علی تھانوی اپنی آخری تصنیف بوادر النوادر جلد۔۱' ص۔۱۳۳۷ میں فرماتے ہیں کہ اگر طرق و رواۃ حدیث میں اتنا تعدد ہو کہ عقل تواطؤ علی الکذب کو تجویز نہ کر سکے تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے کیونکہ تواتر میں کوئی عدد خاص معتبر نہیں بلکہ اس کی حد یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ وہ حد حضرت مولانا موصوف نے ص۔۱۳۶ پر یہ بیان فرمائی ہے کہ "الحدیث اذا روی من عشرة فهو متواتر علی القول المختار کما فی تدریب الراوی یعنی جب کوئی حدیث دس صحابہ سے روایت ہو جائے تو وہ مختار قول میں متواتر قرار پاتی ہے۔

پس اس مسئلہ میں حدیث ایک گواہ اور یمین مدعی کی متواتر ہے۔ اب اس کو جھٹلانا اور اس پر فتویٰ دینے والوں کو جاہل کہنا کفر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قضی رسول الله صلعم بالیمین مع الشاهد الواحد (ترمذی)

نیز ترمذی میں ہے کہ عن جابر ان النبی صلعم قضی مع الشاهد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم مدعی سے فیصلہ کیا۔ اسی طرح دیگر روایات میں ہے جو بعض بعض کو قوت دیتی ہیں۔ پس ان سے انکار کر کے قرآن کی طرف دوڑنا پرویز کی جماعت میں داخل ہونا ہے۔

مقلدین حنفیہ نے منکرین حدیث کو حربہ دے دیا ہے ⇦ جناب مدیر صاحب تجلی دیوبند نے لوگوں کو یہ شبہ ڈالا ہے کہ اہل حدیث ثقہ راویوں کو ضعیف بنا کر فتنہ انکار حدیث کے دور میں اچھا حربہ منکرین حدیث کو دے رہے ہیں۔ یہ الزام سراسر باطل ہے جو ضد اور تعصب میں مبتلا ہو کر دیا گیا ہے۔ ہم اہل حدیث ہی منکرین حدیث کی بفضلہ تعالیٰ مدافعت کر رہے ہیں اور ان کو یہ باور کرا چکے ہیں کہ تم جو حنفی مذہب میں رہ کر یہ اصول معلوم کر چکے ہو کہ قرآن کے خلاف احادیث تسلیم نہیں کی جائیں گی کیونکہ قرآن قطعی ہے اور حدیث ظنی ہے۔ یہ اصول اہل رائے کا بالکل

باطل ہے اور اسی طرح اصول حنفیہ میں یہ سبق پڑھا کر علماء احناف نے جو فتنہ انکار حدیث کا دروازہ کھولا ہے کہ جو حدیث خبر واحد خواہ وہ صحیح ہو قیاس کے خلاف ہو گی اور اس کا راوی کوئی صحابی غیر فقیہ ہو گا تو وہ مسترد کر دی جائے گی۔ نعوذ باللہ من هذا المذهب الباطل۔

ایسے اصول اہل رائے نے اس لیے اختراع کئے کہ ان کے ائمہ اہل رائے قلیل الحدیث تھے۔ ان کے پاس علم حدیث کے خزانہ کی کمی تھی اور ان کے مقتدیٰ اعظم نے کوفہ سے باہر قدم نکال کر اور مرکز اسلام حرمین شریفین میں پہنچ کر ائمہ حدیث سے احادیث جمع نہ کی اور ابراہیم نخعی اور حماد کے اقوال کے پابند رہ کر تقلید کی تخم ریزی کرتے رہے اور ان ہی کی فقاہت سے کام لے کر مسائل کا استخراج کرتے رہے۔ اس لیے ان کے اکثر مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف پڑے۔ چنانچہ کتب فقہ اور کتب حدیث کے مسائل کے تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں علموں میں دن رات کا فرق ہے۔ حدیث روشن مثل آفتاب ہے اور مسائل فقہ میں اندھیری رات چھائی ہوئی ہے۔ اس لیے اہل رائے نے اپنی فقہ کے مسائل کو قائم رکھنے کے لیے ایسے اصول اختراع کئے جن سے انکار حدیث کا فتنہ پیدا ہو گیا اور وہ اصولی حربہ منکرین احادیث کے ہاتھ آگیا ہے۔ چنانچہ قضاء ایک گواہ اور یمین مدعی میں اسی بنیادی اصول سے ان تمام احادیث نبویہ اور تعامل صحابہ اور تصریحات محدثین اور جمہور علماء اسلام کے متفقہ فتویٰ کو مقلدین اور ان کے اہل رائے پیشواؤں نے مسترد کر دیا اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کی مثل کہ ان احادیث کو ایمان و عمل میں رکھ کر فیصلہ دینے والوں کو جاہل قرار دیا ہے۔

ایسی الٹ سمجھ اللہ کسی کو نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ بد ادا نہ دے

اہل رائے کی کتاب شرح وقایہ ص-۴۵۹ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ کی توہین کی گئی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رنجدہ توہین ⇦ بحوالہ مذکور شرح وقایہ میں ہے "عندنا هذا اى اليمين على المدعى بدعة و اول من قضى به معاوية" (کتاب

الدعویٰ نورا لہدایہ میں اس کا ترجمہ یوں درج ہے) یعنی پھر مدعی سے قسم لی جائے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ جب مدعی حلف کرلے گا تو حکم دیا جائے گا مال کا مدعی علیہ پر اور ہمارے نزدیک یہ بدعت ہے اور سب سے پہلے اس طرح کیا معاویہ رضی اللہ عنہ نے (نورا لہدایہ جلد۔۳' ص۔۳۶۷)

حضرت مدیر تجلی صاحب بزرگوں کے حق میں بڑے محتاط بن رہے ہیں کہ محض امام اہل رائے پر جرح نقل کرنے کو توہین اور بے ادبی تصور کر رہے ہیں لیکن اب وہ اپنے گھر میں چراغ کی روشنی میں نظر ماریں کہ یہ صحابہ پر تبرا کرنے والے کون ہیں؟ آپ کو اپنے گھر کی خبر نہیں ہے' لوگوں پر فتویٰ لگانے لگے اور پھر اس پر طرفہ یہ کہ دعویٰ تقلید کا رکھتے ہیں حالانکہ مقلد کی حیثیت فتویٰ لگانے کی نہیں ہے۔

شامی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل بغی قرار دیا گیا اور شرح وقایہ میں بدعتی اور تلویح میں حضرت معاویہ امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی بابت صاف لکھا ہے کہ **کالبغی فی الاسلام ومحاربة الامام وقتل الصحابة** یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ باغی اسلام اور محارب امام اور قاتل صحابہ تھے۔ یہ تعلیم دیوبند میں دے کر رافضیوں کو حربہ دے رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے مولانا عبدالحی صاحب حنفی نے اپنی کتاب **"الرفع والتکمیل"** میں فرمایا ہے کہ حنفیہ میں باعتبار عقیدہ کے شیعہ' معتزلہ' مرجیہ وغیرہ کئی فرقے ہیں۔ گویا حنفی مذہب کئی غلط فرقوں کا مجموعہ ہے۔ اس لیے اس میں سلف صالحین کی سخت توہین پائی جاتی ہے۔ جس صحابی کی حدیث ان کے مذہب کے خلاف پڑتی ہے۔ اسی کی توہین کر دیتے ہیں اور یہ جھوٹ ہے کہ یمین مدعی پر پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا ہے بلکہ حضرات خلفاء راشدین ابوبکر' عمر' علی رضی اللہ عنہم نے بھی فیصلے کئے ہیں۔ چنانچہ تحفة الاحوذی شرح ترمذی جلد۔۲' ص۔۲۸۰ میں ہے کہ **اخرجه احمد والدار قطنی من طریق جعفر بن محمد عن ابیه عن امیرالمومنین علی لن النبی صلی الله علیه وسلم قضٰی بشهادة شاهد واحد ویمین صاحب الحق وقضی به امیرالمومنین بالعراق** یعنی حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قانون اسلامی سے عراق میں فیصلہ کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین ⇦ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد مجتہد تھے۔ اس پر علماء اہل حق کا اتفاق ہے لیکن بعض حنفیہ نے ان کی بھی توہین کر دی۔ چنانچہ شرح وقایہ کے حاشیہ چلپی ص-۲۳۴ میں ہے: ان علیا لم یکن من اهل الاجتهاد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد نہ تھے۔

کتنا افسوس ہے کہ امام ابوحنیفہ تو امام حملو جن کو علم رجال میں وہمی قرار دیا گیا ہے' سے علم فقہ پڑھ کر مجتہد مطلق بن جائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ رسالت میں بچپن سے جوانی تک رہ کر مجتہد نہ بنیں۔ یہ غلو تقلیدی اور تنقیص مقلدانہ ہے۔

مولانا روم نے یہ درست فرمایا ہے کہ۔

پس مقلد نیز مانند کور است
اندراں شاوی کہ او را رہبر است

اس طرح بہت سے صحابہ کی ان لوگوں نے توہین کی۔ چنانچہ تلویح مصری میں ہے کہ فیهم عدول وغیر عدول یعنی صحابہ میں بعض عادل تھے اور بعض غیر عادل تھے۔ حالانکہ محدثین رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ الصحابة کلهم عدول یعنی سب صحابہ رسول عادل تھے۔

جناب مدیر صاحب تجلی کی عقلمندی دیکھ لیں کہ وہ تجلی کے اس شمارے میں جس میں انہوں نے امام مہدی کی احادیث پر حملہ آور ہو کر منکرین حدیث کو فتنہ انکار حدیث کے وقت ہتھیار پہنائے ہیں۔ حدیث الصحابی کالنجوم لکھ کر یہ فرماتے ہیں۔

"اس کے باوجود خود سرور کونین ہی بتا رہے ہیں کہ نفس صحابیت کوئی چیز نہیں جب تک اس کے ساتھ حسن فکر و عمل موجود نہ ہو۔ اس سے جمعان صحابہ کے معیار حق نہ ہونے کا بین ثبوت ملتا ہے۔ وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا نیک اور معزز گروہ بھی لغزشوں اور خطاؤں سے کلیتاً بچا نہیں رہتا۔"

یہ نہایت غلط گفتار ہے جو مسلک اہل سنت والجماعت کے سراسر خلاف ہے۔ نفس صحابیت بڑی چیز ہے۔ بشرطیکہ اس ایمان پر خاتمہ ہو جس ایمان کے ساتھ صحابیت کا

تمغہ حاصل ہوا ہے اور جس حدیث بخاری پر جناب مدیر صاحب تجلی لٹو ہو کر اپنے فہم کو تقلید کے چٹو میں ڈالتے ہوئے ھوائے نفس کے ٹٹو پر سوار ہوئے ہیں۔ اس میں لفظ مرتدین صاف دال ہے کہ وہ لوگ صحابیت سے خارج ہو گئے ہیں۔ آنحضور ﷺ ان کو اصحابی ان کی سابقہ حالت کی وجہ سے جس پر آنجناب ﷺ ان کو چھوڑ گئے تھے فرمائیں گے۔ کیونکہ آنحضور ﷺ کو ان کے ارتداد کا علم نہ ہو گا کہ آپ عالم الغیب نہ تھے۔ جیسے آپ کے سوتیلے بھائیوں کا عقیدہ ہے اور یہ مرتدین صدیقی قتال نے ہلاک کر دیئے تھے۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ جو صحابہ کرام صحابیت پر قائم رہے اور وہ احادیث بلکہ تمام کتاب و سنت کے حفاظ تھے اور مبشر بالجنتہ تھے وہ معیار حق نہیں ہیں۔ جو شخص صحابہ کرام کو معیار حق نہیں جانتا اور تقلید شخصی پر اپنے اسلام کا دارومدار رکھتا ہے' وہ دائرہ اہل سنت والجماعت سے قطعاً" خارج ہے۔ اہل سنت والجماعت نام ناجیہ فرقہ کا ہے' اس نام میں جیسے سنت کا لفظ اس کی تعریف کی ماہیت میں داخل ہے' ویسے لفظ جماعت بھی داخل ہے اور جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔۔ پس اس نام سے ہی صحابہ کا معیار حق ہونا ثابت ہو گیا اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرقہ ناجیہ کی تعریف حدیث افتراق میں یہ فرمائی ہے: **ما انا علیہ واصحابی** یعنی وہ فرقہ نجات پائے گا جو اس مسلک پر چلے گا جس پر آج میں اور میرے صحابہ چل رہے ہیں۔

اس سے صحابہ کا معیار حق ہونا ثابت ہوا' ورنہ **ما انا علیہ** کہنا کافی تھا۔ افتراق امت کے وقت صحابہ کا اجتماعی تعامل کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرنا اہل حق کا فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چہارم صدی میں جو تقلید شخصی سے امام پرستی شروع ہو کر امت میں افتراق ہوا یہ صحابہ میں نہ تھا تو تقلید شخصی فرقہ بندی کا موجب اور بدعت ہے۔ اس لیے تقلید شرع سے خارج اور مقلد حق سے علیحدہ ہے۔ کیونکہ ایک مذہب شخصی رکھنے والا آدمی تمام شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ علامہ شعرانی کو خود اس کا اعتراف ہے کہ وہ میزان شعرانی کے ص ۲۳ پر فرماتے ہیں **لا یکمل لمومن العمل بالشریعۃ کلھا وھو متقلد بمذھب واحد ابد** اور کشف الغمہ میں یہ فرماتے ہیں کہ **المذھب الواحد بلا شک لا یحتوی علی کل احادیث الشریعۃ**

" دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مذہب کا مقلد مثلاً حنفی تمام شریعت محمدیہ پر عمل نہیں کر سکتا' جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو تقلید شخصی کے زنداں سے نکل کر تمام احادیث نبویہ پر عمل کرنا چاہیے' خواہ اس کے اختیار کردہ مذہب کے خلاف ہوں جیسے احادیث قضا بالیمین وغیرہ اگر ایسا نہیں کرے گا اور وہ ان احادیث کو چھوڑ کر ان کے راویوں کی توہین کرنے لگے گا تو وہ گمراہ ہو کر جہنم رسید ہو گا۔

چنانچہ اہل رائے مقلد مذہب واحد ایسا ہی کر رہے ہیں کہ وہ ان احادیث نبویہ کا انکار کر دیتے ہیں جو ان کے ائمہ اہل رائے کے مخالف ہیں۔ چنانچہ امام کرخی کا صاف اعلان ہے کہ **کل آیۃ وحدیث یخالف ما علیہ اصحابنا فھو موؤل او منسوخ** یعنی ہر وہ آیت قرآن یا حدیث نبوی جو ہمارے ائمہ حنفیہ کے اقوال اور فتووں کے خلاف ہو گی' اس کی تاویل کی جائے گی یا اس کو منسوخ کر دیا جائے گا۔ (اس سے یہ ظاہر ہوا کہ مقلدین اپنے ائمہ کے اقوال کو واجب التقلید جان کر حدیث نبوی کو ان کے ماتحت کرتے ہیں' یہی گمراہی ہے۔ ایمان کا اقتضاء یہ ہے کہ حدیث کو اصل ٹھہرا کر اقوال کو ان کے ماتحت کیا جائے) اسی واسطے کتب اصول حنفیہ میں یہ اصول ہے کہ **فاما المقلد فالدلیل عندہ قول المجتھد** (توضیح تلویح) یعنی مقلد کے لیے اس کے امام مجتہد کا قول دلیل شرعی ہے۔

اب بتائیے ایسے لوگوں کو شریعت محمدیہ پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صحابہ کا تعامل اور مسلک ایسا نہ تھا اس لیے بعد کے مذاہب اہل سنت سے خارج ہیں۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ صحابی کی رنجدہ توہین ⇦ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جن صحابہ کی روایات ان کے مذاہب اختراعی کے خلاف ہوں' ان کو بدنام یہ لوگ کر دیتے ہیں تاکہ ان کی روایت کردہ حدیث کو لے کر کوئی شخص ان کے مذہب کی تردید نہ کر سکے۔ چنانچہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی احادیث مذہب اہل رائے کے خلاف ہیں۔ اس لیے ان کے اکابر سے حضرت ابراہیم نخعی ہیں جن کو صحابہ سے فیوض حاصل نہیں۔ وہ استادی سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کے دادا صاحب ہیں۔ وہ آنحضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرماتے ہیں کہ **اعرابی لا یعرف الاسلام ولم یصل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا صلوٰۃ**

واحدۃ (مسند امام ابوحنیفہ ص-۴۷ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ) "یعنی وائل بن حجر (صحابی رسول) ایک بدو جنگلی تھا۔ اس کو اسلام کی کوئی خبر نہ تھی' اس نے صرف ایک بار آنحضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔" (جل جلالہ)

حضرت وائل ؓ احادیث رفع یدین اور آمین بالجہر کے راوی ہیں۔ اس لیے ان کو اسلام سے بے خبر اور جنگلی کہہ کر مسترد کر دیا گیا۔ امام بیہقی نے کتاب **المعرفۃ** میں امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ "**قال الاولیٰ ان یوخذ بقول وائل لانہ صحابی جلیل**" "یعنی اولیٰ بات یہ ہے کہ حضرت وائل ؓ کی بات مانی جائے کیونکہ وہ صحابی جلیل القدر تھے۔" پھر حضرت ابراہیم نخعی کی یہ کتنی بڑی ڈبل غلطی ہے کہ حضرت وائل ؓ کا صرف ایک بار نماز پڑھنا بیان کرتے ہیں حالانکہ ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ وائل ؓ بیان کرتے ہیں **ثم جئت بعد ذالک فی زمان فیہ برد شدید**۔ دوسری روایت میں ہے **ثم اتیتھم فرایتھم** یعنی میں پھر دوبارہ اس موسم میں آیا جبکہ سردی سخت ہو رہی تھی۔ پھر رفع الدین اور آمین ان صحابہ کرام سے بھی ثابت ہے جو ملازم صحبت اور مسلمہ فقیہ ہیں۔ اب ان کا کیا علاج ہو گا مگر ڈوبتے ہوئے تنکوں کا سہارا تو ہر جگہ لے ہی لیتے ہیں اور ان ہی اصولوں سے منکرین حدیث ان کے مذہب سے پیدا ہوئے ہیں۔ (کتاب قرآنی فیصلے ص-۳۱ پر پرویز لکھتا ہے کہ "میں بھی اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح جمہور مسلمان فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔")

امام ابن حزم نے اس گروہ کی سخت برائی لکھی ہے۔ محلی جلد-۳' ص-۱۲۱ مصری میں ہے "**والقوم اصحاب قیاس بزعمھم ومن کبارھم من یقول ان القیاس اولی من خبر واحد**۔ "یعنی ایک قوم رائے قیاس کا مذہب رکھتی ہے۔ ان کے اکابر سے بعض لوگ صاف یہ کہتے ہیں کہ جو حدیث خبر واحد ہے' اس سے قیاس امام بہتر ہے۔" اور ان کی اصولی کتاب نور الانوار میں اس کی وجہ بھی لکھی ہے کہ **لو عمل بالحدیث لا انسد باب الرائے** "یعنی اگر حدیث پر عمل کیا گیا تو رائے قیاس کا دروازہ بند ہو جائے گا' یہ ہم نے جاری رکھنا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ مجمع الزوائد کی یہ حدیث اسی فرقہ پر صادق آرہی ہے کہ فرمایا **اعظمھا فتنۃ علی امتی قوم یقیسون الامور براھیم** "یعنی میری امت میں بڑا

فتنہ ان لوگوں کا ہو گا جو دینی امور میں قیاس کریں گے۔" تمام کتب فقہ ان قیاسی مسائل سے بھرپور ہیں جن کے مقابلہ میں احادیث نبویہ کو چھوڑا جا رہا ہے۔ فتاوئ عزیزی جلد اول ص۔۴۳ میں مذہب ابوحنیفہ کے اصول درج ہیں جن کی رو سے احادیث مسترد کی جاتی ہیں' وہاں عربی عبارت ہے۔ جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:

"چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ امام ابن ہمام کا قول ہے کہ جن احادیث کو امام بخاری و مسلم وغیرہ صحیح کہیں ان کا قبول کرنا ہم پر واجب نہیں۔ کیونکہ راویوں کی جرح و تعدیل میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جس راوی کو ائمہ محدثین ثقہ اور عادل کہیں' وہ ہمارے امام کے نزدیک مجروح ہو۔ اسی طرح اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے تو ہم پر یہ واجب نہیں کہ ان کی بات مانیں۔ ہم پر تو اپنے علماء اور اماموں کی بات ماننی واجب ہے۔ گویا وہ بذریعہ وحی ان کے نام رجسٹری ہو چکے ہیں۔"

"ساتواں قاعدہ یہ ہے کہ بعض اصحاب فتوئ نے یہ کہا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں امام صاحب کا اور صاحبین کا قول آجائے اور اس کے خلاف حدیث نبوی ناطق ہو جس کی صحت کا حکم محدثین نے لگایا ہو تو ہم پر اپنے اماموں کا قول قبول کرنا واجب ہے۔ (اسی واسطے اہل حدیث تقلید کو شرک فی الرسالت کہتے ہیں) کیونکہ ہم اپنے ائمہ پر یہ بدگمانی نہیں کر سکتے کہ وہ حدیث کے خلاف کوئی بات کہیں گے۔ اور ان کا زمانہ عہد نبوی کے قریب تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ ان کو حدیث نہ ملے۔"

"آٹھواں قاعدہ یہ ہے کہ ہر حدیث جس کو غیر فقیہ راوی روایت کرے گا اس کا قبول کرنا ہم پر واجب نہیں کیونکہ اس طرح رائے قیاس کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔"

ان اصولوں سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت محمدیہ جو کتاب و سنت میں ہے اور شریعت حنفیہ جو کتب فقہ مروجہ میں ہے' دونوں علیحدہ ہیں۔ پس جو اہلحدیث مقلدین سے مذہبی اتحاد پیدا کر کے ان کو اہل سنت والجماعت میں داخل سمجھتے ہیں' وہ غلطی پر ہیں۔ جو نہ اپنے مذہب کی حقیقت اور صداقت کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنے خصم کے مذہب کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ ایسے لوگ خود اختلاط اور شقاق میں مبتلا ہیں۔ ان کا کوئی پختہ عقیدہ نہیں۔ اس بارہ میں تو مجھے حضرت مولانا الحاج عبدالوہاب صاحب

محدث دہلوی مرحوم کا مسلک بہت پسند ہے جو ان کی کتاب پر از توحید و سنت "ہدایہ النبی" سے ظاہر ہے۔ انہوں نے کتب حدیث صحاح ستہ پر مذہب کا دارومدار رکھا ہے اور کتب فقہ کو مسترد کر دیا ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی اور فقہ مروجہ میں بعدالمشرقین ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ ⇦ بعض لوگ اپنے خیال میں پوری تحقیق کے بعد ایک حدیث کو صحیح جان کر اس پر عقیدہ و عمل رکھ لیتے ہیں اور اس کے معارض جو حدیث ہوتی ہے' اس کو ضعیف یا منسوخ یا مئول تحقیقاً جان کر چھوڑ دیتے ہیں۔ جس طرح محدثین اور مجتہدین کا معارض احادیث میں یہ ضیغ ہے' اس سے کسی کو منکر حدیث یا تارک سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ اجتہادی خطا ہے جو کسی ایک امام اور محدث کو لگ سکتی ہے' محدثین اور اہلحدیث کا اختلاف باہمی اسی قسم کا ہے۔ لیکن مقلدین اہل رائے کے مذہبی اختلاف کو بعض اہلحدیث یا حنفی جو محدثین اور سلف صالحین کے اختلاف مذکورہ کی طرح جان کر ان کو شرعی مجرم اور گمراہ قرار نہیں دیتے یہ ان کی بنیادی غلطی ہے اور بڑی سخت غلطی ہے۔ ایسے لوگ خطا اور صواب اور ضلالت اور ہدایت کو یکساں بنا رہے ہیں' جو صریح فساد عقیدہ پر مبنی ہے۔

مقلدین کا اختلاف کسی مسئلہ یا کسی حدیث کے فہم کا اختلاف نہیں ہے جو قابل معافی ہو بلکہ یہ مذہب کا اختلاف ہے کہ انہوں نے پہلے تمام ائمہ میں سے اپنی حسن عقیدت کی بناء پر (نہ کہ کسی نص شرعی کی بناء پر) ایک امام خاص معین کا انتخاب کیا اور اس کی تقلید تمام مسائل شرعیہ میں کرنی اپنے اوپر واجب ٹھہرا لی پھر اس کے اور اس کے شاگردوں اور شاگردان شاگردوں حتیٰ کہ اسی سلسلہ سے نیچے تک اسی امام کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں کے اقوال کو جمع کر کے سب سے علیحدہ اپنی کتابیں تیار کر لیں اور اس پر کاربند ہو کر اپنے آپ کو اس امام کی طرف نسبت کیا اور نام حنفی یا مالکی وغیرہ رکھا۔ اور پھر اس کے لیے اصول وضع کیے کہ ہر مقلد کو اس محدود اور مقید دائرہ کے اندر رہنا ہو گا۔ اگر ہمارے امام کے خلاف آیت قرآن یا حدیث صحیح آجائے تو وہ مئول یا منسوخ یا ضعیف وغیرہ کہہ کر متروک کر دی جائے گی اور اگر کسی ایک امام یا ہزار کے متفقہ اقوال ہمارے مذہبی دائرہ کے باہر آئے تو وہ مردود ہوں گے۔ اگر کوئی

اس تقیہ کا خلاف کرے گا تو وہ غیر مقلد ہو جائے گا۔ اور یہ ترک تقلید شخصی جرم ہے۔

بس یہ تعین شرک فی الرسالت ہے اور یہ اختلاف و افتراق جو چہارم صدی میں پیدا ہوا ہے' سراسر ضلالت عظیمہ ہے' جس سے بچنا واجب ہے۔ ایسا اختلاف و افتراق نہ سلف صالحین میں تھا اور نہ ائمہ محدثین میں بلکہ بعد میں پیدا ہوا جو خلاف قرآن و حدیث و تعامل صحابہ ہے اور حدیث **کلهم فی النار** میں داخل ہے۔ اسی تقلیدی عصبیت سے امام بخاری' امام مسلم' امام نسائی' امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ محدثین کی توہین کی گئی ہے اور سب کو متعصب بنایا گیا بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ سے گذر کر ان صحابہ کرام کو بھی مسترد کر دیا گیا جن کی روایتیں ان کے مذہبی دائرہ کا استیصال کرتی ہیں' اس سے منکرین حدیث کو تقویت ہوئی۔ منکر حدیث کا انکار حدیث کا ہے اور ائمہ اہل رائے اور ان کے مقلدین کا انکار جزوی ہے۔ حدیث کو بیکار کرنے اور انکار کرنے میں دونوں متفق القول والعمل ہیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے ابن ماجہ کے مقدمہ **ما تمس الیه الحاجه** میں جو امام بخاری' امام ترمذی' امام دار قطنی' امام بیہقی رحمہم اللہ وغیرہم ائمہ حدیث کو متعصب قرار دیا ہے اور ان کے مقابلہ میں اپنے امام کے مناقب اور فضائل بے دلائل بیان کر کے بمنزلہ معصوم نبی ٹھہرایا ہے' یہ صریح غلطی کا اظہار کیا ہے۔ لفظ تعصب کا جو مقلدین نے ائمہ محدثین کی طرف نسبت کیا ہے' یہ ائمہ متقدمین یا ان کے معاصرین نے نہیں کیا۔ تعصب بری چیز ہے۔

تعصب میں تمیز حق و باطل ہو نہیں سکتی
تعصب میں کوئی مشکل آساں ہو نہیں سکتی

تعصب تو علماء مقلدین میں ہے جو مذہب شخصی پر جمود رکھ کر صحیح احادیث کا انکار کر رہے ہیں اور تعصب ہی کا یہ بد نتیجہ ہے کہ مقلدین نے اپنے امام کے بارہ میں موضوع احادیث مشہور کیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں ایک شخص ہو گا جس کو ابو حنیفہ کہیں گے وہ میری امت کا چراغ ہو گا اور ایک شخص ایسا پیدا ہو گا جو میری امت کو بہت ضرر دے گا' اس کا نام محمد بن ادریس شافعی ہو گا۔ محدثین نے ان روایتوں کی بابت فیصلہ کیا کہ یہ مقلدین کا افترا ہے۔ انہوں نے

آنحضور ﷺ پر جھوٹ باندھ کر اپنا گھر جہنم میں بنایا ہے۔ یہ تعصب بدیہی ہے' نہ وہ جو نعمانی نے نفسانی طور پر لکھا ہے۔

جو کہنا ہو سو کہہ ولیکن سمجھ کر مرد نعمانی
چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

تقلید کون کرتا ہے؟ ⇦ مذہب حنفی کے مسلمہ محدث امام طحاوی اپنی کتاب مفاتیح الاسرار والتراویح میں فرماتے ہیں **وھل یقلد الا عصبی او غبی** یعنی تقلید شخصی کوئی نہ کرے گا' مگر وہ شخص جو متعصب ہو گا یا کند ذہن ہو گا۔ امام طحاوی کا یہ کلمہ حق ہے گو وہ خود بھی اس کے مرتکب ہیں۔ تقلید کی ماہیت میں عدم علم بالدلیل داخل ہے۔ اس لیے اس کا ارتکاب جاہل غبی ہی کرے گا۔ پھر تقلید کرنے کے بعد جب اس کے خلاف دلیل پیش ہوئی تو وہ تسلیم نہ کرے گا اور دلیل بیان کرنے والے سے تعصب کرے گا تو پھر وہ عصبی ہو جائے گا۔ مقلدین چونکہ خود عصبی ہیں' اس لیے ان کو جملہ محدثین متعصب ہی نظر آتے ہیں ورنہ جو محدث امام ثقہ ہو' وہ متعصب نہیں ہو سکتا۔ ہاں مقلد عالم بھی ہو جائے تو عصبی ہی رہتا ہے۔

چنانچہ علامہ عینی حنفی زبردست عالم ہونے کے باوجود مذکورہ صفت سیئہ سے متصف تھے۔ یہ میرا کہنا نہیں خود ان کے گھر کی شہادت ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی اپنی کتاب فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ میں فرماتے ہیں کہ "**لولا فیه لائحة التعصب المذہبی لکان اجود اجود**" یعنی اگر عینی میں مذہبی تعصب نہ ہوتا تو وہ بہت اچھا ہوتا۔" یہ تقلید کا کرشمہ ہے کہ تعصب پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب جو مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے خلف اکبر اور دیوبند کے مدرسہ دارالعلوم کے مہتمم رہ چکے ہیں' و حاشیہ جلالین مطبوعہ مجتبائی دہلی کے ص۔۳۴۳ میں حضرت شیخ الاسلام امام ناقد رئیس الاتقیاء ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حق میں نشہ تقلید سے مدہوش ہو کر یہ لکھتے ہیں کہ "**قال العلماء انه ضال مضل**" یعنی علماء اسلام ابن تیمیہ کو گمراہ اور گمراہ کرنے والا کہتے ہیں۔" **نعوذ باللّٰہ من ھذا القول**۔

مدیر صاحب تجلی اپنے ماہنامہ میں امام ابن تیمیہ کو بڑے عظیم الشان لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اب وہ اپنے رئیس علماء دیوبند کے اس متعصبانہ فیصلہ پر کیا حکم لگائیں

گے؟ لیکن آپ حکم نہیں لگا سکیں گے کہ خود اسی مرض کے مریض ہیں کہ اسی تقلید کی بناء پر جس سے تعصب کا زہر پیدا ہوتا ہے۔ امام بخاری پر **متعصبانہ حملہ** کر چکے ہیں، کما تقدم سابقا۔

ہاں یہ یاد رہے کہ جناب مہتمم صاحب کو یہ تعصب کیوں پیدا ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب شیخ الاسلام تین طلاق مجلس واحدہ کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں اور اس بارہ میں وہ ائمہ اربعہ کے مذاہب پر لات مار کر احادیث نبویہ پر فتویٰ دے چکے ہیں۔ حنفی مذہب چونکہ مجلس واحدہ کی تین طلاق کو خلاف احادیث نبویہ تین قرار دیتا ہے، اس لیے مہتمم صاحب کو تعصب پیدا ہو گیا اور انہوں نے شیخ الاسلام کو ضال اور مضل کہہ دیا۔ اب دیوبندی مہتمم اور حضرت شیخ الاسلام کی پیشی مقدمہ ضلالت کی عدالت الٰہی میں مقرر ہو چکی ہے۔ اہل دیوبند کو اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ الغرض تقلیدی تعصب برا ہے۔

تعصب وہ ہے دشمن نوع انسان
بھرے گھر کیے جس نے سینکڑوں ویران

حدیث صحیح کا انکار حمق جلی ہے

⇦ جناب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ "حجۃ اللہ" میں فرماتے ہیں، اس کے ترجمہ رحمۃ اللہ السابغہ کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔ پس ایسی حالت میں نبی ﷺ کی حدیث کی مخالفت کا سبب بجز نفاق خفی اور حماقت جلی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، اور اسی شئی کی طرف شیخ عز الدین ابن عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض اپنے امام کے ضعف ماخذ سے واقف ہوتا ہے کیونکہ اس کے ضعف کو رفع کرنے والی کوئی شے نہیں ملتی، اس کے باوجود اپنے امام کی تقلید ہی کرتا ہے اور اپنے امام کی تقلید سے وابستگی ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے مذہب کو ترک کر دیتا ہے۔ جس پر قرآن و حدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے۔ بلکہ ظاہر قرآن و حدیث کو رد کرنے کے لیے مختلف حیلے کرتا ہے اور اپنے مقتدا کی حمایت میں ان میں بعید و باطل تاویلیں کرتا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سے بغیر کسی قید مذہب کے اور سائلین پر بغیر کسی ملامت کے جس عالم سے بھی ملاقات ہو گئی، اس سے مسئلے دریافت

کرتے رہو' یہاں تک کہ ان مذاہب میں متعصب مقلدین کا ظہور ہوا۔

پس تحقیق ان میں ہر شخص اپنے امام کا مقلد بن کر اس کے قول کی ایسی پیروی کرتا ہے گویا وہ نبی مرسل ہے۔ باوجودیکہ اس کا مذہب دلائل سے بہت بعید ہے۔ ایسا کرنا حق اور ثواب سے دور رہنا ہے جس کو کوئی عقلمند پسند نہیں کرتا۔"

اس فیصلہ سے کئی امور ظاہر ہوئے۔ اول یہ کہ حدیث کا خلاف حماقت جلی اور نفاق خفی ہے۔ دوسرا یہ کہ علماء سلف میں بغیر تقلید مذہب کے عمل ہوتا تھا۔ تیسرا یہ کہ پھر مقلدین متعصبین نے یہ شخصی مذاہب پیدا کر کے ان پر جمود کیا۔ چوتھا مقلدین احادیث کو حیلوں بہانوں سے جھٹلاتے ہیں۔

جمود تقلید شخصی باعث کفر ⇦ دراسات اللبیب میں ابن عز سے نقل کیا ہے۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور خاص ایک ہی شخص کے مذہب پر اڑا رہے اور یہ سمجھے کہ اسی کی بات صحیح واجب الاتباع ہے اور کسی کی نہیں۔ پس وہ گمراہ جاہل ہے بلکہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے توبہ کرانی چاہیے۔ اگر کر لے تو بہتر ہے ورنہ قتل کیا جائے۔ کیونکہ جب اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ واجب ہے لوگوں پر متابعت کرنی ایک خاص شخص کی تو ٹھہرایا اس نے اس کو بمنزلہ نبی ﷺ کے اور یہ کفر ہے"

میں کہتا ہوں کہ تقلید شخصی کو واجب کہہ کر عمل کرنے والے اس کفر میں مبتلا ہیں۔ اللہ اس سے بچائے۔ (فقط والسلام)

(نوٹ) اس مضمون کی تمام اقساط دستیاب نہیں ہوئیں۔ (خلیل)

حررہ: بندہ عاجز عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہل حدیث جلد۔ ۳۲' شمارہ۔ ۱۰' ۱۱' ۱۴' ۱۵' ۱۶

ماہنامہ "تجلی" دیوبند کی خدمت میں

ماہنامہ "تجلی" دیوبند مطبوعہ سنہ ۱۹۶۱ء کے ص ۱۱ پر ایک سوال کے جواب میں فاضل مدیر "تجلی" فرماتے ہیں کہ "ایمان کی قلیل سے قلیل مقدار بھی موجود ہے۔" پھر اس پر بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ سے ثبوت پیش کیا گیا ہے جن سے یہ ظاہر کیا ہے کہ ایمان جو کے برابر بھی ہے' گیہوں کے برابر بھی ہے' ذرہ برابر ہے' رائی کے دانے کے برابر بھی ہے۔ یہ مسئلہ قرآن و حدیث کی رو سے بالکل صحیح ہے لیکن مذہب حنفیہ جس کے فاضل مدیر "تجلی" متبع ہیں' اس کے سراسر خلاف ہے۔

چنانچہ فقہ اکبر بمع شرح صفحہ ۱۰۵ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان صاف موجود ہے کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔ اور ایمان اہل سماء اور اہل ارض کا مساوی اور یکساں ہے۔ یہ مذہب مرجئہ کا ہے جو سراسر باطل ہے۔ ایمان کیف و کمیت کے اعتبار سے بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ مدیر "تجلی" نے ایک طرف سے تو مذہب محدثین اہل حق کی تصدیق فرما دی ہے یعنی ایمان کم و بیش ہوتا ہے۔ اگر کسی کا رائی برابر ہے تو کسی کا جو کے برابر بھی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس طرح کسی کا پہاڑ برابر بھی ہو سکتا ہے اور اس سے کم و بیش بھی اور دوسری طرف سے محدثین کی تکذیب فرما دی۔ چنانچہ فرماتے ہیں علمائے تحقیق نے قرآن کی اس طرح تصریح اور رسول اللہ ﷺ کے ایسے ہی ارشادات کی بناء پر یہ فیصلہ دیا ہے کہ مومن عملی اعتبار سے چاہے کیسا ہی بدنہاد ہو' فرائض و واجبات سے کتنا ہی کنارہ کش رہے لیکن کافر نہیں ہوتا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اس کے لیے مغفرت کے لیے دعا کی جائے گی۔ اور شرعی قانون اس سے وہی معاملہ کرے گا جو کسی بھی مسلمان سے کیا جانا چاہیے۔ یہ تو ہوئی بات۔

مدیر "تجلی" کا یہ فرمان باطل اور غلط ہے۔ محدثین محققین جو حقیقی معنوں پر طائفہ ناجیہ

اہل حق میں شمار ہیں' ان کے باطل خلاف ہے۔ چنانچہ عقیدہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور الدین الخالص' اقرار باللسان عمل' بلارکان یہ اہل سنت کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ اس بناء پر فرائض ایمان کے اجزاء میں شمار ہیں۔ خصوصاً نماز ایمان کا جزو اعظم ہے۔ اگر نماز کو ترک کردیا تو خارج از ملت اسلامیہ ہے۔ جو روز قیامت فرعون' قارون' ہامان' ابی بن خلف بڑے بڑے کفار کے ساتھ شامل ہو گا۔ وہ اہل ایمان میں شمار نہیں۔ اس کے ساتھ مسلمان کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کا جنازہ جائز نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اگر یہ مسئلہ پورے طور پر معلوم کرنا ہو تو جماعت اہلحدیث کا رسالہ "حکم النبی بکفر من لا یصلی" مطالعہ فرمائیں۔ قرآن ناطق ہے کہ اہل حق اہل جہنم سے سوال کریں گے کہ تم جہنم میں کس وجہ سے آئے؟ تو وہ سب سے پہلے یہ کہیں گے لم نک من المصلین کہ ہم بے نماز تھے۔ اس طرح چار قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جن کا آخری نتیجہ یہ بیان فرمایا فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین "ان کو کسی سفارشی کی سفارش نافع نہ ہو گی۔" کہ وہ دائمی جہنمی ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس آیت میں بے نماز سے غیر کلمہ گو کفار بے نماز کے برابر ہیں۔ تو یہ فقہاء کے اس اصول کے خلاف ہے کہ کفار جب تک اسلام نہ لائیں فرائض اور احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ وہ سب سے پہلے اپنا جہنمی ہونے کی وجہ سے بے نماز ہونا بیان کریں گے تو اس لیے وہی لوگ مراد ہیں جو فرائض کے مکلف تھے اور کلمہ گو ہونے کے باوجود پھر تارک نماز ہو گئے۔ دوسرے پارہ میں صلوٰۃ کو نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کے ضائع ہونے سے ایمان ضائع ہوتا ہے۔ اور حدیث میں اس کی مثال بھی آئی ہے کہ نماز کا تعلق دین سے ایسا ہے جیسا سر کا تعلق جسم سے ہے۔ سر اڑا دینے سے کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا تو نماز کے ترک کر دینے سے وہ مسلمان کس طرح رہ سکتا ہے۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے فاذا ترکھا فقد اشرک کہ جس نے نماز چھوڑ دی' وہ مشرک ہوا۔ دیگر حدیث میں ہے من ترکھا فقد کفر کہ جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا۔ حضرت علی و جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں من لم یصل فھو کافر (بے نماز کافر ہیں) اور بعض احادیث میں یہ ہے فقد خرج من الملۃ کہ وہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لیے صحابہ کا اجماع ہے کہ بے نماز کافر و مشرک اور خارج از اسلام ہے۔

چنانچہ ترغیب و ترہیب منذری میں دلائل صحیحہ کے بعد یہ فیصلہ درج ہے۔ قال

ابومحمد بن حزم وقد جاء عن عمر وعبدالرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی هریرة وغیرهم من الصحابة رضی اللّٰہ عنهم ان من ترک الصلوٰة فرض واحدة متعمدا حتّٰی یخرج وقتها فهو کافر مرتد ولا یعلم لهو لاء من الصحابة مخالفا۔ یعنی حضرت عمرو عبدالرحمٰن ومعاذ وابوہریرہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے کہ جس شخص نے عمداً نماز ترک کر دی جس کا وقت نکل گیا اور اس نے نہ پڑھی تو وہ کافر مرتد ہے۔

اس کا خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ پس یہ فیصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ تو اس فیصلہ صادقہ بدلائل صحیحہ کثیرہ کے مقابلہ میں حضرت فاضل مدیر "تجلی" کے فرمان کی کیا وقعت ہے۔ میزان شعرانی میں جمہور اصحاب احمد رحمۃ اللہ علیہ کا (جو محدثین ہیں) یہ مذہب لکھا ہے انه یقتل یکفره کالمرتد وتجری علیه احکام المرتدین فلا یصلی علیه ولا یورث ویکون ماله فیئی۔ یعنی بے نماز کو کفر کے سبب قتل کر دیا جائے۔ اور اس پر مرتدین کے احکام نافذ ہوں گے۔ اور اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا اور مال کا کوئی نمازی مسلمان وارث نہیں ہو گا۔ اور وہ مال فئی میں شامل ہو گا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کتاب الصلوٰۃ میں بادلائل بحث کرتے ہوئے فیصلہ فرماتے ہیں کہ فلا یسمی تارک الصلوٰة مسلما ولا مومنا یعنی بے نماز نہ مسلمان ہے اور نہ مومن ہے۔

حدیث میں بھی آیا ہے کہ من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی له ذمة اللّٰه وذمة رسوله یعنی جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح نماز کا پابند ہو اور قبلہ ابراہیمی کی طرف عبادت میں متوجہ رہے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہو' وہ مسلمان ہے۔ لیکن فاضل دوست مولانا عامر عثمانی مدیر "تجلی" بے نمازوں کے ساتھ نمازیوں کا سا سلوک کرنا چاہتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ امید ہے کہ حضرت مدیر "تجلی" اس مسئلہ پر نظرثانی فرمائیں گے کہ دلائل شرعیہ تو بے نماز کو کافر و مشرک ظاہر کر رہے ہیں لیکن آپ تمام فرائض کے تارک کو مسلمان قرار دے رہے ہیں۔

حررہ عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد-۱۴' شمارہ-۱۳

سات قسم کے سید

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اہل حدیث سیدوں کو نہیں مانتے' یہ غلط ہے' ہم مانتے ہیں۔

اول ⇦ حقیقی سید اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ مشکوۃ باب المفاخرہ میں یہ حدیث ہے کہ مطرف بن عبداللہ بن شخیر نے بیان کیا ہے کہ میرے والد نے فرمایا' میں بنی عامر کے وفد میں شامل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا' ہم نے کہا "انت سیدنا" "آپ ہمارے سید ہیں۔" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "السید اللّٰہ" یعنی اصلی اور حقیقی سید اللہ ہے۔ آنحضور ﷺ نے آداب شرعیہ کی مراعاۃ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سید قرار دیا کہ تمام مخلوق اس کے قبضہ میں ہے اور تمام چیزوں کے تغیر و تبدل اس کے اختیار میں ہیں۔ وہ فعال لما یرید ہے جو چاہے وہی کرے' تمام کائنات کی اصل سرداری اور کار مختاری اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے' اس لیے حقیقی سید اللہ تعالیٰ ہے۔

دوم ⇦ سید رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ مشکوۃ میں ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما دو صحابیوں سے دو احادیث وارد ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ" یعنی "میں تمام اولاد آدم کا قیامت کے دن سردار ہوں گا۔ آنحضرت ﷺ آج بھی تمام بنی آدم کے سردار ہیں' مگر دنیا میں ظاہری طور پر کئی بادشاہ' حاکم' سردار بنے ہوئے تھے اور کئی لوگ سرداری کا دعویٰ رکھنے والے آپ سے پہلے گزر گئے اور کئی اب بنے بیٹھے ہیں' لیکن قیامت کو سب عاجز اور سرنگوں ہوں گے' اس دن آپ کی سیادت قائم ہو گی اور آپ کی سیادت کے سب آثار قائم ہوں گے' جو سیادت آپ کو حاصل ہو گی وہ کسی کو نہ ہو گی۔ اللہ کے بعد سیادت کا درجہ آپ کو حاصل ہے کہ آپ تمام کائنات سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔

سوم ⇦ سید حضرت یوسف علیہ السلام ہیں کہ آپ کو خاندانی شرافت و سیادت حاصل ہے' جو مجموعی لحاظ سے کسی کو حاصل نہیں۔ سید اس حدیث میں ہے جس سے

حضرت یوسف علیہ السلام کی شرافت بھی ثابت ہے' جو کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔

چہارم ⇦ ترغیب باب السخا میں ہے کہ ابن عباس سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ! ﷺ "من سید" یعنی "سید کون ہے؟" آپ نے فرمایا' ہاں میری امت میں سید وہ ہے جس کو مال دیا گیا اور سخاوت کرنے کا منصب بھی عطا ہوا اور اس نے فقیروں کو اپنے قریب رکھا اور لوگوں میں اس کے ظلم زیادتی کرنے کی کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی' رواہ الطبرانی۔

پانچویں ⇦ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہیں کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تشریف فرما تھے' آپ نے فرمایا لوگو! "ان ابنی هذا سید" کہ "یہ میرا بیٹا سید ہے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے "الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة" (مشکوٰۃ) یعنی "امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

چھٹی ⇦ ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یافاطمه الا ترضین ان تکونی سیدة نساء اهل الجنة" "کیا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا تو اس بات پر خوش نہیں ہے کہ جنت کی تمام عورتوں پر سردار ہو گی۔" پس اصلی سید یہ ہیں' باقی آج کل جو سید جعلی ہیں ——— ان کا کچھ اعتبار نہیں ہے' ان سیدوں میں سے ہر سید کی سیادت جدا جدا حکم رکھتی ہے' فتفکروا۔

ساتویں ⇦ کسی قوم کے سردار کو بھی سید کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تعالیٰ قوموا الی سیدکم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ' واللہ اعلم (حماد)

عبدالقادر حصاری۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد-۱۵' شمارہ-۱' بمطابق یکم جنوری ۱۹۶۲ء

لفظ مولا و سید پر تبصرہ

مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۷۷ء کو ایک دوست نے بندہ عارف حصاری کے دفتر میں ایک پمفلٹ پیش کیا اور فرمائش کی کہ اس پر تبصرہ کر دیں۔ اس پمفلٹ کا عنوان یہ ہے جو جلی قلم سے لکھا ہے۔

"اللہ مولانا ہے اور اسی کے تحت یہ صراحت کی ہے" کسی اور کو مولانا کہنا قرآن و سنت کے منافی ہے' لہٰذا آئین پاکستان کے منافی ہے "اس دعویٰ کے اثبات کے لیے یہ لکھا ہے"

قرآن کریم کی آیات بینات کے روشن دلائل' اس پمفلٹ کا ناشر آخر میں یہ لکھتا ہے: "ایم عطاء الرحمٰن شاہین پرنسپل عربک کالج کراچی"

یہ پمفلٹ اردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں لکھ کر شائع کیا گیا ہے۔ پھر اس رسالہ کے اندرون میں دعویٰ اور دلائل کو ملاحظہ کیا گیا تو یہ لکھا ہوا ہے۔ "مولانا تو صرف اللہ ہے۔" اور دلائل یہ دیئے ہیں کہ قرآن کریم سورہ بقرہ کے آخر میں ہے: "انت مولانا" یعنی آپ (اللہ) مولانا ہیں پس ہماری مدد فرمائیں کافروں کے خلاف

قرآن میں سورہ برات میں ہے: **"ھو مولانا وعلی اللہ فلیتوکل المومنون"** یعنی "وہ (اللہ) مولانا ہیں اور اللہ پر ہی ایمان والے توکل کرتے ہیں۔" پھر لکھتے ہیں' اس طرح قرآن مجید کی مندرجہ آیات کے مطابق اللہ ہی مولانا۔ مولانا مرکب ہے۔ مولیٰ اور نا۔ کا اول الذکر کے معنی مالک' حاکم' محافظ ہیں۔ نا کا معنی ہمارا —— گویا مولانا کے معنی ہمارا مالک' ہمارا حاکم' ہمارا محافظ ہیں۔ پھر یہ اعتراف کیا ہے کہ مختلف ڈکشنریوں اور جاہلیت کے زمانے کے استعمال میں اس لفظ کے اور بھی معنی آئے ہیں اور خود قرآن مجید میں ایک جگہ لفظ مولا کے معنی میں استعمال ہوا ہے' لیکن باوجود لفظ مولا کے تمام تر مختلف معانی کے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیتوں میں بالکل صاف طور پر بغیر کسی شک کی گنجائش کے' اللہ تعالیٰ کو مولانا کہا گیا ہے اور بلاشبہ تمام قرآن مجید میں کہیں بھی اللہ کے علاوہ کسی کو مولانا نہیں کہا گیا۔ "اسی طرح اس پروفیسر شاہین نے قرآن کریم سے اور آیات بھی پیش کی ہیں جن میں لفظ مولانا کا اطلاق ذات الٰہی پر آیا

ہے جس سے کسی اہل علم کو انکار نہیں ہے' لیکن یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ لفظ مولا کا اطلاق غیر اللہ پر بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس لفظ کے ذات الٰہی پر اطلاق آنے سے یہ نام صفتی ذات الٰہی سے مختص ہو گیا یا کسی غیر اللہ پر بھی اس کا اطلاق کتاب و سنت میں پایا گیا ہے۔ اور کیا لفظ مولا کا لغات عربیہ میں صرف ایک ہی معنی مالک' حاکم' محافظ ہے یا اس کے دیگر معانی بھی کتاب و سنت میں پائے گئے ہیں اور یہ لفظ مشترک المعانی ہے۔ سرنامہ پر پروفیسر صاحب نے قرآن کے ساتھ لفظ سنت بھی لکھ دیا ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ پروفیسر صاحب کے دعویٰ اور دلائل اور طرز بیان اور انگریزی زبان میں اس رسالہ کو شائع کرنا یہ امور اس بات کے مظہر ہیں کہ پروفیسر صاحب کسی محقق عالم اور محدث اور فقیہ کے شاگرد نہیں ہیں۔ انہوں نے کالجوں میں عربیت کی تعلیم حاصل کی ہے اور اسی محاورہ کی رو سے قرآن کے الفاظ اور معانی کو سمجھے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس بدیہی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اگر قرآن و حدیث کو اسلامی مدارس میں داخل ہو کر کسی ماہر قرآن کے مفسر اور علم حدیث کے محدث اور علم فقہ کے فقیہ سے علوم عربیہ شرعیہ حاصل کیے ہوتے تو اسلامی اور محاورات اور مفسرانہ اور محدثانہ اصطلاحات سے واقفیت حاصل کر لیتے۔ چنانچہ مولانا سید عبدالدائم صاحب جلالی جو رفیق ندروۃ المصنفین دہلی کے مشہور عالم ہیں' انہوں نے قرآن مجید کے الفاظ کی لغات پر کتاب لکھی ہے جو چھ جلدوں میں ہے آپ اگر کالج میں اس کو منگوا کر نصاب علوم عربیہ میں داخل فرما کر اس کا مطالعہ رکھتے اور طلباء علم عربیہ کو پڑھاتے تو ایسی فاش غلطی کا ارتکاب نہ کرتے۔ اسی طرح جو پروفیسر کالجوں میں علوم کی تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ علوم شرعیہ سے جاہل رہتے ہیں' پھر جب اپنی اس عربی پر ناز رکھ کر شرعی مسائل میں دخل دیتے ہیں تو ایسی ہی غلطیوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں بلکہ کئی ملحد اور زندیق ہو جاتے ہیں۔ اب آپ اس لفظ مولا پر غور کریں اور اس کو سمجھنے کے لیے لغات القرآن جلد پنجم کا صفحہ ۲۷۴ نکالیں اس میں لفظ "موا لیکم" پر یہ لکھا ہے تمہارے دینی دوست بحوالہ پارہ ۲۱ ـــــ ۱۷

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ لکھا ہے ولی اور مولا ہم معنی ہیں۔ ہر ایک کے معنی میں قرب و اتصال کا مفہوم ماخوذ ہے۔ اس لیے دونوں لفظوں کا اطلاق اللہ پر بھی

ہوتا ہے اور بندوں پر بھی۔ اہل ایمان اور فرماں برداروں کا اللہ ولی اور مولا ہے۔ نیک بندے اور اہل ایمان اللہ کے اولیاء ہیں اور آپس میں ہر ایک دوسرے کا ولی اور مولا ہے۔ مومن اور غیر مومن میں چونکہ رشتہ اتصال اور تولِی نہیں ہے۔ اس لیے کوئی دوسرے آدمی کا نہ ولی ہے نہ متولی۔ باہمی خصوصی تعلق کی وجہ سے ہی مولا آزاد کرنے والے آقا کو بھی کہتے ہیں اور آزاد شدہ غلام کو بھی، معاہد کو بھی، چچا کے بیٹے کو بھی، بلکہ ہر قریبی رشتہ دار کو بھی اور ہمسایہ اور دوست کو بھی"

اب پروفیسر شاہین صاحب لفظ ولی اور مولا کے معانی اور محاورات پر خوب غور کریں کہ ان لفظوں کا اطلاق کتاب و سنت میں کتنے شخصوں پر آتا ہے۔

پارہ نمبر-۱۷ اور رکوع نمبر-۹ قرآن میں ہے: "لبئس المولٰی ولبئس العشیر" جناب شاہ صاحب مولانا رفیع الدین نور اللہ مرقدہ نے ان لفظوں کا یوں ترجمہ کیا ہے البتہ برا ہے دوست اور برا ہے ہم صحبت" اور پارہ-۲۵ رکوع میں ہے: "یوم لا یغنی مولی عن مولی شیئا ولاھم ینصرون" یعنی جس دن کہ نہ کفائت کرے گا کوئی دوست کسی دوست سے کچھ بھی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے۔

ان آیتوں میں لفظ مولا کا اطلاق دوست پر آیا ہے اور سورہ تحریم میں ہے: "وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین" (الآیۃ) یعنی "اگر تم ہمارے نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبرائیل اور صالح لوگ سب اس کے مددگار ہیں۔

تفسیر مدارک جلد-۴، ص-۲۷۰ میں ہے: "فان اللہ ھو مولاہ ولیہ و ناصرہ" یعنی "اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا دوست اور مددگار ہے۔" "وجبریل ایضا ولیہ وصالح المومنین، ومن صلح من المومنین ای کل من امن وعمل صالحا" یعنی "اللہ اور جبرائیل اور صالح مومنین بھی سب رسول اللہ ﷺ کے مددگار دوست ہیں۔

اور تفسیر جلالین ص-۲۲۶ میں ہے: "فان اللہ ھو (فصل) مولاہ ناصرہ وجبریل وصالح المومنین" ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما فیکونون ناصریہ یعنی اللہ اور جبرائیل اور مومنین صالحین سب نبی کے مددگار ہیں۔ لفظ جبرائیل و صالح المومنین کا عطف محل اسم انّ پر ہے۔ تو سب رسول اللہ ﷺ کے مولا ہوئے۔ (جلالین، جامع البیان وغیرہ)

تو لفظ مولا میں ان سب کی شراکت ہوئی تو تخصیص باطل ہو گئی۔

اور تفسیر ابن کثیر جلد۔۴، ص۔۳۸۹ میں سورہ تحریم کی تفسیر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ افواہ پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو یہ فرمایا: "**فان کنت طلقتهن فان الله معک وملائکته وجبریل ومیکائیل وانا وابوبکر والمومنون معک**" یعنی "اگر آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے تو کوئی فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور ملائکہ اور جرائیل اور میکائیل علیہم السلام اور میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سب مومن آپ کے ساتھ ہیں یعنی دوست اور مددگار ہیں۔" پس اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کر دی۔ قرآن سورہ احزاب میں ہے کہ جن مسلمانوں کے باپوں کے نام تم کو معلوم نہ ہوں تو ان کی بابت یہ فرمایا: "**فاخوانکم فی الدین وموالیکم**" کہ "وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست تمہارے ہیں۔ اس آیت میں لفظ موالی جمع مولا کی ہے جس کا معنی دوست ہے تو یہ اطلاق غیراللہ پر ثابت ہوا۔ اور سورہ حدید میں ہے کہ منافقوں اور کافروں کو یوں خطاب کیا۔ "**ماوٰکم النار هی مولاکم**" کہ "تمہارے رہنے کی جگہ آگ ہے، وہ تمہاری ساتھی اور رفیق ہے۔ اس آیت میں لفظ مولا ساتھی اور رفیق کے معنی میں وارد ہے۔ پس یہ لفظ ذات الٰہی کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا۔ مشترک المعنی ہے۔ ہر مقام پر قرائن کے ساتھ مناسب معنی لیا جائے گا۔ جیسے لفظ عین ہے کہ اس کا معنی آنکھ بھی ہے اور چشمہ کا معنی بھی ہے۔ اسی طرح لفظ ولی ہے کہ اس کا معنی دوست ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے جیسے قرآن میں ہے۔ پارہ نمبر۔۲۵ سورہ شوریٰ میں ہے: "**فالله هو الولی**" یعنی "اللہ تعالیٰ ہی ولی ہے۔" اب کوئی پروفیسر شاہین جیسا آئے تو یہ دعویٰ کر دے کہ اللہ ولی ہے کوئی اور ولی نہیں ہے تو اس کو بے وقوف کہا جائے گا کہ یہ لفظ مشترک المعنی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق ہوا تو مطلب یہ ہو گا کہ تمام عالم کا مالک اور سب کاموں کا متولی اللہ تعالیٰ ہے۔ جب کسی حدیث میں یہ پڑھا "**لا نکاح الا بولی**" تو اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ بغیر نزدیکی رشتہ دار کے اذن کے نکاح نہ ہو گا۔ اس طرح مولا کے کئی معانی ہیں۔ لغات الحدیث کتاب الواو ص۔۱۰۸ میں "مولا کے بہت معنی آئے ہیں رب اور مالک، سردار، منعم،

آزاد کرنے والا' مدد کرنے والا' محب اور تابع' ہمسایہ' چچا کا بیٹا' حلیف' عقید' داماد' خسر' غلام' آزاد کیا ہوا' جس پر احسان کیا جائے۔ یہ لفظ بہت احادیث میں وارد ہے ہر مقام پر مناسب معنی پر محمول ہو گا پھر یہ حدیث پیش کی ہے: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست۔" جب یہ حدیث حضرت عمر ؓ نے سنی تو حضرت علی ؓ کو یہ خطاب کیا ہے: "اصبحت مولا کل مومن ومؤمنۃ" کہ "آپ تو ہر مسلمان مومن مرد اور ہر عورت مومنہ کے مولا بن گئے۔" گویا حضرت علی ؓ کو مبارک باد دی' لیکن اسامہ بن زید ؓ نے کہا حضرت علی ؓ سے کہ آپ میرے مولاَ نہیں ہیں' میرے مولا تو رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہ "مجھ میں اور علی میں جدائی نہیں ہے' جو کوئی مجھ سے محبت رکھتے وہ علی ؓ سے بھی محبت رکھے۔" الغرض بروئے کتاب و سنت لفظ مولا مختلف معانی پر استعمال ہوا ہے۔ دوست اور سردار کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جب لفظ مولوی بولا گیا تو یہ مولا کی طرف منسوب ہے جس کا معنی یہ ہے "اللہ والا" یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام سنانے والا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا علم رکھنے کی وجہ سے عرف عام میں اس شخص کو مولوی کہا گیا جو مولا کے احکام سناتا ہے۔ اس خصوصی صفت کی وجہ سے اس شخص کو مولوی کہا جاتا ہے۔ جب علم شریعت کا زیادہ ہوا کہ فتویٰ دیتا ہے اور قرآن و حدیث میں مہارت رکھتا ہے اور غیرمذہب کے لوگوں سے مناظرے کرتا ہے تو اس کو مولانا کہنے لگتے ہیں۔ اب اس کا معنی یہ ہو گا ہمارا سردار' ہمارا دینی مددگار اور علمی دوست۔ جب کوئی لفظ مشترک المعنی ہو تو جس مقام پر اس کا مناسب معنی ہو گا وہی لیا جائے گا۔ جیسے مشکوۃ میں ہے: "ومن ترک مالا فلو رثتہ وانامولا من لا مولیٰ لہ ارث مالہ وافک عنہ" یعنی "جو شخص فوت ہو گیا اور مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے اور جس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو اس کا وارث میں ہوں کہ مال لے کر بیت المال میں ڈال دوں گا۔ اور اس کے قیدی کو چھوڑاؤں گا۔" اس حدیث میں لفظ مولا رسول اللہ ﷺ کے حق میں وارد ہوا ہے۔ (مشکوۃ باب الفرائض) اسی طرح مشکوۃ باب الفرائض میں "من ترک دینا اوضیاعا" فلیاتنی فانا مولاہ" یعنی جو شخص مال

اور عیال چھوڑ جائے وہ میرے پاس آئے میں اس کا کارساز ہوں۔ اس حدیث میں بھی لفظ مولا رسول اللہ ﷺ نے اپنے حق میں استعمال کیا ہے۔ اور مشکوۃ کے اسی باب میں ہے: "عن عائشة ان مولا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مات وترک شیئا ولم یدع حبا ولا ولدا (الحدیث) یعنی "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام فوت ہو گیا اور کچھ مال چھوڑ گیا نہ اس کا کوئی رشتہ دار دوست تھا اور نہ اس کی اولاد تھی (لا ولد مر گیا) اس حدیث میں لفظ مولا آزاد غلام پر بولا گیا ہے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری۔

صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد ۵۸، شمارہ ۵، بمطابق یکم ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

القاب قبلہ و کعبہ کا شرعی حکم

محترم جناب حافظ صاحب! ـــــــ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ: مزاج شریف۔
ذیل کے مسئلہ کا جواب باحوالہ' اخبار تنظیم اہل حدیث میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔

سوال ـــــــ آج کل زبانی اور خط و کتابت میں بزرگوں کو قبلہ و کعبہ کہنے کا بڑا رواج ہے۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

السائل: عبدالرزاق انور' ملتان۔

الجواب بعون الوہاب ـــــــ الحمد للہ رب العالمین! امابعد' پس واضح ہو کہ آج کل جو یہ رواج ہے کہ اپنے والدین یا بزرگان دین کو جب لوگ تحریر و تقریر میں خطاب کرتے ہیں تو قبلہ کونین و کعبہ دارین کے القاب سے ان کو ملقب کرتے ہیں۔ اس میں شائبہ شرک پایا جاتا ہے' کیونکہ قبلہ نام اس جہت کا ہے جس طرف منہ کر کے عبادت کی جاتی ہے اور کعبہ بھی وہ بیت اللہ ہے جس طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔

منیۃ المصلی ص-۴۹ میں ہے: "اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی' اگرچہ اس طرف قبلہ بھی ظاہر ہوا' تب بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کافر ہو گیا۔"

کیونکہ اس نے غیر قبلہ کو عبادت کے لیے اپنا قبلہ بنایا تو وہ مشرک ہو گیا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ تعظیم کے طور پر غیر قبلہ کو قبلہ قرار دینا کفر ہے۔ پس تعظیم کے طور پر جو لوگ اپنے بزرگان دین کو قبلہ و کعبہ کہتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ ورنہ بدعت ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ ص-۴۹۸ میں سوال و جواب میں یوں لکھا ہے:

سوال ـــــــ خط میں القاب قبلہ و کعبہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب ـــــــ قبلہ و کعبہ کسی کو لکھنا درست نہیں ہے ـــــ! (فقط)

نیز صفحہ-۴۸۱ میں ہے:

سوال ---- قبلہ و کعبہ یا قبلہ دارین و کعبہ کونین یا قبلہ دین و کعبہ دنیوی یا قبلہ آسمانی و حاجات یا قبلہ مرادات یا قبلہ صوری و کعبہ معنوی یا دیگر مثل ان الفاظ کے القاب آداب میں والدیا عموی یا اخوی کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ حرام ہیں یا غیر حرام؟ --- مکروہ تحریمی یا تنزیہی معہ عبارات و دلائل تفصیلی ارقام فرمائیں۔

سوال مرسلہ مولوی محمد روشن خاں صاحب' مراد آبادی۔

جواب ---- ایسے کلمات مدح کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہ تحریمی ہیں۔ "لقوله عليه السلام لا تطرونی" (الحديث) جب زیادہ حد شان نبوی ﷺ سے کلمات آپ کے واسطے ممنوع ہوئے تو کسی اور کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں؟ فقط' واللہ تعالیٰ اعلم۔

(رشید احمد گنگوہی عفی عنہ)

میں کہتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ القاب جناب نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے حق میں جب کبھی استعمال نہیں کیے تو اب اس زمانہ غلو اور دور ضلالت میں کیسے درست ہو سکتے ہیں ---- لامحالہ ایسی تعظیم کو بدعت ہی کہا جائے گا۔

جیسے تصور شیخ میں شرک کیا جاتا ہے کہ اپنے دل میں اپنے شیخ اور پیر کی شکل کا تصور جما کر ذکر الٰہی اور عبادت کی جاتی ہے اور اس عبادت میں اپنے پیر کے بت کو بت پرستوں کی طرح قبلہ عبادت بنایا جاتا ہے تو یہ شرک ہے۔ قرآن ناطق ہے:

"فمن كان يرجو لقآء ربه فليعمل عملا صالحا ولايشرك بعبادة ربه احدا" "جو شخص یہ امید واثق رکھتا ہے کہ میں اپنے رب سے شرف لقاء حاصل کروں گا تو اس کو چاہیے کہ اعمال صالحہ پر کمربستہ ہو جائے اور عبادت کے کاموں میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔"

اگر کوئی یہ کہے کہ دیوبندی گروہ کے بہت بڑے عالم فقیہ جن کو علمائے دیوبند حکیم الامت قرار دے چکے ہیں وہ بہشتی زیور حصہ اول کے ص-۱۴ میں عورتوں کو بہشت کا زیور پہناتے ہوئے یوں تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کو القاب و آداب خطوں میں یوں لکھا کرو: (والد کے نام) جناب والد صاحب قبلہ و کعبہ --- مدظلہم

العالی!

کیا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی یہ تعلیم ناجائز ہے؟

اسی طرح مولانا محمود الحسن صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی عقیدت میں بعض شعر لکھے ہیں تو ان کو قبلہ لکھا ہے۔

پھر مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کا فتویٰ اور ان اکابر دیوبند کے مقابلہ میں کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جوابات میں یہ عرض ہے کہ یہ صحیح بات ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس گناہ کا ارتکاب کئی مقام پر کیا ہے۔ اپنے رسالہ "دنیا و آخرت" کے ص۔۱۲۲ پر لکھتے ہیں: "حضرت قبلہ و کعبہ کی تعلیم بتلاتا ہوں۔" یہ اپنے ایک بزرگ کے حق میں لکھا ہے۔

اسی طرح وہ دیگر مردوں اور عورتوں کو ایسے ناجائز فعل کی تعلیم دے کر دنیا سے چل بسے۔

لیکن ایک مولوی اشرف علی اور مولوی محمود الحسن کیا اگر تمام علمائے دیوبند سلف سے خلف تک بھی جمع ہو کر مولانا رشید احمد صاحب کے مقابلہ میں آجائیں اور ان کے فتویٰ کے خلاف عمل کریں یا فتویٰ دیں تو مولانا گنگوہی کا فتویٰ ان سب دیوبندیوں پر غالب اور راجح ہو گا' کیونکہ ان کے فتووں کی بقول ان کے دربار نبوی میں تصدیق و تائید حاصل ہو چکی ہے جو اور دیوبندیوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ مولانا گنگوہی نے فرمایا:

"میں نے خواب دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تخت پر جلوہ افروز ہیں اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے اور مجھ سے امتحاناً" سو مسئلے پوچھے اور سو کے سو کا میں نے جواب دے دیا ہے۔ اور آپ نے سب کی تصویب فرمائی اور نہایت مسرور ہوئے۔" اس کے بعد فرمایا: "اس روز سے میں نہایت خوش ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم(۱) میرے خلاف ہوں گے۔ تو انشاء اللہ حق میری جانب ہو گا۔"

(حکایات الاولیاء ص۔۳۰۲)

(۱) (یعنی دیوبندی عالم ...... اگر ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام مراد ہوں تو ان کے مقابلہ میں

گنگوہی خواب جھوٹا ہو جائے گا)

اسی کتاب کے ص-۳۰۸ میں ہے: "حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہ نکلوائے گا۔ پس اگر اب تمام علمائے دیوبند خطوں اور نظموں میں اپنے بزرگوں کو قبلہ و کعبہ لکھتے رہیں تو حق یہی ہے جو مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ یہ القاب لکھنے مکروہ تحریمی ہیں' فقط۔

کتبہ ابوعبدالشکور عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث ۹ر جون تا ۲۱ر جولائی سنہ-۱۹۷۲ء

الاستفتاء

کیا کسی عالم یا بزرگ کو قبلہ و کعبہ دارین لکھنا جائز ہے؟

سوال —— بعض کتابوں میں کسی عالم یا بزرگ کو خط لکھنے کا یہ طریقہ دیا گیا ہے اور القاب لکھنے کی یوں تعلیم دی گئی ہے" جناب والد صاحب قبلہ و کعبہ فرزندان الخ' جناب والد صاحب قبلہ کونین و کعبہ دارین مد ظلہم العالی' (بہشتی زیور حصہ اول ص-۱۴)

مولوی مفتی بدایونی احمد یار خاں صاحب گجراتی اپنی کتاب جاء الحق کے ص-۹ پر اپنے پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کو یوں لکھتے ہیں: "حضرت قبلہ عالم امیر ملت شیخ المشائخ الخ' اسی طرح علماء دیوبندی و بریلوی کی کتابوں' رسالوں' اخباروں اور انگریزی اردو ماسٹروں اور طالب علموں کے مکتوبات میں یہ الفاظ دیکھے گئے کہ وہ اپنے بزرگوں' عالموں' پیروں کو قبلہ و کعبہ لکھتے ہیں اور گفتگو میں بھی یوں کہتے ہیں آیئے "قبلہ مولانا" قبلہ حاجی" یہ مرض بڑھتا ہوا اہل حدیثوں میں بھی آگیا ہے کہ وہ بھی اپنے خطوط میں ایک دوسرے کو دیکھا دیکھی یہ لکھنے لگے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء ناجائز کہتے ہیں اور بعض جائز تو بروئے شریعت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

السائل عبدالرؤف خطیب جامع مسجد اہل حدیث ہارون آباد۔

الجواب بعون الوھاب وھو الموفق للصواب —— الحمد للہ رب العالمین امابعد! فاقول وباللہ التوفیق۔ واضح ہو کہ کسی بزرگ کو القاب لکھتے ہوئے یہ کلمہ لکھنا بدعت حقیقی کی قسم سے ہے' جو حرام ہے۔ اس سے ہر مسلمان موحد متبع سنت کو بچنا واجب ہے۔ شرح عقیدہ طحاویہ ص-۲۲۳ میں ہے:

"القبلة هی ما یستقبله العابد بوجه کما تستقبل الکعبة فی الصلواة والدعا والذکر والذبح وکما یوجه المحتضر والمدفون ولذالک سمیت وجهة"

یعنی "شرع میں قبلہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی طرف عابد اپنے منہ کے ساتھ متوجہ

ہوتا ہے جیسے بیت اللہ کو نماز میں متوجہ ہوتا ہے اور ذکر اور دعا اور جانور ذبح کرنے کے وقت کعبہ کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور کسی قریب المرگ شخص کا قبلہ کی طرف منہ کیا جاتا ہے اور قبر میں دفن کے وقت میت کا منہ قبلہ کی طرف کیا جاتا ہے۔ اس لیے قبلہ کو وجہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ جانب جس کی طرف ہر فرد متوجہ ہوتا ہے، جبکہ بندگی کرتا ہے۔ کسی کا قبلہ بیت المقدس ہے اور کوئی آگ کی پرستش کرتا ہے تو ادھر منہ کر کے متوجہ ہوتا ہے اور مشرکین اپنے بتوں کی پوجا کے وقت ادھر منہ کرتے ہیں اور اہل بدعت بغداد کی طرف منہ کر کے گیارہ قدم چلتے ہیں جو شرک ہے۔
پس ماسوا بیت اللہ الحرام کسی چیز کو قبلہ توجہ بنا کر بندگی کرنا شرک ہے اور کسی کو تعظیم کے طور پر لقب کہنا یا لکھنا دو وجہ سے منع ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہ اس کے منہ پر تعریف اور مدح ہے اور بروئے حدیث ممنوع ہے۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی شخص کی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تعریف کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فقال ویلک قطعت عنق اخیک ثلاثا" یعنی "تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، یہ تین بار فرمایا۔" اور ایک حدیث میں یہ فرمایا: "اذا رائیتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب" (مشکوٰۃ) یعنی "جب تم مدح اور تعریفیں کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے مونہوں کو مٹی سے بھر دو۔" اسی حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے: "یوخذ التراب ویرمیٰ فی وجھہ وعملا" بظاھر الحدیث" یعنی "حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے کے لیے یہ چاہیے کہ مٹی لے کر اس مداح کے منہ میں ڈال دے۔" کیونکہ مدح اور تعریف اور تعظیمی القاب سے سامع ممدوح ملقب میں عجب اور کبر پیدا ہو جاتا ہے، جو اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔ آج کل جلسوں میں اسٹیج سیکرٹری جو علماء مقررین اور لیڈروں کی مبالغہ سے تعریفیں کرتے ہیں جن کو سن کر وہ پھول جاتے ہیں۔ یہ مداح ان کی گردنیں کاٹتے ہیں۔ ہاں ان کا نام لے کر مختصر تعارف کرایا جائے تاکہ سامعین کو ان کی تقریر سننے کے لیے توجہ ہو جائے تو یہ جائز ہے۔ ابوداؤد کی روایت سے یہ صحیح حدیث آئی ہے کہ بنی عامر کا ایک وفد آیا اور انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا: "انت سیدنا" "آپ ہمارے سید ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "السید اللہ تبارک وتعالیٰ" کہ "سید تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔" سید کا معنی بادشاہ،

مولا رب کے بھی ہیں اور قوم کے سردار کے بھی ہیں۔ یہ لفظ مشترک تھا۔ آپ نے پسند نہ فرمایا۔ دوسرا معنی جس کا اطلاق مخلوق پر ہے وہ چودھری اور سردار' پیشوا کے معنی میں ہے۔ جیسے سعد صحابی رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر آئے تو آپ نے فرمایا: "قوموا الٰی سیدکم" کہ "تم اپنے سردار کے استقبال اور ان کو سواری سے اتارنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔" اور ایک حدیث میں ہے: "انا سید آدم ولا فخر" کہ "میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا' صرف اظہار حقیقت کے طور پر کہتا ہوں۔" ایک شخص نے آپ کو "خیر البریہ" کہا کہ "آپ تمام خلقت سے بہتر ہیں۔" تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: "ذاک ابراھیم" کہ "اس لقب کے مستحق تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔" الغرض کسی عالی لقب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کے پیش نظر اور دفع فخر کے لیے پسند نہیں فرمایا۔ اس میں دو طرح کا سبق دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ کسی شخص کی منہ پر تعریف نہ کرنی چاہیے۔ دوسرا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف میں غلو کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں صاف یہ ارشاد فرمایا: "لاتطرونی کما اطرت النصارٰی ابن مریم انما انا عبد فقولوا عبداللّٰہ ورسولہ" یعنی "اے امتیو! تم میری مبالغہ کے ساتھ حد سے زیادہ تعریف نہ کرو' جس طرح نصارٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے' میں تو صرف بندہ ہوں تم یوں کہا کرو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔"

اس صراحت سے واضح ہو گیا کہ اپنے والد یا کسی بزرگ یا کسی عالم کو کعبہ یا قبلہ تعظیم کے طور پر کہنا اور لکھنا جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ قبلہ اس جہت کا نام ہے جس طرف منہ کر کے عبادت الٰہی کی جاتی ہے' عبادت اور تعظیم کی جہت محض قبلہ اور بیت اللہ ہے اور اسی کی طرف بوقت عبادت منہ کرنا مشروع ہے اور قبلہ کی طرف نماز یا ذکر یا دعا یا ذبح کے وقت منہ کرنا اور متوجہ ہونا خود عبادت ہے۔ پس غیر قبلہ اور غیر کعبہ کو قبلہ و کعبہ قرار دینا اور اس طرف متوجہ ہو کر عبادت کرنا شرک ہے۔ اگر عبادت نہ کرے صرف تعظیم کے طور مجازا قبلہ اور کعبہ کہے تو یہ بدعت ہے۔ بعض لوگ دعا کے وقت دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ آسمان قبلہ دعا ہے۔ اس پر شرح عقیدہ طحاویہ ص۔۲۲۳ میں یہ لکھا ہے:

"ان قولکم السمآء قبلة للدعاء لم یقل احد من سلف الامة ولا انزل اللّٰہ بہ من سلطان وھذا من الامور الشرعیة فلا یجوز ان یخفٰی علٰی جمیع سلف الامة وعلمائھا" یعنی "آسمان قبلہ دعا ہے۔ یہ علماء سلف سے کسی نے نہیں کہا اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں کوئی دلیل اتاری ہے یہ امور شرعیہ سے ہوتا تو سلف صالحین پر مخفی نہ رہتا۔" قبلہ دعا کا بھی قبلہ نماز ہے داعی کو اس طرف دعا کے وقت متوجہ ہونا مستحب ہے۔ پھر لکھا ہے: "کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیستقبل القبلة فی دعائہ فی مواطن کثیرة" یعنی "جناب نبی کریم ﷺ اپنی دعا کے وقت اکثر مواقع پر قبلہ نماز کی طرف ہی متوجہ ہوا کرتے تھے۔" میں کہتا ہوں علاوہ دعا کے ویسے جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں تو مستحب یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھا کریں۔ حدیث میں آیا ہے: ان اشرف المجالس ما استقبل بہ القبلة" (او کما قال-ترغیب) یعنی "تمام مجلسوں میں اس مجلس کو زیادہ شرف حاصل ہے جو قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتی ہے۔"

شرح طحاویہ کے صفحہ مذکورہ میں یہ لکھا ہے: "فمن قال ان للدعا قبلة غیر قبلة الصلوٰة او ان لہ قبلتین احدھما الکعبة والاخری اسماء فقد ابتدع فی الدین وخالف جماعة المسلمین" یعنی "جو شخص یہ کہتا ہے کہ دعا کے لیے قبلہ اور ہے اور نماز کا قبلہ اور ہے اور یا یہ کہے کہ قبلے دو ہیں ایک کعبہ جو نماز کے لیے ہے اور دوسرا آسمان جو دعا کے لیے ہے تو اس نے دین میں بدعت نکالی اور تمام جماعت مسلمین کا خلاف کیا۔"

پھر یہ لکھا ہے: "ماحاذاہ الانسان بہ راسہ ویدیہ اوجنبہ فھذا لایسمی قبلة لا حقیقة ولا مجازا لان القبلة فی الدعا امر شرعی تتبع منہ الشرائع" یعنی "انسان جس طرف نماز قائم کر کے اپنے سر یا دونوں ہاتھوں یا پہلو کے ساتھ متوجہ ہو گا اس کو حقیقت یا مجاز کے طور پر قبلہ نہ کہیں گے' کیونکہ قبلہ امر شرعی ہے جس میں شرع کی پیروی کی جائے گی کہ وہ قبلہ کس کو قرار دیتی ہے۔" پس شرع میں قبلہ یہ صرف ایک ہی ہے اور وہ قبلہ نماز ہے۔ پس یہی بات میں کہتا ہوں کہ بزرگوں اور علماء کو قبلہ و کعبہ کہنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نہ شرع میں اس کی کوئی دلیل وارد ہے اور نہ

صحابہ کرام اور تابعین سلف صالحین اور ائمہ محدثین مجتہدین نے کسی شریف انسان اور بزرگ پر اس کا اطلاق کیا یہ قرون ثلاثہ کے بعد کا امر محدث ہے جو سراسر بدعت ہے۔ مکتوبات نبویہ اور مکتوبات صحابہ کرام و سلف صالحین کتب حدیث و کتب سیرت و کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ کسی ایک میں بھی یہ القاب تعظیمی نہیں پائے گئے۔ یہ عجمی بدعت ہے' جو نہایت بری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص–۴۸۱ میں سوال و جواب یوں درج ہیں ان کو پڑھ کر دیوبندیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

سوال —— قبلہ و کعبہ یا قبلہ دارین و کعبہ کونین یا قبلہ دینی و کعبہ دنیوی یا قبلہ آسمانی و کعبہ حاجات یا قبلہ مرادات یا قبلہ صدری و کعبہ معنوی یا دیگر مثل ان الفاظ کے القاب و اداب میں والد یا عموی یا اخوی کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ حرام ہے یا غیر حرام' مکروہ ہے تحریمی یا تنزیہی؟ معہ عبارت و دلائل تفصیلی ارقام فرمائیں۔

(مرسلہ مولوی محمد روشن خاں صاحب مراد آبادی)

جواب —— ایسے کلمات مدح کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہ تحریمی ہیں۔

"لقوله عليه السلام لا تطرونی' الحديث" (رواه البخاری و مسلم)

جب زیادہ حد شان سے کلمات آپ کے واسطے ممنوع ہوئے تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم' رشید احمد عفی عنہ۔

ص–۴۹۸ میں ہے۔

سوال —— خط میں القاب قبلہ و کعبہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب —— قبلہ و کعبہ کسی کو لکھنا درست نہیں ہے۔ فقط

اس فتوئی رشیدیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ القاب لکھنے درست نہیں' مکروہ تحریمی ہیں۔

اب بہشتی زیور حصہ گیارہویں کا ص–۴ ملاحظہ کریں وہاں یہ لکھا ہے: "مکروہ تحریمی وہ ہے جو بدلیل ظنی ثابت ہو' اس کا کرنے والا فاسق ہے' جیسا کہ واجب کا منکر فاسق ہے' پس جو یہ القاب لکھتے اور کہتے ہیں وہ سب فاسق ہیں۔"

مولوی احمد یار خاں گجراتی بریلوی اپنے رسالہ نور میں ص-۳۴ پر یہ لکھتا ہے:
"کعبہ اجسام کا قبلہ ہے اور حضور ﷺ دل و ایمان و جان کا قبلہ ہیں-" خان صاحب احمد رضا خاں بریلوی اپنے ملفوظات حصہ دوم کے ص-۶۷ میں لکھتے ہیں: "سبع سنابل شریف میں ہے کہ ایک صاحب کو سزائے موت کا حکم بادشاہ نے دیا- جلاد نے تلوار کھینچی یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے- جلاد نے کہا اس وقت قبلہ کو منہ کرتے ہیں- فرمایا تو اپنا کام کر میں نے قبلہ کو منہ کر لیا ہے اور ہے بھی یہی بات کہ کعبہ قبلہ ہے جسم کا اور شیخ قبلہ ہے روح کا- اسی کا نام ارادت ہے- اگر اس طرح صدق عقیدت کے ساتھ ایک دروازہ پکڑے تو اس کو فیض ضرور آئے گا-"

النوادر جلد-۲' ص-۱۳۵ میں استواء علی العرش کا سبب یہ بیان کرتے ہیں:
"لیقصدوہ بالدعاء لطلب الحوائج" "اللہ تعالیٰ نے عرش پر استواء اس لیے کیا تاکہ اس کے بندے اپنی حاجات کے وقت دعا کریں تو عرش کا قصد کریں-" یہ مولوی اشرف علی دیوبندی کا بیان ہے- اس کے حاشیہ پر ان کا شاگرد یا مرید یا وہ خود ہی لکھتے ہیں:
"فکان العرش قبلة الدعاء (الٰی قولہ) ان المراد کون العرش قبلہ للدعا بالقلب لا بالوجہ" یعنی "عرش الٰہی دعا کا قبلہ ہے اور یہ قبلہ دل کا ہے' منہ کا نہیں ہے-"

میں کہتا ہوں کہ ان دیوبندیوں بریلویوں کے کئی قبلے ہو گئے ہیں- بیت اللہ اور اس کی سمت پیر کا مزار' نبی کریم ﷺ کی ذات' آسمان عرش عالم بزرگ اور بغداد یہ سب قبلے شرعی نہیں ہیں بدعی اور شرکی ہیں قبلہ ظاہری صرف ایک بیت اللہ ہے-
حدیث میں ہے: "تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" یعنی "اللہ تعالیٰ کی عبادت بایں طور کر کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے' اگر یہ نہ ہو سکے تو دل میں توجہ کر کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے-" اور دیگر حدیث میں ہے: "ان اللہ لا یستجیب الدعا عن قلب لاہ" یعنی اللہ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا-" پس غافل دل وہ ہے جو دعا اور ذات الٰہی کی طرف متوجہ نہ ہو- یہ دو قبلے موحدین کے ہیں- بس' والسلام-

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری-

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور جلد-۴' شمارہ-۲۶' بمطابق ۲۹ر جون ۱۹۷۳ء

ایک اہم مسئلہ ــــ جس سے عموماً لوگ غافل ہیں

لفظ انشاء اللہ کہنے کی تاکید

یہ عقیدہ تمام مومنین کا ہے کہ ہر چیز کا ظہور اللہ تعالٰی کی مشیت سے ہوتا ہے اور جو چیز باوجود صدہا کوششوں کے ظہور میں نہ آئے تو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے اللہ تعالٰی کی مشیت متعلق نہیں ہوئی۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے **وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ** (یعنی تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالٰی چاہے) اس آیت میں اللہ تعالٰی نے انسانوں کو یہ بتا دیا ہے کہ تمہاری مشیت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ دراصل مشیت اللہ تعالٰی کی صفت ہے' مخلوق کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص کوئی معروضہ پیش کرنے کے لیے دربار نبویؐ میں حاضر ہوا تو اس نے اثناء کلام میں یہ کلمہ کہا: **ماشاء اللّٰہ وشئت** (یعنی جو کچھ اللہ تعالٰی اور آپ چاہیں)۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے مجھے اللہ تعالٰی کے برابر ٹھہرایا ہے بلکہ یوں کہو **ماشاء اللّٰہ وحدہ** (یعنی کام وہ ہو گا جو اکیلا اللہ چاہے گا)

دیگر حدیث میں عام ممانعت وارد ہے کہ یوں مت کہو "**ماشاء اللّٰہ وشاء فلاں**" (یعنی جو کچھ اللہ تعالٰی اور فلاں شخص نے چاہا وہ کام ہو گا)

قرآن مجید اور کتب تفاسیر میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے حالات دریافت کیے۔ آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کے بھروسہ پر فرمایا: "کل بتاؤں گا" اور آپ کو "انشاء اللہ" پڑھنے کا خیال نہ رہا جس کا انجام یہ ہوا کہ کئی روز تک وحی بند رہی جس سے آپ کو بہت رنج و غم ہوا۔ آخرکار اللہ تعالٰی نے ان سوالات کے جوابات آپ پر نازل فرمائے لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی فرما دی کہ: **ولا تقولن لشای انی فاعل ذالک غدا الا ان یشاء اللّٰہ** (یعنی آئندہ کبھی کسی امر کی نسبت یہ ہرگز نہ کہنا کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں مگر

اس قول کے ساتھ کہ انشاء اللہ)

قرآن مجید میں ارشاد ہے لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ امنین (یعنی انشاء اللہ تم مسلمان مسجد حرام میں بے خوف و خطر اطمینان اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ اسی بنا پر تمام انبیائے کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ آئندہ کے متعلق ہر کام پر انشاء اللہ پڑھتے رہے ہیں۔ کسی نے بھی اپنی مشیت اور اختیار اور کوشش پر اعتماد نہیں کیا۔ اگر کیا تو اس کام کا انجام اچھا نہ دیکھا۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ان کو راہ خدا میں قربان کرنے کا مشورہ کیا تو ذبیح اللہ نے بصد خوشی منظور فرما کر کہا ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصابرین (یعنی انشاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے) خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد قرآن میں ہے کہ وما یکون لنا ان نعود الا ان یشاء اللّٰہ (یعنی ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ خدا چاہے تو ہمارا کوئی زور نہیں ہے)

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کا فرمان قرآن میں یوں وارد ہے کہ ادخلوا مصر ان شاء اللّٰہ آمنین (یعنی تم مصر میں آجاؤ انشاء اللہ امن چین سے رہو گے) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب ان کے خسر نے معاہدہ مناکحت و کاروبار کیا تو فرمایا وما ارید ان اشق علیک، ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصابرین (یعنی میں تم پر زیادہ مشقت نہ ڈالوں گا، انشاء اللہ تم مجھ کو بھلے لوگوں اور خوش معاملہ کرنے والوں سے پاؤ گے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے جب عہد کیا تو یہ فرمایا کہ ستجدنی ان شاء اللّٰہ صابرا ولا اعصی لک امرا (یعنی انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہ کروں گا) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حیل و حجت کے بعد آخر یہ عہد کیا کہ انا ان شاء اللّٰہ لمھتدون (اب آپ بتائیں ہم انشاء اللہ اس گائے کا ٹھیک پتہ لگالیں گے)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ہر ایک نبی کی ایک دعا خاص طور پر قبولیت کا درجہ رکھتی ہے اور میرا ارادہ یہ ہے کہ انشاء اللہ میں وہ دعا اپنی امت کی

شفاعت کے لیے قیامت کو کروں گا۔

ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اصحاب شجرہ میں سے جنہوں نے مقام حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان شاء اللہ کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے گا" دیگر حدیث میں یہ وارد ہے کہ ("انشاء اللہ میرا حوض اس قدر وسیع ہو گا کہ جس قدر ایلہ سے فلاں جگہ تک فاصلہ ہے۔")

مدینہ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ "انشاء اللہ اس میں طاعون اور دجال نہ آنے پائیں گے" اہل قبور کی زیارت کی تو فرمایا ان شاء اللّٰہ بکم للاحقون (ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں) طائف کے محاصرہ کے وقت آپ نے یہ فرمایا تھا (انشاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے) جنگ بدر کے دن فرمایا (انشاء اللہ کل فلاں شخص اس جگہ گرے گا اور فلاں شخص اس جگہ) ایک بیمار کی آپ نے عیادت فرمائی تو اس کو فرمایا کہ یہ بخار انشاء اللہ گناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔

الغرض ایک بار ایسا ہوا کہ آپ نے انشاء اللہ نہ کہا اور پھر آپ ہر کام پر انشاء اللہ پڑھتے رہے اور بھی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کا یہ معمول چلا آرہا ہے اور اگر کسی نے غفلت کی تو اس کو قدرت نے تنبیہہ فرما کر بیدار اور خبردار کر دیا کہ تم اپنی مشیت اور قدرت پر بھروسہ مت کرو' یہ کام میرے قبضہ میں ہے۔

ان دلائل قطعیہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ "ہر کام جو انسان آئندہ کرنا چاہے اس پر انشاء اللہ پڑھے اور بالکل غفلت نہ کرے۔ خصوصاً ہر اہلحدیث مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر کام پر انشاء اللہ کہے اور اس کو اپنا ورد زباں کر لے اور لکھنے میں بھی اور ہر اعلان اور اشتہار میں بھی (جس میں کسی کام کو کرنے یا لوگوں کو اطلاع دینے کا ذکر ہو تو) انشاء اللہ کو نہ بھولے۔ وما علینا الا البلاغ

خاکسار عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۶' شمارہ ۲۱' ۲۳ نومبر سنہ ۱۹۶۳ء

موجودہ فن تجوید پر تبصرہ

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے' جس کو حتی الوسع تصحیح حروف کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ حروف ہجا دو قسم کے ہیں۔

(۱) متبائن الصوت۔

(۲) مشتبہ الصوت۔

متبائن الصوت وہ ہیں' جن کے مخرج اور آواز بالکل متبائن اور جدا جدا ہے' جیسے جیم اور میم۔ (ج اور م)

مشتبہ الصوت وہ ہیں' جن کی آواز ایک دوسرے کے مشابہہ ہے' جیسے صاد اور سین۔ ذال اور ظا وغیرہ۔

پس ایسے حروف جو قریب المخرج ہیں' ان حروف میں بھی ہر شخص بقدر ضرورت فرق کرنے کی کوشش کرتا رہے' لیکن ایسے حروف میں اگر فرق نہ ہو سکے' تو کچھ جرم نہیں' زمانہ حاضرہ میں جو فن تجوید مروج ہے۔ اس کے بارہ میں غلو کیا جا رہا ہے کہ اس کا سیکھنا فرض عین ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور اس کا تارک فاسق اور معذب ہے' یہ احداث فی الدین ہے۔

متبائن الصوت حروف میں تو فرق کرنا ضروری ہے اور ان میں فطرتاً اور عادتاً ہی فرق ہو جاتا ہے' سوائے اطفال صغائر کے اہل علم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو با کی جگہ تا یا دال کی جگہ ذال پڑھتا ہو' لیکن حروف مشتبہ الصوت میں ہر قاری کو بآسانی اور سہل طریقہ سے جو فرق ہو سکے' کرنا چاہیے۔ عمداً س کو ث یا ذ کو ظا نہ پڑھے' لیکن تلفظ میں اگر ان میں فرق نہ کر سکے تو اس کو فاسق اور معذب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جو شخص مروجہ فن تجوید کو اسلام کا ایک فرض قرار دے کر اس کا سیکھنا اور اس کی سال دو سال تک مشق کرنا کرانا واجب قرار دیتا ہے اور منکر کو کافر اور تارک کو فاسق کہتا ہے' وہ اس غلو فی الدین کا مرتکب ہے' جس کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے۔ اہل کتاب نے دین میں غلو کیا تو وہ گمراہ ہوئے' جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یااھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم۔ یعنی "اے اہل کتاب تم اپنے دین میں زیادتی نہ کرو۔" یعنی احکام شرعیہ میں مبالغہ کر کے حد سے تجاوز نہ کرو۔ اس امت کو بھی

یہی حکم ہے کہ وہ احکام میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

قاریوں کا ایک فرقہ آج کل ایسے غلو کا مرتکب ہو رہا ہے' وہ اپنے سوا دیگر علماء کرام کی قرات قرآن' تلاوت قرآن کو غلط قرار دیتا ہے' وہ صرف مروجہ فن تجوید کو صحیح سمجھتا ہے اور اسی کی تحسین کرتا ہے۔

راقم الحروف نے اپنے اکابر علماء اہلحدیث کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ وہ تما حضرات سادگی سے قرات اور تلاوت قرآن مجید کرتے تھے۔ موجودہ فن تجوید کی رو سے کسی کو قرآن پڑھتے نہیں سنا' ان میں سے حسب ذیل حضرات کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جناب حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ۔

جناب حضرت مولانا محمد حسین صاحب فاضل روپڑی رحمۃ اللہ علیہ۔

جناب خطیب قوم حضرت مولانا حافظ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ۔

جناب حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری رحمۃ اللہ علیہ۔

جناب حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب محدث غزنوی رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ ہمارے وہ اکابر رحمتہ اللہ علیہم اجمعین ہیں جو اس دار فانی سے رحلت فرما چکے ہیں۔ باقی جو اکابر اس وقت زندہ موجود ہیں' ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

امیر جماعت اہلحدیث حضرت علامہ مولانا حافظ محمد صاحب محدث گوندلوی ایدہ اللہ العزیز۔

جناب حضرت مولانا اسماعیل صاحب محدث گوجرانوالہ

جناب مولانا حافظ عبدالستار صاحب محدث دہلوی

جناب مولانا محمد یونس صاحب محدث دہلوی

حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامع سلفیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی

حضرت مولانا محی الدین صاحب لکھوی ادام اللہ برکاتھم ۔

یہ حضرات سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ قرات کرتے ہیں۔ مروجہ تجوید کی بنا پر تکلف سے قرات کرتے نہیں سنے گئے' تو کیا اب کوئی ظالم یہ کہہ سکتا ہے کہ خدانخواستہ یہ سب فاسق اور معذب ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

ضلع حصار انڈیا میں ایک قاری صاحب ہمارے تھے' جو پانی پت سے قرات اور علم تجوید سیکھ کر آئے تھے' وہ کہا کرتے تھے کہ "پنجاب میں سب علماء اور حفاظ قرآن مجید غلط پڑھتے ہیں' صرف ایک میرا استاد پانی پتی اور دوسرا میں' قرآن مجید صحیح پڑھتے ہیں۔ اس بنا پر وہ کسی عالم' حافظ اور قاری کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے تھے' جماعت کے تارک تھے' گھر میں اکیلے ہی نماز پڑھتے تھے۔ آج بھی یہی آواز آرہی ہے کہ اکثر علمائے کرام اور مولویوں کا قرآن پڑھنا غلط ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قراء اگر مصر میں چلے جائیں اور وہاں جا کر قرات کریں' تو وہ ان کی تغلیط کر دیں گے۔ جس سے یہ بیچارے فاسق اور معذب قرار پائیں گے' پھر ان کو عجمی درسگاہوں کو چھوڑ کر مصر کی درس گاہ میں رہ کر فن تجوید سیکھنا پڑے گا اور اس کی مشق کرنی ان پر فرض ہو جائے گی۔ مصر تو دور ہے' اہلحدیث قراء اگر قراء حنفیہ کے پاس جا کر قرات کریں گے' تو وہ بھی ان کی قرات کی تغلیط کر دیں گے' کیونکہ اکثر قاریوں میں یہ مرض ہے کہ وہ اپنی قرات پر فخر اور غرور کرتے ہیں اور دوسرے کی قرات کو غلط سمجھتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جس کی زبان صاف ہو اور آواز اچھی ہو' وہ تو حروف کو نہایت صفائی کے ساتھ منہ سے نکالے گا اور جس کی آواز بھی بھدی سی ہو اور زبان بھی موٹی ہو' وہ صفائی سے اپنے منہ سے الفاظ نہیں نکال سکتا۔

اسی طرح جس کی مادری زبان عربی ہے' اگر اس کی زبان سے قرآن مجید سنا جائے گا' تو وہ حروف کی ادائیگی بلا تکلف کرے گا' لیکن اس کے برعکس ایک عجمی قاری طویل مشق کے بعد بھی ایسا نہ کر سکے گا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عربی اور عجمی لوگ (جو اسلام میں داخل ہوتے تھے) قرآن مجید پڑھتے تھے' لیکن عربی اور عجمی لوگوں کے تلفظ اور حروف کی ادائیگی میں بین فرق تھا' مگر حضور اکرم ﷺ نے عجمیوں کو فن تجوید سکھلانے کے لیے کوئی درس گاہ قائم نہیں کی اور نہ ان کو حروف تہجی کی مشق کرائی' نہ ان کے قرآن کو سن کر اصلاح فرمائی بلکہ فرمایا! سب ٹھیک ہے' اپنے لہجے میں پڑھتے رہو۔

حدیث میں ہے : عن انس بن مالک رضی اللہ عنہما قال بینما نحن نفر فینا العربی والعجمی والاسود والابیض ونحن نقرا القرآن اذ خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال فی خیر تقراون کتاب اللہ وفیکم رسول اللہ وسیاتی علی

الناس زمان يثقفونه كما يثقف القدح يتعجلون اجورهم ولا يتا جلونها۔ "حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم ایک گروہ تھے، جن میں عربی، عجمی، سیاہ رنگ اور سفید رنگ سب طرح کے لوگ تھے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم بڑی نیکی میں ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھ رہے ہو اور اللہ کا رسول تم میں موجود ہے، عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا" جو قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کریں گے اور دنیا ہی میں اس کا معاوضہ لینے میں جلد بازی کریں گے اور تاخیر نہ کریں گے۔"

دوسری روایت میں ہے: عن جابر بن عبداللّٰہ قال خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن نقرا القرآن وفينا العجمي والاعرابي قال فاستمع قال فقال اقراو فكل حسن وسياتي قوم يقيمونه كما يقام القدح يتعجلونه ولا يتاجلون۔ (فضائل القرآن ابن کثیر) "حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے، جب ہم سب قرآن مجید پڑھ رہے تھے، ہماری جماعت میں عجمی لوگ بھی تھے اور بدوی جنگلی لوگ بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کا قرآن سن کر فرمایا کہ تم سب کی قرات اچھی اور ٹھیک ہے، اسی طرح پڑھتے رہو، عنقریب ایسا دور آنے والا ہے کہ لوگ قرآن کی قرات کو اس طرح درست کرنے میں مصروف ہوں گے، جس طرح تیروں کو درست کیا جاتا ہے، وہ قرآن کا فائدہ اور نفع دنیا میں ہی حاصل کرلیں گے، آخرت پر ادھار نہ رکھیں گے۔"

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ "ایک قوم ایسی ظاہر ہوگی کہ تم اپنی قرات کو ان کی قرات کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے۔"

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر زبان کے لوگ اپنے فطری اور مادری لہجہ میں پڑھتے تھے اور اس میں کسی مشق کرنے اور مخارج سے تکلف کے ساتھ حروف ادا کرنے میں معروف نہ تھے۔ فن تجوید کے قواعد عربیہ ضروریہ کے علاوہ قراء نے جو حروف کی ادائیگی کے سلسلے میں شرائط مقرر کرکے ان کی مشق کرانی شروع کی ہے، وہ ایک تصنع اور حرفہ بن گیا ہے، جس نے اب ایسی ہیئت کذائیہ اختیار کرلی ہے، جو عہد نبوی میں نہ تھی۔

چنانچہ مصفیٰ شرح موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جلد ا، ص۔۱۴۲ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ”جمع گفتہ اند کہ وجوب سورۃ فاتحہ منجر می شود بسوئے وجوب رعایت مخارج وتشدیدات وحرکات حروف زیرا کہ وجوب فاتحہ شامل است ایں ہمہ را و صحیح آں است تاوقتیکہ شناختہ شود کہ فلاں کلمہ ے خوانند درست بحدیث ابی داؤد کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم برآمد مسجد آنجا اعرابی وعجمی وشیخ کبیر ہمہ قرآن می خوانند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند کہ الحمد للہ القرآن واحد والالسنۃ شتی واستیھان قومی کہ تجوید قرات کنند .مقصد دنیا فرمودند ہیچ جا ثابت شدہ است کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ ضبط مخارج وغیر آں کردہ باشند باوجود دخول اعجمین واعراب دراسلام۔“ یعنی ”ایک جماعت نے یہ کہا کہ وجوب فاتحہ کا دوسرے وجوب کو کھینچ رہا ہے‘ وہ یہ کہ سورہ فاتحہ کو فن تجوید کی رو سے حروف کے مخرجوں‘ تشدیدوں اور حرکتوں کی رعایت کے ساتھ پڑھنا واجب ہے‘ کیونکہ وجوب فاتحہ کا ان سب باتوں کو شامل ہے‘ لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ جب پڑھنے والے کا ہر کلمہ سن کر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے فلاں کلمہ پڑھا ہے‘ تو بس یہ دلیل کافی ہے اور شرعا درست ہے‘ بدلیل اس حدیث کے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے‘ تو وہاں اعرابی (بدوی) عجمی اور بوڑھے لوگ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر فرمایا! الحمد للہ قرآن تو ایک ہی ہے‘ مگر لہجے مختلف اور متفرق ہیں اور اس کو قبیح سمجھنا اس قوم کا جو تجوید سے قرات کرتے ہیں‘ ان کا مقصد صرف دنیاداری ہے‘ کیونکہ شریعت میں کسی جگہ ثابت نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ضبط مخارج وغیرہ کا اہتمام کیا ہو‘ باوجود اس بات کے کہ وہ اسلام میں عجمی اور جنگلی لوگ داخل ہو رہے تھے۔“

پس زمانہ حاضرہ کے محقق جو یہ کہتے ہیں کہ فن تجوید مروجہ‘ عہد نبوی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسلسل اب تک چلا آتا ہے‘ یہ سراسر غلط ہے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تو ثبوت نہ مل سکا‘ خدا معلوم انہوں نے کہاں سے حاصل کر لیا ہے؟ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ لوگ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ قرآن کو اچھی آواز اور خوش الحانی سے پڑھنا مسنون اور مرغوب ہے اور ترتیل سے پڑھنا ضروری ہے‘ مگر مروجہ فن تجوید نے جو تصنع اختیار کیا ہے کہ عرصہ دراز تک تمرین اور تعلیم فن مروجہ کی کرتے کراتے رہتے ہیں اور مختلف طرزوں سے پڑھتے

ہیں کہ یہ مصری قرات کا لہجہ ہے' یہ حجازی ہے' یہ یمنی ہے' یہ شامی ہے اور بڑے تکلف سے حرفوں کو حلق سے نکالتے ہیں اور پھر جلسوں اور مجلسوں میں جا جا کر سناتے اور انعام حاصل کرتے ہیں۔ یہ اس حدیث کے مصداق ہیں' جو آنحضرت ﷺ نے بطور پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ قرآن کو پڑھیں گے' تو حرفوں کو تیر کی طرح سیدھا کریں گے اور اس کا معاوضہ دنیا ہی میں حاصل کریں گے' آخرت سے ان کا کوئی سروکار نہ ہو گا۔

آج پیشہ ور قاریوں کا یہی حال ہے۔ قرآن کو صوت حسنہ سے تزئین دینا مامور بہ ہے' لیکن درس گاہوں میں مشق کرانے سے نہیں' بلکہ طبعی طور پر ہو تو درست ہے' کیونکہ قرآن مجید کو تطریب اور تغنی سے پڑھنا دو طرح سے ہے۔ ایک طبعی اور دوم تعلیمی و تمرینی۔

طبعی یہ ہے کہ بغیر کسی مشق اور تعلیم کے طبع کے اقتضاء سے بلا تکلف اچھی آواز سے حروف کو زبان سے نکال کر پڑھے' تو یہ بالاجماع جائز بلکہ مسنون ہے۔

دوم یہ کہ قاریوں کے درس گاہوں میں رہ کر حروف کو مخارج سے نکالنے اور لحن سے پڑھنے کی تعلیم و تمرین حاصل کر کے قرآن مجید پڑھے۔ جیسے مطربین ادوات مخصوصہ کے ساتھ مشق کر کے پھر گایا کرتے ہیں' تو یہ ناجائز ہے۔ عہد حاضرہ کے قراء اسی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

تغنی وتلہینی درست اور تمرینی ناجائز ہے۔ اسی طرح مخارج سے حروف کی ادائیگی طبعی درست جو قواعد عربیہ صرف ونحو وغیرہ پر مبنی ہو اور تعلیمی اور تمرینی جو فن تجوید مروجہ پر مبنی ہو' یہ تحدثہ ہے۔ مثلاً اکثر قراء یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ اگر آیت پر (لا) لکھا ہو' تو وہاں ٹھہرنا نہ چاہیے' حالانکہ یہ خلاف سنت ہے۔ اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ (م) علامت وقف لازم کی ہے' وہاں ٹھہرنا لازم ہے اور جہاں (ص) ہو وہاں مرخص ہے' جہاں (ص) وہاں وصل کرنا چاہیے۔ یہ سب قاریوں کی ایجادیں ہیں۔ شارع نے نہ کسی کو لازم ٹھہرایا ہے اور نہ رخصت دی ہے۔ اسی طرح یہ کہ فلاں مد ایک الفی ہے اور فلاں دو الفی' فلاں تین الفی' فلاں چار الفی اس کا اندازہ اس طرح معلوم کریں کہ کوئی انگلی سیدھی کریں' پھر بند کریں' نہ جلدی اور نہ آہستہ' تو یہ ایک الف ہے۔ اسی طرح دو دفعہ بند کریں' تو دو الف اور تین بار

تین الف اور چار بار کریں تو چار الف کی مد ہو جائے گی' پھر یہ کہ فلاں مد لازم اور فلاں جائز ہے۔ حالانکہ حدیث سے صرف مد طبعی ثابت ہے' باقی قاریوں کا اختراع ہے' انہی کی اصطلاحات ہیں' شرع کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کر کے مدوں کا اثبات کیا جاتا ہے' وہ مد طبعی ہے' جو حدیث یمد مدًا سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مد کو کھینچا کرتے تھے' اس طرح مخارج میں غلو کہ لفظ ض کو اس طرح ادا کرنے میں کوشش کرے کہ ادا کرتے وقت منہ پر شکن پڑے۔ (مجموعہ زینت القاری ص ۳۹)

اور قاریوں نے کہا کہ ہمزہ کو خوب ادا کرے کہ ہمزہ کی ادائیگی کے وقت ناف ہل جائے۔

الغرض فن تجوید ایک نو ایجاد ہے۔ جس میں تصنع پایا جاتا ہے' اگر کوئی اسی طرح جواز کا حکم دے کر عمل کرے تو کرتا رہے' لیکن اس علم کو سب پر لازم ٹھہرانا اور اس کے منکر کو کافر اور تارک فن تجوید کو فاسق اور معذب قرار دینا تشریع شرع جدید ہے اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ بغیر گروہ قاریوں کے سب کافر یا فاسق یا معذب ہیں' کیونکہ قاریوں کی طرح قرات نہ عام علماء کرتے ہیں' نہ حفاظ اور عوام کرتے ہیں' اگر یہ حکم شرع ہے تو پھر نماز کسی کی درست نہیں ہے' بلکہ سب کی فاسد ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس طرح کہنا ایک بڑے فتنہ کا موجب ہے' چنانچہ تفسیر فضل الرحمٰن جو مجموعۃ التفاسیر والاحادیث ہے' اس کے ص ۲۱' جلد اول میں یہ لکھا ہے کہ اگر تجوید مصطلح فرض ٹھہرے گی تو دنیا میں کسی مسلمان کی نماز صحیح نہ ہو گی' جب تک کہ مخارج حروف واصوات کو انہیں شد و مد' ادغام و اخفاء اظہار کے ساتھ ادا نہ کرے گا' اسی جگہ بعض شرع طریقہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے : ومن الفتنة ان یقول لاھل القرىٰ والبوادی والعجائز والعبید والاماء لاتجوز الصلوة بدون التجوید وھم لا یقدرون علی التجوید فیترکون الصلوة راسا فالواجب ان یتعلم مقدار ما یصح النظم والمعنیٰ ویتوغل فی الاخلاص وحضور القلب۔ (فضائل القرآن) یعنی "یہ بڑی فتنہ کی بات ہے کہ دیہاتی لوگوں اور جنگلیوں اور بوڑھوں اور غلاموں اور لونڈیوں کو یہ کہا جاتا ہے کہ فن تجوید سیکھو کہ اس کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ وہ فن تجوید سیکھنے پر قادر نہیں ہوتے۔ پس نماز ہی سرے سے چھوڑ دیتے ہیں' حالانکہ واجب صرف اس قدر ہے کہ قرآن کا لفظ اور معنی صحیح رہے' باقی

زیادہ توجہ اور پوری کوشش اخلاص اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف حاضر کرنے کی ہونی چاہیے۔"

میں کہتا ہوں کہ اس طائفہ قراء نے قرآن کے معنی اور مقاصد سے غافل ہو کر زیادہ زور حروف اور کلمات کی ادائیگی پر دے رکھا ہے' گویا قرآن کے مغز کی بجائے قشر اختیار کیے بیٹھے ہیں۔

مجموعہ زینت القاری میں لکھا ہے کہ "جو اس تفرقہ (یعنی حروف مشتبہ) پر قادر نہ ہو اور سیکھنا اسے دشوار ہو' ساری عمر سیکھنے میں کوشش کرے' کبھی اس کام سے معاف نہیں۔"
میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حکم شارع کا ہوتا' تو لوگ اسلام ہی قبول نہ کرتے کہ اس دین میں تو حروف کے تفرقہ کا سخت حکم ہے' جس پر عوام قادر نہیں ہیں۔ تو ہم اس کے احکام پر کیسے عمل کر سکتے ہیں' مگر یہ حکم اختراعی تھا' اس لیے اس دین یسر میں عجمی' اعرابی' بوڑھے' مرد وعورت سبھی سما گئے کہ شارع نے سب کے قرآن کو سن کر یہ کہا کہ اقراء وفکل حسن کہ "قرآن پڑھتے رہو' سب ٹھیک ہے۔" فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے پڑھا غیر المغضوب علیھم کو ظا سے اور ولا الضالین کو ذال سے تو نماز فاسد نہ ہوگی کہ عام لوگ حروف کے مخارج نہیں پہچانتے اور بہت سے مشائخ نے نماز کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان قاریوں کا یہ مفسدہ تاہنوز ختم نہیں ہوا کہ "ضا" کو مشابہ "ظا" پڑھا جائے یا ذال کے مشابہ ادا کیا جائے۔ عرب و عجم کے جمہور قراء لفظ ضاد کو ذال کے مشابہ پڑھتے ہیں اور بہت قلیل طائفہ ہے' جو مشابہ "ظا" کے پڑھتا ہے' حالانکہ تمام کتب تفسیر' کتب قرات' اور کتب نحو اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ ضاد مشابہ ظا ہے' یہ دونوں حروف مشتبہ الصوت ہیں اور دال سے ذال بالکل متبائن ہے' اگر اس کے مشابہ آواز سے ضاد پڑھا گیا' تو بالاتفاق نماز باطل ہے۔ مگر عہد حاضر کے قراء اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

مجموعہ زینت القاری کے ص۔ ۴۲ پر لکھا ہے کہ "ایک بلا عام زمانہ میں یہ ہو گئی ہے کہ ض کو بصورت دال کے پڑھتے ہیں۔ مشتبہ الصوت دال کا اسے کر دیا ہے کہ دال پر نہیں۔ سو یہ بات جملہ کتب قرات اور تفسیر اور فقہ کے خلاف ہے۔ سب کتابوں میں "ض" کا مشتبہ الصوت ہونا "ظ" سے ثابت ہے نہ دال سے۔

رسالہ الاقتضاء کے ص-۵ میں خزانۃ الروایات سے منقول ہے: لان العوام لا یقدرون ان یفصلوا بین الضاد والظاء والزال والزاء۔ یعنی "عام لوگ ض' ظ' ذ' ز میں فرق کرنے پر قادر نہیں ہیں۔" بیضاوی کے حاشیہ میں درج ہے: ان اکثرالناس خصوصا العجم کانوا فی الزمان الاول لا یعلمون الفرق بینھا۔ یعنی "اکثر لوگ خصوصاً عجمی پہلے زمانے میں دو حرفوں (ضاد اور ظاء) میں فرق نہ جانتے تھے۔"

تفسیر اتقان کے ص-۹۱ میں ضاد اور ظاء میں تشابہ وتجانس لفظی ظاہر کر کے مثال میں الفاظ ناضرہ اور ناظرہ کو پیش کیا ہے اور فتاویٰ عالمگیری اور قاضی خاں میں ہے کہ جن حروف میں بغیر محنت اور مشقت کے فرق کرنا ممکن نہیں ہے' جیسے ض اور ظ' صاد اور سین اور ط اور ت میں ہے' اس بارہ میں اختلاف ہے۔ اکثر مشائخ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ان میں فرق نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اس تصریح سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

(۱) ایک یہ کہ جو حروف مشتبہ الصوت ہیں' ان میں تمیز اور تفرقہ مشکل ہے' اگر فرق نہ ہو سکے تو نماز فاسد نہ ہو گی اور عجمی لوگ فرق نہیں کر سکتے' اگر ان میں فرق کرنا فرض ہوتا' تو آنحضرت ﷺ عجمی لوگوں کو ان کے مخرج سیکھنے اور فرق کرنے کا حکم فرما دیتے' لیکن آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا' بلکہ عربی' عجمی کو ان کی عادت پر آزادی دے دی کہ اپنی اپنی زبان سے جس طرح آسان ہو' ان حروف کو ادا کر کے پڑھیں۔

(۲) یہ کہ عہد حاضرہ کے قراء جو "ض" کو مشابہ دال پر کر کے پڑھتے ہیں' ان کی نماز درست ہے اور ان کے فرق کرنے پر امت مکلف نہیں ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اعراب اور سکون' تشدید اور حروف مد کا خیال رکھے اور کسی غلطی' جلی خطا فی الاعراب وغیرہ کا ارتکاب نہ کرے' باقی غلطی خفی جس کو قراء لحن خفی کہتے ہیں' معانی میں آسکتی ہے۔ اس غلطی کا احساس اور اس کی معرفت قراء کو ہے' شارع کی طرف سے ان پر کوئی حکم وارد نہیں کیا گیا ہے' ہاں قرآن کے الفاظ کے معانی اور مقاصد سمجھنے ضروری ہیں۔ الفاظ کو مخارج سے نکالنے کی مشقت کی بجائے قرآن کا ترجمہ سیکھا جائے اور مطلب سمجھا جائے' تو یہ واجبی حکم ہے۔

چنانچہ حضرت امام غزالی احیاء العلوم جز۱' ص-۱۱۷ میں فرماتے ہیں: فرقۃ اخرٰی تغلب علیھم الوسوسۃ فی اخراج حروف الفاتحۃ وسائر الاذکار من مخارجھا فلا یزال

یحتاط فی التشدیدات والفرق بین الضاد والظاء وتصحیح مخارج الحروف فی جمیع صلوته لا یهمه غیره ولا یتفکر فیما سواه ذاهلا عن معنی القرآن والاتعاظ به وصرف الفهم الی اسراره وهذا من اقبح انواع الغرور فانه لم یکلف الخلق فی تلاوة القرآن من تحقیق مخارج الحروف الا بما جرت به عادتهم فی الکلام۔ یعنی "ایک فرقہ ایسا ہے کہ ان پر وسوسہ غالب ہے' وہ سورہ فاتحہ وغیرہ کے حرفوں کو مخرجوں سے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں اور ض اور ظ میں فرق کرنے کی احتیاط اس قدر کرتے ہیں کہ نماز میں قرآن کے معانی اور اسرار سے ہی غافل ہو جاتے ہیں اور ان کو تصحیح حروف کے علاوہ کوئی فکر ہی نہیں ہوتی۔ یہ دھوکہ کی قسموں سے بڑی قبیح قسم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو اس قدر تکلیف نہیں دی کہ تلاوت قرآن مجید کے وقت حروف کے مخارج کی درستی کرے' مگر اس قدر حکم ہے کہ عام طور پر کلام کرنے میں جو عادت ہے' اسی طرح قرآن کی تلاوت کرے۔"

پھر لکھتے ہیں : ومثال هولاء مثال من حمل رسالت الی مجلس سلطان وامران یودیها علی وجهها فاخذ یودی الرسالت ویتأنق فی مخارج الحروف ویکررها ویعیدها مرة بعد اخریٰ وهو فی ذالک غافل عن مقصود الرسالت ومراعاة حرمة المجلس فاحراه بان تقام علیه السیاسة ویردالی دارالمجانین ویحکم علیه بفقد العقل۔ یعنی "قاریوں کی مثال اس شخص کی مثل ہے کہ جس نے کسی خط کو اٹھایا کہ بادشاہ کے دربار میں پیش کرے اور اس کو حکم ہوا کہ اس خط کو بعینہٖ اسی طرح بادشاہ کے اجلاس میں پہنچا دے' اس شخص نے وہ خط لیا اور اس کو بار بار پڑھنے لگا اور خوب اچھی طرح سے اس خط کے حرفوں کو خارج سے ادا کرنے لگا اور وہ اس خط کے مقصود سے غافل ہو گیا اور اس نے بادشاہ کے اجلاس کا احترام بھی نہ کیا اور حروف کی ادائیگی میں مصروف رہا' تو وہ اس لائق ہے کہ اس کو کوئی تعزیر لگا کر کسی پاگل خانہ میں بھیجا جائے اور اس کی بابت یہ حکم نافذ کیا جائے کہ یہ مسلوب العقل یعنی دیوانہ ہو چکا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ مثال گروہ قراء کے متعلق بالکل ٹھیک ہے کہ یہ طلبہ کو مروجہ فن تجوید مہینوں' برسوں تک پڑھاتے اور مشق کراتے ہیں اور قرآن کے معانی اور مقاصد سے اس کو غافل رکھتے ہیں۔ پھر وہ کامیاب ہو کر امراء کی مجلسوں اور علماء کے جلسوں پر جاتے

ہیں، تو نہایت خوش الحانی سے فن تجوید کی رو سے قرات سناتے ہیں۔ یہ قراء اور سامعین سب قرآن کے معانی اور مقاصد سے غافل رہتے ہیں، ایسے قراء اور حفاظ کو پاگل خانوں میں بھیج کر اور اس فن کی ضرورت پر مضمون لکھنے والے عالم، مولوی کو ان کا امیرالقراء بنا کر اعلان کر دیا جائے کہ یہ سب مخبوط الحواس ہیں، جو لوگوں کو قرآن کے مقاصد سے غافل کرتے رہتے ہیں، پھر ان کی بجائے ان علماء کو دعوت دی جائے جو سادگی سے قرآن پڑھ کر اس کا ترجمہ اور تفسیر سیکھتے ہیں اور علم حدیث میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کر تبلیغ احکام کریں اور وعظوں میں قرآن کی آیتیں پڑھ کر ان کا مقصد اور مطلب بتائیں، تاکہ لوگ ہدایت پائیں تو یہ نہایت بہتر صورت ہے۔

آج کل اکثر قراء اور حفاظ قرآن کے معانی سے صاف اندھے ہیں، جو شرک وبدعت کی رسموں میں مبتلا ہیں اور وہ محض قرات سے روزی کما رہے ہیں اور ملک عرب میں یہ دیکھا کہ وہ نہایت خوش الحانی سے قرات کر رہے ہیں اور جھولی پھیلا رکھی ہے، حجاج اس پر روپیہ پیسہ ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اس حدیث کے مصداق ہیں کہ "حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ وہ ایک قاری پر سے گزرے، جو قاص تھا۔ وہ قرآن پڑھ کر پھر لوگوں سے سوال کرتا تھا، تو انہوں نے انا للہ پڑھا اور یہ کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اس کو چاہیے کہ اللہ سے سوال کرے، عنقریب ایسی قومیں آنے والی ہیں، جو قرآن پڑھ کر ان لوگوں سے سوال کیا کریں گے۔" میں کہتا ہوں کہ سوال کرنا اور اس کو پیشہ بنانا ویسے بھی حرام ہے۔ جب قرآن کی قرات سے سوال کرے اور اس کو معیشت بنائے، تو یہ اور زیادہ حرام ہے اور اس میں قرآن مجید کی بے حرمتی ہے۔

مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ جلد۔۳، ص۔۲۷۳ میں جمع الاصول سے منقول ہے کہ آج کل ہمارے زمانے میں جو قراء، مقررین اور واعظوں کے سامنے اور مجلسوں میں عجمی لحن سے پڑھتے ہیں، یہ سب ممنوع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کو اپنی طبعی آواز میں اچھی طرح پڑھے اور طبعی طور پر اعراب، سکون، تشدید، حروف مدہ کو زبان سے نکالتا جائے، تو یہ جائز ہے۔ مرعاۃ المفاتیح میں حدیث عجمی واعرابی پر یہ لکھا ہے: والمقصود ان قراۃ الاعرابی والعجمی وان کانت بالنظر الی خروج الالفاظ عن مخارجھا ورعایۃ صفاتھا وقواعد لسان العرب غیر

مستقیم ولکن باعتبار ترتب الثواب علیھا والقبول عنداللّٰہ معتبرۃ۔ یعنی "اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اعرابی اور عجمی کی قرات اگرچہ حروف کی ادائیگی کے لحاظ سے (کہ مخارج سے اور حروف کی صفات کی رعایت سے اور عرب کے قواعد لسانی کی رو سے) درست نہیں ہوتی، جس طرح اہل عرب مادری زبان میں فصاحت اور قواعد سے پڑھتے ہیں، لیکن عنداللّٰہ وہ مقبول اور معتبر ہے اور ثواب اس پر مرتب ہے۔"

اس سے ان مولویوں اور قاریوں کا رد ہو گیا، جو فن تجوید کو فرض عین قرار دے کر منکر کو کافر اور تارک کو فاسق کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن ایسے لوگوں پر لعنت کرتا ہے۔ نعوذ باللّٰہ من ھذا القول۔ نیز مرعاۃ المفاتیح میں یہ لکھا ہے: "اس حدیث میں تنگی اور سختی کو اٹھا دیا گیا ہے اور آسانی پر بناء رکھی گئی ہے کہ الفاظ اور حروف قرآن کو اپنی فطرت اور عادت کے طور پر جس طرح بھی زبان سے ادا کرے، درست ہے۔ زیادہ حرص اور کوشش معانی کی طرف اور قرآن کے مقاصد کا علم حاصل کرنے کی طرف کرنی چاہیے۔"

علامہ طیبی سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ ہمارے اکابر علماء اہلحدیث اسی طرح کیا کرتے تھے کہ قرآن سادہ پڑھا کر ترجمہ سکھاتے اور صرف ونحو کے قواعد پڑھا کر عبارت عربی رواں ہونے پر علم حدیث پڑھایا کرتے تھے، لیکن علماء حنفیہ زیادہ تر کتب فقہ اور فن تجوید پر محنت اور کوشش کرتے اور کراتے رہے، اس لیے مقلدین گمراہی میں پڑے اور اہلحدیث ہدایت پر رہے، پھر جب مقلدین نے یہ کہنا شروع کیا کہ اہلحدیثوں کو قرآن صحیح نہیں آتا، یہ فن تجوید سے ناواقف ہیں، تب انہوں نے بھی مدارس میں قراء کو مدرس رکھ کر فن تجوید سیکھنا شروع کر دیا۔ اب اگر فصاحت اور وضاحت کے طور پر اس علم کو پڑھ کر قرات کرے، تو کچھ حرج نہ تھا، کیونکہ تفسیر اتقان میں ہے: التجوید حلیۃ القراۃ۔ "کہ علم تجوید کے پیش نظر قرات کرنا اس کی زینت اور آراستگی ہے۔" لیکن فن تجوید سے قرات کو فرض عین قرار دے کر اس کے منکر کو کافر اور تارک کو فاسق اور معذب کہنا، غلو فی الدین ہے۔ کیونکہ اس کا ثبوت شرع میں کوئی نہیں اور اس طرح عجمی، اعرابی عوام بلکہ خواص بہت سے اہل اسلام اور علماء کافر اور فاسق قرار پاتے ہیں، یہ خیال باطل ہے۔ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے، عربی ہو یا فارسی، اردو ہو یا پنجابی، ایرانی ہو یا ترکی کسی زبان میں بھی حروف اور الفاظ کو مخارج سے نکال کر اور اس کا اہتمام کر کے بولنے کا رواج نہیں ہے اور نہ ان زبانوں کے سیکھنے میں

علم تجوید کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔ ہر اہل لسان اپنی فطرتی اور مادری طرز سے کلام کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ اپنے اپنے محاورہ سے ہر شخص اپنے ملک کی بولی سمجھتا ہے' کوئی کسی کو غلط نہیں کہتا کہ فلاں حرف' فلاں مخرج سے نہیں نکلا گیا' اس لیے یہ غلط ہے۔ ہاں! اعرابی' سکوتی' تشدیدی غلطیاں جو بدیہی ہیں' ان کو سب معیوب سمجھتے ہیں۔ یہی عربی زبان اور قرآن کا حال ہے اور اسی طرح حدیث اور فقہ کی عبارتیں پڑھی اور بولی جاتی ہیں' ان میں کوئی بھی مخرج کا لحاظ نہیں کرتا' تو قرآن کے لیے یہ فن تجوید کیسے شرط ہو گیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو مخارج سے حروف کی تحقیق کرنے کی تکلیف نہیں دی۔ الا ما جرت به عادتهم فی الکلام۔ "مگر صرف اسی قدر کہ عام طور پر لوگوں کو کلام کرنے کی عادت جاری ہے۔" شاید اس عہد کے قراء اور بعض علماء امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان کے انکار پر کافر کہہ دیں گے کہ وہ فن تجوید مصطلح کو فرض عین تصور کیے بیٹھے ہیں' حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بعض حضرات آیت ورتل القرآن ترتیلا۔ سے فن تجوید مروجہ کا ثبوت پیش کرتے ہیں' جو بالکل غلط ہے۔ اس میں تو صرف ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے کا حکم ہے اور یہ ٹھہراؤ اس قدر ہو کہ سامع کو قاری کا کلمہ سنا جائے اور سمجھ میں آجائے' اتنی جلدی نہ پڑھے کہ سننے والے کو سمجھ میں نہ آئے' یہ منع ہے۔ جیسے آج کل حفاظ ریل گاڑی چلاتے ہیں' ایک گھنٹہ میں تین چار پارے ختم کر دیتے ہیں۔ خصوصاً جہاں میت پر قرآن خوانی ہوتی ہے' وہاں یہ عمل پایا جاتا ہے۔ ترتیل سے مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ کو مخرج سے بہ تکلف نکالنے میں مصروف رہو اور خوب تین چار الف مدہ حرفوں کو کھینچو کہ ایک گھنٹہ میں ایک پارہ بھی ختم نہ ہو۔ حروف کو مخارج سے نکالنے کی کوشش کرنے والا خشوع اور خضوع اور تدبر اور تفہیم معانی سے غافل ہو جاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم جز اول ص۔۲۸۵ میں اعمال باطنہ فی التلاوۃ کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: حجب الفهم اربعة۔ یعنی قرات اور تلاوت کے وقت چار چیزیں معانی قرآن کے سمجھنے میں حائل ہوتی ہیں۔

(۱) قرآن سمجھنے میں پہلی چیز عقل و فہم پر نقاب ڈالنے والی یہ ہے کہ قاری حروف کو مخرجوں سے نکالنے کا اہتمام کرتا ہے اور اسی فکر میں رہتا ہے۔ ایسے قاریوں پر شیطان مسلط ہوتا ہے' جو ان کو قرآن کے معانی سے پھیر کر حروف کی تحقیق پر لگا دیتا ہے' وہ ہمیشہ حروف

کو لوٹاتے اور بار بار پڑھتے ہیں کہ شیطان ان کو وسوسہ میں ڈالتا ہے کہ ابھی تک یہ حروف مخارج سے نکالنے پر منحصر ہے' تو قرآن مجید کے معانی اور مقاصد کلام الٰہی ان پر کہاں سے کھلیں؟ پس جو ابلیس کے فریب میں ایسے آئے ہوئے ہیں' وہ اس کے ہنسنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں' ان قاریوں کو اپنی قرات پر فخر ہوتا ہے اور ریاء و نمود کے طور سے نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں' حدیث میں آیا ہے۔ "اس امت محمدی کے اکثر منافق لوگ اس امت کے قاری ہیں کہ قرآن کے الفاظ کو تصنع سے پڑھنا سیکھ لیتے ہیں اور ان کے معانی اور مقاصد پر یقین نہیں رکھتے' حالانکہ قرآن کی ترتیل تدبر ہی کی غرض سے مشروع اور مسنون رکھی گئی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "قرات سے اصل مقصود کلام الٰہی سے معنی اور مطلب سمجھنا ہے' اس لئے اس میں ترتیل مسنون ہے' کیونکہ ترتیل ظاہری سے باطن میں قرآن پر تدبر کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

قاریوں کا گروہ کہتا ہے کہ ترتیل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو مروجہ ترتیب سے پڑھے' اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروجہ ترتیب سے قرآن پڑھتے تو ایک رکعت نماز تہجد میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران اور سورہ نساء وغیرہ نہ پڑھ سکتے کہ رات کو اپنے نفس اور بیوی کا حق ادا کرنے کے بعد جب تہجد کی نماز پڑھی' تو قرات طویل کی صرف ایک رکعت کا اندازہ تین بڑی سورتوں کے ہے' باقی رکعتوں کی قرات کا اندازہ علیحدہ ہے' یہ شرعی ترتیل تو بن سکتی ہے۔ تجویدی نہیں بن سکتی کہ اس میں قاری صحیح ہونے تک بمشکل سورہ بقرہ پڑھ سکتا ہے' زیادہ نہیں' ورنہ تجویدی ترتیل نہ رہے گی۔ ترتیل تجویدی سے صرف بسم اللہ پڑھی جائے' تو اتنی دیر میں ہم سورہ اخلاص ختم کر کے تیسرے حصہ قرآن کا ثواب حاصل کر لیں گے' اگر ایسی ترتیل فرض ہے تو سلف صالحین میں سے وہ اکابر لوگ جو ایک رات میں قرآن ختم کرتے رہے فاسق اور معذب قرار پاتے ہیں' جو سراسر غلط ہے۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام سواری پر زین ڈالنے کا حکم فرماتے اور سوار ہونے سے پہلے ہی یعنی' زبور جو ان پر نازل ہوئی تھی' ختم کر لیتے' پھر سوار ہو جاتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وتر کی صرف ایک رکعت پڑھتے تھے اور اس میں تمام قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ ایک رات میں تمام قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے' ایک رات میں تمام قرآن پاک ختم کرتے۔

منصور بن ذاذان صلوۃ الضحیٰ میں ایک قرآن ختم کرتے اور دوسرا ظہر اور عصر کے درمیان ختم کرتے تھے اور جب رمضان شریف آتا' تو مغرب اور عشاء کے درمیان قرآن ختم کر دیتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصحاب سے باتیں کر رہے تھے' امام یحییٰ ایک ستون کی طرف بڑھے اور وہاں نماز شروع کی' اس میں تمام قرآن ختم کر کے پھر امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آکر بیٹھ گئے اور یہ مجلس وہی تھی' جو ان کی نماز سے پہلے قائم تھی۔ (ملاحظہ ہو قیام اللیل)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بابت یہ مشہور ہے کہ وہ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

پس قراء حنفیہ کا التزام فن تجوید سے قرات بالترتیل کرنے کا امام کوفہ کے خلاف ہوا' جو ترک تقلید پر مبنی ہے۔ ان اکابر سلف نے قرآن کا حکم رتل القرآن ترتیلا پڑھا ہوا تھا' پھر بھی وہ اتنی جلدی قرآن ختم کرتے رہے۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب فاسق اور معذب ہیں' ایسا کہنے والا رافضیوں میں شمار ہو گا۔ وہاں یہ کہا جائے گا کہ ترتیل سے مراد تجوید مروجہ کے ساتھ پڑھنا نہیں ہے' بلکہ اس کے دو نوع ہیں۔

(۱) یہ کہ ایسے طریقے سے پڑھے کہ دوسرے کو ہر کلمہ سمجھ میں آجائے' یہ ترتیل کامل ہے۔

(۲) یہ کہ قاری کا نفس ہر کلمہ کو سمجھتا جائے' یہ ادنیٰ ترتیل ہے' جس پر بعض سلف کا عمل پایا گیا' وہ قرآن کے عاشق ہو کر اس پر عمل کرتے تھے۔

پس موجودہ ترتیل جس میں پندرہ منٹ قرآن کا ایک رکوع پڑھنے پر لگاتے ہیں اور حرفوں کو مخارج سے نکالنے میں مصروف رہتے ہیں' یہ سلف میں نہ تھی۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک رکعت میں سورہ بقرہ اور آل عمران اور نساء ختم کرتے تھے' یہ ترتیل مروجہ اختیار کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیل ایسی تھی کہ ہر حرف اور اس کا معنی عربی دان کو خوب سمجھ میں آجاتا تھا۔ اہل علم بہت جلد ہی عربی زبان بولتے ہیں' بایں ہمہ وہ سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ قرآن مجید کو بھی سمجھ لیتے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ قرآن اس طرح پڑھنے والوں پر

لعنت کرتا ہے' سراسر اختراع ہے' بلکہ جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ بعض قاریوں اور تالیوں پر قرآن لعنت کرتا ہے' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ جیسے مشرکین' اہل بدعت' اور فاسقین جو حدود اللہ کو توڑنے والے اور فرائض زکوٰۃ' حج کے تارکین ہیں' چنانچہ دیگر احادیث میں اس کی صراحت ہے اور محدثین نے اس کی تشریح کی ہے۔ اسی طرح آیت الذین یتلونہ حق تلاوتہ سے مراد بھی وہی تالی اور قاری ہیں' جو کتاب اللہ پر عامل ہیں۔ اس سے بھی مراد مروجہ فن تجوید نہیں ہے۔ یہ مطلب تحریف قرآن پر مبنی ہے۔

خلاصہ تمام بحث کا یہ ہے کہ مروجہ فن تجوید جس ہیئت کذائیہ سے جاری ہے' یہ تصنع اور ایک پیشہ ہے' مامور بہ شرعی نہیں ہے۔ مثلاً قراء نے اوقاف کی قسمیں لکھی ہیں' جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تام (۲) ناقص (۳) حسن (۴) قبیح

ان کے متعلق امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وتسمیة ذالک بدعة "ایسے نام رکھنے بدعت ہیں۔" یہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ مقلدین قراء اس فن میں بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قاریوں کو غلو فی الدین سے بچائے اور قرآن پر عمل کرنے کی توفیق دے' آمین۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث لاہور جلد۔۱۸' شمارہ۔۷' ۴۸' ۴ و جلد۔۱۹' ۱' ۲ مورخہ۔۲۰' ۲۸ مئی و ۱۰' ۱۷ جون سنہ۔۱۹۶۶ء

قول سدید در مروجہ فن تجوید

ناظرین اہل علم کو واضح رہے کہ مولانا محمد اسلم صاحب نے اپنے سابقہ مضمون میں دعویٰ کیا تھا کہ مروجہ علم تجوید کا سیکھنا نماز کی طرح فرض عین ہے اور اس کے خلاف پڑھنا حرام ہے' اس کا تارک معذب فی النار اور منکر کافر ہے۔

بندہ نے اس کا جواب یہ عرض کیا تھا کہ اگر فن تجوید کو قرات کی زینت اور بطور تصنع سیکھا جائے' تو یہ جائز ہے' لیکن اس کو فرض عین قرار دے کر منکر کو کافر اور تارک کو معذب ٹھہرانا یہ غلو فی الدین ہے اور سراسر محدث ہے۔ اب مولانا نے میرے تبصرہ سے غضبناک ہو کر جو انتباہ کیا ہے' وہ سراسر عصبیت کا مظہر ہے' اس میں کوئی دلیل ان کے دعویٰ کے مطابق نہیں پائی گئی اور دعویٰ بلا دلیل قابل سماعت نہیں ہے۔

مولانا محمد اسلم صاحب ماشاء اللہ مدرس ہیں اور اہل علم میں شمار ہیں' لیکن بایں ہمہ سخت اصولی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں' آپ کو یہ اصول خوب معلوم ہے کہ فرض عین وہ ہوتا ہے' جو ہر ایک مرد' عورت مکلف پر لازم ہو' جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو۔ مثلاً نماز فرض ہے' جس کا ثبوت دلیل قطعی سے پلایا جاتا ہے۔ کما ھوالظاھر۔ پس ایسا ثبوت کہ کتاب وسنت کی دلیل قطعی سے مطلوب ہے' جو اب آنجناب اپنے دونوں مضامین میں پیش نہیں کر سکے اور نہ انشاء اللہ کر سکیں گے۔ ولو کان بعضکم لبعض ظھیرا۔

دعویٰ میں اضطراب: اول تو آں جناب کے دعویٰ اور اعتقاد میں اضطراب ہے کہ کبھی اس کو واجب فقہی لکھتے ہیں' کبھی واجب عرفی فرماتے ہیں' کبھی فرض کفایہ قرار دیتے ہیں اور کبھی مروجہ تجوید کو نماز کی طرح فرض عین بتاتے ہیں۔

جنوں کا نام رکھ لیا خرد' خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ کو اصل تحقیق نہیں کہ اس مروجہ تجویدی فن کا شرعی حکم کیا ہے۔ یونہی اٹکل پچو سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے دونوں مضامین میں جو دلائل پیش کیے ہیں' ان میں اور دعویٰ میں تقریب تام نہیں۔ یوں ہی آیت قرآنی اور احادیث کو بے محل پڑھ کر کہہ دیا کہ

ان سے مروجہ فن تجوید کی فرضیت ثابت ہو گئی' جیسے مرزائی آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد سے استدلال کرتے ہیں کہ "مرزا غلام احمد نبی رسول ہے۔" حالانکہ یہ استدلال نہیں تحریف ہے۔ افسوس ہے کہ ایسے لوگ نصوص اربعہ کی پہچان کر کے استدلال نہیں کرتے' بلکہ اپنی طرف سے کسی دلیل میں کھینچ تان کر کے دعویٰ ثابت کرتے ہیں' یہ روش اہل بدعت کی ہے۔

لطیفہ : آج کل کے گمراہ فرقوں کے دعویٰ اور دلیل کی عدم مطابقت پر کسی کا بیان کردہ لطیفہ یاد آیا' سمجھانے کے لیے بطور مثال پیش کر رہا ہوں' کہتے ہیں کہ کسی شخص کی بیوی بدمزاج اور بڑی بخیل تھی' ایک دن اس شخص کے گھر میں چند مہمان آگئے' جن کو اس نے بیٹھک میں بیٹھا کر گھر میں بیوی کو اطلاع کر دی کہ اتنے مہمان آئے ہیں' ان کے لیے کھانا پکانا چاہیے۔ اس نے غصہ سے چلا کر کہا انہیں "خاک" کھلاؤ۔ مہمان قریب ہی بیٹھے تھے' انہوں نے بھی یہ لفظ سن لیا۔ مالک خانہ دل میں بہت پشیمان ہوا اور فوراً بیٹھک میں واپس آیا اور مہمانوں سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں نے میری بیوی کی آواز سن لی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں سن لی ہے' آپ نے کھانا پکانے کو کہا' تو اس نے کھانے کی بجائے "خاک" کہا۔ مالک خانہ نے کہا' اس نے گوشت پکانے کی رائے پیش کی ہے' دراصل وہ بڑی عالمہ اور فقیہہ ہے' علم وادب کے پردہ میں وہ ایسی ہی باتیں کرتی ہے' جس میں بڑے رموز اور اسرار ہوتے ہیں' چنانچہ اس نے جو لفظ "خاک" کہا ہے' اس کو رموز کے قاعدے الٹائیے' تو "کاخ" بنتا ہے اور "کاخ" فارسی زبان میں "محل" کو کہتے ہیں اور "محل" کے لفظ کو الٹا جائے' تو "لحم" ہو جاتا ہے اور "لحم" عربی زبان میں گوشت کو کہتے ہیں۔ میری بیوی فصیح گفتگو کرتی ہے کہ اس نے ایک لفظ میں اردو' فارسی' اور عربی علوم کو جمع کر کے یہ ظاہر کیا کہ مہمانوں کے لیے گوشت پکے گا۔ یعنی گمراہ فرقوں کے علماء کا طریقہ ہے کہ کسی بدعت کا ثبوت دینا ہو تو کوئی آیت یا حدیث جو دعویٰ سے بالکل بے تعلق ہو' پڑھ کر کھینچا تانی سے اپنا دعویٰ ثابت کرتے ہیں۔

مولانا اسلم صاحب نے بھی اسی طرح کیا ہے کہ کسی عالم کی غیر متداول کتاب سے عبارت نقل کر کے کہتے ہیں کہ "اس حدیث اور نہایۃ القول المفید کی وضاحت سے روز روشن کی طرح فن تجوید کی اہمیت واضح ہو گئی۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ فن قدیم ہے'

سنت رسول اللہ ﷺ اس کی تائید میں ہے۔" یہ صریح جھوٹ ہے' تمام عبارت اخبار "الاعتصام" مطبوعہ ۲ دسمبر کے ص ۸ پر موجود ہے۔ کسی محدث ماہر حدیث کے سامنے رکھ کر دریافت کریں کہ اس میں کون سی حدیث نبوی مذکور ہے۔ صرف مولف کتاب کا قول ہے : قد وصل الینا کذالک من المشائخ العارفین بتحقیقه وتدقیقه المتصل سندهم بالنبی صلی اللہ علیه وسلم عن جبریل عن اللوح المحفوظ عن اللہ تعالیٰ۔ جس کا ترجمہ خود مولانا قاری صاحب نے یوں کیا ہے۔ "مشائخ عارفین سے تحقیق وتدقیق کے ساتھ ہم تک اس طرح پہنچا' جس کی سند آنحضرت ﷺ تک متصل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قرآن حکیم کو اس نہج کے ساتھ حضرت جبریل سے اخذ کیا اور حضرت جرائیل علیہ السلام نے اس کو بواسطہ لوح محفوظ کے اللہ ذوالجلال سے حاصل کیا۔"

یہ حدیث نہ مرفوع ہے' جو کسی صحابی سے مروی ہو اور نہ کسی صحابی کا قول ہے اور نہ کسی حدیث کی معتبر کتاب متداولہ سے حدیث بلفظہ منقول ہے' صرف نہایۃ القول کے مصنف کا قول ہے اور اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ مقلدین حنفیہ کی کتاب "پکی روٹی" وغیرہ میں مذہب حنفیہ کا ثبوت یوں دیا ہے کہ "فقہا نے یہ مذہب اور فقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے اور حماد نے ابراہیم نخعی سے اور ابرہیم نخعی نے علقمہ سے اور علقمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اور رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے اور جبریل نے اللہ تعالیٰ سے۔" پس مذہب حنفی اور فقہ حنفیہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے۔ کیا کوئی عالم کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث نبوی ہے یا صاحب کتاب کا قول اور ظن ہے' جب تک اس پر کوئی حدیث مسلسل سند کے ساتھ بطریق محدثین پیش نہ ہو گی' یہ قول باطل اور مردود متصور ہو گا۔

بندہ نے امام غزالی اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب شیخ العرب وعجم سے نقل کیا کہ یہ فن اختراعی ہے' اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے نہیں پایا گیا' تو مولانا مجھے فرماتے ہیں۔ "ذرا سوچ تو سہی کہیں تقلید شخصی کا سیلاب تو تجھے بہا کر نہیں لے گیا۔" حالانکہ خود مؤلف نہایۃ القول وغیرہ کی تقلید کو حبل فی الجید کر کے اس کے سیلاب میں بہہ رہے ہیں :

کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تعلمون اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔ سچ ہے۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

پھر مزید گناہ یہ کہ ایک عالم کے قول کو حدیث قرار دے دیا' جس سے ظاہر ہوا کہ آنجناب علم حدیث میں صفر کے برابر ہیں' ورنہ قول عالم کو حدیث نبوی نہ ٹھہراتے۔ اسی طرح قرات کی کتابوں سے یہ حدیث نقل کی ہے : رب قارئ للقراٰن والقراٰن یلعنہ۔ نہ اس کا ماخذ بتایا اور نہ بیان کیا کہ یہ مرفوع حدیث ہے یا موقوف ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث بے ثبوت ہے' جس کی کوئی سند صحیح نہیں پائی گئی۔ پس اس بے ثبوت حدیث سے فن تجوید نہ سیکھنے والوں کو ملعون ٹھہرانا خود لعنت کا طوق گلے میں ڈالنا ہے' اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ پھر اس سے مراد وہ قراء ہیں' جو علم تجوید موجبہ پڑھنے پڑھانے میں عمریں ضائع کرتے ہیں اور قرآن کے معانی' مطالب اور اس میں تدبر و تفکر کرنے سے محروم ہیں۔

موجودہ قراء کے بارے میں نبوی پیشین گوئی: عرب و عجم میں جو قراء موجبہ فن تجوید سیکھ کر قرات میں ماہر بنے ہوئے ہیں اور دوسرے لوگوں کی قرات کو غلط بتاتے ہیں اور خود مقصد قرآن سے غافل ہیں' ان کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میرے بعد ایسے قاری پیدا ہوں گے' چنانچہ امام ابن کثیر نے فضائل القرآن ص۔۵۴ میں حدیثیں نقل کی ہیں' جن میں یہ خبر درج ہے کہ عربی' عجمی وغیرہ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے' آپ نے سن کر فرمایا : انتم خیر تقراون کتاب اللّٰہ وفیکم رسول اللّٰہ وسیاتی علی الناس زمان یثقفونہ کما یثقف القدح۔ نیز دوسری حدیث ص۔۵۵ میں نقل کی ہے کہ عجمی اور عربی لوگ قرآن پڑھ رہے تھے' آنحضرت ﷺ نے سب کا قرآن سن کر یہ فرمایا : اقرؤا فکل حسن وسیاتی قوم یقیمونہ کما یقام القدح یتعجلونہ ولا یتاجلونہ۔ "کہ تم قرآن پڑھو' سب کا پڑھنا ٹھیک ہے' عنقریب ایک ایسی قوم ظاہر ہو گی' جو قرآن کے حروف کو تیر کی طرح سیدھا کرے گی' وہ دنیا ہی میں اس کا نفع حاصل کریں گے اور آخرت پر ادھار نہ رکھیں گے۔"

ان دونوں حدیثوں سے یہ ظاہر ہوا کہ ایسی قوم قاریوں کی عہد نبوی میں نہ تھی' یہ بعد میں ظاہر ہوئی' جنہوں نے فن تجوید ایجاد کیا اور قرآن کے حرفوں کو تیر کی طرح درست کرنے میں مصروف ہوئے اور انہوں نے اس فن کو فرض عین ٹھہرا کر لوگوں کو سکھلانا اور اس پر مشاہرے لینے شروع کئے۔ اس فن تجوید کو فرض ٹھہرا کر سیکھنا' سکھلانا بدعت اور گمراہی ہے اور اس پر تنخواہ لینا بھی ناجائز ہے' کیونکہ یہ اجرت امر محدث پر ہے اور محدث

چیز کو سکھلا کر اجرت لینا منع ہے۔ پہلے لوگوں کا مذہب اور عقیدہ ملاحظہ ہو۔ "کسے کہ ازادائے حروف ورعایت قواعد قرآن عاجز باشد برو لازم است کہ باقی عمراو شب وروز در تعلیم آں بکوشد والآ نمازش جائز نیست۔" یعنی "حروف مشتبہ الصوت کے فرق کرنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے' اگر کسی پر ادائے حروف' قواعد تجوید کی رو سے مشکل ہو اور وہ عاجز ہو جائے' تو اس پر لازم ہے کہ دن' رات عمر بھر اس کی تعلیم پر لگا رہے' ورنہ نماز جائز نہ ہو گی۔"

جب یہ فتویٰ دیا گیا' تو بیچارے عوام ان حروف کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے اور نمازوں میں بھی انہی حرفوں کے سیدھا کرنے میں لگے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹالی اور معانی سے غافل ہو گئے۔ اس کو علماء کرام نے تلبیس قرار دیا۔ چنانچہ امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" شیطان کی تلبیس جن لوگوں میں پائی جاتی ہے' مفصل لکھتے ہوئے' قاریوں کی تلبیس کا ذکر فرمایا ہے کہ ابلیس نے بہت سے نمازیوں پر حروف مخارج میں تلبیس ڈال دی۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ بعض قاری الحمد للہ' الحمد للہ مکرر سہ کرر پڑھتا ہے' حتیٰ کہ وہ اس کلمہ کے بار بار اور مکرر سہ کرر کہنے کی وجہ سے نماز کے ادب سے خارج ہو جاتا ہے اور کبھی نمازی پر تشدید کے ٹھیک نکالنے میں تلبیس ڈالتا ہے اور کبھی غیر المغضوب کے ضاد کو نکالنے میں تلبیس کرتا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ المغضوب کہتا تھا' تو غایت تشدید (شد) کی وجہ سے ضاد نکالنے کے ساتھ تھوک نکل پڑتا تھا' حالانکہ مراد تو حرف کو صحیح نکالنا ہوتا ہے' لیکن ابلیس ان لوگوں کو ایسی زائد فضولیات کی طرف اس لئے لے جاتا ہے کہ تلاوت میں معانی کی فکر سے خارج ہو کر ایسے مبالغات میں پڑ جائیں۔ (تلبیس ابلیس مترجم ص۔۱۹۶)

میں کہتا ہوں کہ یہ بیچارے اس طرح نماز میں اس لئے کوشش کرتے ہیں کہ مروجہ فن کے حامیوں نے یہ فتوے دے رکھے ہیں کہ جب تک مخرج سے حروف خوب طرح نہ نکالو گے' نماز نہ ہو گی' کہ اس طرح حروف کا نکالنا نماز کی طرح فرض عین ہے' ساری عمر کوشش کرے کبھی معاف نہیں۔ نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ الباطلۃ۔ انہوں نے اختراعی فتویٰ دے کر عوام کو مشکل میں ڈال دیا ہے' چنانچہ مجموعۃ التفاسیر کے حوالہ سے یہ نقل کر چکا ہوں کہ ومن الفتنۃ ان یقول لاھل القریٰ والبوادی والعجائز والعبید والاماء لا تجوز

الصلوة بدون التجوید وھم لا یقدرون علی التجوید فیترکون الصلوٰة راسا۔ (ص-۲۱' ج-۱) یعنی "یہ بات بڑی فتنہ کی ہے کہ دیہاتی لوگوں اور جنگلی لوگوں اور بوڑھوں' غلاموں اور لونڈیوں کو یہ کہا جاتا ہے کہ فن تجوید سیکھو (یہ فرض عین ہے) اس کے بغیر نماز جائز نہیں ہے' چونکہ فن تجوید سیکھنے پر وہ قادر نہیں ہوتے' اس لئے نماز ہی کو سرے سے چھوڑ دیتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ غلو اور تشدد ہے۔ ہر شخص کو اپنی فطری زبان اور آواز سے حروف نکالنے اور آسانی سے پڑھنے کا حکم ہے' جیسا کہ ہر ملک کے لوگ اپنی اپنی زبان میں بولتے اور کلام کرتے ہیں۔ مثلاً پنجابی' اردو' فارسی' عربی' ترکی' پشتو' یونانی' سریانی' عبرانی' اور انگریزی وغیرہ' کسی زبان میں حروف کو مخارج سے نکالنے کا اہتمام نہیں' اگر اعرابی غلطی کوئی شخص کرے تو بتایا اور سمجھایا جاتا ہے' لیکن حروف مشتبہ الصوت میں فرق محاورہ اور قرائن سے سب لوگ جان لیتے ہیں۔ کوئی ملک کسی زبان کے حروف تہجی کو مخارج سے نکالنے کا اہتمام نہیں کرتا اور نہ کسی زمانہ میں کیا گیا ہے۔ عربی زبان کا بھی یہی حال ہے۔ جب عہد نبوی ﷺ میں دیہاتی لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے قرآن سیکھا۔ عجمی لوگ بھی جب اسلام میں داخل ہوے تو انہوں نے بھی قرآن سیکھا' بوڑھوں' جوانوں' بچوں' مردوں اور عورتوں نے بھی قرآن سیکھا۔ سب قوموں نے قرآن سیکھا' مگر کسی وقت بھی نہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا اور نہ درسگاہوں میں اس کا اہتمام کیا اور نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام نے اس کا انتظام کیا' اگر کیا ہوتا تو اور لوگ حروف کی مشق قواعد تجوید پر کرتے' تو اس کا احادیث میں ذکر ہوتا ہے اور محدثین اپنی کتب حدیث میں : باب الفرق بین الضاد والظاء کا باب ضرور باندھتے اور ان کے تحت ان روایات کو لاتے' لیکن اس کا وجود ہی نہ تھا' اس لئے کسی نے ذکر نہ کیا۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد قراء کی قوم حسب الارشاد نبوی پیدا ہوئی' تو انہوں نے یہ قواعد اور ان پر مشق کرانا ایجاد کیا اور پھر رفتہ رفتہ تشدد اور مبالغہ آمیزی شروع ہو گئی اور ایک مستقل فن بن گیا اور درس گاہوں میں اس کا اہتمام کر کے اس کو فرض قرار دے کر سب لوگوں پر لازم کر دیا اور یہ فتویٰ نافذ کیا کہ جو مروجہ تجوید کے بغیر نماز پڑھے گا اس کی نماز نہ ہو گی اور وہ ملعون اور معذب فی النار ہو گا اور اگر انکار کرے گا' تو

کافر ہو گا۔ نعوذ باللہ من ھذا الاعتقاد الفاسد۔

بندہ راقم الحروف اس فن مروجہ سے پڑھنے اور اس کو لازم ٹھہرانے کو غلو اور احداث فی الدین قرار دینے میں منفرد نہیں ہے' بلکہ محدثین اور محققین کا بھی یہی مسلک ہے۔ چنانچہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ایک کتاب "اغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان" لکھ کر شائع فرمائی ہے' جو نہایت معتبر اور مقبول ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے شیطانی مصائد اور فریب کاروں اور وساوس کا ذکر کر کے ان کی خوب تردید کی ہے اور ان میں مروجہ تجوید کے قاریوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ کس طرح وسواس میں مبتلا ہیں اور موجودہ فن تجوید کو انہوں نے بدعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ص-۱۸۰ سے ص-۱۸۱ تک اس کی بحث درج ہے اور مستقل ایک فصل میں یہ عنوان لکھا ہے :

ومن ذالک الوسوسۃ فی مخارج الحروف والتنطع فیہ۔ یعنی "شیطانی وسوسوں میں سے ایک وسوسہ شیطان کا یہ ہے کہ وہ حروف کو مخارج سے نکالنے اور اس میں مبالغہ کرنے میں مشغول کرتا ہے۔"

اس کے ماتحت جو لکھا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے امام ابن الجوزی کا قول نقل کیا ہے' جس کا ترجمہ پہلے لکھا گیا ہے۔ امام ابن قتیبہ نے مشکل القرآن میں کہا ہے کہ پہلے لوگ قرآن کو اپنی زبانوں سے آسانی اور سادگی سے پڑھتے تھے' پھر ایسے لوگ پیدا ہوئے شہری اور عجمی کہ ان کی یہ علامت نہ رہی اور وہ تکلف سے واقف نہ ہوئے اور حروف کی درستگی میں مشغول ہو گئے۔ عوام کو یہ خیال ہوا کہ یہ صلاحیت دین میں مصروف ہیں اور انہوں نے ضعیف حیلہ سازی سے حروف مخرجوں سے نکالنا اختیار کیا اور اس کو عرب اور اہل حجاز کا مذہب قرار دیا اور مد وہمزہ اور حرفوں کو پورا کرنے میں حد سے تجاوز کر گئے اور متعلمین کو اس مشکل مذہب پر چلنے کے لئے برانگیختہ کیا کہ اس میں انجلاع اور ادغام میں حد سے گزرے ہوئے تھے' جس سے امت پر آسانی کی بجائے دشواری پیدا ہو گئی اور وسعت کی جگہ تنگی آ گئی اور اس پر تعجب یہ ہے کہ لوگوں پر مسلک تجوید کو لازم کر دیا اور بغیر اس کے نماز کو مکروہ قرار دیا۔ بھلا بغیر اس کے نماز جائز نہیں' تو ملک کی کون کون سی جگھوں پر یہ قرات مستعمل ہے؟

امام ابن عیینہ کا تو یہ خیال تھا کہ جو لوگ اس قرات کی پابندی کریں' وہ نماز کو لوٹائیں کہ

یہ محدث ہے اور مسلمانوں میں سے بہت سے علماء اخیار اس حکم میں اس کے موافق ہوئے' جن میں خاص قابل ذکر بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ لیکن عوام اور معمولی لوگ ان کی قرات کی طرف رغبت کرنے لگے کہ وہ بڑی مشقت اور تکلف سے اس قرات کو ادا کرتے ہیں اور پڑھانے والے سے متعلم کا سورہ فاتحہ کا دس دن میں سیکھنا اور سو آیت ایک ماہ میں اور سات سورہ الطوال ایک سال میں۔ اس قرات کی مشق کرنے والوں کو دیکھا کہ بوقت قرات باچھیں جھک جاتیں اور رگیں تیز ہو کر پھول جاتیں اور پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا' تو لوگ سمجھتے کہ یہ اس قرات میں بڑے ماہر قاری ہیں اور ان کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔ پھر امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیس ھکذا قراۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا خیارا السلف ولا التابعین ولا القراء العالمین بل کانت سھلۃ رسلۃ یعنی "اس طرح کی قرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین عظام اور علماء قاریوں کی نہ تھی' بلکہ ان کی قرات نہایت سہل' سادہ اور نرمی سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تھی۔"

امام عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ایسے فلاں قاری کی قرات کو درست نہیں رکھتا اور سخت مکروہ سمجھا۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بن انس سے نقل کیا کہ وہ لمبی قرات سے منع فرماتے تھے۔ فضل بن زیاد نے ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ میں اس فن کے قاریوں کی قرات سے کون سی چیز ترک کروں؟ تو فرمایا کہ ان کا مروجہ ادغام اور کسر کہ یہ عرب کی زبان میں معروف نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے نے اپنے والد سے بھی یہ بات دریافت کی' تو فرمایا! "کسر شدید اور اضجاع" اور فرمایا! ان کی طرح ادغام اور حرفوں کو جھکا کر پڑھنا اختیار نہ کرو' تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے اختراعی قواعد کی پابندی ضروری نہیں۔

حسن بن محمد نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا ان قاریوں کی قرات کسی شخص کو سیکھنا جائز ہے؟ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو برا سمجھا اور فرمایا: انما ھی قراۃ محدثۃ "یہ نئی قرات بدعت ہے۔" ابن سعید نے آپ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے اس قرات مروجہ کی بابت دریافت کیا گیا' تو فرمایا کہ میں اس کو سخت برا سمجھتا ہوں اور فرمایا: ھی قراۃ محدثۃ ما قرا بھا احد۔ یہ مروجہ تجویدی قرات بدعت ہے' اس طرح سلف میں سے کسی

نے قرات نہیں کی کہ میں تو ایسے قاری کے پیچھے نماز پڑھوں تو اعادہ کرلوں گا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایسے قاری کے پیچھے نماز پڑھے' تو اعادہ کرے اور دوسری روایت ہے کہ اعادہ نہ کرے' پھر لکھا ہے : والمقصود ان الائمۃ کرھوا التنطع والغلو فی النطق بالحروف۔ یعنی خلاصہ مقصود یہ ہے کہ ائمہ محدثین نے اس مروجہ فن تجوید کی قرات کو جس میں حروف کے بولنے میں غلط غلو کیا جاتا ہے اور زبان کو تالو سے لگا کر حرفوں کے نکالنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے' نہایت مکروہ سمجھا ہے' بلکہ اس کو بدعت قرار دیا ہے۔

پھر علامہ ابن القیم رئیس المحققین رحمۃ اللہ علیہ بطور فیصلہ بحث کے آخر میں لکھتے ہیں : ومن تامل ھدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقرارہ اھل کل لسان علی قرائتھم تبین لہ ان التنطع والتشدد والوسوسۃ فی اخراج الحروف لیس من سنۃ۔ یعنی "جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے واقف ہے کہ آپ مبالغہ اور تکلف سے قرات نہ کرتے تھے اور ہر زبان کے لوگوں کو ان کی قرات پر برقرار رکھتے اور کسی مخارج سے حروف نکالنے کی مشق میں نہ ڈالتے' یہ ظاہر کرتا ہے کہ قرات میں مبالغہ کرنا اور منہ کے کناروں' کلپھڑوں میں تکلف سے حرکت دے کر پڑھنا اور حروف کے نکالنے میں وسوسہ کرنا کہ ابھی یہ حروف اپنے مخرج سے اچھی طرح نہیں نکلا' یہ سنت نبوی نہیں ہے۔"

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت اور ایسے محدثین کے اقوال سے یہ ظاہر ہوا کہ مروجہ فن تجوید بدعت ہے' ایسے قاریوں کے پیچھے نماز پڑھنا بھی مخدوش ہے۔

مولانا اسلم صاحب نے جو یہ فرمایا کہ آپ اپنے دعوئی میں سچے ہیں' تو موجودہ اکابر علماء میں سے کسی کو اپنی تائید میں لائیں' سو اس کا جواب یہ ہے کہ آج کل کے علماء سے سلف اور محدثین رحمھم اللہ اجمعین عظیم درجہ رکھتے ہیں' مجھے ان کی تائید کافی ہے کہ وہ اس فن مروجہ کو محدث فی الدین فرما رہے ہیں۔ اکابر علماء کا تعامل بندہ نے پیش کر دیا تھا کہ ہمارے سب علمائے اہلحدیث سنت کے مطابق بلا تکلف سیدھی سادھی قرات کرتے ہیں۔ ان کی قرات اور اہل تجوید کی قرات میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ اکثر قراء کا مسلک کتب تجوید میں یہ لکھا ہے کہ جہاں لفظ لا لکھا ہو' وہاں وقف نہ کرنا چاہئے' حالانکہ یہ مسلک خلاف سنت ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور سترہ (۱۷) مقام قرآن میں ایسے بتائے

ہیں' جہاں حرکات بدل کر پڑھنا کفر ہے' حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کفر اس وقت ہو گا' جبکہ عمداً پڑھے گا' اگر زبان کی سبقت یا لغزش سے ایسے مقامات میں کوئی حرکت بدل گئی اور اس کے معنی پر عقیدہ نہیں ہے' تو کافر نہ ہو گا۔

اعلام الموقعین میں ہے : لو نطق بکلمة الکفر من لا یعلم معناھا لم یکفر۔ یہ قاریوں کی حکم شرعی سے جہالت ہے۔ ایسا ہی علامات اوقاف کو واجب' لازم اور کسی کو منع ٹھہرانا یہ ان کی ذاتی ایجاد ہے' شارع نے یہ احکام بیان نہیں کئے ہیں۔

اسی طرح یہ ایک الفی' مد' تین الفی' مد' چار الفی' مد اور ان کا اندازہ انگلیوں کے بند کرنے سے بتانا' یہ اب اختراعی باتیں ہیں اور یہ کہ حرف ضاد کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرے کہ منہ میں شکن پڑے اور ہمزہ نکالنے میں ناف ہلے' یہ سب ناجائز مبالغے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ "ض" اور "ظا" کے مخرجوں میں قرب ہے' جن کا فرق بہت باریک ہے۔ اس لیے صحیح اور برحق مذہب یہ ہے کہ ان میں فرق معاف ہے : اغتفر استعمال احدھما مکان الاخر لمن لا یمیز ذالک۔ یعنی "جو شخص "ض" اور "ظا" میں فرق نہ کر سکے' وہ ایک کو دوسرے حرف کے ساتھ استعمال کرے تو جائز ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ سب مشتبہ الصوت حروف کا بھی یہی حکم ہے کہ جن میں فرق کرنا دشوار ہے۔ مثلاً ص' س۔ ط' ت۔ ذ' ز۔ ان میں فرق نہ کر سکے تو مذہب مختار اکثر فقہاء اور محدثین کا یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی' کیونکہ عوام حروف کے مخرجوں کو نہیں پہنچانتے اور وہ اپنی فطری زبان سے جس طرح بولتے ہیں' اسی طرح قرات کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے دوبار حج کیا' تو سب ممالک کے لوگوں کو بغیر قراء ماہرین کے سادگی سے قرات کرتے سنا ہے' عرب کے عوام کا بھی یہی حال ہے۔ مولانا اسلم صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے کہ "تم قرآن کو عرب کے لہجے میں پڑھو۔" تو اس سے مراد مصر کے قراء نہیں' جو بہت عرصہ مخارج کا علم حاصل کر کے ان سے حروف نکالنے کی رٹ لگاتے رہتے ہیں' بلکہ وہی اہل عرب مراد ہیں جو اپنی فطری زبان سے عربی میں جیسے کلام کرتے ہیں یا اشعار پڑھتے ہیں' ویسے وہ قرآن کی قرات کرتے ہیں' تو اسی طرح اپنی فطری زبان سے عجمی لوگ قرات کرنے پر مامور ہیں' اگر بعینہٖ مادری زبان کی طرح حروف نکالیں جس طرح اہل عرب نکالتے تھے' تو یہ مراد غلط ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے سامنے عربی' عجمی لوگوں نے

قرآن پڑھا تو سب کا مختلف لہجہ سن کر فرمایا : اقراء وا فکل حسن۔ "تم قرآن کو پڑھتے رہو' سب کا پڑھنا اچھا ہے۔"

دراصل یہ حکم اہل عشق و اہل فسق کے مقابلہ میں صادر ہوا کہ راگنی میں قرآن نہ پڑھو' عرب کے لہجے میں طبعی خوش آوازی سے پڑھو۔ چنانچہ تمام حدیث فضائل القرآن کے ص۔۳۲ پر ہے' جس میں یہ الفاظ وارد ہیں : وایاکم ولحون اھل الفسق واھل الکتابین وسیجیء قوم من بعدی یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والمبالغة والقراء۔ یعنی "اہل فسق اور یہود ونصاریٰ کے لہجہ میں قرآن پڑھنے سے بچو۔ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے' جو قرآن کے لفظوں کو حلق میں پھرا کر گانے والوں اور راہبوں اور نوحہ کرنے والوں کے لہجے میں پڑھیں گے۔"

چنانچہ ان احادیث میں مروجہ فن تجوید کا کوئی ذکر نہیں ہے' اسی طرح جو روایات مولانا اسلم صاحب نے جوش میں آکر پیش کی ہیں' ان میں کوئی بھی ان کے مدعا پر دال نہیں ہے' وہ سب اپنے محل میں درست ہیں۔

آپ کو چاہیے کہ مروجہ فن تجوید اختراعی کے فرض عین ہونے پر کوئی ایک نص قطعی دلیل پیش کریں اور اس پر تعامل صحابہ پیش کریں' ورنہ دعویٰ کا بطلان عیاں ہے۔ قراء اور علماء کے اقوال سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی' بلکہ یہ آپ کے عجز کی دلیل ہے کہ قراء کی تقلید میں فرضیت کا دعویٰ کیا ہے۔ جس پر کوئی شرعی دلیل ناطق نہیں ہے' فقط۔

از ابوالشکور عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث لاہور۔ جلد۔۱۹' شمارہ۔۲۲' ۲۳' ۲۴ مورخہ۔ ۴' ۱۱' ۱۸ نومبر سنہ۔۱۹۶۶ء

تلاوت قرآن

بزم علمی کے ایک جواب پر تعاقب

صحیفہ اہلحدیث مطبوعہ یکم رجب سنہ ۷۲ ھ میں بزم علمی میں ایک سوال شائع ہوا ہے کہ میں اور میری بیوی صبح کے وقت ایک ہی جگہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں' ہمیں ایک دوسرے کو قرات کی آواز سنائی دیتی ہے' ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح جائز نہیں' کیونکہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموش رہ کر سننا چاہیے' انتھٰی بلفظہٖ

اس کا جواب میر بزم صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس طرح تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں' جس مکتب میں بہت سارے بچے اکٹھے بیٹھ کر قرآن پڑھتے ہیں' مولوی صاحب کے پاس جو' جواز ان کے لیے ہے وہی آپ کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں جہاں قرآن مجید کا وعظ ہو رہا ہو' وہاں خاموش ہو کر سننا چاہیے' انتھٰی بلفظہٖ

جناب میر بزم صاحب! بتلایئے یہ دلیل نصی ہے' یا عرفی ہے' شرعی ہے' یا رواجی؟ مقلدین کے مقابلہ میں تو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث نبوی ﷺ کو حجت شرعی سمجھتے ہیں' لیکن جب کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث نبوی کے پیش کرنے میں قاصر ہوں تو کبھی اجماع کی طرف دوڑتے ہیں' کبھی قیاس کی طرف اور کبھی خود ہی قیاس کرنے لگ جاتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی دلیل ہے کہ بہت سارے بچے اکٹھے بیٹھ کر قرآن پڑھتے ہیں' اس لئے جائز ہے۔ پہلے تو بچوں کے اکٹھا پڑھنے کو دلیل شرعی تصور کیا' دوم اس کو مقیس علیہ قرار دے کر میاں بیوی کے ایک جگہ بیٹھ کر قرآن بالجہر پڑھنے کو اس پر قیاس کیا' چونکہ میر صاحب مجتہد تھے' اس لئے قیاس فاسد کیا' کیونکہ بچوں کا سکول میں اکٹھا پڑھنا سبق یاد کرنے اور تعلیم اور تعلم کے طور پر ہے اور میاں بیوی یا دیگر لوگ جو ایک جگہ بلند آواز سے قرآن خوانی کرتے ہیں' وہ بطور ذکر الٰہی اور تلاوت بالقرآن محض عبادت کے طور پر کرتے ہیں' جس میں ایک دوسرے پر قرآن بلند آواز سے پڑھنا منازعت ومخالجت پیدا کرتا ہے' جس سے ایک دوسرے کے تدبر وتفکر فی القرآن میں خلجان واقع ہوتا ہے اور خشوع اور توجہ الی اللہ میں حرج ظاہر ہوتا ہے۔ پس نہ بچوں کا اکٹھا پڑھنا شرعی دلیل ہے اور نہ اس پر

دوسری حالت کو قیاس کرنا صحیح ہے۔

نئے گل کھلیں گے تری انجمن میں
اگر رنگ یاران محفل یہی ہے

جناب میر بزم صاحب! نوراللہ قلبک بنور العلم' آپ کا جواب قرآن اور حدیث کے خلاف ہے' جس کی تفصیل مع الدلیل یہ ہے : واذا قری القراٰن فاستمعوا لهٗ وانصتوا لعلکم ترحمون۔ یعنی "جس وقت قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو' تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" یہ نص قطعی ہے' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اور جس وقت اور جس جگہ قرآن پڑھا جائے' جس کو سنا جا سکتا ہو' تو اس کو سننا چاہیے اور خاموش رہنا چاہیے' یہ موجب رحمت ہے۔ آیت میں لفظ اذا ظرفیہ ہے جو عموم اوقات کے لیے ہے۔

نور الانوار میں ہے : اذا ومتٰی یدلان عموم الزمان وکلیتہ۔ یہ ان اوقات کو بھی شامل ہے جب خارج نماز سے قرآن بلند آواز سے پڑھتے ہیں' اس لئے ایک شخص قرآن بلند آواز سے پڑھے تو دوسرے پر سننا واجب ہے۔ ہاں مواقع حرج جو دیگر دلائل سے مستثنٰی ہے' ان کی تخصیص کی جائے گی' فتفکرو۔

آیت کریمہ کے شان نزول میں متعدد اقوال وارد ہیں' مگر کوئی صحیح نہیں ہے اور جو صحیح ہے اس پر آیت کو قصر نہیں کیا جا سکتا' اعتبار عموم لفظ کا رہے گا کما تقرر فی الاصول۔

تفسیر بیضاوی جلد۔۲' ص۔۱۸۰ میں ہے : وظاھر اللفظ یقتضی وجوبھما حیث یقرا القراٰن مطلقا۔ یعنی "آیت کا ظاہر لفظ استماع وانصات کے وجوب کو مطلق چاہتا ہے کہ جہاں کہیں قرآن پڑھا جائے' اس کو سنو اور خاموش رہو۔" اگرچہ علماء ایسے موقعہ پر کہ نماز سے خارج قرآن پڑھا جائے' سننے اور خاموش رہنے کو مستحب قرار دیتے ہیں' مگر ان کا صیغہ واجب ہے' جو وجوب کا مقتضی ہے۔

اب حدیث سے دلائل سنئے : مقاصد حسنہ ص۔۱۷۰ میں چند روایتیں درج ہیں' جن سے یہ مسئلہ خوب واضح ہے : لا یجھر بعضکم علٰی بعض بالقراٰن۔ (قال شیخنا) وھو صحیح۔ یعنی "رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے' تو لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض تمہارا بعض پر قرآن مجید کے ساتھ بلند آواز نہ کرے۔" اس سے ایک دوسرے پر قرآن کے ساتھ آواز بلند کرنا ممنوع ہوا۔ اس سے کوئی شخص نماز کے ساتھ

تخصیص کا وہم نہ کرے' کیونکہ مورد گو خاص ہے' لیکن نہی مطلق ہے کہ کوئی کسی پر قرآن بلند آواز سے نہ پڑھے' جیسے فاتحہ دم کر کے بکریاں اجرت میں لینے کا واقعہ خاص ہے' مگر حکم عام وارد ہوا کہ ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب اللّٰہ۔ جس سے تعلیم قرآن پر اجرت لینی بھی ثابت ہو گئی' فتدبر۔ یہ حدیث موطا میں بھی ہے' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بلااطلاق باب منعقد کیا ہے۔ باب لا یجهر البعض علی البعض بالقرآن۔ یعنی "یہ باب اس بارے میں ہے کہ بعض بعض پر بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے۔"

نسائی باب فضائل القرآن میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف بیٹھتے تھے' لوگوں کو سنا کہ وہ بلند آواز سے قرات کرتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اٹھا کر فرمایا! کہ تم سب اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہو' بعض تمہارا بعض کو ایذا نہ دے اور ایک دوسرے پر قرات پر آواز بلند نہ کرے۔

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب ایک شخص قرآن بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو اس پر دوسرا بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے' اس سے پہلے کی مناجات میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس سے درسگاہوں کے مواقع مستثنٰی ہو گئے ہیں' کیونکہ وہاں تعلم و تعلیم مقصود ہے۔ مناجات وذکر الٰہی مقصود نہیں ہے۔ فافهم وتدبر ولا تکن من الغبرین۔

ایک حدیث میں یوں وارد ہے : نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان یرفع الرجل صوته بالقراۃ قبل العشاء الاخرۃ وبعدها یغلط اصحابه۔ یعنی "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ بعض تمہارا بعض پر قرات کے ساتھ آواز بلند کرے خواہ عشاء سے پہلے خواہ بعد عشاء کے ساتھیوں کو غلطی میں ڈالتا ہے۔"

یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب ایک بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو اور اس پر دوسرا بھی پڑھنے لگے' تو ایک دوسرے پر قرآت بھاری ہو جاتی ہے اور غلطی اور تشابہہ واقع ہونے لگتے ہیں۔

پس جو لوگ ایک جگہ قرآن بلند آواز سے پڑھتے ہیں کہ ایک دوسرے کو آواز اور لفظ سنائی دیتے ہیں' یہ منازعت یعنی قرآن سے قرآن لڑانا ہے اور قرآن سے قرآن لڑانا منع ہے۔ لہٰذا میاں بیوی کا آپس میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا منع ہے۔ من ادعی خلافه فعلیه البیان بالبرهان۔

احادیث سے ثابت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام قرآن پڑھتے تھے' تو آنحضرت ﷺ سنتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ پڑھتے تھے' تو جبرائیل سنتے تھے' اس کو باہم دور کرنا کہتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا! کہ وہ آپ پر قرآن پڑھے' آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے یہ محبوب ہے کہ میں غیر سے سنوں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے پر قرآن پڑھوں۔ اصحاب صفہ ضعفاء المہاجرین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ باہم بیٹھتے اور قاری ان پر قرآن پڑھتا اور وہ سنتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا یہ صنیع دیکھا تو فرمایا : ما کنتم تصنعون۔ "کہ تم کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا : کنا نسمع الی کتاب اللّٰہ یعنی "ہم اللہ کی کتاب سنتے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو خوشخبری ہو کہ تم قیامت کے دن نور تام کے ساتھ جنت میں غنیوں سے پانچ سو سال پہلے جاؤ گے۔ پس آیت کو وعظ میں منحصر کرنا صحیح نہیں ہے۔ دلائل مذکور سے' علاوہ وعظ کے قرآن کی تلاوت کرنا اور لوگوں کو سننا ثابت ہوتا ہے' جو آیت کے عموم میں شامل ہے۔ کسی حدیث صحیح وصریح سے صحابہ کا باہم بلند آواز سے قرآن خوانی کرنا ثابت نہیں ہے' یہ صورت منازعت فی القرآن ہے جو ممنوع ہے۔ ہاں سبق آموزی اور صورت تعلیمی میں قرآن کی قرات بلند آواز سے ہو' تو اس کا حکم جدا ہے۔ نیز اس میں حرج ہے اور بصورت ذکر یا تذکیر ہو تو اس کا حکم جدا ہے۔ اس میں منازعت ہے جو مناجات میں حارج ہے۔ پس دوسری کو پہلی پر قیاس کرنا' قیاس مع الفارق ہے' کوئی اور دلیل ہو تو پیش کریں۔

جزء القرات ص-۳۸ میں ہے : قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لقوم کانوا یقرون القراٰن فیجھرون بہ خلطتم علی القراٰن۔ یعنی "آپ ﷺ نے اس قوم کو فرمایا جو قرآن کو بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ تم نے مجھ پر قرآن کو غلط ملط کر دیا ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ آپس میں بلند آواز سے قرآن پڑھنے سے اختلاط ہو جاتا ہے' جو منع ہے۔ ھذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہلحدیث' مورخہ۔ ۱۵ ذوالقعدہ سنہ۔ ۱۳۷۴ھ

طلباء کو گھر بٹھا کر قرآن مجید ختم کرانا اور ان کو مٹھائی وغیرہ کھلانا شرعاً کیسا ہے؟

سوال : مندرجہ ذیل مسئلہ کی تحقیق قرآن وحدیث سے بیان فرمائیں۔ ہمارے شہر لائل پور میں ایک درس گاہ کے اساتذہ کرام اور طلباء کسی "سیٹھ" کے گھر تشریف لے جاکر قرآن مجید ختم کرتے ہیں اور بعد میں مٹھائی اور کھانا تناول فرما کر واپس درس گاہ تشریف لے آتے ہیں' کیا یہ بدعت تو نہیں؟ اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (السائل : طاہر محمود' منٹگمری بازار' لائل پور)

الجواب بعون الوہاب' الحمد للہ رب العالمین' امابعد فاقول وباللہ التوفیق۔ جس صورت مخصوصہ اور ہیئت کذائیہ سے لائل پور میں کسی درس گاہ کے اساتذہ اور طلباء نے ختم قرآن کا عمل کسی سیٹھ صاحب کے مکان پر کیا اور پھر مٹھائی اور کھانا تناول فرمایا' یہ بدعت وصفیہ حقیقیہ ہے اور بوجہ بدعت ہونے کے شرالامور محدثاتھا میں شمار ہے۔

صورت مذکورہ کا ثبوت نہ کسی دلیل شرعی سے ہے اور نہ تعامل صحابہ سے ہے' اس لئے بدعت ہے۔ کسی بدعت کو لائل پوری اہلحدیث کریں یا بریلوی مبتدعین وہ بہرحال بدعت ہی رہے گی اور یہ سب لوگ یکساں مجرم (شرعی عدالت میں) قرار پائیں گے اور سب کی بابت یہ کہا جائے کہ یہ لوگ اور ان کا عمل مردود ہیں' چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ۔ من صنع امرا علی غیر امرنا فھو رد۔ یعنی "جو شخص کوئی کام ہمارے حکم کے مطابق نہ کرے' وہ مردود ہے۔" کوئی بدعتی' کسی فعل مردود کی بناء پر کوئی چیز کھائے تو وہ اکل باطل ہے' جو اس آیت کے مطابق ہے کہ ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل۔ یعنی "بہت سے علماء اور راہب' صوفیا لوگوں کے مالوں کو ناجائز طور پر کھا رہے ہیں۔" اس درس گاہ کے معلموں اور متعلموں کو دو چیزوں نے قعر مذلت میں ڈالا ہے۔

(۱) سیٹھ صاحب کی لحاظ داری اور رعب داب نے۔

(۲) طمع نفسانی (لذیذ مٹھائی اور چرب نوالوں) نے۔

انہی دو چیزوں نے اہل بدعت کے دین کا بیڑا غرق کیا ہے۔ جب اہلحدیث نے دیکھا کہ

فرقہ غالیہ کی درس گاہوں کے اساتذہ وطلباء بڑے بڑے سیٹھوں اور امیروں کے گھروں میں ختم اور قرآن خوانی کی رسومات بجا لا کر مرغن کھانے اور مٹھائیاں کھا رہے ہیں' تو ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا کہ ہم بھی ایک رسم شروع کر کے مٹھائیاں کھا کر دیکھیں' اگر یہ سلسلہ مزیدار ہوا تو پھر اس کو جاری کر دیں گے اور اس کی اشاعت کریں گے۔

جماعت اہلحدیث درسگاہ لائل پوری کے اساتذہ اور طلباء کے اس فعل مبتدعانہ سے اظہار نفرت کرتی ہے اور ان کو یہ تلقین کرتی ہے کہ اگر یہ واقعہ اتفاقیہ ہے' تو اس سے رجوع کریں اور آئندہ اس کو ہرگز فروغ نہ دیں' ورنہ یہ رسم بن جائے گی اور وہ طلباء جو اپنے اساتذہ کے ساتھ ایسا بدعیانہ منبع کرتے رہے ہیں' اپنے اپنے علاقوں میں جا کر لوگوں کے گھروں میں ایسا ہی کریں گے اور کرائیں گے۔ تمام بدعات کی اسی طرح دیکھا دیکھی اشاعت ہوتی ہے' اگر اس درس گاہ کے اساتذہ کے دلوں میں اخلاص اور جذبہ سنت ہوا تو وہ ایسے فعل محدثہ سے رجوع کریں گے اور اگر ان میں مٹھائی کی لذت سرایت کر گئی ہے اور وہ اہل ہویٰ کے راستے پر گامزن ہو گئے ہیں' تو پھر وہ اس کے جواز کے لئے بہانہ سازی کریں گے اور جواز کے دلائل مرتب کریں گے' کیونکہ علماء اور طلباء جب گناہ کرتے ہیں' تو اس کے عیاں ہونے پر وہ اس کے دلائل جواز تلاش کرتے ہیں' تاکہ ہمارے علم اور عامل ہونے میں نقص اور عیب ظاہر نہ ہو' یہ گناہ در گناہ کا ارتکاب ہے۔

اے درس گاہ اہلحدیث کے اساتذہ اور طلباء' اگر یہ واقعہ صحیح ہے' تو اس کے کرنے والے اہل بدعت میں شمار ہوں گے اور اگر یہ واقعہ غلط ہے' تو بار دروغ بر گردن راوی' ہم ایسے راوی سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جماعت اہلحدیث کو ایسے جھوٹے الزاموں سے بدنام نہ کرے' ورنہ قیامت کو ماخوذ ہو گا۔ سردست ہم یہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ قرآن خوانی بحالت اجتماعی کسی کے گھر پر جا کر کرنا اور مٹھائی کھلانے کھلانے کا سلسلہ چلانا بدعت ہے۔

صلوۃ الضحٰی انفرادی حالت سے پڑھنا مستحب تھا اور اب بھی ہے' مگر اجتماعی حالت میں لوگ کسی دن مسجد میں پڑھنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا! "یہ منبع بدعت ہے۔" اس کو بدعت وصفیہ کہتے ہیں اور جس چیز کا سرے سے وجود ہی نہ ہو' جیسے گیارہوں شریف' میلاد مروجہ اور حاضر ناظر کا مسئلہ ہے' تو یہ بدعت اصلیہ ہے کہ ان کا

وجود ہی شرع میں نہیں ہے۔ عہد حاضرہ میں ستائیسویں رمضان کو نماز تراویح میں قرآن مجید کا شبینہ کرتے' پھر شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور حفاظ کو روپیہ وغیرہ دیتے ہیں اور دعائے خیر مانگتے ہیں' یہ بھی بدعات وصفیہ میں داخل ہے' اس سے بچنا چاہئے۔ نماز تسبیح کی جماعت کرنا کرانا' ستائیسویں رمضان کو یہ بھی بدعت وصفیہ ہے جو حنفیہ اور بعض اہلحدیث میں رائج ہے۔

عہد نبوی و عہد صحابہ میں باوجود داعی اور مقتضی ہونے کے پھر کسی چیز کا اس صورت اور کیفیت سے نہ پایا جانا جو مروجہ عہد حاضرہ میں ہے' وہ محدث ہے اور ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت جہنم میں جلنے کا موجب ہے۔ اب اس کی مثال سنئے' حدیث میں آیا ہے کہ عفیف بن حارث فرماتے ہیں خلیفہ عبدالمالک بن مروان نے میری طرف یہ فرمان بھیجا کہ ہم نے لوگوں کو جمعہ کے دن منبر پر (دعا میں) ہاتھ اٹھانے اور صبح و عصر کے بعد وعظ کرنے پر جمع کیا ہے۔ پس حضرت عفیف نے کہا تمہاری سب بدعات سے یہ دونوں بدعتیں نسبتاً اچھی ہیں' مگر میں کسی کو قبول کرنے میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرے' تو ان سے اسی قدر سنت اٹھالی جاتی ہے۔ (فتح الباری)

غور کیجئے کہ خطبہ میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا بظاہر نیکی ہے اور انفرادی طور پر نفس مسئلہ ہاتھ اٹھانے اور مصافحہ کرنے کی بڑی فضیلت ہے' لیکن ہیئت مخصوصہ کے صادر ہونے پر نام اور حکم بدل گیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سفوف ترپھلہ ایک دوا ہے' جو ہرڑ' بہیڑہ' آملہ' نمک سیاہ وغیرہ کی مفرد ادویہ کے اجزاء سے بنتی ہے۔ ان دوائیوں کے مجموعہ کا نام سفوف ترپھلہ ہے۔ کسی مفرد دوا کو سفوف ترپھلہ نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کا وہ حکم اور وہ فائدہ ہے' جو سفوف کا ہے۔ اب اگر اس میں شہد اور روغن بادام ملایا جائے' تو اس کا دوسرا نام ہو جائے گا' پھر اس کو معجون کہیں گے۔

ٹھیک اسی طرح اعمال پر غور کر لیں کہ جو عمل کئی اجزاء سے مرکب ہو' تو اس کا نام کچھ اور ہو گا اور جو ایک جز یعنی مفرد ہو گا' اس کا نام کچھ اور ہو گا۔ مثلاً تکبیر' قرات' قیام' رکوع' سجدہ' تشہد' درود وسلام وغیرہ۔ اجزائے مفردہ کے مجموعہ کا نام نماز ہے۔ صرف تکبیر یا تشہد وغیرہ کسی ایک جز کا حکم اور ہے اور مجموعہ اور مرکب کا نام دوسرا ہے' جس کا حکم

علیحدہ ہے۔ ہمیں اس طرح قرآن خوانی کو سمجھ لیجئے کہ حالت اجتماعی' سیٹھ جی کی دعوت اور ان کا گھر' ان کا اہتمام' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا' شیرینی تقسیم کرنا وغیرہ کے مجموعے کا نام قرآن خوانی ہے' اگر تمام قرآن ختم نہ کیا گیا' صرف سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھی گئی' تو اس کا نام قرآن خوانی نہیں' فاتحہ خوانی ہو گا اور اگر کھانا سامنے رکھ کر سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھی گئی' تو اس کا نام ختم شریف ہو گا' یعنی منفرد عمل کا نام اور حکم اور ہے اور جو عمل کئی اجزاء سے مرکب ہے' اس کا حکم اور ہے۔ اب اگر شرع سے یہ کئی اعمال کا مجموعہ ثابت ہے' تو اس کو مشروع کہیں گے اور اگر شرع سے ثابت نہیں ہے' بلکہ قیاس سے یہ کئی اعمال کا مرکب تیار کیا گیا ہے' تو اس کو غیر مشروع اور بدعت کہیں گے۔ پھر جو لوگ اس غیر مشروع کو پیدا کرنے والے ہیں' ان کو شرکاء کہیں گے کہ انہوں نے بغیر اذن الٰہی کے یہ شرع بنائی ہے جو جدید ہے' کیونکہ شرع' شریعت بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اپنے پیغمبروں کے ذریعے شریعت مقرر کرے۔

جو لوگ کسی بدعت کو ایجاد کرتے ہیں وہ اپنے علم کی رو سے اس نیکی کو ایجاد کرنے کا حق سمجھتے ہیں اور اس میں کئی مصلحتیں ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں دخل اندازی ہے اور بعض اس عمل کو شارع ہی کا جاری کردہ تصور کرتے ہیں اور پھر اس کے ثبوت میں موضوع روایتیں لاتے ہیں یا کسی صحیح روایت کی عملی صورت کو بطور نظیر پیش کر کے اس بدعت کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ دونوں طریق مردود ہیں اور اس حدیث کے مصداق ہیں : من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد۔ یعنی "جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام پیدا کیا' جو دین سے ثابت شدہ نہ تھا' وہ مردود ہے۔" اسی طرح تقلید شخصی کی بدعت پیدا کر کے پھر مذاہب کی تقرری بدعت ہے' جو تشریع شرع جدید کی مد میں داخل ہے اور قرآن خوانی' فاتحہ خوانی دوسری بدعتیں داخل ہیں' دونوں پر احداث فی الدین کا اطلاق آتا ہے' جو مردود اور صریح ضلالت ہے۔ نماز معکوس اور ظہر احتیاطی اور میلاد مروجہ تشریع شرع جدید میں شمار ہیں اور عرس بھی اسی قبیل سے ہے اور صلوٰۃ غوثیہ' صلوٰۃ العاشقین وغیرہ بھی اسی میں داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ابلیس نے کہا' میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا' انہوں نے مجھے توبہ اور استغفار سے ہلاک کیا' تب میں نے ان کو ایسی خواہشات نفسانیہ میں ڈال دیا' جن سے وہ توبہ نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے

کام کر رہے ہیں، یعنی بدعات بصورت عبادت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ شرک کے بعد بدعت اکبر الکبائر ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے کوئی عمل صالح قبول نہیں ہوتا۔ پس بدعت کے کاموں سے بہت جلد توبہ کرنی واجب ہے۔ ھذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب۔

عبدالقادر عارف حصاری

تنظیم اہلحدیث، مورخہ ۶، ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۶۷ء

کیا نئے تعمیر شدہ مکان میں تبرکاً قرآن مجید پڑھانا جائز ہے؟

اخبار "الاعتصام" لاہور مطبوعہ ۳۰ اگست سنہ ۱۹۶۸ء میں مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی امیر جمعیت اہلحدیث کا ایک فتویٰ، نئے تعمیر کردہ میں قبل از سکونت برکت حاصل کرنے کی بابت شائع ہوا ہے، جو بالکل غلط ہے، کیونکہ اس میں بدعت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ذیل میں سوال مع جواب درج کر کے فتویٰ کی تنقید کی جاتی ہے، جس کو پڑھ کر امید ہے کہ مفتی صاحب نظر ثانی فرمائیں گے۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ اگر ایک آدمی کوئی نیا مکان تعمیر کرواتا ہے، کیا اس میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے حصول برکت کے لئے قرآن مجید ختم کروا کر ساتھ ہی چائے وغیرہ کی کوئی پارٹی برائے حاضرین کر سکتا ہے کہ نہیں؟

جواب : گھر میں ادخال برکت کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے۔ حدیث میں ہے، جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جائے، اس گھر میں شیطان نہیں آتا۔ (بخاری) اور حدیث میں ہے کہ اس میں برکت ہے۔ (مسلم) اور ایک حدیث میں سورہ بقرہ کی آخری آیات جس گھر میں پڑھی جائیں، تو شیطان نہیں آتا۔ (ترمذی) چائے کی دعوت میں کوئی حرج نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عتبان رضی اللہ عنہ کے گھر میں نماز پڑھی اور عتبان رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھانا کھلایا۔ (بخاری) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر دعا فرمائی اور سعد رضی اللہ عنہ نے بعد میں آپ ﷺ کو کھانا کھلایا۔ (ابوداؤد)

تنقید : یہ جواب اور اس کا طرز بیان اور دلائل اور طریقہ استدلال بالکل غلط ہے، اگر مفتی صاحب سلفی اہلحدیث ہوتے اور محدثین کا مسلک پیش نظر رکھتے، تو سوال مذکورہ کا یوں جواب دیتے کہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اہل اسلام کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھ صحابہ کرام کو شامل کر کے فرقہ ناجیہ کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے : ما انا علیہ واصحابی۔ "کہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔" اس طریقہ پر جو چلے گا" وہ فرقہ ناجیہ ہے، باقی جہنمی ہیں اور یہ فرمایا : فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔ (الحدیث) "تم میری اور میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑے رہو۔"

پس اصول کی بنا پر جو صورت سوال میں درج ہے' سنت رسول اور سنت خلفاء راشدین وتعامل صحابہ سے ثابت نہیں ہے۔

مکانات بھی تعمیر ہوئے اور مسجدیں بھی بنائی گئیں' مگر عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ کرام میں کسی نے بھی اگر سکونت سے پہلے ادخال برکت کے لیے قرآن کریم پڑھایا ہو اور دعا منگوائی ہو اور دعوت کھلائی ہو' تو دیگر امور مسنونہ کی طرح منقول ہوتا۔ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا واقعہ منقول ہے' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی منقول ہے۔ تعمیر مکان کے بعد قبل از سکونت قرآن خوانی اور دعوت کھلانی کیوں منقول نہیں ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کام نہیں کیا' اگر کیا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔ اسی لیے فقہاء نے بدعات کی دلیل یہ لکھی ہے: لم ینقل کہ (شارع علیہ السلام سے یہ فعل منقول نہیں ہے اور قرون ثلاثہ میں اس پر تعامل نہیں پایا گیا) جب شارع سے یہ صورت کذائیہ منقول نہیں ہے اور قرون ثلاثہ میں اس پر تعامل ثابت نہیں ہے' تو یہ بدعت ہے۔ کیوں کہ داعیہ موجود ہے اور پھر انہوں نے یہ امور تعبدیہ نہیں کیے' تو یہ امر محدث ہوا اور ہر محدث دین میں بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اہلحدیث حضرات کو اس سے بچنا چاہیے' ورنہ سب علماء کو میرا چیلنج ہے کہ وہ اس خاص ہیئت کا شرع سے ثبوت پیش کریں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

مفتی صاحب کے دلائل اور طرز استدلال کا طریق قابل غور ہے۔

ناظرین! سوال پر دوبارہ غور کریں کہ ایک شخص مکان تعمیر کرواتا ہے' پھر قبل از سکونت حصول برکت کے لیے اس میں قرآن کریم ختم کرواتا ہے اور ساتھ ہی چائے وغیرہ سے حاضرین کی دعوت کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ارشاد ہوتا ہے کہ گھر میں ادخال برکت کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے' سوال کجا؟ جواب کجا؟ سوال گندم' جواب جو' سوال مالک مکان نے مکان نیا تعمیر کروایا' اس میں وہ اجتماعی صورت میں قرآن ختم کراتا ہے' پھر چائے وغیرہ سے پارٹی کرتا ہے' جواب یہ ہے کہ گھر میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ خدا کے بندو! گھر میں قرآن پڑھنے کا جواز تو سب کو مسلم ہے' لیکن تعمیر مکان کے بعد قبل از سکونت لوگوں کو بلا کر قرآن ختم کرانا دوسری چیز ہے۔ تعمیر کے بعد قبل از سکونت لوگوں کو بلانا' تمام قرآن اجتماعی صورت سے ختم کرانا' چائے وغیرہ کی پارٹی کرنا امور ہیں۔ ان کے مجموعے پر نظر ثانی کر کے

جواب ہونا چاہئے تھا۔ خود گھر میں پڑھنے اور لوگوں کو بلا کر پڑھوانے اور ختم کرانے میں بدیہی فرق ہے۔

اب دلیل سنئے' جو دعویٰ اور دلیل میں تقریب تام کا مظاہرہ کرتی ہے' چنانچہ فرماتے ہیں "جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جائے شیطان نہیں آتا۔" یہ ٹھیک ہے' مگر آپ سے آیت الکرسی پڑھنے اور شیطان بھگانے کا مسئلہ کس نے پوچھا تھا؟ اس سائل نے تو ختم قرآن کا مسئلہ دریافت کیا ہے' اس کا ثبوت پیش کریں۔ آپ شیطان بھگانے کے دلائل دینے لگے' کیا اس مکان میں جنات داخل ہو گئے تھے یا کسی کو آسیب کا عارضہ ہو گیا' اچھا جس دن آیت الکرسی پڑھی اس دن شیطان غائب ہو گیا' جب قرآن خوانی کرنے والے چلے گئے' تو شیطان پھر آجائے گا۔ وہ لوگ سکونت کے لیے جب آئیں گے' تو اس گھر کے ہر فرد کے ساتھ شیطان ہو گا' جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ تو پھر کل کی آیت الکرسی پڑھی ہوئی سے دوسرے دن رہائش کرنے والوں کے شیاطین کس طرح بھاگ جائیں گے؟ اگر یہ دلیل آپ کے پاس ہے کہ نئے مکان میں ایک بار آیت الکرسی پڑھنے سے ہمیشہ کے لیے شیطان بھاگ جاتا ہے' پھر کبھی نہیں آتا' تو وہ پیش کریں اور فتویٰ ہمیشہ سوچ سمجھ کر تحریر فرمایا کریں' فقط۔

از عبدالقادر الحصاری

تنظیم اہلحدیث لاہور۔ مورخہ ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۶۸ء

تعویذات شرعیہ

واضح ہو کہ اخبار اہلحدیث لاہور کے دو شماروں میں یہ مضمون شائع ہوا کہ "تعویذ کی شرعی حیثیت" ملاحظہ ہو شمارہ ۲۴، ۲۵ نومبر سنہ ۱۹۷۷ء فتویٰ دینے والے مولوی عبدالحفیظ منیر بھٹوی ہیں، جو اپنے آپ کو بحرالعلوم سعودیہ کراچی کا متعلم ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عزیزم مولوی عبدالحفیظ مسند افتاء پر بیٹھ کر فتوے صادر کرنے کے قابل نہیں ہیں، ابھی بحرالعلم میں غوطے لگا رہے ہیں۔ جب تمام علوم سے فارغ ہو کر سمندر شریعت کا تراک بن جائیں گے اور مسند افتاء پر بیٹھ کر فتوے صادر کرنے کی قابلیت اور مسند حاصل ہو جائے گی، تو پھر وہ فتوے صادر کرنے کی جرات کر سکتے ہیں۔ سردست مسائل شرعیہ کی تحقیق میں قدم رکھ کر اپنی بضاعت علمی قلیلہ کی بنا پر فتوے صادر کرنا صرف موجب ضلالت ہے۔

چنانچہ تعویذ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے مولوی عبدالحفیظ متعلم نے ہر قسم کے تعویذ کو شرک قرار دیا ہے، خواہ اس میں آیت قرآنی واسمائے الٰہی لکھ کر اللہ تعالیٰ سے شفا چاہی گئی ہو، حالانکہ اس کو علماء اہل حق متقدمین بلکہ متاخرین میں سے بھی کسی نے شرک قرار نہیں دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ عبدالحفیظ متعلم شرک کی تعریف سے بالکل ناواقف ہے۔ حالانکہ عام موحدین بھی یہ جانتے ہیں کہ اللہ کی ذات یا صفات مختصہ یا عبادات یا اس کے کسی حکم میں کسی مخلوق کو شریک کرنا شرک ہے۔ پس جس شخص نے قرآن کریم کو یا اسماء الٰہی کو جسمانی و روحانی شفا کا موجب سمجھا اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے شفا چاہی تو اس میں کون سی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات اور عبادت اور حکم میں شریک کیا؟ یہ بتانا چاہئے تھا۔ اس بدیہی بات کو عالم بلکہ عوام جاہل لوگ بھی جانتے ہیں کہ جب کسی عالم موحد سے قرآنی آیات و اسماء و اذکار الٰہی سے لکھوا کر تعویذ لیا جاتا ہے تو اس میں کلام الٰہی و ذکر الٰہی پر یہ اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ یہ کلام اور ذکر الٰہی اللہ شافی کے ہیں، وہ ان کے ذریعہ ہم کو شفا بخشے گا، کیونکہ شارع علیہ السلام کے قول و فعل سے یہ ثابت ہے کہ یہ موجب شفا ہیں، ان سے استشفاء جائز ہے۔ چنانچہ احادیث متواترہ سے کلام اور اذکار الٰہی سے دم کرنا حاجت مندوں کے لیے ثابت ہے اور عبدالحفیظ متعلم نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ اخبار اہلحدیث ۸ نومبر کے ص-۶' کالم-۳ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پر یہ لکھا ہے' "یہ تو دم ہے جس پر ہمیں بھی اعتراض نہیں۔" اور ص-۷' کالم-۱ میں یہ لکھا ہے۔ "لیکن وہ دم جن میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں' وہ جائز ہے۔" منیر بھٹوی کے کلام سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی مریض یا حاجت مند کو دم کرنا دو قسم کا ہے۔ ایک کلام اور اسماء الٰہی اور ادعیہ مسنونہ سے دم کرنا اور دوسری قسم یہ ہے کہ ایسے کلام سے دم کرنا جس میں شرکیہ الفاظ ہوں وہ غیر مشروع بلکہ شرک ہے۔ یہ حکم اور مسئلہ علماء اسلام میں متفق علیہ ہے۔ بس اسی طرح جو تعویذ لکھے جاتے ہیں' یہ بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن میں کلام الٰہی یا ادعیہ مسنونہ یا اسماء الٰہی لکھے جاتے ہیں' ایسے تعویذ مشروع ہیں اور دوسرے وہ تعویذ جن میں الفاظ شرکیہ ہوں' وہ غیر مشروع ہیں۔ دم اور تعویذ کے مشروع ہونے کی علت ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے کلام اور نام سے شفا چاہنا یہ عین توحید ہے اور دم اور تعویذ غیر مشروعہ کے منع ہونے کی علت بھی ایک ہی ہے اور وہ ان میں غیراللہ سے شفا چاہنا ہے۔ اب دونوں کی مثالیں واضح فرمائیے۔ مولانا نواب صدیق حسن خاں مرحوم اپنی کتاب "الداء والدواء" کے ص-۱۴۱ میں لکھتے ہیں۔

پھوڑا اور پھنسی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب کوئی آدمی بیمار ہوتا ہے یا اس کو کوئی قرحہ یا جرح ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سبابہ زمین پر اس طرح رکھتے' پھر اٹھا کر کہتے :بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا۔ (راوہ مسلم والبخاری واھل السنن الا الترمذی) اس دعا سے جو دم کیا اس میں اللہ تعالیٰ سے شفا چاہی گئی ہے' یہ عین توحید ہے' یہ دم مشروع ہے۔ اب شرکیہ دم معلوم کیجئے کہ بریلوی مذہب کے علماء نے ایک کتاب بنام "شمع شبستان رضا" شائع کی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول کے ص-۹۴ میں ہے۔

گیہوں میں گھن نہ لگنے کا مجرب عمل: پھر عمل یہ لکھا ہے۔ "عبداللہ' عروہ' قاسم' سعید' ابوبکر' سلیمان' خواجہ' یہ اسماء لکھ کر گیہوں میں رکھ دیں گھن نہ لگے گا' انشاء اللہ تعالیٰ اور درد سر کے لیے پڑھ کر دم کرے یا لکھ کر گلے میں باندھے مجرب ہے۔" یہ عمل شرکیہ ہے' کرنے والا اور بتانے والا مشرک ہیں' کیونکہ اس میں غیراللہ سے شفا چاہی گئی ہے۔ دم کرے یا تعویذ لکھ کر دے یہ شرک ہو گا۔ اب تعویذ کی مثال سنئے۔ "الداء والدواء" کے ص-۶۹ میں ہے' نواب صاحب محدث بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں۔

براۓ قاصراز زن: ایک شخص نے حسن بصری سے کہا میں اپنی بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا ہوں' حسن بصری نے دو بیضہ مشوی منگا کر مقشر کر کے ایک پر یہ آیت لکھی: والسماء بنینھا بایدٍ وانا لموسعون۔ اور دوسرے پر یہ لکھا: والارض فرشناھا فنعم الماھدون۔ پہلا مرد کو دیا اور دوسرا عورت کو دیا اور کہا کھا جاؤ' کام کرو۔ وہ دونوں گویا رسی میں بندھے تھے' کھل گئے' مطلب ان کا حاصل ہو گیا۔ اس تعویذ میں قرآن کے ذریعہ شفا چاہی گئی ہے' جو کہ کلام الٰہی ہے' یہ دین توحید ہے' حدیث میں آیا ہے: خیر الدواء القرآن (ابن ماجہ) "کہ بہترین دوا جس سے علاج کیا جائے قرآن ہے۔" یہ حکم مطلق ہے' دم سے ہو یا لکھ کر ہو۔ ایک حدیث میں یوں آیا ہے: علیکم بالشفائین العسل والقرآن۔ (مشکوٰۃ) یعنی "دو چیزیں موجب شفاء ہیں' شہد اور قرآن' ان کو لازم پکڑو۔" یہ حدیث بھی عام ہے دم سے ہو یا لکھ کر پلا دے' یہ حدیث موقوف ہو تب بھی مرفوع حکمی ہے کہ اس میں قیاس کی گنجائش نہیں' یہ مثال تعویذ مشروع کی ہے کہ قرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے شفاء مطلوب ہے۔

اب غیر مشروع تعویذ شرکیہ کی مثال ملاحظہ فرمائیے! شمع شبستان رضا کے ص۔۲۷ میں ہے نقش براۓ جدائی بلکہ ہر کام کے لیے مجرب ہے۔ یہ نقش مچھلی کے سینہ پر لکھ کر آمدورفت کے راستہ پر دفن کرے یا لکھ کر اپنے مکان پر پانچ جوتے مارے' ان شاء اللہ جدائی ہو' وہ نقش یہ ہے۔

ہامان	شداد	نمرود
ابلیس		ملعون
فرعون	ابوجہل	جدائی فلاں

بن فلاں وفلاں بن فلاں

شمع شبستان رضا کے ص۔۳۵ میں ہے۔ "خلاصی حمل بآسانی" ایک مرتبہ شیخ یحییٰ منیری قدس سرہ سفر میں تھے کہ بارش کثرت سے ہوئی' گاؤں میں کسی نے جگہ نہ دی' اس گاؤں کے ایک رئیس کی عورت تین روز سے درد زہ میں مبتلا تھی' آپ کو خبر ہوئی' ایک پرچہ پر بطور تعویذ یہ لکھ کر دے دیا۔ "مرا جائے وہ دختر مرا جائے وہ پسر دھقان زاید یا نہ زاید دہائی شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی" جب سے ہی یہ تعویذ باندھا فورا خلاصی ہوئی' جب سے بزرگوں (بریلوی) میں یہ عمل بہت مقبول ہے۔ ایسے تعویذ شرکیہ لکھنے والے اور دینے لینے والے

سب مشرک ہیں' کیونکہ ان میں الفاظ شرکیہ ہیں اور یہ غیراللہ سے استمداد اور طلب شفاء توحیدی تعویذوں اور شرکیہ تعویذوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دونوں قسموں کو ایک بنا کر شرک کا حکم لگانا' سراسر گمراہی ہے' چنانچہ بحرالعلوم کا متعلم یہ لکھتا ہے۔

اخبار اہلحدیث مطبوعہ ۸ نومبر سنہ ۱۹۷۲ء ص ۷ کالم ۲-۳ ملاحظہ فرمائیں۔ الحمد للہ یہ سوال بھی رفع ہو گیا کہ قرآن کی آیت والے تعویذ جائز ہیں۔ اس روایت سے تو روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ کسی قسم کا تعویذ بھی جائز نہیں' بلکہ شرک ہے' جیسا کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہو چکا ہے۔ جو روایتیں اس طالب علم نے مرفوعاً ذکر کی ہیں' ان میں کلام الٰہی قرآن وادعیہ مشروعہ سے تعویذ کرنا ہرگز ہرگز شرک ثابت نہیں ہوتا' بلکہ یہ سب ان تعویذوں پر محمول ہیں' جن میں شرکیہ الفاظ ہوں۔ ان روایتوں میں تمائم کے ساتھ رقی کا بھی ذکر ہے۔ اس بارہ میں یہ حدیث فیصلہ کن ہے' جو مشکوٰۃ کے ص ۳۳۸ میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم جھاڑ کرنے سے منع کر دیا یہ سن کر عمرو بن حزام کی آل آئی اور عرض کیا کہ حضور ہمارے پاس ایک رقیہ ہے' جس سے ہم بچھو کاٹنے پر دم کیا کرتے ہیں اور آپ نے دم جھاڑ کرنے سے منع فرما دیا ہے' انہوں نے وہ منتر پیش کیے اور پڑھ کر سنائے (چونکہ ان میں شرکیہ الفاظ نہیں تھے اس لیے) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ان میں کوئی اندیشہ نہیں ہے' یہ درست ہیں : من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ (مسلم) یعنی "جو شخص تم میں سے اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے' وہ نفع پہنچائے۔"

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جن منتروں میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں' وہ درست ہیں دم کر لے یا لکھ کر دے' ایک ہی بات ہے' کیونکہ جو چیز زبان سے بولنی جائز ہے' وہ لکھنی بھی جائز ہے اور جو زبان سے بولنی منع ہے' وہ لکھنی بھی منع ہے۔ کلام تقریراً ہو یا تحریراً ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ مثلاً ایک شخص زبان سے اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے' تو یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ دوسرا لکھ کر طلاق دے دیتا ہے' یہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک محدث زبانی حدیث بیان کرتا ہے' وہ بھی معتبر ہے اور لکھ کر حدیث بیان کرتا ہے' وہ بھی معتبر ہے۔ غرض یہ مسلمہ اصول ہے کہ تقریر اور تحریر کا ایک ہی حکم ہے۔ جب دم جھاڑ کلام الٰہی سے کیا اور اس سے شفاء اللہ تعالیٰ سے چاہی' تو یہ شرک نہیں' اسی طرح تعویذ میں کلام الٰہی لکھ کر اللہ تعالیٰ سے شفاء چاہی' تو یہ بھی شرک نہیں ہے کہ نیت اور عمل ایک ہی ہے کہ شفاء بذریعہ کلام الٰہی

اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ کاغذ یا جس پر کلام الٰہی پڑھی یا لکھی ہے' اس سے کوئی بھی شفاء نہیں چاہتا۔ کما ھو معروف عندالخواص والعوام۔ پس کلام الٰہی سے شفاء چاہنا شرک نہیں' ورنہ دم کر کے آیات قرآنی یا ادعیہ سے شفا چاہنا بھی شرک ہو گا۔ ولم یقل بہ احد۔

علمائے اہل توحید نے ان دم جھاڑوں اور تعویذوں سے منع کر دیا' جن میں شرکیہ الفاظ ہوں یا ایسے منتر ہوں یا کلام ہو کہ اس کے معنی معلوم نہ ہوں۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں اس میں شرکیہ مفہوم ہو۔ اب جو اہل بدعت یاجبرائیل' یامیکائیل' یااسرافیل' یاعزرائیل' یابدوح وغیرہ ناموں سے استغاثہ کرتے اور تعویذ لکھتے ہیں' یہ تو شرک ہے۔ لیکن اگر کوئی یاحی یاقیوم' یاالحفیظ یاسلام' اللہ اکبر لکھ کر دے' تو یہ شرک کیسے ہوا؟ اس کو شرک کہنے والے کو اپنے علم و عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

جناب رسول اللہ ﷺ نے دم جھاڑ ہو یا تعویذ سب کے لیے یہ دستور شرعی بیان فرما دیا ہے: لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک۔ یعنی "جن عملیات ودم جھاڑ میں شرک نہ ہو' ان کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔" پس جو تعویذات آیات قرآن یاادعیہ مسنونہ یا اسماء الٰہی سے لکھے جاتے ہیں' ان میں شرک نہیں ہوتا' تو یہ جائز اور مباح ہیں۔ جیسے قرآن کریم کا زبان سے پڑھنا مشروع ہے' ویسے اس کا لکھنا بھی مشروع ہے۔ بحرالعلوم سعودیہ کے نامہ نگار نے ان حدیثوں کی رو سے جن میں شرکیہ تعویذوں کی ممانعت وارد ہے' آیات قرآنیہ اور اسماء الٰہیہ کے تعویذوں کو بھی شرک لکھ دیا یا تو یہ سراسر جہالت اور ضلالت ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس متعلم نے کسی ماہر علم حدیث سے خوب سمجھ کر علم حدیث حاصل نہیں کیا۔ کتب حدیث سامنے رکھ کر حدیثوں کو عبور کیا ہے۔ جب عام درس گاہوں میں دورہ حدیث کرنے کا رواج ہے' اگر یہ طالب علم حدیثوں کو سمجھ کر پڑھتا' تو شروع حدیث سے یہ معلوم کر لیتا کہ فتح الباری پ۔۱۱' ص۔۱۳۳ میں ہے: النھی ھنا کلہٗ فی تعلیق التمائم وغیرھا مما لیس فیہ قرآن ونحوہ واما ما فیہ ذکر اللہ فلا نھی فیہ فانہ انما یجعل للتبرک بہ والتعوذ باسمائہ وذکرہ۔ یعنی "اس تعویذ کا لٹکانا منع ہے' جس میں قرآن یا کوئی دعا وذکر الٰہی نہ ہو اور جو تعویذ ایسا ہو کہ اس میں ذکر الٰہی ہو' تو اس سے ممانعت نہیں ہے' کیونکہ وہ تعوذ اسم الٰہی اور ذکر الٰہی سے تبرک حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔"

نیز حافظ امام ابن حجر فتح الباری پ۔۲۷، ص۔۱۸۲ میں یہ لکھتے ہیں : فالرقیة فی ذاتها لیست ممنوعة وانما منع منها ماکان شرکا اواحتمله ومن ثم قال صلی الله علیه وسلم اعرضوا علی رقاکم ولا بأس بالرقی مالم یکن فیه شرک ففیه اشارة الی علة النهی۔ یعنی "رقیہ فی ذاتہ ممنوع نہیں ہے، منع وہ ہے جو شرک ہو اور الفاظ شرکیہ اس میں پائے جائیں یا ایسی کلام ہو کہ اس میں شرک کا احتمال ہو، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے دم جھاڑے مجھ پر پیش کرو۔ پھر فرمایا کہ جن دم جھاڑوں میں شرک نہ ہو، ان کا کوئی مضائقہ نہیں، وہ جائز ہیں۔" اس ارشادِ نبوی سے یہ علت ظاہر ہوئی کہ رقیہ و تعویذ کے حرام ہونے کی وجہ شرک ہے، جس میں غیراللہ سے شفا چاہی جاتی ہے۔ جس میں یہ نہ ہو شفا اللہ تعالیٰ سے چاہی جائے خواہ اللہ کے ناموں کے ذریعہ خواہ اس کے کلام کے وسیلہ سے، تو یہ جائز ہے، اس کو شرک کہنا مذہب باطل ہے۔

نامہ نگار نے شرک کا بے جا فتویٰ دے کر متقدمین سلف صالحین اور علمائے متاخرین اور علماء محدثین کو مشرک بنا دیا، جو سراسر ظلم ہے اور جرم عظیم ہے۔ کتاب التوحید ص۔۳۲ مترجم میں یہ لکھا ہے : لکن اذا کان المعلق من القرآن فرخص فیه بعض السلف۔ یعنی "جو چیز گلے وغیرہ میں لٹکائی جائے، اگر قرآن سے ہو تو اس کی بعض سلف نے رخصت دی ہے۔" اس کی شرح فتح المجید ص۔۹۱ میں یہ لکھا ہے : اعلم ان العلمآء من الصحابة والتابعین فمن بعدهم اختلفوا فی جواز تعلیق التمائم التی من القرآن و اسمآء الله وصفاته فقالت طائفة یجوز ذالک وهو قول عبدالله بن عمرو بن العاص وهو ظاهر ما روی عن عآئشة وبه قال ابو جعفرن الباقر واحمد فی روایة وحملوا الحدیث علی التمائم التی فیها شرک۔ یعنی "یہ بات جان لو جو تعویذ ایسے ہیں کہ ان میں قرآن یا اسماء الٰہی ہوتے ہیں، ان کے لکھ کر گلے میں لٹکانے میں صحابہ و تابعین اور بعد کے علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت سلف صالحین کی جائز کہتی ہے، ان میں سے ایک عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بن عاص اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہی مذہب ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو جن میں تمائم کو شرک کہا گیا ہے، اس بات پر محمول کیا ہے کہ اس سے وہ تعویذ مراد ہیں، جن میں شرک پایا جاتا ہو۔"

سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما صحابی

اپنے چھوٹے بچوں کے گلوں میں تعویذ لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ ص-۲۰۹ پر یہ الفاظ دلیل ہیں: کتبها فی صک ثم علقها فی عنقه۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور ابوداؤد نے اس روایت کو ذکر کر کے اس پر سکوت کیا ہے' ان کے قاعدہ مندرجہ مقدمہ کی رو سے بھی یہ روایت حسن ہے۔ نامہ نگار نے کم علمی سے یہ لکھ دیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن نہیں کہا' حلانکہ حسن کہا ہے' پھر یہ لکھا ہے حسن غریب کہا ہے۔ اس یتیم فی العلم کو یہ معلوم نہیں کہ غریب کہنا حسن ہونے کے منافی ہوتا ہے۔ بعض مقام پر حدیث حسن صحیح پر بھی غریب کا لفظ لکھا ہے۔ چنانچہ ترمذی جلد-۱' ص-۱۶۷ میں ہے: حدیث ابن عباس حسن صحیح غریب۔ اور ص-۱۸۶ میں ہے: حدیث ابی هريرة حسن صحیح غریب۔ غریب ہونا کسی حدیث پر جرح نہیں ہے۔ یہ ایک اصطلاح محدثین کی ہے کہ جس روایت کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک راوی رہا ہو' جس کے ساتھ دوسرا کوئی شریک نہ ہو' وہ حدیث غریب ہے' خواہ صحیح ہو یا حسن ہو۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ترمذی ص-۱۸۰ میں قربانی کے بارہ میں مذکور ہے' جن میں دو دنبے قربانی کرنے کا ذکر ہے' اس میں یہ لکھا ہے۔ هذا حديث غريب لا نعرفه الامن شریک۔ کہ "یہ حدیث غریب ہے' صرف شریک کے طریق سے معلوم ہوئی ہے اور کسی سے نہیں۔" الغرض غریب لکھنا حسن ہونے کے منافی ہے' پھر اپنی جہالت کا ثبوت یوں دیتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو کے متعلق یہ جملہ کہ بچوں کے گلوں میں تعویذ لٹکاتے تھے' حدیث کے الفاظ نہیں ہیں' حلانکہ خود ہی یہ الفاظ ترمذی کے حوالہ سے نقل کرتا ہے: کتبها فی صک ثم علقها فی عنقه۔ عام اصطلاح میں جس چیز پر خواہ وہ کاغذ ہو یا کپڑا کلام الٰہی لکھ کر گلے میں ڈالا جائے' اس کو تعویذ کہتے ہیں' خواہ لٹکے یا گلے سے ملا رہے' اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر یہ نادان نامہ نگار محدثین کا لبادہ پہن کر میدان تحقیق میں یوں قدم مارتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو کے بارہ میں یہ الفاظ کیسے صحیح ہو سکتے ہیں' حلانکہ وہ تعویذوں کی برائی میں صحیح روایت نقل کرتے ہیں' یہ بات بھی غلط ہے' ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے' بلکہ عملی حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے کہ اس حدیث میں تمیمہ سے وہ تمیمہ مراد ہیں' جو جاہلیت میں شرک آمیز مروج تھے' جو تعویذ اسماء الٰہی یا کلام الٰہی سے لکھے جاتے ہیں وہ اس حدیث میں داخل نہیں ہیں۔

چنانچہ عون المعبود جز رابعہ کے ص-۶ پر یہ لکھا ہے : المراد من التمیمة ما کان من تمائم الجاھلیة ورقاھا فان القسم الذی یختص باسماء اللّٰہ وکلماته غیر داخل فی جملته قال فی النھایة علی خرزان کانت العرب تعلقھا علی اولادھم یتقون بھاالعین فی زعمھم فابطلھا الاسلام۔ یعنی "احادیث میں تمائم سے مراد جاہلیہ کے تعویذ اور دم جھاڑے ہیں جو تعویذ کلام الٰہی سے اور اسماء الٰہی سے مخصوص ہیں' وہ ان میں داخل نہیں ہیں' نہایہ جو لغت حدیث کی معتبر کتاب ہے' اس میں یہ لکھا ہے کہ کوڑیوں اور گھونگوں کے تعویذ تھے' عرب کے زمانہ جاہلیت میں اپنی اولاد کے گلے میں ڈالا کرتے تھے' اس خیال سے کہ ان کی وجہ سے ہماری اولاد نظر سے محفوظ رہے گی' اسلام نے اس عمل اور رواج کو باطل کر دیا۔" حضرت عبداللہ مذکور نے کلمات مسنونہ کا تعویذ لکھ کر ڈالا' حدیث اور راوی کے عمل میں کیا تعارض اور منافات ہے۔

ابھی دل لبھانے کے انداز سیکھو
کہ آسان نہیں ہے دل لبھانا کسی کا

نیل الاوطار ج-۸' ص-۲۲ میں ہے' تمائم جمع تمیمه حزرات الخ یعنی تمیمہ کوڑیاں گھونگے تھے' جن کو عرب کے لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے گلے میں لٹکاتے تھے' پھر تمیمہ اور رقیہ اور تولہ تینوں کے بارہ میں یہ لکھا ہے : جعل ھذہ الثلاثة من الشرک لاعتقادھم ان ذالک یوثر بنفسه۔ یعنی "ان تینوں چیزوں کو شارع نے شرک کہہ دیا کہ کفار کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ چیزیں بذاتہ موثر ہیں۔" پس جو شخص کلام الٰہی اور اسماء الٰہی کے تعویذوں کو ذات الٰہی کو موثر جان کر لکھے یا باندھے تو اس کو شرک قرار دینا سراسر جہالت اور ضلالت ہے۔

بہ بیں تفاوت رہ است' از کجا تا بکجا

امام منذری رحمۃ اللہ علیہ ترغیب ص-۳۰۹ میں امام سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ تمیمہ وغیرہ مجہول اشیاء سے کرنا ممنوع ہے' جس میں جادو یا کفر کا احتمال ہوتا ہے : فاما اذا کان مفھوم المعنی وکان فیه ذکر اللّٰہ تعالٰی فانه مستحب متبرک به۔ یعنی "ایسے رقیہ اور تعویذ جن میں کلام الٰہی اور ذکر اللہ ہو' جس کے معنی مفہوم ہیں' ان کا کرنا مستحب ہے کہ ذکر الٰہی سے برکت اور شفاء حاصل کی جاتی ہے۔"

ترغیب حصہ-۴ ص-۳۰۲ کے حاشیہ نمبر-۵ میں علامہ مصطفٰی عمارہ جو وزارت معریہ کے

کبار مدرسین میں شمار ہیں' یہ لکھتے ہیں : قال الحفنی عطف التمیمة علی الودعة فھی غیر ھامن نحو کاغذ یکتب فیه شئی من القرآن مثلا ویکون قوله فقد اشرک ای ان اعتقد انھا توثر بطبعھا والا فلا باس بذالک بل یسن التبرک بحمل بشئی من القرآن۔ یعنی "علامہ حفنی نے کہا کہ تمیمہ کا عطف ودعہ پر ہے' جس سے ظاہر ہے کہ وہ اس سے غیر ہے' جیسے کاغذ پر کوئی چیز قرآن سے لکھی جائے' اس کو شرک بایں طور کہا کہ اس کو موثر بذاتہ جانے' جیسا کہ کفار کا یہ اعتقاد تھا' اگر ایسا عقیدہ نہ ہو تو پھر تعویذوں میں کوئی اندیشہ نہیں ہے' بلکہ یہ تعویذ کلام الٰہی سے تبرک حاصل کرنا ہے اور قرآن میں سے کسی چیز کے ساتھ تبرک حاصل کرنا مسنون ہے۔"

اور صفحہ ۲۱۰ حاشیہ نمبر ۱ میں یہ لکھتے ہیں : ولا باس ان تتبرک بتلاوة آیة قرآنیة او احادیثه نبویة من رجل صالح تقی بار عامل ولا مانع ان تعلق ورقة فیھا آیة قرآنیة او احادیث نبویة ایضا علی قصد التبرک والمحبة والتقرب الی اللّٰہ بطاعته۔ یعنی "ایسے رقیوں میں کوئی حرج نہیں ہے' جن رقیوں میں تلاوت آیت قرآن یا احادیث والی ادعیہ نبویہ ہوں' جو کسی آدمی نیک پرہیزگار عامل سے کرایا جائے اور نہ اس بات سے کوئی دلیل مانع ہے کہ کسی کاغذ پر آیات قرآنی یا ادعیہ مسنونہ .قصد تبرک و محبت و تقرب الٰہی کے لکھ کر لٹکائے جائیں۔"

بحرالعلوم سعودیہ درس گاہ کے متعلم نے ایک حدیث نقل کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن حکیم صحابی نے فرمایا کہ میں تعویذ سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی تعویذ لٹکاتا ہے' وہ اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے' یہ فرمان سولہ آنے صحیح ہے۔ جس نے غیراللہ کے نام سے یا جادوگر سے تعویذ کرایا وہ اسی کے سپرد کیا گیا' اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی کہ وہ اس کو شفا دے۔ لیکن ایک شخص کلام الٰہی یا اسماء الٰہی سے تعویذ کر کے اللہ تعالیٰ سے شفا چاہتا ہے' یہ تعویذ والا اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا گیا' جو شافی مطلق ہے' اسی کا کلام ہے' اس نے فرمایا ہے میرے کلام میں شفا ہے۔ پس تعویذ والا اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا گیا' اس کو مشرک کہنے والا خود مشرک ہو گیا۔ سعودیہ کے متعلم کو توبہ کرنی واجب ہے' ورنہ وہ خود مشرک ہو گیا ہے۔ یہ متعلم لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا صحابی پناہ مانگ رہا ہے' وہی چیز آج ہمارے لیے کیسے قبخشش بن گئی' اس کی تفہیم یوں ہے :

صحابی مذکور نے جاہلیت کے شرکیہ تعویذوں سے پناہ مانگی تھی۔ کلام الٰہی اور اسماء الٰہی سے شفا چاہنے سے پناہ نہیں مانگی' کیونکہ کلام الٰہی اور اسمائے الٰہی کے ذریعہ پناہ مانگنا اور ان کے ذریعہ شفا چاہنا مشروع اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول تھا۔ مسنون امر سے پناہ مانگنا گناہ ہے' تو یہ صحابی پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے کلام الٰہی اور اسمائے الٰہی سے شفا چاہنے سے پناہ مانگی' یہ افتراء عظیم اور رافضیانہ روش ہے۔ پھر یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کے قبل اجازت بھی تھی' تو وہ اس کے بعد منسوخ ہو گئی۔

پھر عبداللہ بن حکیم کا متاخر الاسلام ہونا ثابت کیا۔ یہ نہایت لچر اور غلط بات ہے' جس کو عالم ذیشان کبھی بیان نہیں کرے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے کفریہ' شرکیہ تعویذات اور دم جھاڑے باطل کر کے نافذ کر دیئے۔ کتب حدیث طب نبوی سے بھری پڑی ہیں۔ یہ مشروع عملیات نہ منسوخ ہوئے اور نہ ان کا کوئی ناسخ ہے' بلکہ عام ارشاد ہے: لا باس بالرقی مالم یکن فیه الشرک۔ کہ "ان منتروں اور کلاموں سے دم جھاڑ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں' جن میں شرک نہ ہو۔" ٹھیک اسی طرح تعویذ تحریراً جائز ہے' جبکہ ان میں شرک نہ ہو۔ لا فرق بینهما۔ دوسرا ارشاد یہ ہے: فمن استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل۔ یعنی "جو شخص تم میں سے یہ طاقت رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کو نفع دے وہ کام کرے۔" پس جب دم اور تعویذ میں علت حرمت شرک ہے' تب جس دم اور تعویذ میں یہ علت نہ ہو گی اس کی رخصت ہے کہ علت کے دور ہونے سے معلول اٹھ گیا' بلکہ حدیث مالم یکن فیه شرک پر علامہ شوکانی لکھتے ہیں: فیه دلیل جواز الرقی والتطبب بما لا ضرر فیه ولا منع من جهة الشرع وان کان بغیر اسماء اللہ وکلامه۔ کہ اس حدیث کے قاعدہ کلیہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ دم جھاڑ کرنا کسی ایسی چیز سے جس میں کوئی ضرر اور ممانعت شرع کی طرف سے وارد نہ ہو' درست ہے' اگرچہ اس میں کلام الٰہی اور اسمائے الٰہی نہ ہوں۔"

اگر کلام الٰہی اور اسمائے الٰہی ہوں تو امام قرطبی سے یہ نقل کیا ہے: الثانی ما کان بکلام اللہ او باسمائه فیجوز فان کان ما ثورا فیستحب۔ (نیل الاوطار ج۔۲' ص۔۲۱۴) یعنی "دوسری قسم کے وہ رقی ہیں جو کلام اللہ اور اسمائے الٰہی سے کیے جاتے ہیں' اگر حدیثوں سے منقول ہیں' تو مستحب ہیں۔" پس نسخ کی بحث ہی فضول ہے۔

مولانا وحیدالزمان صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب لغات الحدیث جلد اول' ص۔۲۱ میں

حدیث تمائم پر یہ لکھا ہے : "گنڈے اور منتر شرک کی باتیں ہیں' اگر یہ سمجھے کہ گنڈا اور منتر خود کوئی اثر رکھتا ہے' یعنی اللہ کے بے حکم تب تو حقیقتاً مشرک اور کافر اور اسلام سے خارج ہو گیا' جیسے دوا کی نسبت کوئی یہ اعتقاد رکھے تو وہ بھی کافر ہے اور جو یہ سمجھے کہ اللہ کے حکم سے اثر کرتا ہے' تب حقیقتاً مشرک نہ ہوا' مگر مشرکوں کا سا کام کیا' کیونکہ گنڈے لٹکانا اور منتروں سے جھاڑ پھونک کرنا مشرکوں کا طریق تھا۔

ہمارے بعض علماء نے بچوں کے گلے میں ہر طرح کے گنڈے اور تعویذ لٹکانا مکروہ لکھا ہے' مگر شرک نہیں کہا اور طیبی نے کہا مراد وہ گنڈے اور منتر ہیں جو جاہلیت اور کفر کی باتوں پر مشتمل ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ بات صحیح ہے۔ مثلاً ان میں شیاطین اور کافروں کے نام لیے جاتے ہیں یا مشرک کے مضامین ہوں۔ مثلاً غیر اللہ سے مدد مانگنا' ان سے تندرستی چاہنا' اگر اسمائے الٰہی یا قرآن کی آیات یا احادیث کی دعائیں ہوں' تو ایسے تعویذ لٹکانا یا مکان پر گرانا جائز ہے۔ پھر آگے ابن اثیر سے یہ نقل کیا ہے۔ ابن اثیر نے کہا کہ ان کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ گنڈے سے شفا ضرور ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو شرک فرمایا' کیونکہ وہ اس گنڈے سے تقدیر الٰہی کو روکنا چاہتے تھے اور غیر خدا سے بلاء دفع کرنے کی درخواست کرتے تھے' حالانکہ بلاء اور درد اور مصیبت کا دفع کرنے والا اللہ ہی ہے' جو کوئی خدا کے سوا کسی پیر یا ولی یا پیغمبر یا امام یا درویش کو مشکل کشا' بلاء کا دور کرنے والا' بیماری اور دکھ سے چنگا کرنے والا سمجھے وہ مشرک اور اسلام سے خارج ہے۔ اس تصریح سے خوب واضح ہو گیا کہ جن حدیثوں کو نقل کر کے اس طالب علم نے تعویذوں کو شرک بتایا ہے' اس سے جاہلیت کے تعویذات شرکیہ مراد ہیں' ان میں کلام الٰہی اور ذکر اللہ کے تعویذوں کو قیاس کر کے ان کو شرک کہہ دیا۔

یہ عجیب زمانہ ہے کہ عہد حاضرہ میں طالب علم بھی مجتہد بن بیٹھے ہیں۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ اس لا علم طالب علم نے اکابر علماء اسلام کو مشرک بنا دیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ' علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ مصنف حیوۃ الحیوان' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے تعویذوں کی کتاب "قول جمیل" لکھی ہے' نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم جنہوں نے "الداء والدواء" لکھی ہے اور دیگر علماء متقدمین محدثین اور علماء متاخرین جنہوں نے آیات قرآن اور اسماء الٰہی سے تعویذ لکھنے جائز لکھے ہیں' مشرک قرار دے دیا' اس سے بڑا گناہ کیا ہو گا؟ کہ جس نے شرکیہ تعویذوں پر موحدانہ تعویذوں کو قیاس کر کے شرک لکھ دیا ہے' جس کو

ایسی تعلیم دے رہے ہیں' وہ ایسا لا علم ہے' جو تمیمہ' کوڑیوں' گھونگوں پر اور سمندر کی سفید چیز پر جو سمندر سے لا کر کفار بچوں کے حلق میں لٹکایا کرتے تھے' قرآن اور اسمائے الٰہی کے تعویذوں کو ان کے برابر کر رہا ہے' اس سے بڑھ کر کفر کیا ہو گا؟

اللہ تعالیٰ نے دنیا کا کارخانہ اسباب پر قائم کیا ہے۔ انسان کی تربیت جسمانی اور روحانی کے اسباب اس مسبب الاسباب نے بنائے ہیں' رزق بھی اسباب سے ملتا ہے' علم بھی اسباب تعلیم سے حاصل ہوتا ہے' اپنی زندگی بھی انسان اسباب سے درست رکھتا ہے' جب بیمار ہو جائے تو اس بیماری سے صحت حاصل کرنے کے بھی اسباب ہیں' بعض جسمانی اور مادی ہیں' جیسے ادویہ سے علاج کرنا اور کروانا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ان اللّٰہ انزل الداء والدواء وجعل لکل دآء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام (ابوداؤد) یعنی "تحقیق اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں نازل کیے ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا رکھی ہے' تم آپس میں مداواۃ اور دوا کرو' لیکن حرام اور خبیثہ چیزوں سے علاج نہ کرو۔"

اسی طرح کلام الٰہی واسمائے الٰہی سے روحانی علاج کرنا اور کرانا بھی ثابت ہے' لیکن شرکیہ الفاظ سے علاج کرنے سے روک دیا۔ ایک حدیث میں یہ فرمایا : علیکم بالشفائین العسل والقرآن۔ "کہ تم دو موجب شفا چیزوں کو لازم کر لو' ایک شہد اور دوسرا قرآن۔" پس شہد جسمانی علاج اور قرآن روحانی ہے' جیسے حدیث میں یہ فرمایا کہ فی الحبۃ السوداء شفاء من کل دآء الا السام۔ یعنی "سیاہ دانہ (کلونجی) میں ہر بیماری سے شفا ہے' مگر موت کی کوئی دوا نہیں ہے۔" اور دارمی میں یہ حدیث ہے : فاتحۃ الکتاب شفاء من کل دآء۔ "کہ سورہ فاتحہ میں ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔" اور شافی مطلق نے شہد کی بابت خود قرآن میں ارشاد فرمایا : فیہ شفاء للناس۔ "کہ شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔"

ان دلائل شرعیہ سے یہ ثابت ہوا کہ ہر بیماری کا علاج جسمانی مادی چیزوں سے اور قرآن مجید روحانی علاج شفا کے اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو موثر حقیقی جان کر ان سے علاج کرے تو مشروع ہے۔ علیہ اتفاق الامۃ المرحومۃ۔ اور اگر دوا اور قرآن کو موثر حقیقی جانے تو یہ عقیدہ شرکیہ ہے اور پھر کسی کے ساتھ بھی معالجہ جائز نہیں ہے۔ باقی جن ادویہ اور ادعیہ اور سورت وآیات قرآنیہ سے علاج کرنا حدیثوں سے ثابت ہے' وہ منصوص ہیں اور جن دواؤں اور آیتوں اور دعاؤں سے علاج کرنا حدیثوں میں مذکور نہیں ہے' ان میں جب ممانعت وارد نہ ہو تو علاج میں

اباحت ہے۔ اسی طرح کیفیت علاج کسی دواء یا دعا یا قرآن کی آیت سے ثابت ہو' تو وہ مسنون ہے اور اگر ثابت نہ ہو تو وہ مباح ہے۔ مثلاً کسی کاغذ پر لکھ کر پلا دے' تو یہ مباح ہے' کیونکہ حدیث میں آیا ہے : وما سکت عنه فهو عفو۔ کہ "جس چیز کی ممانعت سے شارع نے سکوت کیا وہ معاف ہے۔" نیز علاج معالجہ دوا سے ہو یا دعا سے عبادات کی قسم نہیں ہے۔ اس لئے اگر کوئی توکلا علی اللہ اپنے مقدر پر حصر کر کے علاج نہ کرائے' صبر سے کام لے تو وہ مومن بلا حساب جنت میں جائے گا' اگر ان چیزوں سے علاج کرنا مسبب الاسباب کی طرف سے اسباب شفاء و نفع سمجھے تو یہ جائز ہے۔ اس کے لئے شرعی دلیل اور نص کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ یہ معاملات معالجہ کی قسم سے ہے' جس میں اصل اباحت ہے' جب کہ دلیل مانع نہ ہو۔

پس اس اصول اور سابقہ بحث سے کاغذوں پر تعویذ لکھ کر علاج کرنا جائز ثابت ہو گیا۔

قسطلانی شرح صحیح البخاری میں ہے : الطب الروحانی اقوی من الطب الجسمانی فلما عز هذا الفن فزع الناس الی الطب الجسمانی ویشیر الی هذا قوله صلی اللہ علیه وسلم لو ان موقنا قرا القرآن علی جبل لزال و قال خذ من القراٰن ما شئت لمن شئت۔ یعنی "طب روحانی طب جسمانی سے بہت قوی ہے' جب یہ فن عزیز الوجود ہو گیا' تو لوگ طب جسمانی کی طرف مائل ہو گئے اور اس بات پر نبی علیہ السلام کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے' اگر کوئی شخص یقین کامل کے ساتھ پہاڑ پر قرآن کریم پڑھ دے' تو وہ بھی زائل ہو جائے اور فرمایا کہ لے لو تم قرآن سے جو چیز چاہو اور جس کے لیے چاہو۔"

کتاب التوحید کی شرح فتح المجید کے ص ۹۰ میں ہے : ان الرقی الموصوفة بکونها شرکاهی التی یستعان بها لغیر اللہ۔ یعنی "شرکیہ اور ممنوع دم جھاڑے وہ ہیں جن میں غیر اللہ سے مدد طلب کی جاوے۔" واما اذا لم یذکر فیها الا اسماء اللہ وصفاته وآیاته والماثور عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فهذا حسن جائز ومستحب۔ یعنی "جو رقی (تعویذ) ایسے ہوں کہ ان میں اسماء الٰہی وصفات و آیات اور ادعیہ ماثورہ کا ذکر ہو' تو وہ اچھے اور جائز اور مستحب ہیں۔"

اسی طرح اکثر محدثین نے کہا ہے' پھر سعودیہ درسگاہ کا متعلم یہ لکھتا ہے "کہ کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے تعویذ کو جائز قرار نہیں دیا۔" یہ بھی غلط ہے' کتاب مسلم علماء روضۃ الندیہ ص ۲۳۹ میں یہ لکھا ہے : وقال مجاهد لا باس ان یکتب القرآن ویغسله

ویسقیه المریض۔ یعنی "رئیس التابعین حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس کام میں کوئی مضائقہ نہیں کہ قرآن کو کسی چیز پر لکھ کر اور دھو کر مریض کو پلا دے۔" وامر ابن عباس رجلا ان یکتب لامراۃ یعسر علیہ الولادۃ ایتین من القرآن وکلمات ثم یغسل وتسقی۔ یعنی "ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کسی آدمی کو یہ حکم فرمایا کہ جس عورت کو بچے کی پیدائش میں تکلیف عارض ہو تو اس کے لیے قرآن کریم سے دو آیتیں اور فلاں کلمے لکھے اور دھو کر عورت کو پلا دے۔ وسئل سعید ابن مسیب عن الصحف الصغار یکتب فیہ القرآن تعلق علی النسآء والصبیان فقال لا باس بذالک اذا جعل فی کبر من ورق اوشیئی من الادیم او یحرز علیہ۔ یعنی "سید التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ عورتوں اور بچوں کے گلے میں ایسے تعویذ لٹکانے کا کیا حکم ہے، جس میں قرآن کریم کی کوئی آیت لکھی جائے، تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ اس کو کسی بڑے ورق یا چمڑے میں سی کر حفاظت سے باندھا جائے اور پہلے یہ ذکر گزر چکا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کے گلے میں تعویذ لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔

اس پر عون المعبود جلد چہارم، ص۔۱۸ پر محدث ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : وفیه دلیل علی جواز تعلیق التعوذ علی الصغار۔ یعنی "یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ بچوں کے گلے میں تعویذ لکھ کر لٹکانے جائز ہیں۔" لیکن بحر العلوم کا طالب علم بحر علم میں جہالت کے غوطے لگاتا ہوا یہ لکھتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے متعلق جو بات منسوب کی جاتی ہے، اس کا جواب ہو چکا ہے کہ انہوں نے بچوں کے گلے میں کوئی تعویذ نہیں ڈالا، عون المعبود کی عبارت سے اس کی جہالت ظاہر ہو گئی۔ علاوہ ازیں حضرت العلام مولانا عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ جو پاک وہند کے مشہور مفتی و عالم تھے، وہ اپنے فتویٰ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قول کو پیش کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں : "عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی اولاد سے جو بالغ ہو جاتا، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس کو یہ کلمات سکھلا دیتے اور جو نابالغ ہوتا کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیتے۔" (فتاوی اہلحدیث ص۔۱۸۹)

ان فاضل محدثوں نے عبداللہ بن عمرو کے اس فعل سے گلے میں تعوذ ڈالنے پر دلیل لی ہے اور یہ رائی کا دانہ پہاڑ سے ٹکراتا ہوا اس بات سے انکار کرتا ہے، تو ایسا شخص مفتی بننے کی کیا لیاقت رکھتا ہے۔

پھر اس نے یہ لکھا ہے' باقی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت یا وہ گوئی کی جاتی ہے کہ انہوں نے تعویذوں کو استعمال کیا' خاص کر وہ تعویذ جن میں قرآن مجید کی آیتیں یا اسماء باری تعالیٰ کے ہوتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ اس بکواسی اور بے ہودہ کلام کا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین اور آئمہ محدثین کے حق میں بدکلامی اور گستاخی ہے' کیونکہ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ تعویذات شرعیہ کو جائز جانتے تھے' چنانچہ زادالمعاد ج۔۳' ص۔۱۸۰ مطبوعہ مصریہ میں ہے کہ امام مروزی کہتے ہیں کہ ابوالمنذر عمرو بن مجمع نے ابوعبداللہ پر حدیث پڑھی' میں سن رہا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یونس نے حدیث بیان کی' یونس بن حبان نے کہا کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے سوال کیا کہ کیا میں تعویذ لٹکا سکتا ہوں' ابو جعفر نے کہا کہ لا ان کان من کتاب اللّٰہ او کلام عن اسماء اللّٰہ فعلقه واستشف ما استطعت۔ یعنی "اگر تعویذ قرآن اور اسماء اللہ سے ہو تو لکھ کر لٹکا لے اور اس سے شفا حاصل کر لے۔" اس نے کہا : اکتب هذه من حمى الربع باسم اللّٰه وباللّٰه محمد رسول اللّٰه قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابرهیم وارادوا به کیدا فجعلنا هم الاخسرین۔ اللّٰهم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل اشف صاحب هذا الکتاب بحولک وقوتک وجبروتک الهه الحق "آمین" قال ای نعم۔ یعنی "میں چوتھیئے بخار کے لئے یہ تعویذ کرتا ہوں : بسم اللّٰہ وباللّٰہ ابو جعفر نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے' ابو جعفر محمد بن علی بن امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما اہل بیت سے ہیں' جو ثقہ فاضل امام باقر کے نام سے مشہور ہیں اور طبقہ رابعہ کے تابعی ہیں' وہ تعویذ کلام الٰہی کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ پس ان کو مشرک قرار دینے والا خود مشرک ہے۔

امام ابن القیم رئیس الموحدین نے زادالمعاد جلد ثالث حرف الکاف میں کئی ایک تعویذات شرعیہ نقل کیے ہیں اور یہ فرماتے ہیں : فان کتابته نافعة ورخص جماعة من السلف فی کتابة بعض القرآن وشربه وجعل ذالک من الشفاء الذی جعل اللّٰه فیه۔ یعنی "تعویذ لکھنا نافع ہے' سلف صالحین (صحابہ و تابعین) کی ایک جماعت نے اس کی رخصت دی ہے کہ لکھا جاوے اور پلایا جاوے اور اس کو موجب شفا قرار دیا جائے۔"

پھر رئیس الموحدین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اور یہ فرماتے ہیں : کتاب للرعاف۔ یعنی نکسیر کا تعویذ کرنا۔ وکان شیخ الاسلام ابن تیمیه رحمه اللّٰه

یکتب علٰی جبھتہ وقیل یا ارض ابلعی مآءک ویاسمآء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر وسمعتہ یقول کتبتھا لغیر الواحد فبرء۔ یعنی امام ابن تیمیہ شیخ الاسلام مرض نکسیر کا یہ تعویذ کیا کرتے تھے کہ مریض کی پیشانی پر یہ آیت لکھا کرتے تھے وقیل یاارض ابلعی۔ اور میں (ابن قیم) نے سنا کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں نے کئی ایک آدمیوں پر اس کا تجربہ کیا ہے سب کو صحت حاصل ہوئی' پھر لکھتے ہیں : ولا یجوز کتابتھا بدم الراعف کما یفعلہ الجھال فان الدم نجس فلا یجوز ان یکتب بہ کلام اللّٰہ تعالٰی۔ یعنی "تعویذ لکھنا جائز نہیں ہے' جو جاہل لوگ نکسیر والے کے خون سے اس کی پیشانی پر کلام الٰہی لکھ دیتے ہیں' کیونکہ خون پلید ہے جس سے کلام الٰہی لکھنا درست نہیں ہے' میں کہتا ہوں وہ طبقہ جہال' اہل رائے مقلدین ہے' جنہوں نے نکسیر والے کی پیشانی پر سورہ فاتحہ کو پیشاب اور خون سے لکھنا جائز قرار دیا ہے۔"

چنانچہ ردالمختار شرح درمختار عرف شامی مطبوعہ دہلی جلد۔۱' ص۔۱۴۰ اور فتاویٰ قاضی خاں ص۔۳۶۴ فتاویٰ عالمگیری ج۔۵' ص۔۳۱ میں یہ لکھا ہے : وکذا اختارہ صاحب الھدایۃ فی التنجیس فقال لورعف فکتب الفاتحۃ بالدم علی جبھتہ وانفہ جاز للاستشفاء وبالبول ایضا ان علم فیہ شفاء لا باس بہ۔ یعنی "اسی طرح کو صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب تجنیس میں اختیار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص کو نکسیر چلنے کا مرض ہو تو اس کی پیشانی پر سورہ فاتحہ اسی کے خون کے ساتھ لکھ دیں تو شفاء حاصل کرنے کے لیے یہ جائز ہے اور بول کے ساتھ بھی سورہ فاتحہ مریض کی پیشانی پر لکھنی جائز ہے' جبکہ یہ علم ہو کہ خون اور پیشاب سے تعویذ لکھ دینے سے شفاء حاصل ہو جائے گی۔" پس حنفیہ مذہب کا یہ قول باطل اور ان کا یہ عمل فاسد ہے۔

بہرحال کلام الٰہی سے تعویذ لکھنا سب علماء اہل حق کو مسلم ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جو اہلسنت کے اکابر آئمہ سے ہیں' تعویذ لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ زادالمعاد ج۔۳' ص۔۱۸۰ میں ہے کہ امام خلال نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میرے باپ احمد اس شخص کے لیے تعویذ لکھ دیا کرتے تھے جس کا دل گھبراتا ہو اور جس کو بخار ہو' دیگر روایت خلال کی اسی صفحہ پر ہے کہ عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میرے والد صاحب کو میں نے دیکھا کہ جب کسی عورت کو بچہ جننے کی تکلیف ہوتی اور دردزہ ہوتا تو کسی سفید پیالی پر یا

کسی صاف پاکیزہ چیز پر ابن عباس کی حدیث والی یہ دعا لکھ کر دیا کرتے تھے : لا الہ الااللّٰہ الحلیم الکریم سبحان اللّٰہ رب العرش العظیم الحمدللّٰہ رب العالمین' کانھم یوم یرون مایوعدون لم یلبثوا الاساعۃ من نھار بلاغ' کانھم یوم یرونھالم یلبثوا الاعشیۃ او ضحاھا۔ تیسری روایت میں ہے : ورایتہ یکتب لغیر واحد۔ یعنی میں نے دیکھا تھا کہ میرے والد یہ تعویذ درد زہ کا بہت لوگوں کو لکھ کر دیا کرتے تھے۔ نیز یہ لکھا ہے کہ درد زہ کے تعویذ کو پانی میں دھو کر حاملہ عورت کو پلایا جائے اور اس کے پیٹ پر اس پانی کو چھڑکا جائے' میں کہتا ہوں کہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے آنحضرت ﷺ کے ایک جبہ مبارک کا ذکر کیا ہے' جس کو آپ ﷺ کسی خاص وقت میں پہنا کرتے تھے' پھر یہ فرمایا : نحن نغلسھا للمرض نستشفی بھا۔ کہ ہم اس جبہ کو بیماروں کے لیے دھویا کرتے تھے اور شفاء حاصل کرنے کو اس کا پانی پلایا کرتے تھے' جب یہ جبہ نبوی ﷺ سے شفاء چاہی گئی تو قرآن لکھ کر اس سے شفاء چاہنا شرک کیسے ہو گیا۔

بحرالعلوم سعودیہ کے تمام اساتذہ اور تلامذہ کی عدالت میں میری یہ درخواست ہے کہ وہ سب مل کر اس کا جواب دیں کہ مولوی عبدالحفیظ منیر بھٹوی کے اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ آیات قرآنیہ اور اسماء الٰہی کے تعویذوں سے استشفاء شرک ہے' سب مل کر کتاب وسنت کے سمندر میں غوطہ لگائیں اور غواص بن کر سعودیہ کے سمندر سے ایسی قطعی دلیل تلاش کریں' جس سے قرآن اور اسماء الٰہی سے تعویذ کرنے والا مشرک ثابت ہو' اگر کوئی دلیل ثابت نہ ہو تو بھٹوی متعلم کو حکم دے کر اس سے توبہ نصوح کرائیں کہ آئندہ وہ ایسا باطل فتویٰ نہ دے۔ یہ اس کی کیسی بدیہی غلطی ہے کہ وہ ابراہیم نخعی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استاد قرار دیتا ہے' حالانکہ وہ استاذ الاستاد ہیں کہ ابراہیم نخعی سے امام حماد نے علم حاصل کیا اور حماد سے ابوحنیفہ نے' تو اسے خوب سمجھا کر علم پڑھاؤ اور دلیری سے ہٹاؤ کہ اپنی بضاعت علمی سے بڑھ کر فتویٰ نہ دیا کرے' پھر اس کی یہ بہت بڑی جہالت ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ امام نخعی روایت کرتے ہیں' صحابہ اور تابعین تعویذ کو ناجائز سمجھتے تھے' چاہے ان میں قرآن ہی کیوں نہ لکھا ہو۔

میزان الاعتدال جلد اول کے صفحہ ۳۸ میں ہے : ولم یصح لہ سماع من صحابی۔ ''کہ ابراہیم نخعی کا سماع کسی صحابی سے صحیح نہیں ہوا۔'' پھر ترجمہ میں اس بھٹوی نے جھوٹ کا بھٹ

کیوں جھونکا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تعویذ بالقرآن کو ناجائز سمجھتے تھے۔ نیز جب یکرھون مجمل ہے' تو پھر اس کے فاعلین اپنی طرف سے کیوں لکھے' پھر میزان میں لکھا کہ وہ مسروق سے روایتیں کرتا ہے: ولم یسمع منه شیئا۔ حالانکہ اس نے مسروق سے کچھ بھی نہیں سنا' بھلا ایسے راوی کا کیا اعتبار رہا۔ پھر اس نے یہ کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہ تھے' حالانکہ یہ بالبداہت غلط ہے۔ پھر کتاب الآثار کے باب القراۃ فی الحمام والجنب میں یہ روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ میں ہر حال میں خدا کی حمد کرتا ہوں' خواہ پخانے میں ہوں یا اس کے غیر میں' اب سعودیہ کے علماء اور طلباء ٹٹیوں میں بیٹھ کر سبحان اللہ وبحمدہ کا وظیفہ کیا کریں' کیونکہ یہ امام نخعی مشہور تابعی کا عمل ہے' دیگر تحفہ ابراہیم نخعی سے اور لے لو کہ وہ یہ کہتے ہیں: انی العب علی بطن المرءۃ حتی اقضی شهوتی وهی حائض۔ یعنی "میں اپنی عورت کے پیٹ پر کھیلتا ہوں در آں حالانکہ وہ حائضہ ہوتی ہے۔ (کتاب الآثار)

نیز ابراہیم نخعی کہتے ہیں: لا قراۃ علی الجنازۃ۔ "کہ جنازہ میں قرآت نہیں ہے۔" نیز ابراہیم نخعی نے تعویذ بالقرآن کی بابت یہ کہا ہے کہ لوگ ان سے کراہت کرتے تھے۔ کراہت دو قسم ہے' تنزیہی اور تحریمی۔ پس لوگ تعویذ کو مکروہ بکراہت تنزیہہ جانتے تھے یعنی خلاف اولیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعویذ لکھنے ثابت نہیں' لیکن یکرھون کا یہ معنی کرنا کہ وہ تعویذ بالقرآن کو شرک جانتے تھے' سراسر غلط بلکہ باطل ہے۔ ہاں صرف تمیمہ کو شرک کہا گیا ہے' جس میں کہ تین شرطیں ہوں۔ اول یہ کہ جہالت والا تمیمہ ہو' وہ یا تو کوڑیاں' منکے' گھونگے وغیرہ بجنسہ ہوتے تھے' جن کو وہ موثر جانتے تھے۔ یہ عقیدہ باطل ہے' یا کسی میں جادو ہوتا تھا' یہ بھی شرک ہے۔ تیسری شرط یہ کہ قبل بلا تمیمہ باندھا جائے اس خیال سے کہ بلا کو روک دے گا' اگر بعد بلا ہو تو اس کو تمیمہ نہیں کہتے۔ چنانچہ ترغیب جلد۔۴' ص۔۳۱۰ میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' انہوں نے کہا: لیس التمیمة ما تعلق به بعد البلاء انما التمیمة ما تعلق به قبل البلاء۔ (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد) "تمیمہ وہ نہیں ہوتا' جو بیماری' مصیبت' تکلیف آنے کے بعد لٹکایا جاتا ہے (جیسے اسلامی طریقہ ہے) بلکہ تمیمہ شرکیہ وہ ہے' جو بلا' بیماری وغیرہ آنے سے پہلے لٹکایا جاتا ہے' تاکہ بیماری اور نظر وغیرہ سے حفاظت میں رکھے۔ اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے: انما یعدهٗ قبل نزول المرض بمعنی ان الانسان فی صحة فیعلق الشئی علی

جسده احتیاطًا ومانعا وحافظا ومعتقدا ان ما علق یقییه العین والمرض۔ (حاشیہ نمبر۔۲' ص۔۳۱۰)

یعنی جو قبل نزول بلا اپنی صحت میں تعویذ باندھے کہ نظر و مرض وغیرہ سے حفاظت رہے' اس اعتقاد سے کہ یہ تمیمہ ہر بلا کا مانع اور حافظ ہے۔ اس کو تمیمہ جاہلیت کے زمانہ میں کہا جاتا تھا۔ اس تشریح سے ثابت ہوا کہ جو تعویذ قرآن یا اسماء الٰہی سے لکھا جائے اور بعد بلا بیماری وغیرہ کے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے شفا بخشے تو یہ تمیمہ شرکیہ نہیں ہے۔ یہ تعویذ شرعیہ ہے' جو جائز ہے اور علماء اسلام میں معمول بہ ہے۔

چنانچہ شرح تاج جامع الاصول کے ص۔۲۱۳ جلد سوم میں ہے : والتمیمة فیھا کلمات لا تجوز من عمل الجاھلیة واذا کانت من القراٰن واسمآء اللّٰہ لاشیی فیھا۔ یعنی "ایسا تمیمہ جس میں جاہلیت کے کلمے ہوں وہ جائز نہیں اور جب قرآن واسمائے الٰہی سے لکھا جائے' تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" اور ص۔۲۱۹ کے حاشیہ میں ہے کہ رقیہ (دم) بھی وہی مشروع ہے' جو عندالحاجتہ کلام اللہ اور اسمائے الٰہی سے لکھا جائے اور پھر لکھا ہے : والتمیمة کالرقیة فی ھذا۔ کہ "رقیہ اور تمیمہ کا ایک ہی حکم ہے کہ جاہلیت والے جائز نہیں' شرعی جائز ہیں۔"

چنانچہ لمعات شرح مشکوٰۃ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے تعویذی فعل پر یہ لکھا ہے : ھذا ھوالسنه فیما یعلق فی اعناق الصبیان من التعویذات (الٰی قوله) واما تعلیق الخرز والتمائم مما کان من رسوم الجاھلیة فحرام بلا خلاف۔ یعنی "یہ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند اور دلیل ہے' اس بات پر کہ بچوں کے گلوں میں تعویذ لٹکانے جائز ہیں۔ لیکن رسم جاہلیت والے گنڈے اور کوڑیاں اور منکے وغیرہ قطعاً حرام ہیں' اس میں کسی اہل علم کو اختلاف نہیں ہے۔"

اور فارسی شرح مشکوٰۃ میں مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی یوں فرماتے ہیں : "وازیں جواز آویختن تعویذات در گردن معلوم مے شود و بعضے علماء را دریں جا اختلاف است۔ مختار آنست کہ تعلیق خرزات ومانند آں حرام ومکروہ است اما اگر قرآن یا اسمائے الٰہی تعالیٰ بنویسد باکے نیست چنانکہ در رقیہ ایں تفصیل کردہ اند۔" خلاصہ مطلب اس فارسی عبارت کا وہی ہے' جو اوپر گزرا ہے۔

حدیث عبداللہ کی عربی وفارسی شرح سے یہ وضاحت ہو گئی کہ اس میں بچوں کے گلے میں لٹکانے کا ذکر ہے' لیکن بحرالعلوم سعودیہ کے متعلم نے غوطہ مار کر یہ لکھ دیا ہے کہ اس حدیث میں بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانے کا کوئی ذکر نہیں ہے' اس انکار سے واضح ہوا کہ اس متعلم کا غوطہ بحرالعلوم میں کالغریق' فتدبر' ورنہ انکار نہ کرتا اور قواعد ملیہ کو دلائل شرعیہ سے خوب سمجھتا۔

روضۃ الندیہ شرح الدرر البہیہ کے ص-۲۳۶ میں یہ لکھا ہے : القواعد الملية لاتدفعها مالم يكن فيه شرك لا سيما اذا كان من القرآن او السنة اوما يشبهما من التضرعات الى الله تعالى وكل حديث فيه نهى عن الرقى والتمائم والتولة فمحمول على ما فيه شرك او انهماك فى التسبب بحيث يغفل عن البارى جل شانه۔ یعنی "قواعد ملیہ ودلائل شرعیہ تعویذات کے دافع ومانع نہیں' جب کہ ان میں شرک نہ ہو' خاص کر جب کہ قرآن وحدیث یا ان کے مشابہ کلام سے ماخوذ ہوں اور اللہ کی طرف تضرع پایا جائے' تو وہ درست ہیں۔ جن رقیوں' تعویذوں وغیرہ کی ممانعت حدیثوں میں آئی ہے' وہ تعویذات شرکیہ پر محمول ہیں یا ان کو سبب بنا کر اللہ تعالیٰ سے غفلت کی جائے کہ ادھر توکل نہ رہے۔"

میں کہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : خير الدوآء القرآن (ابن ماجه) "سب سے بہتر دواء قرآن ہے۔" کہ اس کی ہر سورت اور ہر آیت رحمت وشفا سے مملو ہے' خواہ اس کو پڑھ کر یا لکھ کر استشفاء کرے' تو یہ عین اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرنا ہے۔ اس کو شرک کہنا ایسا ہے جیسے کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے کو کوئی شرک کہے۔ فتح الربانی شرح مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جلد-۱۷' ص-۱۸۸ میں رقی وتمائم شرکیہ پر بحث کر کے علامہ شارح نے یہ لکھا ہے : اما اذا كانت التعويذات من القرآن او السنة فلا باس بها۔ یعنی "جب تعویذات قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوں' تو ان کا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ کوئی کلام اور منتر اور تعویذ قرآن وحدیث کی ادعیہ سے ماخوذ نہ ہو' لیکن اس میں شرک نہ ہو' تب بھی دم جھاڑا اور تعویذ جائز ہے' چنانچہ یہ حدیث نص ہے : ولا باس بالرقى مالم يكن فيه شرك۔ یعنی "جن منتروں میں شرک نہ ہو' ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

نیل الاوطار جلد۔۸، ص۔۲۱۴ اس حدیث پر یہ لکھا ہے: وفیه دلیل علی جواز الرقی والتطبب بمالا ضرر فیه ولا منع من جهة الشرع وان کان بغیر اسمآء اللّٰه وکلامه لکن اذا کان مفهوماً لان مالا یفهم لا یومن ان یکون فیه شئ من الشرک۔ یعنی "اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ رقیہ کرنا اور علاج کرنا ایسی چیز سے جس میں شرک نہ ہو، جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کسی کو عذر نہ پہنچے اور نہ شرع میں اس کی ممانعت ہو، اگرچہ وہ بغیر کلام الٰہی اور اسمائے الٰہی کے ہو، جبکہ اس کا معنی اور مطلب سمجھا جاتا ہو، کیونکہ جس کا معنی نہ سمجھا جائے، تو اس میں شرک کا احتمال ہے، اس لئے وہ جائز نہیں ہے۔"

مجمع الزوائد جلد۔۵، ص۔۱۱۱ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بخار کے ایک رقیہ (دم) کا ذکر ہوا کہ وہ بخار کے مریض پر استعمال کیا جاتا ہے۔ آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو میرے پر پیش کرو، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ منتر پیش کیا: بسم اللّٰه سحر قرینه ملحه بحر معطاء۔ آنجناب ﷺ نے فرمایا! یہ عہد پیمان ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیر وغیرہ درندوں سے لیا تھا، میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ ایک شخص کو کوئی زہریلی چیز ڈس گئی، اس نے یہی منتر اس پر پڑھ دیا، وہ صحت یاب ہو گیا گویا وہ رسی سے بندھا تھا کھل گیا۔ ایسی ہی روایت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے ہے، وہ کہتے ہیں ہم نے آنحضرت ﷺ پر بخار کا رقیہ پیش کیا، تو آپ ﷺ نے اس کے پڑھنے کا اذن دیا کہ سلیمان علیہ السلام کا معاہدہ ہے، وہ یہ تھا: بسم اللّٰه سحر قرینه ملحه معطاء۔ اس حدیث کی اسناد حسن ہے، پہلی روایت اس کی موید ہے۔

ان سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی ایسا منتر، تعویذ جس میں شرک نہ ہو، اس کا استعمال جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آثار نبوت سے کوئی متبرک چیز ہو تو اس سے بھی استشفاء جائز ہے، جیسے پہلے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ذکر گزرا اور قرآن میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو فرمایا: اذهبوا بقمیصی هذا فالقوه علی وجه ابی یات بصیرا (الی قوله) فلما ان جاء البشیر القاه علی وجهه فارتد بصیرا۔ یعنی "تم میرا کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو، وہ بینا ہو کر میرے پاس آجائے گا" چنانچہ بشیر نے جا کر وہ کرتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دیا، تو وہ اس کی برکت سے بینا ہو گئے۔" یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جس کے فراق سے روتے روتے آنکھیں کھل گئیں، اسی

کے بدن کا کرتہ آنکھوں پر ملنے سے شفا ہو گئی' تو قرآن پڑھ کر ملنے سے یا تعویذ لکھ کر' دھو کر پینے سے شرک کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ قرآن موجبات شفاء سے ہے۔ شرک وہ تمیمہ تھے' جن میں جادو تھا۔

چنانچہ مجمع الزوائد ج۔۵' ص۔۱۰۹ میں یہ حدیث ہے' جسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں جادو سے ہیں' رقی' تولہ' تمائم' ان میں جادو کا اثر ہے۔ جادو کرنا کرانا چونکہ کفرو شرک تھا' اس لیے اس سے ممانعت کی گئی۔

بحرالعلوم کے متعلم نے ایک یہ بات لکھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک پرزہ جس پر لکھا تھا ایک آدمی کو دیا کہ وہ سر میں رکھ لے' جس سے اس کی تکلیف دور ہو گئی' محض افسانہ ہے۔

یہ بات غلط ہے محض افسانہ نہیں ہے۔ اکابر علماء نے یہ واقعہ نقل کیا ہے' جن پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ شاید انہوں نے کسی سیرت یا تاریخی کتاب سے نقل کیا ہو گا۔ میں نے خزینۃ الاسرار جلیلۃ الاذکار کے ص۔۹۲ میں یہ واقعہ ملاحظہ کیا ہے' جس کو استاد سید محمد حقی نازلی نے درج کیا : وکتب قیصر ملک الروم الٰی عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان بی صداع لا یسکن فابعث لی دواءً ان کان عندک فان الاطباء عجزوا عن المعالجۃ فبعث عمر قلنسوۃ فکان اذا وضعھا علٰی راسہ سکن صداعہ واذا رفعھا عن راسہ عاد صداعہ فتعجب منہ ففتش فی القلنسوۃ فاذا فیھا کاغذ مکتوب علیہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ (کذافی اول روح المعانی) اس کتاب میں تفسیر روح المعانی کا حوالہ ہے کہ اس میں فضائل بسم اللہ کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

جناب مولانا عبدالستار صاحب محدث دہلوی مرحوم نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھی ہے' جو "فوائد ستاریہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ص۔۶۷ میں تفسیر کبیر جلد اول' ص۔۹۳ کا حوالہ دے کر اول حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا واقعہ لکھا ہے' پھر قیصر روم کا واقعہ عربی عبارت میں لکھا ہے' پھر ترجمہ کیا ہے' عبارت قریباً وہی ہے۔ آخر میں کچھ زائد عبارت ہے کہ قیصر روم نے کہا : ما اکرم ھذا الدین واعزہ شفانی اللّٰہ بایۃ واحدۃ منہ۔ "یہ دین کتنا مکرم و معزز ہے کہ اللہ نے اس کی ایک آیت کے ذریعہ مجھے شفا عطا فرمائی ہے۔"

جناب رئیس العلماء حضرت مولانا سید نواب صدیق حسن خاں صاحب محدث بھوپالی

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الداء والدواء" کے ص۔ ۱۱۳ پر فضائل بسملہ کے تحت اسی واقعہ کو درج کیا ہے' جس کی عبارت یہ ہے۔ (حکایت) قیصر روم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ مجھ کو درد سر رہتا ہے' تھمتا نہیں' کوئی دوا بھیج دو' عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلاہ اس کو بھیجی' وہ جب سر پر رکھتا تو درد تھم جاتا' جب اتار دیتا تو پھر ہونے لگتا۔ اس کو تعجب ہوا' دیکھا تو کلاہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا' نہ اور کچھ۔ اس نے کہا ما اکرم هذا الدين واعزه شفانی الله بأية واحدة منه۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا' یعنی "کیا ہی اچھا اور سچا دین ہے' جس کی ایک ہی آیت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا بخش دی۔"

بندہ حصاری کے پاس سیرت اور تاریخ کی کتابیں نہیں ہیں۔ حضرت نواب صاحب بے ثبوت حکایت نقل نہیں کر سکتے' ہمارا حسن ظن ہے کہ انہوں نے کسی سیرت کی کتاب سے دیکھ کر نقل کیا ہو گا' مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اس کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا' بہرحال اس کو محض افسانہ قرار دینا غلط ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی واقع ہے کہ دریائے نیل کو انہوں نے خط لکھا' جبکہ مصر کے گورنر نے شکایت کی کہ عہد جاہلیت کی یہاں یہ رسم چلی آتی ہے کہ دریائے نیل خشک ہو کر بند ہو جاتا ہے' جس سے ملک میں قحط سالی ہو جاتی ہے' تب مصر کے لوگ کسی سے اس کی کنواری لڑکی لے کر اس کو نئے کپڑے پہناتے ہیں اور زیور گلے میں ڈالتے ہیں' تب اس دریائے نیل کی نذر کر دیتے ہیں' تب وہ جاری ہوتا ہے۔ امسال وہ بند ہو گیا ہے' میں نے لوگوں کو اس شرکیہ رسم سے روک دیا ہے' لیکن دریا بند ہے وہ جاری نہیں ہوتا' تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مقرر کردہ گورنر عمرو بن عاص کی معرفت خط لکھ کر بھیجا اور لکھ دیا کہ اس کو دریائے نیل میں ڈال دو' وہ خط یہ تھا: من عبدالله عمر امیرالمومنین الی نیل مصرا امابعد فان کنت تجری من قبلک فلا تجرو ان کان الله یجریک فاسئل الله الواحد القهار ان یجریک فالقی البطاقة فی النیل قبل الصلیب بیوم فاصبحوا وقد اجراه الله تعالی ستة عشر ذراعا فی لیلة واحدة فقطع الله تلک السنة عن اهل مصر الی الیوم۔ (تاریخ الخلفاء السیوطی ص۔ ۹۹) "یہ خط عمر امیرالمومنین کی جانب سے دریائے نیل کی طرف ہے۔ اے نیل مصر اگر تو اپنے اختیار سے چلتا ہے' تو مت جاری ہو' اگر اذن الٰہی سے چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ تجھے جاری کرتا ہے' تو ہم اللہ تعالیٰ واحد القہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے اپنے حکم سے

جاری کر دے۔"

پس یہ پرچہ صلیبی ستارہ چڑھنے سے رات کو ایک دن پہلے ڈالا گیا تھا۔ پس صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ دریائے نیل کو اللہ تعالیٰ نے جاری کر دیا ہے اور ایک رات میں سولہ ہاتھ چڑھ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قحط سالی دفع کر کے ہمیشہ کے لیے یہ رسم قطع کر دی اور آج تک دریائے نیل جاری ہے' کبھی بند نہیں ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بطاقہ بھی تعویذ کے حکم میں ہے' جس کے اثر سے نیل جاری ہو گیا۔ نیل دریا کوئی ذی روح یا ذوالعقول سے نہیں ہے کہ اس کو خطاب کیا جاتا' دراصل یہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے' جس نے دعا تعویذ میں لکھی ہوئی قبول فرمائی۔ پس تعویذ کلام اور اسم الٰہی سے جائز ہے۔

علامہ محمد بن جزری نے ادعیہ مسنونہ و اذکار مشروعہ کی ایک کتاب لکھی ہے' جو اہل علم کو مسلم اور سب کا معمول بہ ہے۔ اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے' اس کا نام حصن حصین ہے۔ اس کے صفحہ ۲۲۶ پر یہ عنوان "بچہ کے لیے تعویذ" پھر لکھا ہے کہ بچہ کو نظر بد اور ہر طرح کی آفت وبلا' دکھ' بیماری سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالے : اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من شر کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة۔ اور صفحہ ۹۴ میں یہ دعا لکھی ہے کہ اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن الشیاطین وان یحضرون۔ اور لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما یہ تعویذ اپنے سمجھ دار بچوں کو تو لفظاً لفظاً یاد کرایا کرتے تھے اور ناسمجھ بچوں کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے۔ کھیتوں کے لیے تعویذ۔

اسی طرح حیوۃ الحیوان میں علامہ دمیری نے بہت تعویذات لکھے ہیں' ان میں ایک یہ ہے جو جلد اول کے صفحہ ۲۳۹ پر درج ہے' جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ جس کھیت میں ٹڈیوں کے نقصان کا خطرہ ہو' وہاں مندرجہ ذیل تعویذ لکھ کر بانس کے پائپ میں بند کر کے کھیت میں دفن کر دے' باذنہ تعالیٰ اس کھیت میں ٹڈیاں نقصان نہ کریں گی' مجرب ہے : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللّٰھم صلی علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل محمد وسلم اللّٰھم اھلک صغارھم واقتل کبارھم وافسد بیضھم وخذ من افواھھم عن معایشنا وارزاقنا انک سمیع الدعاء انی توکلت علی اللّٰہ ربی وربکم مامن دابة الا ھو اخذ بناصیتھا ان ربی

علیٰ صراط مستقیم اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد وسلم واستجب منا یاارحم الرحمین۔ اس تعویذ میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے' بتائیے اس میں کیا شرک ہے؟ دیگر اگر ٹڈیوں کے لشکر کو اپنے شہر سے بھگانا ہو تو پھر چار عدد ٹڈیاں پکڑو' ایک ٹڈی کے پر کے اوپر یہ آیت لکھے : فسیکفیکھم اللّٰہ وھو السمیع العلیم۔ اور دوسری ٹڈی کے پر' پر یہ آیت لکھے : وحیل بیھم وبین مایشتھون۔ اور تیسری کے پر' پر یہ آیت لکھے : ثم انصرفوا صرف اللّٰہ قلوبھم۔ اور چوتھی ٹڈی کے پر' پر یہ آیت لکھے : فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین۔ پھر چاروں کو پکڑ کر جس شہر یا ملک کی طرف بھگانا ہو' اس کا نام لے کر ادھر کو وہ ٹڈیاں بھگا دے' تب سب لشکر اس جانب روانہ ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس تعویذ میں بھی کلام الٰہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے شر اور بلا کی مدافعت طلب کی گئی ہے۔ اس طرح سب تعویذات شرعیہ کو سمجھ لیں کہ ان میں شرک نہیں ہے۔ اب یہاں شیخ العرب والعجم مولانا سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کا فتویٰ اپنی تصدیق و تائید کے لیے پیش کرتا ہوں' جو فتاویٰ نذیریہ جدید ایڈیشن جلد سوم' ص ۲۹۸ پر درج ہے' سوال وجواب فارسی زبان میں ہیں' جس کا ذیل میں اردو ترجمہ درج ہے' وہ نقل کرتا ہوں۔

سوال : تعویذ گلے میں ڈالنا جائز ہے؟ بینوا وتوجروا

جواب : تعویذ گلے میں ڈالنا جائز ہے' کوئی حرج نہیں۔ بعض تابعین نے اس میں اختلاف کیا ہے' لیکن صحیح یہی ہے کہ جائز ہے۔ قرآن مجید کا تعویذ کرنے میں اختلاف ہے۔ مثلاً بیمار یا ڈسے ہوئے پر پڑھ کر دم کرے یا کسی کاغذ پر لکھ کر گلے میں ڈالے یا کسی تھال میں لکھ کر مریض کو پلائے' تو عطاء' مجاہد' ابوقلابہ اس کو جائز کہتے ہیں اور نخعی وبصری مکروہ کہتے ہیں' گلے میں لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نشان مہر

البتہ قضائے حاجت کے وقت اس کو اتار دے۔ (سید نذیر حسین)

اسی فتویٰ پر دوسرے جید عالم جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری قدس سرہ اپنی یوں تصدیق وتصویب درج کرتے ہیں۔ ھو الموفق۔ عمرو بن شعیب کے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص خواب میں ڈرے' تو یہ کہے : اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن ھمزات

الشیاطین وان یحضرون۔ تو شیاطین کے وسوسے اس کو ضرر نہیں دیں گے اور عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ لڑکوں کو یہ کلمات سکھلاتے تھے اور اپنے نابالغ لڑکوں کو ان کلمات کو ایک کاغذ میں لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ اس روایت کے تحت شراح حدیث لکھتے ہیں کہ جس تعویذ میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو یا قرآن کی کوئی آیت لکھی ہو یا کوئی دعا ماثور لکھی ہو' سو ایسے تعویذ کا بالغ لڑکوں کو گلے میں لٹکانا درست ہے۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں : وھذا ھواصل فی تعلیق التعویذات التی فیھا اسماء اللّٰہ تعالٰی۔ یعنی "یہ اصل ہے' ان تعویذات کے لٹکانے میں جن میں اسماء الٰہی لکھے ہوں۔" ملا علی قاری حدیث الرقی التمائم والتولۃ شرک کے تحت لکھتے ہیں : التمائم جمع تمیمۃ وھی التعویذ التی تعلق علی الصبی اطلقہ الطیبی لکن ینبغی ان یقید بان لا یکون فیھا اسماء اللّٰہ تعالٰی وأیاتہ المتلوۃ والدعوات الماثورۃ۔ یعنی "تمائم جمع تمیمہ کے ہیں اور وہ تعویذ جو بچوں کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور قرآن مجید کی آیات اور ماثورہ دعائیں نہ ہونی چاہئیں۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وازیں جا جواز او بختن تعویذات در گردن معلوم می شود وبعضی علماء را دریں جا اختلاف است۔ مختار آں است کہ تعلیق خرزات ومانند آں حرام ومکروہ واما اگر قرآن یا اسماء الٰہی بنوسند باکے نیست چنانکہ در رقیہ ایں تفصیل کردہ اند" کتبہ عبدالرحمٰن المبارک پوری عفااللہ عنہ۔ (فارسی عبارت کا ترجمہ گزر چکا ہے۔)

پس ناظرین غور کریں کہ درس گاہ سعودیہ کراچی کے تمام اساتذہ وتلامذہ کے دریا کے علوم ان ہردو محدثوں کے سمندر علوم کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتے' یہی وجہ ہے کہ تمام مضمون میں لاعلمی سے کام لیا ہے اور لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں گلے میں لٹکانے کا حکم نہیں ہے اور یہ لکھا ہے کہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن نہیں کہا' جو سراسر جھوٹ ہے۔

اخبار اہلحدیث لاہور پر تبصرہ : واضح ہو کہ جمعیت اہلحدیث لاہور ص۔۲ جو کہ زیرامارت مولوی معین الدین صاحب لکھوی قائم ہوئی ہے' اس کے زیر اہتمام اخبار اہلحدیث جاری ہے۔ جس میں بحرالعلوم سعودیہ درسگاہ کے متعلم کا مضمون بعنوان "تعویذ کی

شرعی حقیقت" شائع ہوا ہے' اس کے تحت مدیر اہلحدیث مضمون پر سے اپنی ذمہ داری اتارنے کے لیے یہ لکھتے ہیں۔ "ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔" میں کہتا ہوں کہ ادارہ کے اس نوٹ کے لکھنے سے وہ مضمون کی اشاعت کے جرم سے بچ نہیں سکتے' بھلا اگر کل کو کسی مشرک نے کوئی مضمون اپنے شرکیہ عقیدہ کی اشاعت کے لیے بھیج دیا یا کسی مرزائی نے مرزا کے کسی غلط مسئلہ کی اشاعت کرنے کو دفتر اہلحدیث ارسال کر دیا' یا حکومت کے خلاف کسی سیاسی شخص نے کوئی مضمون اخبار اہلحدیث میں شائع کرا دیا اور مدیر صاحب نے ان مضامین پر یہ لکھ دیا کہ ادارہ کا ان نامہ نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے' تو کیا آپ علماء اسلام کی باز پرس اور حکومت کی گرفت سے بچ سکتے ہیں' آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ جب ہرگز نہیں بچ سکتے' تو اس مضمون باطلہ کے جرم سے بھی مدیر اہلحدیث ہرگز نہیں بچ سکتے۔ اب اس کا نتیجہ معلوم کریں کہ نامہ نگار نے اپنے مضمون میں یہ لکھا ہے کہ الحمدللہ یہ سوال بھی دفع ہو گیا کہ قرآن کی آیت والے تعویذ جائز ہیں۔ اس روایت سے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ کسی قسم کا تعویذ بھی جائز نہیں' بلکہ شرک ہے' جیسا کہ ان دو روایتوں سے ثابت ہو چکا ہے۔ (اخبار اہلحدیث مورخہ۔۸ نومبر سنہ۔۴۷ھ صفحہ۔۷' کالم۔۲'۳)

اس عبارت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان نامہ نگار نے قرآن اور اسماء الٰہی اور ادعیہ ماثورہ سے تعویذ لکھنے کو اور دینے لینے کو شرک قرار دیا ہے۔ جب کوئی ایسے تعویذ لکھے گا اور لوگوں کو دے گا' تو یہ تعویذ دینے لینے والے سب مشرک ہوں گے' کیونکہ جو شخص شرک کرتا ہے' وہ مشرک ہوتا ہے۔ پس مدیر اہلحدیث کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے امیر مولوی معین الدین لکھوی تعویذ لکھا کرتے ہیں اور یہ کام اس کے خاندان سے جاری چلا آتا ہے۔ مولانا حافظ محمد صاحب لکھوی مرحوم نے ایک کتاب زینت الاسلام لکھی ہے' اس کے دوسرے حصے میں آخر میں تعویذات درج ہیں' وہ بزرگ اور ولی اللہ تھے' تعویذ کا کام بھی کرتے تھے۔

مولوی محمد علی صاحب جو مولوی معین الدین لکھوی کے والد تھے' تعویذ نویسی کا کام کرتے تھے' تو نامہ نگار سعودیہ کے فتویٰ کی رو سے یہ سب مشرک ہوئے۔ خصوصًا مدیر اہلحدیث کے امیر صاحب مشرک قرار پائے اور مدیر اہلحدیث بروئے فتویٰ نامہ نگار تعویذ

نویس شرک کی قیادت میں کام کر رہے ہیں۔ یہ نتیجہ نامہ نگار کے فتویٰ کو شائع کرنے کا' جس نے تعویذ کا شرعی حکم لکھا ہے۔ مدیر اہلحدیث نے نامہ نگار کے فتویٰ کو درج کر کے سب اہلحدیث علماء کو مشرک قرار دینا گوارا کر لیا ہے۔ دراصل ادارہ اہلحدیث میں کوئی جید عالم نہیں ہے' جو مضامین کی علم شرعی کی رو سے جانچ کر سکے اور غلط مسئلہ پر اخبار میں مضمون کے بعد تنقید کر سکے' ورنہ ایسا غلط مضمون شائع نہ ہوتا' اگر ہوتا تو اس کی اصلاح کی جاتی۔ جیسے دیگر اخبارات کے مدیران کا طریقہ ہے کہ وہ خلاف مضمون پر ضرور ریمارک کرتے ہیں' وہ غلط مسئلہ سے چشم پوشی نہیں کرتے۔

اچھا اب یہ بات سنو کہ اخبار اہلحدیث لاہور' اخبار اہلحدیث امرتسر کی یادگار میں شائع کیا گیا ہے' اس لیے یہاں اہلحدیث امرتسر کے مدیر حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری کا فتویٰ تعویذ نویسی کے بارہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ مدیر اہلحدیث لاہور اور ان کے نامہ نگار کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ کیا وہ شرک کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد۔ا' ص۔۲۰۲ میں سوال وجواب یوں لکھا ہے۔

سوال : آیات دعائے حدیث مرویہ کو شفاء کے لیے لکھ کر تعویذ بنا کر عورت یا بچے کا گلے یا بازو میں لٹکانا حالت طہارت میں جائز ہے یا نہیں؟ اور بے نماز یا اہل ہنود لٹکا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب : مسئلہ تعویذ میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ آیات یا کلمات صحیحہ دعائیہ جو ثابت ہوں' ان کا تعویذ بنانا جائز ہے' ہندو ہو یا مسلمان۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک کافر بیمار پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا۔ (اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۲ جمادی الاول سنہ ۵۴ھ) اس فتویٰ کی تصدیق وتائید مولانا شرف الدین صاحب دہلوی یوں کرتے ہیں' جو اسی حوالہ میں درج ہے۔

شرفیہ : عبداللہ بن عمرو بن عاص صحابی رضی اللہ عنہما اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ۔ ساری دعا ماثورہ لکھ کر اپنے بچوں کے گلے میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ جلد۔ا' ص۔۲۱۷)

اخبار اہلحدیث لاہور کے نامہ نگار نے اول تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ناقابل اعتبار بنا دیا ہے اور دوسرا ان سب علماء کی تکذیب کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حدیث

میں تعویذ گلے میں لٹکانے کا کوئی ذکر نہیں ہے' حالانکہ صاف ذکر ہے اور مطلب بیان کر رہے ہیں' لیکن نامہ نگار مفتی کا منصب لے کر اس قدر لا علم ہے کہ صاف انکار کر رہا ہے کہ کوئی ذکر نہیں ہے اور مدیر اہلحدیث لاہور خاموش ہیں' اگر محقق عالم اخبار کا اڈیٹر ہوتا' تو اس کی تردید کرتا۔

دو فاضلوں پر اظہار افسوس: مجھے دو محدث فاضلوں پر بہت افسوس ہے کہ انہوں نے تعویذ لکھنے کا ترک' افضل قرار دیا ہے اور اس کی دو تین وجوہات ذکر کی ہیں' جو بالکل مخدوش ہیں' وہ دو فاضل حضرات نواب صدیق حسن صاحب محدث بھوپالی اور حضرت العلام مولانا حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی ہیں' ان ہر دو بزرگوں نے تعویذ لکھنے اور لٹکانے کو تو جائز قرار دیا ہے' جبکہ قرآن اور اسمائے الٰہی سے ہو' لیکن اس کا ترک افضل بتایا ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث) حالانکہ جب جائز ہے تو کرنا افضل ہے' کیونکہ حدیث میں آیا ہے: فمن استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل۔ یعنی "جو شخص تم میں سے استطاعت رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے' تو چاہیئے کہ وہ نفع پہنچائے" دیگر حدیث میں ہے: خیرالناس من ینفع الناس۔ یعنی "سب لوگوں سے بہت افضل وہ شخص ہے' جو لوگوں کو نفع پہنچائے" نفع پہنچانا دو قسم کا ہے۔ زبان سے یا ہاتھ سے۔ پس دم جھاڑ کرنے سے زبان سے نفع پہنچے گا اور تعویذ لکھ کر دینے سے ہاتھ سے نفع پہنچتا ہے' دونوں طرح مشروع ہے' تو تعویذ لکھنا افضل ہوا کہ موجب نفع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود نواب صاحب نے کتاب الداء والدواء لکھی ہے' جس میں تعویذات کی بھرمار ہے' جو لکھ کر دیئے جاتے ہیں اور حضرت العلام آخری عمر تک ہند سے لے کر پاکستان تک لوگوں کو تعویذات لکھ کر دیتے رہے' جس پر تمام لوگ لاہور کے گواہ ہیں اور علماء میں مشہور ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ترک کرنے سے تعویذات کا دینا لینا اور لکھنا افضل ہے' فتذکروا

ہاں یہ مسئلہ دوسری نوعیت کا ہے کہ محض اللہ پر بھروسہ کر لے اور تقدیر الٰہی پر قناعت کرے اور صبر سے تکلیف کو سہے اور مطلقاً دوا اور دعا اور دم جھاڑا وغیرہ کچھ نہ کرائے' تو یہ افضل ہے۔ جیسے حدیث میں آیا ہے' جو مجمع الزوائد جلد۔۵' ص۔۳۰۶ میں ہے: عن ابی ہریرۃ قال اتت امراۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادع اللہ ان یشفینی قال ان شئت دعوت اللہ ان یشفیک وان شئت

فاصبری ولا حساب علیک قالت بل اصبر ولا حساب علی۔ (رواہ احمد) یعنی "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا یارسول اللہ! میں بیمار ہوں' آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ وہ شفا بخشے۔ آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ اگر تو چاہتی ہے' تو میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا بخشے اور اگر تو چاہے تو صبر کر کے تکلیف برداشت کر لے' پھر قیامت کو تیرے اعمال کا کوئی حساب نہ لیا جائے گا' تو بلا حساب جنت میں جائے گی۔ اس نے کہا اچھا میں صبر اختیار کرتی ہوں' اللہ میرا حساب نہ لے۔ لیکن اگر جسمانی یا روحانی علاج کرائے' تو یہ بھی سنت ہے۔ کما مر ذکرہ۔

خلاصہ مقصود یہ ہے کہ رقیہ اور تعویذ مذکور جائز ہیں۔ جیسے دواؤں سے علاج کرنا کرانا جائز ہے اور شرکیہ وبدعیہ گنڈے اور دم جھاڑے اور منتر تنتر کرنے کرانے حرام ہیں' جیسے حرام چیزوں سے دوا کرنا کرانا حرام ہے۔

سعودیہ درسگاہ کراچی کا متعلم اگر تعویذات شرکیہ مروجہ کی تردید کرتا' جو مشرکین کی کتابوں میں درج ہیں' جیسے نقش سلیمانی' کالا جادو' مصنفہ پیر عامل ملتان' اعجاز عیسوی' اعجاز محمدی' شمع شبستان رضا وغیرہ عملیات' تعویذات' شعبدات کہ ان میں مشرکین نے نقوش جادو بھر دیئے ہیں۔ آج کل پیروں' فقیروں' سادھوؤں' مجاوروں' ملانوں' جوگیوں اور جادوگروں میں مروج ہیں' وہ ان سے علاج کرتے ہیں' جو شرک ہے اور فیسیں لیتے ہیں' جو حرام ہیں' تو ہم اس نامہ نگار اور مدیر اہلحدیث کی تحسین کرتے اور تائید میں مضمون لکھتے' لیکن انہوں نے علی الاطلاق فتویٰ نافذ کر دیا اور قرآنی تعویذات وغیرہ شرعیہ کو شرکیہ عملیات کے برابر کر کے سب پر شرک کا حکم لگا دیا' جو بے طریقہ اور مسلک باطل ہے۔ اب ہم آئندہ شرکیہ عملیات کا نمونہ پیش کریں گے۔ پس ہر موحد مومن اہلسنت کو ان سے اور ان جیسے عملیات سے اجتناب کرنا واجب ہے' ورنہ مشرک ہو جائے گا اور کبھی فلاح نہ پائے گا۔

عبدالقادر حصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہلحدیث کراچی' جلد۔۵۶' شمارہ۔۱۲' ۱۳' ۱۴' ۱۵' ۱۶' ۱۷' ۱۹

مورخہ از جمادی الثانی سنہ۔۱۳۹۵ھ تا یکم شوال سنہ۔۱۳۹۵ھ

ضروری اصلاح

گانے بجانے کا شرعی حکم

الارشاد جدید مطبوعہ ماہ فروری سنہ ۱۹۶۴ء کا رمضان نمبر نہایت عمدہ مضامین کا مجموعہ ہے اور قابل تحسین ہے۔ اس کے صفحہ ۴۴ پر مولانا عبداللہ زبیر ندوی مدظلہ العالیٰ کا مضمون جو بعنوان "حضور اکرم ﷺ کا انداز مزاح" شائع ہوا ہے' وہ نہایت دلچسپ اور بہت پسندیدہ ہے' لیکن اس مضمون کے سلسلہ میں ص ۴۸ پر جو واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نقل کیا ہے' وہ قابل غور ہے۔ اس کی بابت حضرت مولانا موصوف کو نظرثانی فرمانی چاہئے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ مولانا نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز وہ گھر میں تھیں اور باہر گانے بجانے کی آواز آئی' حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم یہ تماشا دیکھنا چاہتی ہو' انہوں نے اثبات میں جواب دیا' حضور ﷺ نے ان لوگوں کو بلوایا' جو ایک حبشیوں کی ٹولی تھی۔ حضور ﷺ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی ٹھوڈی آپ کے شانے پر رکھ کر کھڑی ہو گئیں اور تماشا دیکھنے لگیں' تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے پوچھا بس؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ابھی ٹھہریئے' آپ ﷺ نے دوبارہ اسی طرح پوچھا تیسری بار پوچھنے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا' بس۔ آپ نے ان باجے والوں کو جانے کا اشارہ کیا' وہ لوگ چلے گئے۔

اس حدیث کے ترجمہ میں زیر خطوط الفاظ موجب نظر ہیں۔ آج کل مسلمانوں کا معاشرہ پر ضلالت ہے' جس کی اصلاح علماء اسلام پر واجب ہے۔ اس دور ضلالت میں گانے بجانے کا عام رواج ہو رہا ہے۔ سینما وغیرہ کی تماشہ گاہوں میں لوگ مدعیان اسلام اپنی بہو' بیٹیوں' بیویوں کو تماشا دکھلانے کے لئے لے جاتے ہیں اور گھروں میں ریڈیو لگائے ہیں اور اپنی مستورات کو سنا کر ان کی اخلاقی حالت کا ستیاناس کر رہے ہیں۔ شہروں میں عام طور پر گانا بجانا ہو رہا ہے۔ علماء اہلحدیث اور اہل انصاف علماء حنفیہ اس گانے بجانے کو حرام اور گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔ گانا بجانا جو اس دور حاضرہ میں ہو رہا ہے یہ شرع محمدی سے ثابت نہیں' اس کو قرآن کی زبان میں لہوالحدیث کہا گیا ہے۔

قرآن کریم کی آیت ومن الناس من یشتری لھو الحدیث کے بارہ میں باسناد صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر ثابت ہے کہ اس سے مراد گانا ہے' چنانچہ رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع میں یہ روایت منقول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ الغناء والذی لا الہ الا ھو لا غیرہ۔ (رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح واخرجہ الحاکم وصححہ والبیھقی وغیرہ) یعنی "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ لھو الحدیث سے مراد گانا ہے۔" اس حلفیہ بیان سے لھو الحدیث کی تفسیر گانا ثابت ہو گئی' تو اس کی حرمت قطعی دلیل سے ثابت ہوئی اور احادیث مرفوعہ وموقوفہ بھی گانے بجانے کی حرمت پر دلیل ہیں' جو رسالہ مذکورہ میں منقول ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے : عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الغناء واستماع الغناء والحدیث۔ (رواہ الطبرانی والخطابی) یعنی "نبی کریم ﷺ نے راگ کے گانے اور اس کے سننے سے منع فرمایا۔" اسی طرح باجے اور گانے کے ساز کی حرمت بھی ثابت ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے : ان اللہ عزوجل بعثنی ھدی ورحمۃ للمومنین وامرنی بمحق المعازف والمزامیر والاوتار والصلیب وامرالجاھلیۃ الحدیث۔ (رواہ ابوداود الطیالسی) یعنی "اللہ تعالٰی نے مجھے مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ان باجوں کو مٹا دوں' جن پر گایا جاتا ہے اور عیسائیوں کی صلیب اور جہالت کی تمام رسومات کا قلع قمع کر دوں۔" اس سے تمام ان باجوں' سازوں کی حرمت ثابت ہوئی جن پر گایا جاتا ہے۔ جب ان باجوں کو توڑا گیا' جن پر گایا جاتا تھا' تو گانا کس طرح جائز ہوا؟ بلکہ حدیث میں ہے کہ گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اور گھاس پیدا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے گانا بجانا سننے والے اور گانے بجانے والے اکثر منافق ہیں اور بروئے شرع یہ سب قابل تعزیر ہیں۔ چنانچہ کف الرعاع میں ایک حدیث درج ہے' جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص مسمی عمرو بن قرہ نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں دف بجا کر روزی کماتا ہوں' آپ مجھے اس دف پر گانے کی اجازت فرمائیں' تو کیا اچھا ہو گا' وہ گانا فحش نہ ہو گا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے ایسے کام کی ہرگز اجازت نہ دوں گا اور تو جھوٹا ہے اے اللہ کے دشمن' اللہ تجھے حلال' طیب رزق بھی دے سکتا ہے' پھر

تو نے عمداً اس ناجائز پیشہ کو کیوں اختیار کیا ہے' جو حرام ہے۔ اگر میں نے تجھے آج سے پہلے منع کیا ہوتا' تو آج تیرے ساتھ مناسب کاروائی کرتا۔ اب تو کھڑا ہو جا اور اس پیشہ سے توبہ کر' اگر تو نے آج کے بعد ایسی بات کی یا یہ کام کیا جس سے میں تجھے منع کر رہا ہوں' تو تجھے سخت دردناک سزا دوں گا اور تیرا سر مونڈ کر تجھے جلا وطن کر دوں گا اور شہر مدینہ کے نوجوانوں کو حکم دوں گا کہ تیرا اسباب وسامان خانگی لوٹ لیں' جو لوگ نافرمان ہو کر عمرو بن قرہ کی طرح اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں' ان میں سے جو راگی لوگ بغیر توبہ کیئے مرجائیں گے' ان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہایت بے عزت کر کے اٹھائے گا۔ جب وہ کھڑے ہوں گے' بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ (راوہ البیھقی والطبرانی)

اس سے ظاہر ہے کہ گانا بجانا حرام ہے اور یہ پیشہ جس سے روزی کمائی جاتی ہے حرام ہے اور گانے بجانے والے سب مستحق تعزیر ہیں' اگر حکومت خالص اسلامی ہو تو یہ کام ملک میں کبھی نہ ہوں۔ حکومت عہد حاضرہ غیر اسلامی ہے' اس لیے گانا بجانا عام طور پر رائج ہے' لیکن مجھے الارشاد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ پڑھ کے نہایت تعجب ہوا کہ جس گانے بجانے کو ہمارے رہنما حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔ اس کو اپنے اہل بیت طاہرہ مطہرہ کے لیے کیسے جائز کر دیا' بلکہ خود بھی اس کو دیکھنے اور سننے کے مرتکب ہوئے۔ گانے بجانے کے عشاق تو الارشاد میں یہ واقعہ پڑھ کر بہت خوش ہوں گے اور اپنی مستورات کو تماشا گاہوں میں لے جانے کے لیے اس حدیث سے سند پکڑیں گے اور اس کو اپنے اہل وعیال کے لیے محبت اور نرمی کا برتاؤ تصور کر کے اخلاق حسنہ میں شمار کریں گے' حالانکہ اس واقعہ میں گانے بجانے کا قطعاً ذکر نہیں ہے' اگر ہے تو بمع حوالہ کتب حدیث مرفوع بالسناد پیش کی جاوے' تاکہ اس سے ہم بھی استفادہ کریں۔ ہاں میری تحقیق یہ ہے کہ یہ گانا بجانا نہ تھا' یہ حبشیوں کا عربی کھیل تھا' جو عموماً فوجی لوگ جنگ کی مشق کے لیے کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ جامع صحیح بخاری جلد-۲' ص-۷۸۸ میں اس واقعہ کی بابت حدیث یوں وارد ہے :

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت رایت النبی صلی اللہ علیه وسلم یسترنی بردائه وانا انظر الی الحبشة یلعبون فی المسجد حتی اکون انا الذی اسام فاقدروا قدر الجاریة حدیثة السن الحریصة علی اللهو۔ یعنی "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنی چادر میں مجھے چھپائے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی

تھی جو مسجد میں اپنے ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے' آخر میں خود ہی اکتا گئی' اب تم خود ہی اندازہ کرلو کہ ایک کم عمر لڑکی جس کو کھیل دیکھنے کا بڑا شوق ہو وہ کتنی دیر تک دیکھتی رہے گی۔"

اس حدیث پر حاشیہ بخاری میں لکھا ہے : انما سومحوا فی اللعب فی المسجد لان لعبهم کان من علة الحروب مع الکفار۔ یعنی "مسجد میں ان کو کھیلنے کی اس لیے آسانی دی گئی کہ ان کا یہ کھیل کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی قسم سے تھا۔"

میں کہتا ہوں کہ جس علت کی بنا پر مسجد میں یہ کھیل جائز ہے اسی بنا پر اس کا عورتوں کو دیکھنا بھی جائز ہے' لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ کھیل جنگی تھا' اگر گانا بجانا ہوتا تو وہ مسجد میں ہوتا اور نہ اس کو دیکھنا سننا جائز ہوتا۔ پس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ مولانا زبیر صاحب کی مسامحت ہے جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے' ورنہ گانے بجانے کے شوقین اس بیان سے مغالطہ کھا کر اس کو اپنے لیے دلیل شرعی تصور کریں گے اور وہ بمع اپنی مستورات کے اس کا دیکھنا سننا جائز سمجھ لیں گے' نیز فتاویٰ حمادیہ میں یہ لکھا ہے : عن ابی نصر الدبوسی عن القاضی ظهیر الدین الخوارزمی من سمع الغناء عن المغنی او من غیر المغنی او یری فعلا حراما فیحسن ذالک باعتقاد او غیر اعتقاد یصیر مرتدا فی الحال بناء علٰی انه ابطل حکم الشریعة ومن ابطل حکم الشریعة لا یکون مومنا عند کل مجتهد ولا یقبل الله تعالٰی طاعته واحبط الله تعالٰی کل حسنته وبانت امراته۔ (کذا فی فتاویٰ قاضی خاں) یعنی "ابو نصر دبوسی سے مروی ہے وہ قاضی ظہیر الدین خوازمی سے یہ حکم نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی راگی راگ پیشہ سے راگ سنا یا غیر راگی سے یا کوئی فعل حرام دیکھا اور پھر اس کی تحسین کی اعتقاد کی رو سے یا بغیر اعتقاد کے تو وہ اسی وقت مرتد ہو جائے گا۔ اس وجہ سے کہ اس نے حکم شرعی کو بے کار کر دیا اور حکم شرعی کو بے کار کرنے والا تمام مجتہدین کے نزدیک مومن نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی عبادت قبول نہیں کرتا اور اس کی تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور نکاح ٹوٹ کر اس کی عورت جدا ہو جاتی ہے' کیونکہ وہ مرتد ہو گیا۔ احادیث اور تصریحات فقہاء سے راگ اور غیر شرعی تماشے اور باجے بجانے سننے' دیکھنے حرام ثابت ہیں' ان سے بچنا واجب ہے۔

عبدالقادر عارف حصاری

الارشاد جدید' جلد۔۱۲' شمارہ۔۹۔۱۰' مئی سنہ۔۱۹۹۴ء

گانے بجانے کی حرمت

محدثین اور فقہاء کا متفقہ فتویٰ

واضح ہو کہ راگ اور لھو اور آلات لھو تمام قسم کے باجے اور سارنگی' ستار' طنبور' ھارمونیم وغیرہ سننے اور سنانے ناجائز اور حرام ہیں اور راگ' راگنیوں اور آلات لھو باجوں گاجوں کو ہٹا دینے اور مٹا دینے کا حکم ہے' کیونکہ یہ محض لھو ولعب یعنی کھیل تماشہ ہیں' جس سے فسق وفجور پھیلتا ہے۔ مسند احمد میں حدیث وارد ہے کہ حضور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمام باجوں کو (جو ہاتھ منہ سے بجائے جاتے ہیں) اور جاہلیت کے بتوں کو مٹا دوں اور محو کر دوں اور ابن ماجہ میں یہ حدیث مذکور ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا! کہ میری امت میں سے کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر پینے لگیں گے۔ ان کی مجلسوں میں راگ باجے (سارنگی' ستار' طنبور' ہارمونیم وغیرہ) بجائے جائیں گے اور راگ راگنیاں ہونے لگیں گی۔ ان لوگوں کو اللہ قہار کی طرف سے زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور کسی کو بندر اور کسی کو سور بنا دیا جائے گا۔ یہ اس وقت تک ہو گا' جب شراب اور ریشم اور آلات لھو باجے سارنگی کو حلال کہنے اور جاننے لگیں گے۔

چنانچہ بخاری شریف میں حدیث وارد ہے : لیکونن من امتی قوم یستحلون الخز والحریر والخمر والمعازف۔ یعنی "میری امت میں ایسے لوگ ہو جائیں گے جو ریشم اور شراب اور باجوں گاجوں کو حلال کر لیں گے۔"

معازف عربی میں ان گانے اور راگ کے آلات کو کہا جاتا ہے' جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں اور ان پر راگ گایا جاتا ہے' جس میں سارنگی' ستار' طنبور وغیرہ سب شامل ہیں۔ کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تو فرمائیں کہ میری امت میں ایسے گمراہ لوگ ظاہر ہوں گے' جو باجوں اور شراب اور ریشم کو حلال قرار دیں گے' جس کی وجہ سے وہ بندر اور سور بن جائیں گے۔ اب آنجناب ﷺ کی امت کے دعویدار صوفی بجائے ان مذموم چیزوں کے مٹانے اور ہٹانے کے الٹی یہ کوشش کرتے ہیں کہ راگ

اور سارنگی اور ڈھولک اور باجے جاری ہو جائیں' کیونکہ یہ حلال ہیں۔ یہ کھلم کھلا مخالفت رسول ہے' جو عذاب الٰہی کا موجب ہے۔ ایسے صوفیوں کو یا تو اپنی اصلاح کرنی چاہیے یا عذاب الٰہی کا انتظار کرنا چاہیے۔ ملابد منہ جو فقہ کی کتاب ہے' اس میں لکھا ہے کہ ملاھی ومزامیر وطنبور ودہل ونقارہ ودف وغیرہ باتفاق حرام اند' حنفی مذہب کی معتبر کتاب ھدایہ میں ہے: ان الملاهي كلها حرام حتى التغني بضرب القصب۔ یعنی "گانے بجانے کے کل آلات (ساز' طنبور' سارنگی' ستار' باجہ وغیرہ) حرام ہیں۔ حتیٰ کہ بانس کی لکڑی پر جو گایا جاتا ہے' وہ بھی حرام ہے۔ نیز حنفی مذہب کی معتبر کتاب ردالمختار میں ہے' ناچ' مذاق (جیسے نقلئے' نقل کرتے ہیں) اور تالیاں مار کر گانا اور تار بجانا جیسے سارنگی اور طنبور اور ستار کے ہیں اور قانوں کے اور باجوں کے اور چنگ اور سنکھ وغیرہ یہ سب مکروہ (بکراہت تحریمی) ہیں۔ اس لیے کہ یہ کافروں کا طریقہ اور ان کی روش ہے اور آلات لھو اور بانسری وغیرہ کا سننا حرام ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ باجے گاجے' آلات لھو سننے حرام اور گناہ ہیں' اس کے لیے محفل رچانا بدکاری ہے' اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے' یہ لوگ اکثر حنفی ہوتے ہیں' تو ان کو اپنے مذہب کے فتووں کو تسلیم کرنا چاہیے' مقلد کا یہی کام ہے۔ گانا لھوالحدیث کے تحت حرام اور موجب عذاب مہین ہے اور جو آلات ان راگوں کے وقت بجائے جاتے ہیں' جن کی آواز بخصوصہ سننا اور سنانا مقصود ہوتے ہیں' یہ سب حرام ہیں اور موجب گناہ ہیں' خواہ وہ سارنگی ہو یا ستار یا طنبورہ' کیونکہ سب کی آواز والحان متقارب ہوتے ہیں اور یہ اہل غنا گویوں کے نزدیک آلات تغنی ہیں' جن سے نغمات والحان سننا مقصود ہے۔ اس لیے یہ باتفاق علماء اہلسنت حرام ہیں' ان سے بچنا واجب ہے۔

اسی سے باجا' گراموفون اور ریڈیو کا حکم معلوم کرلینا چاہیے کہ یہ بھی آلات لعب ہیں' جن میں بالعموم لھو ولعب اور گانا بجانا اور خرافات ہوتے ہیں اور اسی نیت سے یہ لگائے جاتے ہیں اور سنے جاتے ہیں۔ پس ان کا حکم بھی وہی ہے' جو اصل گانے بجانے کا ہے' کیونکہ یہ اسی اصل ممنوع چیز کی حکایت کرتے ہیں اور اس کو آگے پہنچاتے ہیں۔ وہ راگ تماشے اور گانے بجانے جو محفلوں' تماشہ گاھوں میں ہو رہے ہیں' وہی بعینہ ان کے ذریعہ گھر گھر سنے جا رہے ہیں' جبکہ ان کا ان جگہوں میں سننا سنانا حرام اور گناہ ہے' تو گراموفون اور ریڈیو میں بھی سننا گناہ اور حرام ہے' بلکہ ان میں قرآن اور دیگر اشعار وغیرہ بھی سننا ناجائز

ہے' کیونکہ یہ آلات تلی بن چکے ہیں' ان میں قرآن سننا سنانا بھی موجب تلاعب ہے' بلکہ یہ قرآن کی ایک قسم کی بے حرمتی ہے کہ کلام الٰہی جس کا مقصد تذکیر تھا' اس کو آلات تغنی پر پڑھا اور سنا جا رہا ہے' جو موجب عذاب الٰہی ہے۔ چنانچہ اگر باجہ' ہارمونیم اور سارنگی پر کوئی شخص قرآن پڑھے اور ان باجوں میں وہی الحان پیدا کرے' تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے اور قرآن کی بے حرمتی ہے۔ فذالک کذالک بہرحال آلات لہو سب ناجائز ہیں۔

رئیس صوفیہ حضرت پیر جیلانی محبوب سبحانی غنیتہ الطالبین ص۔۵۵ میں فرماتے ہیں' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس مجلس میں ناجائز کام اور باجے گاجے ہوں' وہاں نہ جائے' جیسے ڈھول' طبلہ' سارنگی' بانسری' بربط' نئے' شہنائی' دوتارہ' طنبورہ اور جعران جس سے ترک کھیلتے ہیں' یا وہاں گویے ہوں یا باجا بجانے والے ہوں' تو اس مجلس میں بھی نہ جائے اور نہ بیٹھے' اس لیے کہ یہ کام حرام ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سچے پیر اور صوفی راگ اور باجوں کو حرام جانتے تھے' اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ باجے کے ساتھ قوالی کا سننا اور وجد کرنا اور باجوں کے ساتھ اشعار پڑھنا حرام لکھتے ہیں' مگر آج کل کے جعلی ولی' جھوٹے صوفی' بدعتی پیر' عشق مجازی کے علمبردار اور خواہش پرست صوفی جو ظاہر میں نیک اور باطن میں بد ہوتے ہیں' راگ باجوں کو خوب سنتے ہیں اور ان کو جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں' یہ سب مفتری علی اللہ والرسول ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ امام حلوانی مفتی سے پوچھا گیا' ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے تائیں صوفی کہلاتے ہیں' جن کے مخصوص کپڑے ہوتے ہیں اور قوالی سنتے ہیں اور وجد میں آکر ناچتے ہیں اور خاص درجوں کے دعویدار بنتے ہیں' کیا حکم ہے؟ تو مفتی صاحب نے فرمایا! یہ صوفی کذاب ہیں' جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں' لہٰذا سائل اور دیگر مسلمانوں کو ایسے صوفی لوگوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیے' ان کا قول و فعل ناقابل اعتبار ہے۔ ہم کو اصل حکم شریعت مان کر عمل کرنا چاہیے' جس کی اتباع پر ہم مامور ہیں۔ صوفیہ کے افعال کو فقہاء حنفیہ نے بھی رد کر دیا ہے۔ چنانچہ گانے اور سماع کے بیان میں علامہ شامی نے فرمایا ہے: وما یفعلہ المتصوفۃ فی زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیہ۔ یعنی "ہمارے زمانہ کے صوفی جو غنا' سماع' قوالی وغیرہ اختیار کرتے ہیں یہ حرام ہیں' ان محفلوں کا قصد کرنا اور وہاں بیٹھنا حرام ہے۔"

برجندی شرح مختصر وقایہ میں ہے کہ السماع والقول والرقص الذی یقوله المتصوفة فی زماننا حرام لا یجوز الجلوس علیه۔ یعنی "گانا سننا اور قوالی اور وجد میں آکر ناچنا کودنا بالکل حرام ہے اور ایسی مجلس میں بیٹھنا ناجائز ہے۔"

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

اہلحدیث سوہدرہ' جلد۔۷' شمارہ۔۴' مورخہ۔۲۴ جنوری سنہ۔۱۹۵۵ء

ٹخنوں کے نیچے پائجامہ کے مسئلہ پر تبصرہ

منہاج مطبوعہ ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۹۵۸ء میں ایک مضمون ٹخنوں کے نیچے پائجامہ رکھنے کے مسئلہ پر شائع ہوا ہے۔ جس کو ماہنامہ تجلی سے نقل کیا گیا ہے۔ میری تحقیق کے مطابق وہ مضمون تحقیقی نہیں ہے' لیکن افسوس ہے کہ ہمارے دوست مولانا محمد اسحاق صاحب نے اس کو محققانہ قرار دے کر اہلحدیث کے مسلک کے لوگوں کو مغالطہ میں ڈال دیا ہے' کیونکہ اہلحدیث کا یہ مسلک نہیں ہے۔ ہاں آج کل کی اہلحدیث پود نئی روشنی سے متاثر ہو کر ذوالوجہین بن رہی ہے۔ اس لئے عوام اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔

مسئلہ مذکورہ بالا میں مدیر تجلی نے یہ فرمایا ہے کہ اس روایت سے ہم بے خبر نہیں تھے۔ اس کے باوجود ہمارا فیصلہ دینا کہ نماز ہو جاتی ہے' اس وجہ سے تھا اور ہے کہ ہمیں معلوم ہے ائمہ کرام بھی اس روایت سے بے خبر نہ رہے ہوں گے' اس کے باوجود انہوں نے اس کے ظاہر پر قانون فقہی کی بنیاد رکھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان روایات سے ہے' جن کی حیثیت فیصلہ کن حکم نہیں۔ یہ کس قدر بنیادی غلطی ہے کہ صریح حدیث کے مقابلہ میں ائمہ کی حسن عقیدت کو پیش کیا جارہا ہے اور وہ بھی بکیہ طریقہ سے کہ بے خبر نہ رہے ہوں گے۔ علماء مقلدین کی یہی بڑی غلطی ہے۔ نورالہدایہ ص۔۳ میں ہے کہ لیس للعامی الاخذ بظاھر الحدیث لجواز کونہ مصروفا عن ظاھرہ او منسوخا بل علیہ الرجوع الی الفقھاء۔ یعنی "عامی شخص کو ظاہر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہئے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ظاہر سے پھیری گئی ہو یا منسوخ ہو' بلکہ فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔"

ہم اہلحدیث ایسے اصول کو خلاف شرع قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حزم محلّی میں فرماتے ہیں : ولا یحل لاحدان یقول فی آیتہ او فی خبر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثابت ھذا منسوخ وھذا مخصوص فی بعض ما یقضیہ ظاھر لفظہ ولا ان ھذا الحکم غیر واجب علینا من حین ورودہ والا بعض آخر وارد۔ یعنی "کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی ثابت شدہ کی بابت یہ کہے کہ یہ منسوخ ہے یا مخصوص ہے۔ بظاہر لفظوں کے خلاف اس نص کی یہ تاویل ہے اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ یہ حکم نص کا ہم پر واجب العمل نہیں ہے' جب تک اس کے مقابلہ میں کوئی

دوسری نص اس کو منسوخ کرنے یا مخصوص کرنے یا موؤل بنانے کے لیے نہ مل جائے۔"
چنانچہ ظاہر حدیث سے یہ ثابت ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ عشر نہیں ہے اور ائمہ حنفیہ اس کے خلاف ہیں' تو اس مسئلہ میں حدیث پر عمل کیا جائے گا اور فقہا کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے صاف فرمایا کہ ولسنا ناخذ من قول ابی حنیفة وابراهیم ولکنا ناخذ بما روی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة۔ (کتاب الحج ص۔۳۲) یعنی "ہم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم کا قول نہیں لیتے اور حدیث نبوی لیں گے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔"

میزان شعرانی میں ہے کہ وقد کان الائمة یحثون اصحابهم علی العمل بظاهر الکتاب والسنة ویقولون اذا رایتم کلامنا یخالف ظاهر الکتاب والسنة فاعملوا بالکتاب والسنة واضربوا بکلامنا الحائط۔ (۳۳) یعنی "ائمہ دین نے اپنے اتباع کو یہ ترغیب دی اور ہدایت کی تھی کہ تم ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرتے رہو' ہماری کلام بظاہر قرآن وحدیث کے خلاف پائی جائے' تو ظاہر قرآن وحدیث پر عمل کرو اور ہماری کلام کو دیوار کے پرے پھینک دو۔"

پس ہمارا عمل وصیت ائمہ کے مطابق ہے کہ ہم ظاہر حدیث کے خلاف کسی امام کی بات نہیں مانتے' ہاں! ایک نص کا معارضہ کسی دوسری نص سے ہو جائے' تو پھر ان میں موافقت کرنے کے لیے کسی کی ظاہر سے تاویل کرنا پڑے تو یہ علیحدہ ایک قاعدہ ہے' جو کتب اصول میں مذکور ہے اور اگر کسی حدیث کے مقابلہ میں کوئی نص نہ ہو' جیسے مسبل ازار والی حدیث کے مقابلہ میں کوئی نص نہیں ہے' تو پھر ہم کسی کی پرواہ کئے بغیر حدیث سے تمسک کریں گے۔

امام نوی شرح مسلم میں فرماتے ہیں : واذ ثبتت السنة لا نترک لترک بعض الناس واکثرهم او کلهم لها۔ یعنی "حدیث جب ثابت ہو جائے' تو پھر بعض یا اکثر یا کل لوگوں کے چھوڑنے سے بھی نہیں چھوڑی جا سکتی۔" مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی ہے : فسنة اللہ وسنة رسوله احق ان تتبع من سنة فلان ان کنت صادقا۔ اسی کا ترجمہ امام نووی نے یوں کیا ہے کہ ان کنت صادقا فی اسلامک واتباعک لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلا تعدل عن فعله وطریقة الی قول ابن عباس وغیرہ۔ یعنی

"اے مخاطب! اگر تو اپنے اسلام میں سچا ہے اور تیرا اتباع رسول کا دعویٰ صادق ہے' تو طریقہ نبوی سے عدول کر کے ابن عباس وغیرہ علماء کے قول کی طرف نہ جا۔" لیکن احناف کا اصول دوسرا ہے۔

چنانچہ رسالہ اصول مذہب ابوحنیفہ کے ص۔۲۳ بحوالہ فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۔۱۰ میں چھٹا قاعدہ یہ لکھا ہے کہ ما صححه البخاری و مسلم و نظیرهما لا یجب علینا ان نقول به کیف وکم من راو یختلف فیه الناس باجتهادهم فمن جارح ومعدل فعسی ان یکون الذی عدلوه مجروحًا عند امامنا وکذالک ما ضعفوه او وضعوه لا یجب علینا ان نقول به کیف وعسی ان یکون الذی جرحوه عدلا موثوقا به فاذن لا اعتماد لنا الا علی ما ذکره اصحابنا۔ یعنی "جس حدیث کو امام بخاری وامام مسلم اور دیگر محدثین صحیح کہہ دیں' تو ہم پر ان کی بات قبول کرنی واجب نہیں ہے۔ ہم کس طرح قبول کریں' کتنے ہی راوی ہیں جن میں لوگوں کا اختلاف ہے۔" اپنے اجتہاد سے کوئی کسی راوی پر جرح کرتا ہے اور کوئی اس کی تعدیل کرتا ہے' ہو سکتا ہے جس راوی کو ائمہ محدثین نے عادل قرار دیا ہے' وہ ہمارے امام کے نزدیک مجروح ہو اور جس کو ضعیف یا واضع حدیث کہیں وہ ہمارے امام کے نزدیک عادل ہو' ہم کو ان محدثین پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ ہم تو اپنے اصحاب حنفیہ پر اعتماد رکھیں گے۔

اب آپ مسئلہ متنازعہ فیہ پر غور فرمائیے کہ اس میں مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب ہیں' جن پر بحث کرنی ضروری ہے۔ مدیر تجلی کو بھی تجلی میں سوچنا چاہیے۔

(۱) اسبال ازار قصداً مطلق حرام ہے یا مقید بالخیلاء ہے؟

(۲) پاجامہ میں اسبال ممنوع ہے یا نہیں؟

(۳) لباس میں اسبال مکروہ ہے یا حرام موجب عذاب النار ہے؟

(۴) نمازی بحالت نماز اسبال ازار وپاجامہ کرے' تو نماز باطل ہے یا نہیں؟

ان امور کے بعد دوسرا مسئلہ ضمنی مضمون تجلی میں یہ آیا ہے کہ بے نماز کافر ہے' یا مسلمان؟ اس پر ہم دوسرا مضمون مستقل لکھیں گے۔ ان شاء اللہ

(۱) اب پہلے امر پر بحث سنئے کہ اسبال قصداً ہو تو مطلقاً حرام ہے' جس پر دلائل یہ ہیں۔ مشکوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت یہ ہے کہ مررت برسول

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وفی ازاری استرخاء فقال یا عبداللّٰہ ارفع ازارک فرفعتہ ثم قال زدہ فزدت فمازلت اتحراھا بعدالحدیث۔ یعنی "گزرا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اس حال میں کہ میرا تہہ بند لٹکا ہوا تھا۔ آنحضور ﷺ نے حکم فرمایا! کہ اے عبداللہ! تو اپنے تہہ بند کو اونچا کر' میں نے اونچا کر لیا' پھر ارشاد ہوا کہ اور اٹھا' میں نے اور اٹھا لیا اس کے بعد کوشش اور قصد رکھتا ہوں کہ تہہ بند کو نیچے نہیں ہونے دیتا' اٹھائے رکھتا ہوں۔" یہ حدیث مطلق وارد ہے' ان میں یہ ذکر نہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے تکبر سے ازار نیچے کی ہوئی تھی۔

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔ (رواہ بخاری) یعنی "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ جو چیز نیچے ہو ٹخنے سے وہ آگ میں ہے۔" یہ حدیث مطلق ہے اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے' جس سے مدیر تجلی غالباً بے خبر نہیں تھے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے اور مقید اپنی تقیید پر۔ مطلق کو مقید پر محمول کرنا قاعدہ شافعیہ کا ہے حنفیہ کا نہیں۔ پس ازراہ تکبر بھی ٹخنہ سے نیچے کپڑا کرنا حرام ہے اور بغیر تکبر زینت وغیرہ کی نیت سے بھی حرام ہے۔

(۳) نسائی موضع الازار میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا! کہ ازار آدھی پنڈلی تک ہے' اگر اس سے تو انکار کرے' تو پنڈلی سے کچھ نیچے کر لے۔ ولا حق للکعبین فی الازار۔ "ٹخنوں کا تہبند میں کوئی حق نہیں ہے۔" یہ حدیث فیصلہ کن ہے کہ ٹخنہ سے کپڑا نیچے کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ان اللّٰہ عزوجل لا ینظر الی مسبل الازار۔ یعنی "اللہ عزوجل ٹخنہ سے نیچے تہبند کرنے والے کو نظر رحمت سے نہیں دیکھتا۔" یہ حدیث بھی مطلق ہے۔

(۵) فتح الباری ج۔۵ ص۔۲۵۴ میں حدیث منقول ہے کہ انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لرجل یجر بردتہ امالک فی اسوۃ قال فنظرت فاذا ازارہ الی انصاف ساقیہ۔ (وسندہ جید) یعنی "آنحضور ﷺ نے کسی مرد کو دیکھا کہ وہ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے چل رہا تھا' تو آپ ﷺ نے اس کو فرمایا! کہ کیا تجھے لائق نہیں ہے کہ مجھے اپنا نمونہ بنائے' صحابی کہتا ہے کہ میں نے آنحضور ﷺ کی طرف دیکھا' تو آپ کی آزار آدھی پنڈلیوں تک تھی۔

میں کہتا ہوں کہ مشکوٰۃ میں ہے کہ تورات شریف میں امت محمدیہ کی صفت یہ لکھی ہے' "کہ وہ نصف پنڈلیوں تک تہبند باندھیں گے' دونوں روایتوں سے ٹخنوں سے اوپر تہبند رکھنا سنت نبوی سے ثابت ہوا اور یہ شعار امت محمدی ہے۔ پس ٹخنہ سے نیچے کرنے والے سنت نبوی کے تارک اور شعار امت محمدیہ سے غافل ہیں۔

(۶) ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے خریم اسدی کی بابت فرمایا : نعم الرجل خریم الاسدی لولا طول جمته واسبال ازاره۔ یعنی "خریم اسدی اچھا آدمی تھا' اگر اس کے پٹے سر کے مونڈھوں تک نہ ہوتے اور اپنی تہبند نیچے نہ لٹکاتا۔" یہ بات خریم اسدی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو اس نے سر کے بال کانوں تک برابر کر لئے اور تہبند اوپر کر لیا' اس میں بھی مطلقاً اسبال کا ذکر ہے۔ عادتاً ہو یا تکبراً ہر طرح منع اور مذموم ہے۔

نیل الاوطار اور تعلیقات سلفیہ میں طبرانی سے یہ حدیث منقول ہے کہ ابوامامہ نے ذکر کیا کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ ناگاہ ہم عمرو بن زرارہ انصاری سے ملے' وہ تہہ بند اور چادر کے جوڑہ میں تھا' جس نے تہہ بند لٹکایا ہوا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر تواضعاً للہ یہ کہنا شروع کیا کہ اے اللہ! تیرا بندہ ہے' تیرے بندے کا بیٹا ہے' تیری بندی کا بیٹا ہے۔ یہاں تک کہ عمرو نے یہ کلمے سن لئے' تو یہ کہا کہ یا رسول اللہ! میں باریک پنڈلیوں والا ہوں' یعنی میں نے بدنی عیب کو چھپانے یا زینت کے لئے ایسا کیا ہے۔ تب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اچھی پیدا کی ہے۔ یا عمرو ان اللہ لا یحب المسبل۔ یعنی "اے عمرو! اللہ تعالیٰ تہبند لٹکانے والے کو پسند نہیں رکھتا۔" عمرو صحابی نے اپنا منشا صاف واضح کر دیا کہ میں نے اپنا بدنی عیب چھپانے کو ایسا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تب بھی اس سے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کپڑا لٹکانے والے کو پسند نہیں رکھتا۔ ایسی ہی ایک اور حدیث میں سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے' اس نے بھی معذرت کی تھی' تو آپ نے اس کو بھی ارفع ازارک فرمایا تھا۔

اب رہے وہ دلائل جن میں خیلاء وغیرہ کی قید ہے' تو ان کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ قید دو قسم ہے' ایک واقعی جس کو احترازی کہتے ہیں اور دوسری اتفاقی جس کو اکثری کہتے ہیں۔ احادیث جرالثوب اور اسبال میں خیلاء کی قید اکثری ہے' یعنی اکثر عادت لوگوں کی یہ ہے کہ وہ تکبر اور غرور سے تہ بند لٹکاتے ہیں' جیسے قرآن میں ہے : ولا تقتلوا اولادکم خشیة

املاق۔ اس میں خشیتہ املاق کی قید اکثری ہے' قرینہ اس کا وہ دلائل ہیں' جن میں علی الاطلاق ممانعت وارد ہے اور بغیر قصد خیلاء کے ٹخنہ سے نیچے کرنے سے منع وارد ہے۔

دوسرا یہ کہ جب قصداً تہ بند ٹخنہ سے نیچے کیا جائے گا' تو وہ خیلاء میں داخل ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد' نسائی وغیرہ میں جابر بن سلیم سے حدیث آئی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو یہ فرمایا کہ ارفع ازارک الی نصف الساق فان ابیت فالی الکعبین وایاک اسبال الازار فانها من المخیلة وان اللّٰہ لا یحب المخیلة۔ یعنی "اٹھا تو تہبند اپنا نصف پنڈلی تک' اگر یہاں تک کرنے سے انکار کرے' تو پھر ٹخنوں تک کر لے اور ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے بچا رہ' کیونکہ یہ تکبر میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں رکھتا۔" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو قصداً اسبال ہے' وہ خیلاء میں شمار ہے' خواہ وہ خیلاء کا قصد نہ کرے۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

سہ روزہ منہاج لاہور' جلد ۱' شمارہ ۴۱' ۴۲ مورخہ ۹' ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۵۸ء

مسئلہ سراویل پر بحث

صحیفہ اہلحدیث یکم ربیع الثانی سنہ ۷۹-۱۳ھ میں جناب محترم المقام مولانا فضل احمد صاحب غزنوی حیدر آبادی کا ایک مضمون بعنوان "استدارک" شائع ہوا تھا' جس میں مولانا عبدالغفار صاحب خیری سے خطاب تھا' ان میں کئی امور ایسے درج تھے' جس سے مجھے اختلاف ہے' مگر بندہ نے صرف ایک دو باتوں پر تعاقب کیا تھا' جس میں ایک بات تو مولانا صاحب نے تسلیم کرلی ہے' مگر دوسری زیر بحث ہے اور وہ مسئلہ ہے پاجامہ و شلوار پہننے کا کہ مولانا کا دعویٰ یہ ہے : "خود علماء لباس پہنتے ہیں' کیا کبھی آنحضرت ﷺ نے یہ لباس پہنا تھا؟ ہرگز وقطعاً نہیں۔ پاجامہ' شلوار' کوٹ' تو پھر یہ لباس اسلامی کیسے ہو گیا؟ آنحضرت ﷺ نے تو کبھی پاجامہ نہیں پہنا' کبھی شلوار نہیں پہنی۔"

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ پاجامہ' شلوار' کوٹ اسلامی لباس نہیں اور آنحضور ﷺ نے یہ لباس قطعاً نہیں پہنا' یہ ایک ایسا دعویٰ ہے' جس پر مولانا نے کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی' ورنہ جب آپ نے یہ فرمایا کہ قطعاً نہیں پہنا' تو پھر اس نفی کی کوئی قطعی دلیل پیش کرنا ضروری تھی۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز قطعاً نہیں ہوتی' تو اس پر مخالف دلیل مانگتے ہیں' تو پھر اس پر علماء اہلحدیث یہ حدیث متواتر پیش کرتے ہیں : لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحتہ الکتاب۔ یعنی "سورہ فاتحہ کے بغیر کسی نمازی کی نماز نہیں ہوتی۔" تو اس قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت حدیث سے دعویٰ فوراً ثابت ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی اگر مولانا پاجامہ' شلوار' کوٹ وغیرہ کی قطعی نفی پر کوئی قطعی دلیل پیش فرما دیتے' تو ناظرین صحیفہ ان کا شکریہ ادا کرتے۔ اذ لیس فلیس۔ مثلاً یوں حدیث ہوتی کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یلبس السراویل والقباء۔ تو نزاع ختم تھا' مگر مولانا نے ایسا نہ کیا اور نہ کر سکتے ہیں۔ دعویٰ جیسے اثبات کا ہوتا ہے' ویسے نفی کا بھی ہوتا ہے۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اصول الاحکام ملاحظہ ہو۔ ہاں! اگر مولانا یہ فرما دیتے کہ شلوار اور پاجامہ کا پہننا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے' تو پھر ثبوت قائلین کے ذمہ ہوتا' مگر تاہم بندہ نے صحیفہ اہلحدیث یکم جمادی الثانی سنہ ۷۹-۱۳ھ میں استحساناً یہ ثبوت پیش کیا اور قولی و فعلی حدیثیں درج کر کے یہ عرض کیا کہ آنحضور ﷺ سے شلوار پہننا ثابت ہے' مگر صحیفہ اہلحدیث ۱۶ صفر سنہ ۸۰ھ میں آپ

نے اپنے دعویٰ پر اصرار فرماتے ہوئے میرے دلائل کا انکار کر دیا اور جن علماء سے میں نے ان دلائل کی وضاحت اور تشریح نقل کی تھی' ان علماء کو حقیرانہ انداز سے ٹھکرا کر اپنے علم وفہم کا بڑا دعویٰ کیا ہے۔ گویا آپ کو ائمہ محدثین کی تنقیدات و تشریحات پر اعتماد نہیں ہے اور آپ محدثین اور ائمہ مجتہدین' اہل لغت کے اقوال کو واسطہ فی الافہام بنانا جائز نہیں سمجھتے' جو بالکل غلط خیال ہے۔ مسٹر پرویز صاحب نے پہلے اسی زینہ پر قدم رکھا' تو وہ انکار حدیث کی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے کفر و ارتداد کے مکان کی چھت پر جا پہنچے کہ اب وہ احادیث صحیحہ قطعیہ کے بھی منکر ہیں اور قرآن حکیم میں معنوی تحریف کر رہے ہیں۔ مجھے یہ کج روی اور ائمہ محدثین سے لا ابالی پسند نہیں ہے۔

علمی دعویٰ : آں جناب نے "صحیح قرآنی فیصلے" اپنی کتاب میں علمیت کا جو دعویٰ کیا ہے' وہ ص۔۹۲ سے منقول ہے کہ انگریزی میں بی۔ اے ہوں اور ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کا کورس مکمل کیا ہوا ہے اور مرحوم اکبر اللہ آبادی کے ایک مصرعہ کی وجہ سے وکالت سے دلبرداشتہ ہو گیا۔ عربی میں مولوی فاضل اور فاضل ازہر بھی ہوں' عربی میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا فارغ التحصیل ہوں' عربی میں مکہ معظمہ سے شیخ الحدیث بھی ہوں' فارسی میں منشی فاضل ہوں' جو پاکستان میں فارسی کی سب سے اعلیٰ ڈگری ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ماشاء اللہ آپ بڑے علامتہ الدھر اور تمام علوم عالیہ و آلیہ میں کامل ہیں اور علمی قوت سے خود مجتہد بن گئے ہیں۔ اب آپ کو کسی امام' محدث اور محقق کی تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرماتے ہیں کہ (بندہ ایمان صرف اللہ (قرآن) پر لایا ہے اور محمد ﷺ (حدیث) پر لایا ہے۔ مجھے قائل کرنا ہے' تو قرآن وحدیث سے قائل فرمائیں' بندہ نہ تو ابن حزم پر ایمان لایا ہے نہ زادالمعاد پر اور نہ شوکانی پر اور نہ ہی نیل الاوطار پر۔" (صحیفہ اہلحدیث۔ ۲۶ صفر سنہ۔۸۰ھ)

پھر کالم نمبر۔۲ میں ارشاد ہے "میں تو اللہ رسول کے بعد کسی کا تاثر نہیں لیتا' بھلا ان جاہل مطلق منکرین حدیث کا تاثر کب لینے لگا' ابھی ابھی میں نے اوپر ابن حزم' زادالمعاد' شوکانی' نیل الاوطار کا تاثر لینے سے انکار کر دیا ہے۔" یہ امر مخفی نہ رہے کہ منکرین حدیث کا پہلا زینہ یہ ہے کہ وہ اپنے علم وفہم پر ناز کر کے علمائے محدثین اور ائمہ مجتہدین حاملین کتاب وسنت وماہرین فنون سے روگردانی کرتے ہیں۔ دوسرا زینہ ان کا یہ ہے کہ تبع تابعین

وتابعین سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ تیسرا زینہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال وافعال وتفسیر سے انکار کر جاتے ہیں۔ چوتھا زینہ یہ ہے کہ پھر قرآن کریم کے معانی اپنی رائے وقیاس سے کرنے لگ جاتے ہیں اور قرآن کو اپنے فہم میں ڈھال کر صفات الٰہیہ و معجزات وکرامت نبویہ واحکام شرعیہ سے منکرین ہو جاتے ہیں۔

پس یہی کفر ارتداد ہے' جس کی تردید علمائے محدثین کرتے ہیں اور گمراہ فرقے معتزلہ' جہمیہ' مرجیہ اور رافضی' خارجی وغیرہ اس کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جب آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وعلامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ حامل قرآن وحدیث وماہر عربیت قرآن وحدیث ہیں' (کالم۔۲' ص۔۱۹) تو پھر آپ کو ان کی شرح وتفسیر سے انکار کیوں ہے؟ یہ تو آپ کا ان پر عین ایمان لانا ہے۔ ہر چیز پر ایمان لانے کی نوعیت اس چیز کے درجہ اور حیثیت کے مطابق ہوتی ہے' جس نوعیت سے آپ کا ان پر ایمان (یقین) ہے' اسی نوعیت کا ثبوت اس سے دیا گیا۔ اچھا! اگر آپ کا ایمان علمائے محدثین اور محققین پر نہیں ہے' تو پھر ان کی روایات کیوں لیتے ہو؟ ان کی نقل پر اعتماد کیوں کرتے ہو؟ اگر فرمائیں کہ نقل پر تو اعتماد ہے' مگر ان کی عقل پر نہیں' تو پھر آپ اپنی عقل سے جو مطلب بیان فرمائیں گے' جس کو آپ کا مخالف غلط کہے گا اس صحت کا معیار اور اس اختلاف ونزاع میں منتہائے بحث کون سی چیز ہو گی؟ مثلاً سدرۃ المنتہٰی کا معنی آپ عرش کریں گے اور دوسرا اس سے بیری کا درخت مراد لے گا' تو اس بحث میں مقطع نزاع کیا ہو گا؟ بہرکیف آپ کے مضمون میں کئی امور باعث نزاع واختلاف ہیں۔ مثلاً آپ نے حدیث قبول کرنے کی شرط یہ لگائی ہے کہ صحیح ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ مجھے قائل کرنا ہے تو صحیح حدیث لائیں۔ اس سے مترشح ہے کہ آپ ضعیف حدیثوں کے علی الاطلاق انکاری ہیں' حالانکہ یہ مسلک غلط ہے' کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں مقبول ہے' بلکہ جس ضعیف حدیث کو امت محمدیہ ناجیہ نے قبول کر لیا' تو معمول بہ ہو گی۔

چنانچہ علامہ سخاوی فتح المغیث مطبوعہ ہند ص۔۱۲۰ میں فرماتے ہیں : وکذا اذاتلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ علی الصحیح۔ یعنی "امت جب کسی ضعیف حدیث کو قبولیت سے لے لے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا۔" مثلاً حدیث لا وصیۃ لوارث از روئے اسناد ضعیف ہے' لیکن علماء امت نے اسے قبول کر لیا اس لئے یہ

معمول بہ ہے۔ معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث کے مطلب میں دو احتمال ہوں' پھر ایک احتمال کے مطابق کوئی حدیث ضعیف آجائے' تو اس احتمال کے تعین کے لیے وہ کافی ہو گی۔ کما لا یخفی علی اھل العلم۔ پھر آپ کی قید صحیح اس لئے بھی نہیں کہ حدیث حسن لذاتہ و حسن لغیرہ بھی جب کہ ان کے معارض کوئی حدیث صحیح نہ ہو' تو بلا توقف حجت ہیں۔ فتذکروا۔ دیگر یہ کہ آپ نے یکم ربیع الثانی کے صحیفہ اہلحدیث میں آنحضرت ﷺ کی دو حیثیتیں ذکر کی ہیں۔ ایک رسالت کی اور دوسری محض بشریت کی' پھر فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے تو آپ کا ہر قول وفعل واجب الاطاعت ہے۔

دوسری حیثیت سے ہرگز نہیں' پھر آپ نے ان کی پہچان کے لیے یہ خط کھینچا کہ ان کی پہچان یہ ہے کہ ان امور میں احکام نبویہ (احادیث) صاف و صریح موجود ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کی یہ دو حیثیتیں مسٹر غلام محمد صاحب پرویز نے ذکر کر کے اپنی رائے سے بہت سے شرعی احکام اور امور کی تکذیب کر دی ہے۔ یہی تاثرات آپ لے رہے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب نے تفہیمات حصہ اول ص۔۲۴۲ میں اس کا جواب بہت اچھا دیا ہے۔ آپ اس پر غور فرمائیں۔ آپ ماشاء اللہ اہلحدیث ہیں اور مولانا مودودی اہلحدیثیت اور حنفیت سے مرکب ہیں' پھر آپ منکرین روایات کا تاثر کیوں لے رہے ہیں۔ آپ کی تحریرات میں بہت آزاد خیالی ظاہر ہوتی ہے' جو اہلحدیث کی شان نہیں ہے۔ اب یہاں بندہ مسئلہ زیر بحث پر آپ کے امتیازی معیار کی رو سے دلائل پیش کر کے بحث کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ لباس کے احکام جو کتب حدیث میں موجود ہیں' وہ سب شرعی اور اسلامی ہیں۔ آپ انصاف سے میری معروضات پر غور فرما کر جواب دیں کہ یہ تحقیق درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے' تو اس پر صاد کریں اور اگر غلط ہیں تو اس کا محدثانہ جواب عنایت فرمائیں ممنون ہوں گا۔

شلوار یا پائجامہ پہننا مشروع ہے: دلیل اول : امامنا امام اعظم بخاری رحمہ اللہ نے اپنی جامع صحیح البخاری کتاب اللباس میں ایک باب یوں منعقد فرمایا ہے : "باب السراویل" یعنی یہ باب شلوار کے احکام بیان کرنے کے لیے ہے۔ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من لم یجد ازارا فلیلبس السراویل۔ یعنی "جو شخص محرم (احرام باندھنے والا

حاجی) ہو وہ ازار نہ پائے' تو سراویل پہن لے۔"

محرم کا لفظ گو اس مختصر روایت میں نہیں ہے' مگر دیگر روایات میں ہے اور یہی اس حدیث کا مورد ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف سے شلوار پہننا مشروع ثابت کیا ہے کہ جب محرم کو عدم وجود ازار کی صورت میں سراویل پہننے کا امر فرمایا گیا' تو غیر محرم کو بالاولیٰ جائز ہوا' بلکہ اس کو شلوار پہننا باوجود ازار کے بھی جائز ہے' کیونکہ اس حدیث میں شرط من لم یجد ازارا محرم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب اس حدیث شریف میں صیغہ امر وارد ہے' تو یہ حکم اسلامی ہوا۔ امام ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری حدیث یہ بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا' جب ہم احرام باندھیں تو کیا لباس پہنیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تلبسوا القمیص ولا السراویل ولا العمائم ولا البرانس ولا الخفاف۔ (الحدیث) یعنی "تم احرام میں قمیص اور شلوار اور پگڑیاں اور ٹوپیاں اور موزے نہ پہنو۔" اس حدیث شریف سے ظاہر ہوا کہ محرم کو قمیص اور شلوار اور پگڑیاں' ٹوپیاں ممنوع ہیں اور بغیر احرام کے مشروع ہیں' لیکن ازار نہ ملے تو پھر حاجی محرم کو شلوار بھی مشروع ہے۔ یہ حدیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے کہ شلوار مسلمانوں کا اسلامی لباس ہے۔ اب اس کی تائید میں مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری جو مشہور اہل العلم ہیں' وہ بخاری شریف کے حاشیہ پر عینی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ قال شیخنا زین الدین روینا من حدیث ابی ھریرۃ مرفوعا ان اول من لبس السراویل ابراھیم علیه السلام۔ (رواہ ابونعیم) یعنی "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے شلوار ابراہیم علیہ السلام نے پہنی ہے۔" (اس حدیث شریف کو ابونعیم نے روایت کیا ہے)

دوسری حدیث تذکرہ الموضوعات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاایھا الناس اتخذوا السراویل فانھا من استر ثیابکم وحصنوا بھا نساء کم۔ (ص۔۱۵۲) یعنی "اے لوگو! تم شلواریں پہنا کرو کہ یہ بہت پردہ والا لباس ہے اور اپنی عورتوں کو بھی اس لباس کے ذریعہ پاک دامن رکھو کہ اس سے پردہ قائم رہتا ہے۔"

اس حدیث کو بعض نے موضوع اور بعض نے ضعیف کہا ہے کہ اس میں ایک راوی ابن زکریا متہم ہے' مگر امام بیہقی یہ فرماتے ہیں: وقد رویناہ عن غیرہ۔ یعنی "دوسرے راوی

سے بھی ہم نے یہ روایت بیان کی ہے۔" اس روایت کو موضوع کہنے پر علامہ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے استدراک کیا ہے کہ قلت له طرق بمجموعها يرتقي الٰى درجة الحسن۔ یعنی "اس حدیث کی کئی سندیں ہیں' جو مجموعہ حسن لغیرہ کو پہنچ جاتی ہیں۔"

پس یہ دو روایتیں حدیث بخاری سے ملحق ہو کر اسلامی لباس کی مثبت ہیں' کیونکہ ان کے معارضہ میں کوئی روایت نہیں ہے۔ پس دعویٰ ہمارا ثابت اور آپ کا ساقط ہوا۔ اگر آپ یہ بہانہ کریں کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہننا ثابت نہ ہوا' تو میں کہوں گا کہ یہ قولی حدیثیں ہیں جو فعلی سے فائق ہیں۔ ان سے شلوار کا اسلامی لباس ہونا ثابت ہوا۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت نہیں کھایا' لیکن امت کو یہ فرمایا : كلوا انه حلال۔ "تم کھاؤ یہ حلال ہے۔" اس سے گوہ کی حلت ثابت ہے' جو اصل مقصد شارع کا ہے' پھر فعل کا ہونا ضروری نہیں۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ پر یہ باب باندھا ہے : لبس السراويل۔ یعنی "سراویل' شلوار پہننے کا بیان۔" اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث سے شلوار کا پہننا مشروع ثابت ہے۔ هذا هو المطلوب۔

دوسری دلیل : سنن ابن ماجہ میں ہے : باب لبس السراويل۔ یعنی "یہ باب اس بارہ میں ہے کہ سراویل پہننا مشروع ہے۔" پھر اس کے ثبوت میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے : عن سويد بن قيس قال اتانا النبي صلى الله عليه وسلم فساومنا سراويل۔ یعنی "سوید بن قیس نے بیان کیا کہ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' تو ہمارے ساتھ سراویل کا مول تول چکاتے رہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ شلوار' پائجامہ کا خریدنا مشروع ہے۔ جب خریدنا مشروع ہے تو اس کا پہننا بھی مشروع ہے' کیونکہ جو کپڑا خریدا جاتا ہے' مقصود اس کا پہننا پہنانا ہوتا ہے' یہ دونوں امر مشروع ہیں' کوئی بھی غیر اسلامی نہیں ہے۔ مثلاً خرگوش کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ آیا' تو آپ نے قبول فرما لیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ نے کھایا ہو گا' کیونکہ کھانے کا جانور کھانے کے لیے قبول کیا جاتا ہے۔ آپ سے کسی نے خرگوش کے کھانے کا سوال کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی' اس سے خرگوش کی حلت ثابت ہوئی' لیکن صاف طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل نہیں پایا گیا کہ آپ نے خرگوش کا گوشت کھایا ہے' مگر اس کا کھانا بالاتفاق مشروع و جائز درست ہے۔

آنحضرت ﷺ نے گائے کی قربانی کی اور کرنے کا حکم دیا ہے' مگر گوشت کھانے کا ذکر کسی روایت میں نہیں' تو اس سے نہ کھانا ثابت نہ ہو گا' بلکہ متبادر الی الذہن یہ ہے کہ کھایا ہو گا۔ اس کا قربانی کرنا کھانے کا مثبت ہے گو بلفظہ ذکر نہ ہو' کیونکہ قربانی کھانے اور کھلانے کے لیے کی جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب آپ نے دوکان پر جاکر شلوار خریدی' تو ظاہر ہے کہ پہنی ہو گی۔ ہاں! اگر یہ صراحت آجاتی کہ آپ نے عورتوں کے لیے خریدی تھی' تو پھر ٹھیک کہا جاتا کہ آپ نے نہیں پہنی' لیکن یہ ذکر نہیں تو پھر شلوار خریدنا آپ کے پہننے کا مظہر ہے' فتفکروا۔ محدثین رحمہم اللہ اجمعین اسی بنا پر باب منعقد کر رہے ہیں کہ ان احادیث سے سراویل کا پہننا ثابت ہوتا ہے' ورنہ اس طرح باب منعقد کرنے کا کیا فائدہ ہے کہ ملبوس خریدا جائے اور پہنا نہ جائے۔

تیسری دلیل : منتقی میں ہے کہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم (صحابہ) نے کہا' یارسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں' لیکن تہبند نہیں باندھتے۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا! کہ تم شلوار بھی پہنو اور قمیص بھی پہنو' اہل کتاب کا خلاف کرو۔ نیل الاوطار میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ آپ مکہ مکرمہ میں شیخ الحدیث رہے ہیں' تو انصاف سے غور کریں کہ اس سے شلوار کا اسلامی لباس ہونا ثابت ہو گیا یا نہیں' اگر ہو گیا تو فھو المراد' ورنہ آپ جواب دیں کہ کیوں ثابت نہیں ہے' جب کہ اہل کتاب کے مقابلہ میں اہل اسلام کو شلوار پہننے کا حکم دیا گیا ہے پس شلوار کا پہننا عین اسلام ہوا کہ شارع علیہ السلام کا اس بارے میں حکم آچکا ہے۔

چوتھی دلیل : ترمذی شریف میں ہے سوید بن قیس کہتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی ہجر سے کپڑے لائے' تو ہمارے پاس نبی کریم ﷺ آئے' تو ہم سے شلوار کا مول تول کر کے اس کو خریدا۔ نسائی شریف میں ہے : فاشتری منا سراویلا۔ اس سے شلوار کا اسلامی لباس ہونا ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے شلوار خریدی اور خریدار عموماً چیز استعمال کرنے کے لیے خریدتا ہے۔ چنانچہ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر بات یہی ہے کہ آپ نے شلوار پہننے کے لیے خریدی' کیونکہ اس حدیث کے علاوہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے پہننے کو خریدی تھی۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام نے آپ کے اذن سے پاجامے پہنے ہیں' نیز فرمایا ہے : لبس الجبة والقبآء والقميص والسراويل۔ یعنی "آنحضرت ﷺ جبہ' قبا' قمیص اور شلوار پہنا کرتے

تھے۔" اس سے خیرالعباد کا مسنونہ لباس ظاہر ہوا کہ نبی کریم ﷺ شلوار اور کوٹ پہنا کرتے تھے۔ اس حدیث شریف کے خلاف کوئی روایت نہیں ہے۔

پانچویں دلیل : فتح الباری وغیرہ میں منقول ہے : عن مالک بن عمیرۃ الاسدی قال قدمت قبل مھاجرۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشتری منی سراویل فارجح لی۔ یعنی "ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شلوار خریدی اور مجھے زیادہ مول دیا۔" حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : وما کان لیشتریہ عبثا وان کان غالب لبسہ الازار۔ "آپ ﷺ نے شلوار بے فائدہ نہیں خریدی' پہننے کو خریدی تھی' اگرچہ اکثر ازار ہی پہنتے تھے۔"

چھٹی دلیل : مجمع الزوائد اور فتح الباری میں ابو یعلیٰ اور طبرانی کی حدیث ہے' جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ بازار میں گیا' آپ ﷺ نے ایک بزاز سے شلوار خریدی اور اس کو چار درہم دیئے۔ اس بازار میں دکان داروں نے ایک وزان (تولنے والا) مقرر کر رکھا تھا' جو لوگوں کو چیزیں تول کر دیتا تھا' اس کو آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ انصاف سے تولا کر اور چیز جھکتی ہوئی دیا کر۔ تولنے والے نے کہا کہ یہی تو تیرے دین میں ہلاکی اور ظلم ہے' کیا تو یہ نہیں جانتا کہ یہ شخص تیرا نبی ہادی ہے' اس نے ترازو پھینک دیا اور وہ کود کر آنحضور ﷺ کے ہاتھ کی طرف لپکا کہ اس کا بوسہ لے' آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ ایسے کام تو صرف عجمی لوگ اپنے ملکی بادشاہوں سے کیا کرتے تھے' میں بادشاہ نہیں ہوں' میں محض تمہارے میں سے ایک آدمی ہوں۔ پس وہ شخص ترازو پکڑ کر جھکتی ہوئی چیز تولنے لگا اور حضور ﷺ شلوار لے کر چل پڑے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں چل کر آنحضور ﷺ سے شلوار لینے لگا کہ اس کو خود اٹھا لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! چیز کا مالک اس چیز کو اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے' مگر یہ کہ وہ اٹھانے میں کمزور ہو' تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ شلوار خود پہنیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں' میں سفر و حضر میں' دن رات میں شلوار ہی پہنتا ہوں' کیونکہ مجھے ستر ڈھانکنے کا حکم دیا گیا ہے اور میں نے شلوار سے زیادہ کوئی کپڑا ستر ڈھانکنے والا نہیں پایا۔

یہ حدیث نص صریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شلوار پہنی ہے۔ پس آپ کا دعویٰ باطل

ہوا اور علیت قاصر رہی' اگر آپ یہ کہیں کہ روایت ضعیف ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضعیف حدیث جب کسی اصل شریعت کے ماتحت ہو اور وہ کسی صحیح کے معارض نہ ہو اور اس سے احکام پر استدلال نہ ہو' بلکہ فضیلت عمل کا اس سے ثبوت ہو' تو وہ قابل قبول ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ شرعی لباس پہننا اور خریدنا اجماعی اصول کے موافق ہے۔ ناف سے گھٹنے تک ستر ڈھانپنا مسلمہ چیز ہے' یہ اس کے ماتحت ہے اور کسی شرعی اصول کے خلاف نہیں ہے' لہذا حجت ہے۔

پھر پانچ حدیثیں جو اس سے پہلے مذکور ہیں' وہ اس لباس کے پہننے کی موید ہیں' پھر خریدنے پر جو دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ خود اپنے پہننے کے لیے شلوار خریدی تھی' دوم یا گھر میں اہل بیت کے لیے؟ تو اس حدیث نے احتمال اول کو ترجیح دیدی کہ آپ ﷺ نے اپنے لئے خریدی تھی۔ ضعیف حدیث خود مستقل حجت نہ ہو' تو نہ سہی۔ دو احتمالوں میں سے ایک احتمال کی مرجح تو بن سکتی ہے۔ پس علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے:
والظاهر انما اشتراها ليلبسها وقد روى في غير حديث انه لبس السراويل وكانوا يلبسون السراويلات۔ یعنی "متبادر الی الذہن یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شلوار پہننے کے لیے خریدی تھی اور یہ اس حدیث کے سوا دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضور ﷺ نے شلوار پہنی ہے اور صحابہ کرام شلواریں پہنا کرتے تھے۔"

پس تعامل نبوی اور تعامل صحابہ سے یہ ثابت ہوا کہ شلوار پہننا مشروع ہے اور یہ اسلامی لباس ہے۔ قولاً وفعلاً حضور ﷺ سے ثابت ہے اور شلوار کو نہ پہننا اور اس کو غیر مشروع سمجھنا اہل کتاب کا مسلک ہے اور ہم کو یہ حکم ہے کہ تسرولوا۔ "تم شلوار پہنو" وخالفوا اهل الكتاب۔ "اور اہل کتاب کا خلاف کرو۔"

ساتویں دلیل: تعلیقات سلفیہ علی النسائی جلد۔۲' ص۔۲۹۳ میں ہے: وصح انه صلى الله عليه وسلم اشترى رجل سراويل من سويد بن قيس اخرجه الاربعة وصححه ابن حبان۔ یعنی "یہ صحیح حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شلوار کا ایک پاؤں سوید بن قیس سے خریدا (دوسرا موجود ہو گا۔)" اگر آپ کے نزدیک "ہو گا" معتبر نہیں ہے' تو فرمایئے شلوار کا ایک پاؤں خریدنا اور پہننا مشروع ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو دوسرے کا بلفظہ ثبوت لائیں' کیونکہ آپ شیخ الحدیث مکہ ہیں' آپ نے تمام حجاز کا علم حاصل کیا ہو گا' تو ایسی حدیث ضرور تلاش کر لیں

گے' اگر ایک مشروع ہے تو پھر پہن کر بازار میں چلیں' اگر آپ کہیں کہ میں مرد کے لیے قائل نہیں' یہ عورت کے لیے خریدا ہو گا' تو میں کہوں گا یہ "ہو گا" پھر آ گیا۔ اس سے تو گھبرائے تھے۔ اچھا چلئے' ایک پاؤ کسی عورت کو پہنا کر چلائیں' تو اس کی حالت معائنہ کریں کہ کیا یہ لباس ٹھیک ہے' ورنہ لفظ "ہو گا" کو مان لیں کہ دوسرا گھر میں ہو گا یا کسی دوسری جگہ سے خریدا ہو گا۔ اب مجھے "ہو گا" کا محاورہ بھی آپ کی تالیفات سے تلاش کرنا پڑے گا کہ "ہو گا" بھی معتبر ہے یا نہیں۔ اچھا اگر "ہو گا" معتبر نہیں تو پھر دوسرے پاؤں شلوار کا ثبوت لائیں یا ایک پاؤں شلوار کے رکھنے کا اقبال کریں۔ ولم یقل بہ احد۔

یہ سات دلائل شلوار کے ثبوت کے ہیں' جو آپ کے سر پر ہفت افلاک کی طرح کھڑے کر دیئے ہیں۔ آپ ان کو عبور کر کے عرش مراد تک پہنچ جائیں اور عقل کے براق کو خوب زور سے چلائیں' اگر نہ پہنچ سکیں یا ان ہفت افلاک کا سیر نہ کریں' بلکہ فرش پر ہی رہنا چاہیں' تو یہ آپ کو اختیار ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

تعامل سلف : بخاری شریف "باب الصلٰوۃ فی القمیص والسراویل" میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نمازیوں کے لیے جس اسلامی لباس کی وسعت ہو سکتی' یوں بیان فرماتے ہیں : فی سراویل ورداء یعنی "شلوار اور چادر میں نماز پڑھ لے۔" فی سراویل والقمیص۔ یعنی "پاجامے اور قمیص میں پڑھ لے۔" فی سراویل وقباء۔ یعنی "پاجامے اور چغے میں پڑھ لے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ میں سراویل (شلوار) کا عام رواج تھا' اہل اسلام اس کو پہنتے تھے۔ پس جس لباس کو اسلام جائز رکھے' وہ اسلامی ہے۔ پس افسوس صد افسوس ہے کہ علمائے اہلحدیث کے لباس پر آج اہلحدیث ہی معترض ہیں' جو ان کے شایان شان نہیں ہے' کیونکہ یہ سلف صالحین کا معمول بہا تھا۔

نیز کتاب الاسماء والصفات بیہقی ص۔۱۳۲ میں یہ حدیث باسناد وارد ہے : عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم کلم اللہ عزوجل موسیٰ علیہ السلام کانت علیہ جبۃ صوف وسراویل صوف وکساء صوف وکمۃ قلنسوۃ صوف ونعلاہ من جلد حمار غیر ذکی۔ یعنی "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جس دن اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا' اس دن موسیٰ علیہ السلام نے یہ لباس پہنا ہوا تھا۔ جبہ'

شلوار' چادر' گول ٹوپی' اور جوتیاں۔" اس حدیث شریف سے ظاہر ہوا کہ جبہ اور شلوار' پاجامہ سابقہ انبیاء کے لباس سے ہے' جو اسلامی ہے' ہم کو ان کی اقتدا بھی جائز ہے۔ اب شلوار' جبہ علمائے اہلحدیث کا پہننا دلائل شرعیہ سے ثابت ہو گیا۔ مولانا المحترم فضل احمد صاحب غزنوی نہ مانیں' تو ان کی مرضی ہے' فقط والسلام۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث' جلد۔۴۱' شمارہ۔۱۴' ۱۵' ۱۶ مورخہ یکم و ۱۶ رجب و یکم و ۱۶ شعبان سنہ۔۱۳۸۰ھ

مسئلہ مصافحہ بالید

السوال : کیا حکم ہے شریعت محمدیہ کا دریں مسئلہ کہ مصافحہ کرنا ایک ہاتھ سے سنت ہے' یا دو ہاتھوں سے سنت ہے۔ بروئے حدیث صحیح اس کا ثبوت دیا جائے۔

الجواب وھو الموفق للصواب : الحمدللّٰہ رب العلمین' امابعد فاقول وباللّٰہ التوفیق۔ واضح ہو کہ مصافحہ کی تعریف یہ ہے : ھی الصاق صفح الکف بصفح الکف۔ یعنی "ہتھیلی کو ہتھیلی سے ملانے کو مصافحہ کہتے ہیں۔" اور شرعی اصطلاح میں داہنے ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے شخص کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سے ملانے کو مصافحہ کہتے ہیں اور مسنون یہ ہے کہ جب دو شخص ملیں' تو دونوں جانب سے داہنے ہاتھوں سے مصافحہ کریں۔ عالم ربانی شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے : یستحب لہ تناول الاشیاء بیمینہ والاکل والشرب والمصافحۃ۔ یعنی "چیزوں کا لینا دینا اور کھانا پینا اور مصافحہ کرنا داہنے ہاتھ سے مسنون ہے۔"

علامہ ابن عابدین شیخ محمد امین حنفی نے شامی میں حجراسود کے بوسہ کے ذکر میں یہ فرمایا ہے : والمصافحۃ بالیمنی۔ "کہ مصافحہ داہنے ہاتھ سے ہوتا ہے۔" شیخ ضیاء الدین حنفی نقشبندی اپنی کتاب لوامع العقول میں حدیث "اذا التقی المسلمان فتصافحا فحمدا" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں : والظاھر من اٰداب الشریعۃ تعین الیمنی من الجانبین لحصول السنۃ۔ یعنی "ظاہر میں شرعی طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت دونوں جانب سے داہنا ہاتھ معین کیا جانا چاہیے' تاکہ سنت حاصل ہو۔" پھر لکھتے ہیں کہ فلا تحصیل بالیسری فی الیسریٰ ولا فی الیمنی۔ یعنی "بائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ میں ڈالنے سے سنت حاصل نہ ہو گی۔"

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یستحب ان تکون المصافحۃ بالیمنی وھو افضل۔ یعنی "مسنون یہ ہے کہ مصافحہ دائیں ہاتھ سے ہو' یہی افضل ہے۔" (تحفۃ الاحوذی جلد۔۳' ص۔۳۹۷)

عبدالرؤف مناوی اپنی کتاب الروض النضیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں : لا تحصل السنۃ الا بوضع الیمنی فی الیمنی حیث لا عذر۔ یعنی "داہنے ہاتھ کو داہنے ہاتھ

سے ملائے بغیر سنت حاصل نہ ہو گی' جبکہ عذر نہ ہو۔" شیخ علی بن احمد عزیزی السراج المنیر شرح جامع صغیر میں حدیث "فسلم علیه وصافحه" کی شرح میں فرماتے ہیں : ضع یدک الیمنی فی یده الیمنیٰ۔ یعنی "مصافحہ کا طریقہ یہ ہے کہ تو اپنا داہنا ہاتھ دوسرے کے داہنے ہاتھ سے ملائے۔"

شیخ ملتی الکوکب المنیر شرح جامع صغیر میں علامہ ابن رسلان سے نقل کرتے ہیں کہ ولا تحصل هذه السنة الا بان یقع بشرة احد الکفین علی الاخر۔ یعنی "یہ مصافحہ کی سنت اس طریقہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی کہ ایک کی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی سے مل جائے۔"

پس یہ حنفی' شافعی' حنبلی علماء کی صراحت ہے کہ مصافحہ صرف ایک ہی داہنے ہاتھ سے کرنا سنت ہے' اہلحدیث کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ تحفۃ الاحوذی جلد۔۳' ص۔۲۹۷ میں ہے : اعلم ان السنة ان تکون المصافحة بالید الواحدة اعنی الیمنیٰ من الجانبین سواء کانت عنداللقاء او عند البیعة۔ یعنی "مصافحہ کرنا ایک ہاتھ سے سنت ہے' دونوں جانب سے داہنا ہاتھ ہو' خواہ ملاقات کے وقت مصافحہ ہو' یا بیعت کے وقت ایک ہی ہاتھ سے مسنون ہے۔"

مسند احمد میں حدیث نمبر۔ا ہے' امام حسان بن نوح حمصی کہتے ہیں کہ رایت عبداللّٰہ بن بسر یقول ترون کفی هذه فاشهد انی وضعتها علیٰ کف محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ یعنی "میں نے عبداللہ بن بسر کو دیکھا' وہ فرماتے تھے کہ تم میری اس ہتھیلی کو دیکھتے ہو' میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اپنی اس ہتھیلی کو محمد ﷺ کی ہتھیلی سے ملایا ہے۔" اور امام حافظ ابن عبداللہ تمہید میں اسی روایت کو باسناد ذکر فرماتے ہیں' اس میں یہ الفاظ ہیں : ترون هذه صافحت بها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ یعنی "میں نے اس ہتھیلی سے آنحضور ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا ہے۔"

کنز العمال میں ابو امامہ کی حدیث ہے : تمام التحیة الاخذ بالید والمصافحة بالیمنیٰ۔ (رواه الحاکم فی الکفی) یعنی "اسلام کا پورا ہونا یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرے۔" صحیح مسلم حدیث نمبر۔۳ میں عمرو بن عاص سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں کہ اتیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقلت ابسط یمینک فلا بایعک فبسط یمینه فقبضت یدی الحدیث۔ یعنی "میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اپنا داہنا ہاتھ پھیلائیں' تاکہ میں آپ سے

بیعت کروں' آنجناب ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا' تو میں نے آپ کا ہاتھ بند کر لیا۔"

مسند احمد میں حدیث نمبر ۳ ہے' انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی ھذہ یعنی الیمنی علی السمع والطاعۃ۔ یعنی "میں نے اپنے اس داہنے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ آپ کے احکام شرعی سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔" اس سے ظاہر ہے کہ مصافحہ بیعت ایک ہاتھ سے کیا' مصافحہ تین موقعوں پر کرنا مسنون ہے' ایک آتے وقت' دوم رخصت ہوتے وقت' سوم بیعت کے وقت۔ ترمذی باب المصافحہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے یا دوست سے ملے' تو اس کے واسطے جھک جایا کرے' آپ ﷺ نے فرمایا! کہ نہیں' اس نے کہا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے' فرمایا' ہاں۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے' اس میں ایک ہاتھ کا ذکر ہے۔

مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ میں حدیث ہے: ان الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صافح الرجل لا ینزع یدہ من یدہ حتی یکون ھو الذی ینزع یدہ۔ یعنی "رسول اللہ ﷺ ایسے عظیم الخلق تھے کہ جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے' تو جب تک وہ شخص اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ سے جدا نہ کرتا' تب تک آپ ﷺ اپنا ہاتھ اس سے جدا نہ کرتے۔"

اسی طرح مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ابن عمر کی حدیث وداعی مصافحہ میں وارد ہے' اس میں بھی ایک ہی ہاتھ کا ذکر ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافحہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے' تو وہ آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتیں اور اپنی جگہ بٹھلاتیں اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس جاتیں' تو آپ ﷺ ان کا ہاتھ پکڑتے اور اپنی جگہ بٹھلاتے۔

ان چھ احادیث سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ملاقات اور بیعت کا ثابت ہوا' یہی مسنون ہے۔ "ید" ایک ہاتھ کو کہتے ہیں اور "یدین" دو ہاتھوں کو کہتے ہیں' کسی حدیث میں یدین کا لفظ وارد نہیں ہے' لہٰذا دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا ملاقات یا بیعت کے وقت کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ پس یہ سنت نہیں' خاص کر دونوں جانب سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کہ شکل قینچی کی ہو جائے' کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ یہ اہل قیاس کا رائج کردہ مسئلہ ہے' جو رواجی ہے' شرعی نہیں ہے' باقی اگر کوئی کہے کہ بیعت کے وقت جو ہاتھ پر ہاتھ رکھا

جاتا ہے' یہ مصافحہ نہیں ہے' سو اس کا یہ خیال غلط ہو گا' کیونکہ ابن ماجہ باب بیعتہ النساء میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بیعت کے موقعہ پر) فرمایا کہ انی لا اصافح النساء "کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔" اس سے یہ ظاہر ہے کہ بیعت کے موقعہ پر ہاتھ پر ہاتھ رکھنا مصافحہ ہے اور وہ داہنے ہاتھ سے ہوتا ہے' لہٰذا یہی سنت ہے۔

بعض حنفی علماء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا بخاری شریف سے ثابت کرتے ہیں کہ بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تشہد سکھلایا۔ وکفی بین کفیہ یعنی "اس حال میں کہ میری ہتھیلی آنحضور ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں تھی۔" اس سے ثابت ہوا کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے اور حماد بن زید نے عبداللہ بن مبارک سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اس سے امام بخاری نے دو ہاتھوں سے مصافحہ کا جواز ثابت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال حنفی علماء کا صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ موقع جو اس حدیث میں مذکور ہے' نہ ملاقات کا ہے اور نہ بیعت کا ہے' یہ وقت تعلیم کا ہے۔ تعلیم کے وقت مصافحہ مسنون نہیں ہے' یہ صرف عادت اور اتفاقیہ طریق سے دو ہاتھوں سے شاگرد کے ہاتھ کو پکڑ کر سمجھاتا اور توجہ دلاتا ہے۔ پس اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ ایک تو ہاتھ کو پکڑنا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنا بطریق مصافحہ کے ہوتا ہے اور دوم بغیر مصافحہ کے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا ہوتا ہے۔ اس لئے امام الدنیا فی الحدیث امام بخاری علیہ رحمتہ الباری نے دو باب منعقد کئے ہیں' ایک باب المصافحہ' دوم باب الاخذ بالیدین' یعنی کسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا" جس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو پکڑنا دو طرح سے ہوتا ہے' ایک مصافحہ کے لئے' دوم بغیر مصافحہ کے۔

چنانچہ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حاشیہ بخاری میں فرماتے ہیں : ولما کان الاخذ بالید یجوزان یقع من غیر مصافحۃ افردہ بھذا الباب۔ یعنی جبکہ ہاتھ پکڑنا بغیر مصافحہ کے بھی ہو جاتا ہے' تو امام بخاری نے اس باب کو علیحدہ ذکر کیا ہے۔ اس باب کے تحت میں امام بخاری نے وہی حدیث ابن مسعود کی تعلیم کے ذکر والی درج کی ہے' جس سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ اخذ بالید محض تعلیم کے اہتمام کے لیے تھا۔ چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔ "د آنچہ در صحیح بخاری از عبداللہ بن مسعود مروی است۔ پس ظاہر آن ست کہ مصافحہ متوارثہ کہ بوقت تلاقی مسنون است نہ بودہ بلکہ طریقہ تعلیمیہ بودہ کہ اکابر بوقت

اہتمام چیزے از ہر دو دست یا یکدست دست اصاغر گرفتہ تعلیم می سازند" تعلیم کے وقت ایک ہاتھ پکڑ کر تعلیم دینا' دیگر بعض حدیثوں میں بھی وارد ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے : فقال البدوی اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فجعل یعلمنی مم علمہ اللہ۔ یعنی "ایک شخص بدوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر تعلیم دی۔" ترمذی میں حدیث ہے' شکل بن حمید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے تعوذ سکھلائیے : قال فاخذ کفی وقال قل۔ یعنی "میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دعاء تعوذ سکھلائی۔" ان دلیلوں سے ظاہر ہے کہ یہ علاوت تعلیم کے اہتمام کے لیے ہے کہ شاگرد کا ہاتھ پکڑ کر استاد تعلیم دیتا ہے' اس طرح کوئی کرے تو جائز ہے' لیکن مصافحہ ملاقاتی سے اس کو کچھ علاقہ نہیں ہے اور حماد کا فعل جو ذکر کیا ہے' یہ فعل مجمع تابعی کا ہے' جو حجت نہیں ہے۔ پھر یہ بھی عرض ہے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مصافحہ مروجہ قینچی دار کہ دونوں جانب سے دونوں ہاتھ ہوں' ثابت نہیں ہے۔ اس میں صرف ایک جانب سے ایک ہاتھ اور بڑے شخص کی طرف سے دو ہاتھ کا ذکر ہے' مروجہ مصافحہ اس کے بھی خلاف ہے' جس کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے۔

حدیث میں حکم وارد ہے کہ تصافحوا "کہ تم آپس میں مصافحہ کرو۔" تو ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ملانے سے مصافحہ ہو گیا' اس پر سب کا اتفاق ہے اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مامن مسلمین التقیا فاخذ احدھما بید صاحبہ الا کان حقا علی اللہ ان یحضر دعاء ھما الحدیث۔ یعنی "جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں' یعنی مصافحہ کریں' تو اللہ ان کی دعا پر حاضر ہوتا ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ دونوں جانب سے ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا ہے' جو لوگ دونوں طرف سے دونوں ہاتھ کرتے ہیں' یہ دو مصافحے ہیں' ایک نہیں ہے' کیونکہ مصافحہ لغت میں ہاتھ سے ہاتھ ملانے کا نام ہے' جب دونوں طرف سے دو دو ہاتھ مل گئے' تو یہ دو دو مصافحہ ہو گئے' حالانکہ مصافحہ ایک مسنون ہے۔ فتذکر ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب۔

عبدالقادر عارف الحصاری

اہلحدیث سوہدرہ' جلد ۱۱' شمارہ ۵' ۷' مورخہ یکم و ۲۶ فروری سنہ ۱۹۵۹ء

عہد کی پابندی

اسلام کے اخلاقی قواعد میں سے ایک قاعدہ اصلیہ یہ بھی ہے کہ کسی سے جو وعدہ یا کسی قسم کا قول و قرار کر لیا جائے اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ جو عہد اور معاہدہ قرار پائے' اس کا ایفاء کیا جائے۔ انسان کو سخت سے سخت ضرورت کی حالت میں بھی اپنے عہد اور وعدہ سے پھرنا نہ چاہیے بلکہ ہر ممکن طریق سے اس کو پورا کرنے اور اس پر قائم رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بد عہدی سے خواہ کتنا ہی بڑا فائدہ پہنچتا ہو اور وفائے عہد سے کتنا ہی شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو' اسلام بہرکیف یہ تعلیم دیتا ہے کہ اس فائدہ کو چھوڑ دیں اور اس نقصان کو برداشت کریں کیونکہ انسان کے اخلاق اور روحانیت کو جو بد عہدی سے نقصان پہنچتا ہے' بڑے سے بڑا فائدہ بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا اور ایفاء عہد سے جو اخلاق اور روحانیت کو فائدہ پہنچتا ہے' کوئی بڑے سے بڑا نقصان بھی اس کے فائدہ کو کم نہیں کر سکتا۔

یہ قاعدہ کلیہ جس طرح شخصی زندگی پر حاوی ہے' اسی طرح قومی اور جماعتی زندگی پر بھی حاوی ہے۔

آج کل دنیا میں وعدہ خلافی' عہد شکنی' بد عہدی' غداری کا عام رواج ہو گیا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی ہر حیثیت سے اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اس بے تکلفی سے کر رہے ہیں کہ اسے کوئی عیب ہی نہیں سمجھتے۔ سلطنتوں کے مدبرین ہوں یا کسی حکومت کے حکام ہوں اور اپنی ذاتی حیثیت میں کیسے ہی اخلاق فاضلہ اور تہذیب کاملہ رکھتے ہوں مگر اپنے فائدے اور قوم اور ملک کی ترقی کے لیے جھوٹ بولنا' بے ایمانی کرنا' وعدہ خلافی کرنا' غداری سے کام لینا بالکل جائز سمجھتے ہیں اور بڑی بڑی ہستیاں ایسی بیباکی کے ساتھ یہ حرکات کر رہی ہیں کہ گویا ان کے نزدیک یہ کوئی عیب ہی نہیں ہے بلکہ ایک ہنر اور کسب ہے۔ لیکن اسلام نے اس امر میں کسی حکومت اور رعیت' ادنیٰ اور اعلیٰ فرد اور جماعت کا کچھ امتیاز نہیں کیا۔ بد عہدی کو ہر حال میں ناجائز اور گناہ قرار دیا ہے اور سب کو وفائے عہد کی سخت تاکید کی ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت قرآن مجید میں بار بار یہ فرمایا ہے کہ ان اللّٰہ لا یخلف المیعاد "کہ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔" فلن یخلف اللّٰہ عھدہ "اللہ تعالیٰ اپنے عہد کا ہرگز خلاف نہ کرے گا۔" جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا سچا اور اپنے عہد کا پکا ہے کہ وہ کسی سے جو وعدہ کریں وہ پورا کریں اور جو عہد باندھیں اس کے پابند رہیں۔ واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا "کہ تم عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارہ میں بروز حشر بازپرس ہو گی۔" واوفوا بعھد اللّٰہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا قد جعلتم اللّٰہ علیکم کفیلا "کہ جب تم کسی سے معاہدہ کر لو تو اس کو پورا کرو اور اپنی قسموں کو مضبوط کرنے اور اللہ کو اس پر ضامن ٹھہرانے کے بعد نہ توڑو۔"

سمندر اپنی جگہ سے رُخ پھیر دے تو پھیر دے اور پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے۔ زمانہ بدل جائے تو بدل جائے' حکومتوں میں انقلاب اور تغیرات پیدا ہو جائیں تو ہو جائیں۔ انسان پر تکلیفیں آجائیں تو آجائیں مگر کسی مسلمان کی یہ شان نہ ہو کہ منہ سے جو کہے وہ اس کو پورا نہ کرے اور جو کسی سے قول واقرار کرے' اس کا پابند نہ رہے۔ چنانچہ فلاح پانے والے مومنوں کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون "کہ وہ امانتوں اور عہد کی پاسداری رکھتے ہیں۔"

سچے مسلمانوں اور اصلی نیکی کا ایک وصف یہ بھی قرآن نے بتلایا ہے کہ والموفون

بعھدھم اذا عاھدوا ”جب ایک دوسرے سے عہد کریں تو اس کو پورا کرنے والے ہیں۔“

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تین باتوں کا ذمہ دو تو میں تمہارے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ جب بولو‘ سچ بولو اور جب وعدہ کرو تو پورا کرو اور جب امانت دیئے جاؤ تو خیانت نہ کرو۔

مسلم کی حدیث میں یہ وارد ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بولے تو جھوٹ بولے‘ جب وعدہ کرے تو خلاف کرے‘ جب امانت دیا جائے تو خیانت کرے۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو‘ روزے رکھتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔

قرآن میں بد عہدی کا نتیجہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے دل میں نفاق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ سورہ توبہ میں فرمایا : فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم الی یوم یلقونہ بما اخلفوا اللّٰہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون○ ”کہ اس کا اثر ان کے دل میں نفاق رکھا اس دن تک کہ جب وہ اس سے ملیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ کر کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔“

وعدہ کر کے خلاف کرنا بھی جھوٹ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے جس سے مسلمان کو بچنا لازم ہے۔ حدیث میں ہے کہ لا دین لمن لا عھد لہ ”کہ جس کا عہد نہیں ہے‘ اس کا کوئی دین نہیں ہے۔“ اس لیے آنحضرت ﷺ ہمیشہ عہد کی پابندی رکھتے رہے اور صحابہ کرام ہمیشہ وعدہ پورا کرتے رہے۔

ایفاء عہد کا عملی نمونہ : (۱) آنحضرت ﷺ میں ایفاء عہد کا ایسا وصف تھا کہ مخالفین بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آنحضور ﷺ کے متعلق جو سوالات کئے تھے ان میں اس کا ایک یہ بھی سوال تھا کہ کیا کبھی محمد (ﷺ) نے بد عہدی بھی کی ہے؟ ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ نہیں۔ بادشاہ روم نے کہا کہ وکذالک الرسل لا تغدر ”کہ پیغمبر بد عہدی نہیں کیا کرتے۔“ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضور ﷺ کا خصوصاً اور جملہ انبیاء کا عموماً یہ وصف تھا کہ وہ وعدہ وفائی کیا کرتے تھے۔

(۲) زمانہ نبوت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے کہ عبداللہ بن عمار نے آنحضرت ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بیٹھا کر چلا گیا کہ آ کر حساب صاف کرتا ہوں۔ آپ یہ بات منظور کر کے وہاں بیٹھ گئے۔ اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا‘ تین دن کے بعد وہ آیا تو آنحضرت ﷺ اسی جگہ

تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تین دن سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔
(ابوداوُد کتاب الادب)

(۳) جنگ بدر میں جبکہ مسلمانوں سے کفار کی تعداد تگنی تھی اور مسلمان اپنی جمعیت بڑھانے کے لیے ایک ایک آدمی کے محتاج تھے۔ دریں حالت حضرت حذیفہ اور ان کے والد حسیل دونوں صحابی رضی اللہ عنہما لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں کفار نے ان کو روک لیا اور کہا کہ تم ضرور محمد (ﷺ) کی مدد کو جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں ہم تو مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس پر کفار نے ان سے یہ عہد لے کر چھوڑا کہ جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ یہ دونوں حضرات کفار کے پنجہ سے چھوٹ کر بدر کے میدان میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور یہ قصہ سنایا۔ تب آپ نے سن کر یہ حکم دیا کہ انصرنا نفی لھم بعھدھم ونستعین اللّٰہ علیھم "کہ تم مدینہ چلے جاؤ ہم عہد کو پورا کریں گے اور ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔ (مسلم باب الوفا بالعہد)

اس واقعہ سے عہد کی اہمیت اور اسلام میں عہد کی قیمت ظاہر ہو سکتی ہے۔ جس کو اپنی سیرت میں بطور عملی نمونہ کے پیش کیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے نازک موقعوں پر بھی عہد کی پابندی سے نہیں رکنا چاہیے۔ سخت حالت میں بھی وفائے عہد کرنا چاہیے۔ جو لوگ معمولی باتوں اور آسان معاملات میں بد عہدی کرتے ہیں' وہ متبع رسول کس طرح کہلا سکتے ہیں؟ حسن عہد تو ایمان سے ہے۔

(۴) ابو رافع رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے' حالت کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ میں آئے۔ جب آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا۔ ارشاد ہوا کہ نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ تم اس وقت واپس جاؤ' اگر وہاں پہنچ کر تمہارے دل کی کیفیت یہی باقی رہے تو آجانا۔ چنانچہ وہ اس وقت تو واپس چلے گئے اور پھر اسلام لائے۔
(ابوداوُد باب الوفا بالعہد)

یہ بھی تعلیم نبوی کا عملی نمونہ ہے کہ عہد کی بڑی پابندی رکھنی چاہیے۔

(۵) صلح حدیبیہ میں کفار قریش سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر

مکہ سے کوئی آدمی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس جائے گا تو مسلمان اس کو واپس کر دیں گے اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مکہ جائے گا' اسے واپس نہ کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی قید سے کسی طرح سے چھوٹ کر لشکر اسلام میں پہنچ گئے۔ پابزنجیر تھے' بدن پر مار کے نشان تھے۔ چہرے پر شدید مصائب کے آثار نمایاں تھے۔ تمام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر فریاد کی کہ للہ مجھ کو اس مصیبت سے نکالیے۔ چودہ سو تلواریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کی منتظر تھیں اور اسلامی اخوت ایک مسلمان بھائی کو قید سے چھڑانے کے لیے مضطرب تھی مگر معاہدہ کی شرائط طے ہو چکی تھیں اور وہ لکھا جا رہا تھا' اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو چھڑانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اے ابو جندل! صبر کرو' ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔

(۶) مدینہ واپس ہوئے تو ایک اور صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی قید سے چھوٹ کر آپ کے پاس پہنچے۔ ان کے تعاقب میں کفار بھی پہنچ گئے۔ دو شخصوں نے حاضر ہو کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی واپسی کا حسب معاہدہ مطالبہ کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے اور خصوصاً بھاگ کر پناہ لینے والے قیدی کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا ہے مگر عہد کی پاسداری اور رعایت سب سے مقدم تھی۔ آپ نے اس عہد کی بناء پر مظلوم مسلمان کو ظالموں کے حوالے کر دیا۔

پس دیکھو عہد' وعدہ' معاہدہ کی کتنی اہمیت اور تاکید ہے کہ ایسی سخت ضرورت اور مسلمان بھائی کی نازک حالت میں بھی اس کا ایفاء کیا گیا ہے اور توڑا نہیں گیا۔ اس سے صاف اسلام کی اور مسلمانوں کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے۔

(۷) ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بلاد روم پر حملہ آور ہونے کے لیے جا رہے تھے' حالانکہ ابھی معاہدہ صلح کی میعاد ختم نہیں ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ سرحد پر ٹھہر کر مدت ختم ہوتے ہی حملہ کر دیں گے۔ مگر ایک صحابی عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ نے زمانہ صلح میں جنگ کی تیاری اور سرحد کی طرف فوج کی روانگی کو بھی بدعہدی سے تعبیر کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور یہ فرمایا کہ اللہ اکبر وفاء لا غدر۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا کسی

قوم سے معاہدہ ہو' اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے تاوقتیکہ اس کی مدت گذر نہ جائے یا پھر اگر خیانت کا خوف ہو تو برابری کو ملحوظ رکھ کر اس کو ختم معاہدہ کا نوٹس دے دے۔

اس قسم کے واقعات عہد رسالت اور عہد صحابہ کی تاریخ میں بہت ملتے ہیں۔ جن سے وعدہ کی اہمیت اور تاکید ظاہر ہوتی ہے لیکن ثبوت کے لیے اسی قدر کافی ہیں۔

خدائی عہد: عہد' معاہدے' وعدے کئی قسم کے ہیں۔ سب سے پہلے انسان پر اس عہد کا پورا کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ نے روز میثاق میں تمام انسانوں سے لیا ہے اور وہ فطری معاہدہ ہے جو روز الست میں بندوں نے اللہ سے باندھا ہے' جس کا پورا کرنا ہر انسان کی زندگی کا پہلا فریضہ ہے۔

دوسرا وہ عہد ہے جو اللہ کا نام لے کر کسی جماعت اور امام المسلمین سے کیا جاتا ہے جبکہ وہ بیعت کرتا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس سے اقرار لیتا ہے۔

تیسرا وہ عہد ہے جو عام طور پر قول و قرار ایک دوسرے سے کرتے ہوئے اللہ کو ضامن یا گواہ ٹھہرا کر کیا جاتا ہے۔ یہ سب عہد' عہداللہ کے نام سے قرآن مجید میں وارد ہیں' جن کا ایفاء واجب ہے۔ فرمایا وبعھد اللّٰہ اوفوا "کہ اللہ کا عہد پورا کرو۔" اور جگہ فرمایا کہ واوفوا بعھد اللّٰہ اذا عاھدتم "یعنی اللہ کا نام لے کر جب تم آپس میں ایک دوسرے سے عہد کرو تو اس کو پورا کرو۔"

چوتھا وہ عہد ہے کہ کسی کام اور مصیبت کے وقت نذر اور منت کی صورت سے کیا جاتا ہے کہ اگر اللہ فلاں کام میرا کر دے یا فلاں مصیبت ٹل جائے تو مسجد بناؤں گا یا مسجد میں تیل ڈالوں گا یا صف دوں گا یا اعتکاف بیٹھوں گا یا فلاں چیز دوں گا۔ یہ بھی خدائی عہد ہے جس کا پورا کرنا لازم ہے۔ فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود "کہ ایمان والو! عقد پورا کرو۔" لفظ عقد عہد اور اقرار کو بھی شامل ہے اور نذر منت کو بھی شامل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما انفقتم من نفقۃ او نذرتم من نذر فان اللّٰہ یعلمہ "یعنی جو کچھ تم خرچ کرتے ہو یا کوئی نذر منت مانتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔"

قرآن میں ابرار اور عباد اللہ کی یہ صفت مذکور ہے۔ یوفون بالنذر "کہ وہ نذر اور منت کو پورا کرتے ہیں۔" غرضیکہ یہ سب خدائی عہد ہیں جن کا ایفاء ضروری ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص ہیں کہ جن کے خلاف

قیامت میں میں خود مدعی بنوں گا۔ ایک وہ جس نے میرا ذمہ دے کر یا میرا حوالہ دے کر یا میرا نام لے کر کوئی چیز حاصل کی اور پھر بد عہدی کی۔ دوسرا وہ جس نے آزاد انسان کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی (جیسے آج کل عموماً ہندوستان اور پاکستان میں عورتوں کو بیچا جا رہا ہے) تیسرا وہ جس نے کسی مزدور سے پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ پس جو لوگ اللہ کا واسطہ دے کر یا قسمیں کھا کر چیز لیتے ہیں اور کام نکالتے ہیں' وہ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں۔ ورنہ ان کے خلاف خود ذات الٰہی مدعی ہو گی اور وہ بچ نہ سکے گا۔

پانچواں وہ عہد ہے کہ جو ملک اسلامی میں جنگ سے پہلے یا دوران جنگ میں غیر مسلم لوگ اطاعت قبول کرلیں اور حکومت اسلامیہ ان سے مخصوص شرائط طے کر کے ان سے معاہدہ کر لے تو پھر اسلامی قانون یہ ہے کہ اس معاہدہ کی رُو سے ان معاہدین کفار سے اچھا سلوک کیا جائے اور ان کی جان ومال وعزت کی حفاظت کی جائے اور جو شرائط طے ہوئے ہیں' ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے جو کرے گا وہ ظالم قرار دیا جائے گا اور گناہ عظیم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اس کو سیاسی سزا بھی دی جا سکتی ہے' لیکن ہم یہاں اخروی سزا بیان کرتے ہیں۔

حدیث میں وارد ہے : الا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة "یعنی خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا' یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا تو اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنوں گا۔" (ابوداؤد کتاب الجہاد)

ایک اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها لتوجد من مسيرة اربعين عاما "جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی بو تک نصیب نہیں ہو گی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے آرہی ہو گی۔" یہ عہد بھی دراصل خدائی عہد ہے' اس کا توڑنا بھی اللہ کے عہد کو توڑنا ہے۔ اسی وجہ سے اس عہد کے خلاف کرنے والے پر اللہ تعالیٰ خود مقدمہ چلائے گا۔ مسلمان حکام کو اور اہل اسلام رعایا کو ان احکام پر غور کرتے ہوئے معاہد ذمیوں کو کوئی تکلیف نہ دینی چاہیے۔ نہ ٹیکس بڑھایا جائے اور نہ زمینوں پر قبضہ کیا جائے اور نہ ان کی عمارتیں چھینی جائیں' نہ ان کی عزت اور

جان پر حملہ کیا جائے بلکہ ہر طرح ان کی حفاظت کی جائے جب تک کہ وہ شرائط اور عہد کا خلاف نہ کریں۔ جب خلاف کریں تو حکومت مناسب حکم جاری کرنے کی مجاز ہے۔

چھٹا معاہدہ صلح ہے جو کسی دوسری غیر مسلم حکومت سے کیا جائے یا کسی علاقہ کے ایسے لوگوں سے کیا جائے جو حکومت اسلامیہ کے زیر فرمان اور ماتحت نہ ہوں بلکہ خود مستقل آزاد ہوں جیسے کفار مکہ تھے کہ ان سے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر معاہدہ ہوا۔

اہل نجران کی درخواست پر نبی ﷺ نے صلح نامہ لکھا تھا اور اس کے آخر میں یہ لکھا تھا ولهم على ما فى هذه الصحيفة جوار الله وذمة محمد النبى صلى الله عليه وسلم ابدا حتى يأتى امر الله "یعنی اس صحیفہ میں جو کچھ ہے اس کے لیے اللہ کی ضمانت اور نبی ﷺ کا ذمہ ہے' ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل حمیرہ کو صلح نامہ لکھ کر دیا تھا۔ اہل دمشق کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھ کر دیا تھا۔ اسی طرح عہد رسالت اور زمانہ خلافت کے بہت سے معاہدات کتب حدیث اور تاریخ میں موجود ہیں' جن کی پابندی اس وقت مومنین صالحین نے رکھی۔ ان شرائط کے مطابق عمل درآمد کرتے رہے۔ یہ حکومت شرعیہ کے معاہدات بھی خدائی معاہدوں کی قسم سے ہیں' جن کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے اور جب تک معاہد قوم عہد پر قائم رہے' اس کے ساتھ کسی قسم کا تعرض کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی معاہد قوم کے ملک میں آباد ہو اور وہاں اس پر ظلم وستم ہو رہے ہوں اور وہ کسی عہد کنندہ حکومت اسلامی سے امداد طلب کریں تو اسلامی حکومت ان مظلوم مسلمانوں کی حمایت نہیں کرسکے گی اور معاہدہ صلح کو نہیں توڑ سکے گی۔

چنانچہ سورہ انفال میں ہے کہ وان استنصروكم فى الدين فعليكم النصر الا على قوم بينكم وبينهم ميثاق والله بما تعملون بصير○ "کہ دارالکفر کے رہنے والے مسلمان اگر دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنی تم پر ضروری ہے' مگر اس قوم کے خلاف مدد نہیں دینی چاہیے کہ جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔"

ہر مسلمان کو معاہدہ کی اہمیت ایسے حکموں سے معلوم کرلینی چاہیے اور پھر عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ معمولی باتوں یا ذاتی مفاد کے لیے جو عہد شکنی کرتے ہیں' وہ کس طرح

مسلمان ہو سکتے ہیں۔ وہ عہد اور معاہدہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتے حالانکہ یہاں تک اس کی پابندی آئی ہے کہ اگر دشمن بھاگ کر کسی ایسی قوم کی حدود میں داخل ہو کر پناہ لے لے جو معاہد ہے تو اسلامی فوج اس کا تعاقب نہیں کر سکتی اور معاہد قوم کے حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ چنانچہ سورہ نساء میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اگر معاہد قوم عہد اور شرائط صلح کا خلاف کرے اور معاہدہ توڑ دے تو بھی مسلمانوں کو فوراً جنگ کا الٹی میٹم دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ ایفاء عہد کے لیے کافی مہلت دینی پڑے گی۔ اگر وہ عہد کی بار بار خلاف ورزی کرتے رہے اور معاندانہ رویہ اختیار کر لے تو پھر مدت گذرنے کے بعد جنگ چھیڑی جائے گی۔ پس عہد کی قدرومنزلت اور وقعت اسلام میں اس قدر رکھی گئی ہے کہ ہر نقصان برداشت کیا گیا لیکن اس کو توڑا نہیں گیا۔ ہر خفت برداشت کرلی ہے لیکن عہد شکن نہیں کہلاتے۔

معاملاتی عہد: عہد کے اقسام میں سے ایک معاملاتی عہد ہے کہ بیع کرنے' قرضہ لینے دینے میں' امانت رکھنے اور اس کے ادا کرنے میں' گروی وغیرہ کے معاملات میں سے' عام طور پر فریقین عہد اور شرائط کرتے کراتے ہیں۔ ان سب کا ایفاء بھی ضروری ہے اور اوفوا بالعہد اور اوفوا بالعقود میں داخل ہیں' بلکہ عہد کے وسیع معنی میں سوسائٹی کے سارے مسلمات حسب عرف عام قول و قرار میں داخل کئے گئے ہیں اور یہ قاعدہ بتایا گیا ہے کہ المعروف کالمشروط "کہ عرف عام مثل مشروط کے ہے۔"

لیکن شارع کی طرف سے ایسے معاملات میں یہ شرط بیان کی ہے کہ کوئی معاملہ حرام کو حلال کرنے والا یا حلال کو حرام کرنے والا نہ ہو اور نہ ایسی شرط ہو جو عند الشرع باطل ہو۔ اگر کسی باطل شرط پر عہد ہوا ہے یا معاملہ ہی خلاف شرع ہے مثلاً سود وغیرہ کا معاملہ ہے تو ایسے عہدوں' معاہدوں' شرطوں' منتوں' نذر نیازوں کا پورا کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ پورا کرنا گناہ ہے' ان کا خلاف کرنا چاہیے۔ اگر قسم وغیرہ کی قِسم سے ہے تو اس کا کفارہ دے دیا جائے لیکن پورا نہ کیا جائے۔ انہی عہدوں' معاہدوں' شرطوں کا ایفاء واجب ہے جو بروئے شریعت جائز اور درست ہیں۔

عام زبانی وعدے: عام طور پر کسی کے کام کرنے کا' چیز دینے کا' کسی جگہ آنے جانے کا وعدہ کر لیتے ہیں اور قول قرار پختہ کرتے ہیں تو ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ آنحضور

ﷺ کا ارشاد ہے کہ اوفوا اذا وعدتم "کہ جب تم وعدہ کرو تو پورا کرو۔" جب یہ وعدے جائز اور مباح ہوں اور پھر عمداً پورے نہ کئے جائیں تو یہ علامت نفاق ہے اور ایسا شخص ناقابل اعتبار ہے۔ ہاں اگر کسی عذر اور معذرت سے ایسے وعدوں میں سے کوئی وعدہ پورا نہ ہو اور وعدہ کرنے والے نے ہر ممکن کوشش کی لیکن کوئی وجہ ایسی ہوئی کہ وہ وعدہ پورا نہ کر سکا تو پھراس پر کوئی جرم نہیں ہے۔ بشرطیکہ وعدہ پورا کرنے کی نیت ہو۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ اذا وعد الرجل اخاہ ومن نیتہ ان یفی لہ فلم یف ولم یجیء للمیعاد فلا اثم علیہ "یعنی جب کسی آدمی نے اپنے بھائی سے وعدہ کیا اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی تھی لیکن کسی عذر سے وہ پورا نہ کر سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

عذر کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص نے دوسرے شخص سے یہ وعدہ کیا کہ آپ یہاں بیٹھیں میں آپ کے پاس آتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اچھا جاؤ' میں آپ کی انتظار میں بیٹھا ہوں' یا یہ کہا کہ آپ کے آنے تک بیٹھا ہوں۔ وہ گھر میں گیا تو بھول گیا یا کسی بیمار کے سنبھالنے میں لگ گیا یا کوئی ضروری کام کرنے لگا جس کو کچھ دیر ہو گئی اور اِدھر نماز کا وقت آگیا تو انتظار کرنے والا شخص نماز پڑھنے چلا گیا۔ جب وہ آیا تو اس کو موجود نہ پایا' ایسی صورت میں دونوں گنہگار نہیں ہیں۔ پہلا تو پہلی حدیث کی بنا پر گناہ سے بری ہے اور دوسرا اس حدیث کی رو سے کہ فرمایا آنحضور ﷺ نے کہ من وعد رجلا فلم یأت احدھما الی وقت الصلٰوۃ وذھب الذی جاء لیصلی فلا اثم علیہ "یعنی جس شخص نے کسی آدمی سے وعدہ کیا اور کوئی ان میں سے وقت نماز تک نہ آیا جو آیا وہ نماز پڑھنے کے لیے چلا گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

یہ دونوں احادیث مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔ ایسے وعدہ میں بلکہ جملہ معاہدوں میں انشاء اللہ کہہ لینا بھی ضروری ہے۔ اگر نیت ایفاء وعدہ کی ہو اور انشاء اللہ بھی کہہ لیا ہو اور پھر کسی عذر سے وعدہ وفائی نہ ہوئی ہو تو اس سے گناہ لازم نہیں آتا۔ قرآن میں ہے : ولا تقولن لشئی انی فاعل ذالک غدا الا ان یشاء اللہ "کہ یہ نہ کہو کہ میں کل کو یہ کام کروں گا مگر انشاء اللہ کہو۔"

بہرکیف کسی سے وعدہ کر کے عمداً خلاف نہ کرنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ

ولا تعدہ موعد افتخلفہ (مشکوٰۃ) ”کہ اپنے بھائی سے کوئی ایسا وعدہ نہ کر کہ جس کا تو خلاف کرے۔“ اس سے وعدہ خلافی کی ممانعت ثابت ہوئی اور ایفاء وعدہ کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اور مدح بیان فرمائی ہے کہ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ ”کہ مومنوں میں سے ایسے آدمی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے وعدہ کیا وہ سچ کر دکھایا۔“ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے تعریف بیان فرمائی ہے کہ انہ کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا ”کہ وہ سچے وعدہ والا رسول نبی تھا۔“

پس وعدہ وفائی نیکوں اور صالحین انبیاء اور مرسلین صدیقین اور صادقین کی عمدہ صفت ہے جس کا اختیار کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ زمانہ حاضرہ کے مسلمان جو صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں' ایفاء عہد اور وعدہ وفائی سے بالکل عاری ہیں اور وعدہ خلافی کے صاف طور پر عادی بن گئے ہیں۔ خصوصاً کاروباری لوگوں کا تو بہت برا حال ہے مثلاً درزی' دھوبی' سنار' لوہار' رنگریز وغیرہ تو دن رات اپنے کاروبار اور لین دین میں وعدہ خلافیاں کرتے ہیں اور ہر شخص کو آج' کل' پرسوں کا وعدہ دیتے چلے جاتے ہیں اور کسی سے وقت پر ایفاء نہیں کرتے اور ایسے بے دین ہیں کہ پھر اس گناہ کو گناہ نہیں جانتے اور کچھ خوف نہیں کرتے گویا کہ ان کی فطرت تبدیل ہو چکی ہے اور وہ گناہ کو نیکی تصور کئے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ لا دین لمن لا عھد لہ ”کہ جو عہد کا پابند نہیں وہ دیندار نہیں ہے۔“

<u>بچوں کے بہلانے کے وعدے:</u> عموماً والدین اور بہن بھائی' چھوٹے بچوں کو بہلانے کے لیے اور ان کو خوش کرنے کے لیے ان سے جھوٹ موٹ وعدے کر لیتے ہیں۔ کوئی کسی چیز کے دینے کا وعدہ کر لیتا ہے اور پھر دیتا نہیں ہے۔ عموماً مائیں اپنے بچوں سے بہت ایسے وعدے کرتی ہیں' یہ بھی ناجائز ہے اور گناہ ہے۔ ایک کم سن صحابی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں نے مجھے بلایا اور اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف رکھتے تھے تو ماں نے میرے بلانے کے لیے کہا کہ یہاں آ تجھے کچھ دوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کہتی ہو مگر اس کو کچھ دینا بھی چاہتی ہو؟ ماں نے کہا کہ اس کو کھجور دے دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو یہ جھوٹ لکھا جاتا۔ (مشکوٰۃ)

پس عام طور پر جو لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ بچوں کے بہلانے' ہنسانے' خوش

کرنے' روتے ہوئے کو چپ کرانے میں وعدہ کرتے ہیں' جھوٹ بولتے ہیں' بعض ان سے مذاق ہنسی خوشی مخول کرتے ہوئے جھوٹ بولتے ہیں یہ سب عادتیں بری ہیں اور گناہ میں داخل ہیں اور ایسے گناہ کرنے والے اور ایسے گناہوں پر اصرار کرنے والے فاسق اور فاجر ہیں اور جو ان کو گناہ ہی نہیں جانتے بلکہ جو مسئلہ بتلائے اس کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بے خوفی ظاہر کرتے ہیں' وہ کافر اور منافق ہیں' مسلمان نہیں ہیں۔

میت کا وعدہ: اگر کسی شخص نے کسی سے وعدہ کیا اور وہ ایفاء سے پہلے مرگیا تو میت کے وارثوں' تعلق داروں' دوستوں کو چاہیے کہ اس وعدہ کو میت کی طرف سے پورا کریں۔ میت نے جو اپنی زندگی میں وعدہ کیا ہے' اس کا ایفاء اس کے وارثوں اور تعلق داروں کے ذمہ ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے وعدہ کیا تھا' آپ وفات پا گئے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اعلان کیا کہ من کانت له عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم عنده فليجئني "کہ جس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ذمہ کوئی وعدہ ہے وہ آئے میں پورا کرتا ہوں۔" چنانچہ ایک شخص آیا تو آپ نے اس سے وعدہ پورا کیا۔

اس سے وعدہ کی اہمیت اور تاکید معلوم کرلینی چاہیے کہ موت کے سبب بھی وارثوں کو میت کی طرف سے ایفاء عہد کرنا پڑا۔ اب زندے چلتے پھرتے نہیں کرتے اور عمداً نہیں کرتے تو ان کے منافق ہونے میں کیا شک ہے' پہلے تو عملی منافق تھے کہ عام عادت وعدہ خلافی کی بنالی گئی پھر اعتقادی ہو گئے کہ اب اس گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ کوئی وعدہ خلافی ہنر جانتا ہے اور کوئی شغل جانتا ہے اور کوئی چار سو بیس کرتا ہے' جھوٹا وعدہ کر کے فریب دیتا ہے اور دھوکہ کرتا ہے۔ ایسا شخص دو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایک وعدہ خلافی' دوسرا فریب اور دھوکہ دہی۔ حدیث میں ہے من غشنا فليس منا کہ دھوکہ کرنے والا ہماری جماعت سے خارج ہے۔" نیز حدیث میں ہے کہ لكل غادر لواء يوم القيامة "کہ ہر عہد شکنی کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہو گا" جس سے وہ پہچان لیا جائے گا۔

الغرض عہد اور معاہدے کئی قسم کے ہیں۔ سب کا ایفاء واجب ہے اور ان کا خلاف کرنا حرام اور گناہ ہے۔ ان تمام مسائل اور احکام پر غور کر کے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ جو وعدہ کریں عہد باندھیں۔ معاہدہ کریں سوچ سمجھ کر کریں اور جب کرلیں تو پھر اسے پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ مسلمانوں کا اعتبار قائم رہے۔ اب عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا

اعتبار نہیں ہے' کیونکہ عام طور پر مسلمان لوگوں کو وعدہ خلافی کی علات ہو گئی ہے اور سب معاملات میں اس کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء اور حکام میں بھی یہ وبا پھیل گئی ہے۔ بہت حاکم اور بہت عالم وعدہ خلافی کرتے دیکھے اور سنے گئے ہیں ؎

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

بلآخر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایفاء عہد کی توفیق بخش کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی سے بچائے' آمین۔ کیونکہ قیامت کے دن عہد شکنوں کی بڑی رسوائی ہو گی کہ جھنڈا نصب کر کے پکارا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی اور غداری ہے' والسلام۔

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

اہل حدیث سوہدرہ

جلد-۲' شمارہ-۳۰' ۳۱' ۳۲' ۳۳' ۳۴' ۳۵- مورخہ ۸' ۱۶' ۲۴ اگست و یکم و ۸' ۱۶ ستمبر سنہ- ۱۹۵۰ء

نیل وفرات پر بحث

مذاکرہ علمیہ پر نظر

جریدہ اہلحدیث کی جلد۔۹، شمارہ۔۳۵ میں مولانا حکیم ابراہیم صاحب خلیل نے اس خادم المسلمین کے ایک جواب متعلقہ نیل وفرات پر تنقیدی نظر ڈالی ہے، جو سراسر بے نظری ہے اور اس شعر کا مصداق ہے :

کم من عائب قولا صحیحا
وآفته من الفہم السقیم

حکیم صاحب سنیئے! جن اکابر علماء کو سائل نے خطاب کیا تھا، انہوں نے بالکل خاموشی اختیار کرلی تھی، تب بعض احباب کی فرمائش پر بندہ نے جوابات کا سلسلہ شروع کیا تھا، اب اگر آپ کے مزعومہ اکابر واصحاب بصیرت ان سے بہتر جوابات تحریر فرمائیں گے، تو وہ قبول کر لئے جائیں گے۔ ہمیں نہ کوئی فخر اور نہ کوئی ضد ہے، لیکن قبل از کسی معقول جواب کے ہمارے جوابات کو محض اس وجہ سے ٹھکرا دیا جائے کہ یہ کسی مشہور عالم اور علامتہ الدہر کا جواب نہیں ہے، تو یہ دیانت اور انصاف کے خلاف ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالقادر صاحب ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ سے دجلہ فرات یا نیل کے پانیوں کو بہا کر پہلے آسمان پر جمع کرنے کے بعد بارش کے ذریعہ زمین کے پتھروں کو جذب کرا کر مذکورہ بالا دریاؤں کو جاری کرنے کی اتی بڑی زحمت اٹھا رہے ہیں۔

جناب والا! بہت ایسے لوگ بھی ہیں، جو ہمارے اکابر علماء پر جن کی علمیت مسلمہ ہے بڑے بڑے اعتراضات کر کے ازالہ حیثیت عرفی کا ارتکاب کرتے رہے ہیں، بلکہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو بھی اپنے علمی ماحول کے خلاف ٹھہرا کر محض رائے سے مسترد کر دیتے ہیں، پھر آپ مجھے ایسے الفاظ لکھیں، تو کیا بڑی بات ہے۔

ما نجی اللہ ورسولہ معا
من لسان الوزی فکیف انا

لیکن گستاخی معاف فرمایئے آپ نے تفاسیر قرآنیہ اور شروح کتب حدیث کا مطالعہ نہیں

کیا اور محض اپنی ذاتی رائے سے میری صحیح بات پر نقطہ چینی کر دی ہے۔

آنکھیں اگر بند ہوں تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

یہ بات آنجناب پر مخفی نہ رہے کہ بندہ سلفی اہلحدیث ہے۔ اس لئے سلف صالحین اور علماء متقدمین کی تشریحات پر اپنی تحقیق کا دارومدار رکھتا ہے اور اختلافی مسائل اور مشتبہ امور اور نصوص مشکلہ کے بارہ میں انہی کے اقوال کو ترجیح دیتا ہے' چنانچہ مسئلہ پیش آمدہ پر اسی لحاظ سے بحث کی جائے گی' لیکن آپ سے مجھے کوئی تعارف حاصل نہیں ہے کہ آپ متفلسفہ سے ہیں' جو نصوص شرعیہ کی تاویلیں کر کے ان کے ظاہر معنوں سے انکار کرتے ہیں' یا نئی روشنی کے اہلحدیث ہیں' جو علماء متقدمین کی تحقیقات کو نظر انداز کر کے اپنی مجتہدانہ رائے سے کام لیتے ہیں کہ اب اہلحدیث میں اختلاف اور پھوٹ محض اسی وجہ سے ہے۔

اب اس مسئلہ مشکلہ کی تفصیل سنئے' مشکوٰۃ باب المعراج میں مالک بن صعصعہ کی متفق علیہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں : قال هذا سدرة المنتهى واذا اربعة انهار نهران باطنان ونهران ظاهران قلت ما هذان يا جبرائيل قال اما الباطنان فنهران في الجنة واما الظاهران فالنيل والفرات۔ یعنی "جبرائیل نے کہا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے' پس ناگہاں وہاں چار نہریں تھیں' دو نہریں پوشیدہ تھیں اور دو نہریں ظاہر تھیں' میں نے کہا کہ اے جبرائیل یہ دو طرح کی نہریں کیا ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ دو نہریں چھپی ہوئی' تو جنت کی ہیں اور یہ دو نہریں ظاہرہ نیل اور فرات ہیں۔"

صحیح مسلم جلد اول' ص۔۹۴ میں ہے : انه راى اربعة انهار يخرج من اصلها۔ "کہ آپ نے چار نہریں سدرہ کی جڑ سے نکلتی ہوئی دیکھیں۔"

یہ حدیث معراج بخاری جلد دوم' ص۔۱۱۲۰ میں ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں : فاذا هو في السماء الدنيا بنهرين يطردان فقال ماهذا النهران يا جبرائيل قال هذا النيل والفرات عنصرهما۔ یعنی "ناگہاں آسمان دنیا میں آپ نے دیکھا' تو دو نہریں چل رہی تھیں' جبرائیل سے سوال کیا کہ یہ نہریں کیا ہیں؟ تو جبرائیل نے کہا کہ یہ نیل اور فرات ہے' دونوں کی جڑ یہاں ہے۔"

فتح الباری کے حوالہ سے بخاری کے بین السطور دونوں روایتوں میں تطبیق دی گئی ہے کہ اصل منبعھا من تحت سدرة المنتھٰی ومقرھما فی السماء الدنیا ومنھما ینزلان الی الارض۔ یعنی "اصل منبع ان نہروں کا سدرہ کے نیچے اور مستقران کا آسمان دنیا میں ہے اور وہاں سے زمین کی طرف اترتی ہیں۔" اب ان دونوں روایتوں کے ساتھ قرآن کریم کی یہ دو آیتیں ملا لیں۔ وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض وانا علٰی ذھاب بہ لقادرون۔ یعنی "ہم نے آسمان سے ایک خاص مقدار سے پانی اتار کر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں۔" دوسری آیت وانزلنا من السماء ماء فسلکہ ینابیع فی الارض۔ یعنی "ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور چشموں کی صورت میں زمین پر چلایا۔" اب ان آیات اور احادیث کی تفسیر مجموعہ دلائل مندرجہ ذیل سے معلوم کیجئے۔

(ا) فتح البیان جلد-۲، ص-۳۲۸ میں ہے کہ کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بادل بارش کی چھلنی ہے، بارش جب آسمان سے اترتی ہے، اگر بادل نہ ہو تو زمین کے جس حصہ پر پڑے اس کو خراب کر دے۔ تفسیر مظہری ص-۲ میں ہے کہ امام حسن بصری سے سوال ہوا کہ بارش آسمان سے آتی ہے، یا بادل سے، تو انہوں نے فرمایا! آسمان سے بادل تو صرف بارش کی علامت ہے۔ خلد بن معدان نے کہا کہ بارش عرش کے نیچے سے آتی ہے۔ پس ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر اترتی ہے، یہاں تک کہ آسمان دنیا پر ایک مقام پر جس کا نام اشرم ہے، جمع ہو جاتی ہے۔ پس سیاہ بادل اس موضع پر داخل ہو کر پانی پی لیتے ہیں، پھر اللہ ان کو جدھر چاہتا ہے، چلاتا ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ بارش ساتویں آسمان سے اترتی ہے۔

(۲) سورہ مؤمنون کی آیت فاسکناہ فی الارض کی تفسیر خازن میں یوں مذکور ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت صحیح ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دریا، سیحان، جیحان، فرات، نیل یہ سب جنت کی نہروں سے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے پانچ نہریں اتاری ہیں۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل یہ پانچوں نہریں جنت کے ایک چشمہ سے اس کے نیچے کے درجہ سے جبرائیل علیہ السلام کے دو بازوں پر اتار کر پہاڑوں میں امانت رکھ دیں، ان سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول وانزلنا من السماء ماء فاسکناہ فی الارض۔ سے یہی

مراد ہے۔ جب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت ہو گا' تو جبرائیل ان نہروں کو اٹھا لے جائیں گے۔ وانا علی ذھاب بہ لقادرون کا یہی مطلب ہے۔ (انتھٰی مترجمًا) تفسیر فتح البیان میں بھی اسی طرح ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ میں سدرہ کو پہنچایا گیا' پھر میں جنت میں داخل کیا گیا' اس سے ظاہر ہے کہ سدرہ جنت سے باہر ہے۔

(۳) مشکوٰۃ میں بروایت بخاری حدیث ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کا سوال کیا کرو' کیونکہ وہ اعلیٰ جنت ہے' جس پر اللہ کا عرش ہے اور اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔

(۴) تفسیر فتح البیان میں زیر آیت "والبحر المسجور" یہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بحر مسجور عرش کے نیچے دریا ہے' ابن کثیر میں ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ پانی کا ایک حصہ عرش کے نیچے ہے' یہی بحر مسجور ہے اور نصف حصہ سے آسمان زمین وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح بعض احادیث سے بھی ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے دریا ثابت ہوتا ہے۔ کما لا یخفٰی علٰی اھل العلم بالحدیث۔

دلیل نمبر۔۴ سے ظاہر ہے کہ عرش الٰہی کے نیچے دریا ہے اور دلیل نمبر۔۳ سے ظاہر ہے کہ جنت الفردوس سے نہریں جنت کی نکلتی ہیں اور وہ عرش کے نیچے ہے اور دلیل نمبر۔۱ سے ظاہر ہے کہ بارش ساتویں آسمان سے پہلے پر آجاتی ہے اور وہاں سے بادلوں کے ذریعہ زمین پر آتی ہے۔ دلیل نمبر۔۲ سے ظاہر ہے کہ نیل وفرات وغیرہ دریا جنت سے آئے ہیں اور حدیث سدرہ معراج کی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سدرہ جنت سے باہر ہے اور عروج کے وقت پہلے سدرہ آئی' پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہوئے اور حدیث معراج سے ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیل وفرات کو سدرہ سے نکلتے بھی دیکھا اور آسمان دنیا سے بھی نکلتے دیکھا اور دلیل نمبر۔۲ سے ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ میں ان دریاؤں کو جنت سے زمین کی طرف پہاڑوں میں بذریعہ جبرائیل اتارا گیا اور پھر قریب قیامت ان کو اٹھالیا جائے گا۔ اب مجموعہ امور کے ملانے سے مطلب یہ ہوا کہ عرش کے نیچے جو بحر مسجور ہے' وہ تمام نہروں جنت اور دنیا کا اصل منبع ہے' اس سے نہریں جنت میں آئیں اور جنت سے سدرہ میں پہنچیں اور سدرہ سے آسمان دنیا پر آئیں اور وہاں سے بادلوں کے ذریعہ پہاڑوں اور زمین پر آئی ہیں۔ جبرائیل کے ذریعہ پہلے ان کا تقرر پہاڑوں پر ہو گیا اور پھر پانی مسلسل عرش سے

فرش تک تدبیر الٰہی سے پہنچا اور اب پہنچ رہا ہے۔ ھذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب۔

اس لئے امام نووی نے حدیث معراج پر نیل وفرات کے تذکرہ میں یہ لکھا ہے : معناہ ان الانھار تخرج من اصلھا ثم تسیر حیث اراداللّٰہ حتٰی تخرج من الارض وتسیر فیھا وھذا لا یمنعہ عقل ولا شرع وھو ظاھرالحدیث فوجب المصیر الیہ۔ ہمارا مطلب اور امام نووی کا معنی آپس میں بالکل قریب ہے اور امام نووی نے ظاہر حدیث کی طرف رجوع کرنا واجب قرار دیا ہے کہ علماء کا یہ اصول مسلمہ ہے : النصوص تحمل علی ظواھرھا۔ ورنہ فلاسفہ کے دستور پر چلنے سے آیات صفات اور معجزات اور کرامات وغیرہ میں تاویلات کا دروازہ کھول کر ان کے ظاہر مطالب کا انکار کرنا پڑے گا' جو گروہ ناجیہ اہلحدیث کے مسلک کے سراسر خلاف ہے۔ اہلحدیث تو آیات اور احادیث کو ملا کر آثار سلف کی روشنی میں ان کی تطبیق دیتے ہیں اور سب کو ملا کر جو نتیجہ نکلتا ہے' اس پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

تعلیقات سلفیہ کے ساتھ جو نسائی لاہور سے شائع ہوئی ہے' اس میں بھی امام نووی کا مطلب ذکر کر کے اس کو برقرار رکھا ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ نیل و فرات کا جبریل کے ذریعہ آنا تفسیر خازن وفتح البیان میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منصوص ہے اور ان کا سدرہ کی جڑ سے ہونا بھی منصوص ہے اور ان کا آسمان دنیا پر دیکھا جانا بھی منصوص ہے اور بارش کا آسمان سے آنا بھی منصوص ہے۔ پس بارش کا پہاڑوں پر برسنا اور ایک حصہ بارش کا نیل وفرات کا مادہ ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے' تو اس طرح سے نیل وفرات کا آسمان پر اور سدرہ کی جڑ سے ہونا بھی ثابت ہو گیا اور زمین پر ہونا بھی ثابت ہو گیا' تو اس میں کون سا محال لازم آگیا اور شرع اور عقل کے خلاف ہو گیا؟ یہ محض کوتہ نظری اور اپنی غلط فہمی کا نتیجہ ہے' جو انکار کیا جا رہا ہے اور نصوص کو محض رائے سے ظاہر سے پھیرا جا رہا ہے۔

حکیم ابراہیم صاحب نے طنز کے طور پر دو آیتیں انا انزلنا الحدید' انا انزلنا علیکم لباسا۔ پیش کر کے یہ کہا کہ کس راستہ سے زمین کی کانوں میں جمع کریں گے' تو ان کے متعلق یہ عرض ہے کہ ایسی آیات کو بھی ہم اپنے اصول کے مطابق سلف صالحین اور مفسرین متقدمین کی تشریحات کی روشنی میں جانچیں گے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے' تو سندان ہتھوڑا وغیرہ بھی ان کے ساتھ اتار دیئے

گئے، جب اصل مادہ کا نزول ہوا، تو پھر آگے زمین میں اس کی کانیں پیدا ہو جانے سے اس کا خلاف لازم نہیں آتا اور آسمان سے پانی اترتا ہے، جس سے روئی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کپڑا بن کر لباس تیار ہوتا ہے، تو اس بنا پر کپڑا بھی آسمان سے نازل ہوا، یہی ہمارا مطالبہ ہے کہ ایک حصہ بارش کا نیل فرات کا مادہ ہے، تو ان کا آسمان پر ہونا ثابت ہو گیا، اگر آپ بارش کے پانی مبارک کے آسمان سے آنے کے منکر ہیں، تو مجھے آپ سے کوئی بحث نہیں ہے، ہم تو اہل ظواہر سے ہیں اور انہی کو حق پر سمجھتے ہیں۔

(۵) آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جب میں سدرۃ المنتھٰی کی طرف اٹھایا گیا، جبریل نے مجھے بتلایا کہ سدرۃ المنتھٰی ہے۔ میں نے کہا کہ اس سے چار نہریں جاری تھیں، دو نہریں باطنی تھیں، جو جنت کو جا رہی تھیں اور دو ظاہری تھیں، جو نیل و فرات ہیں۔ ان ظاہری نہروں کی توجیہ علماء نے مختلف طور پر کی ہے، بعض نے کہا کہ مراد دریائے نیل مصر اور فرات کوفہ ہیں اور یہ قبیل تشبیہ سے ہے کہ پانی ان کا لطافت اور شیرینی میں مشابہ آب جنت ہے، یا قبیل موافقتِ اسماء سے ہے کہ جیسے یہاں دو نہروں کا نام نیل اور فرات ہے، ایسے ہی بہشت میں دو نہریں ہیں کہ نام ان کا نیل اور فرات ہے اور قاضی عیاض نے کہا کہ سدرۃ المنتہٰی کی جڑ زمین میں ہے، جس سے یہ نیل اور فرات دو نہریں نکلتی ہیں۔

میرے نزدیک توجیہہ وہ صحیح ہے، جو امام نووی نے لکھی ہے کہ معناہ ان الانھار تخرج من اصلھا ثم تسیر حیث اراد اللّٰہ تعالٰی حتی تخرج من الارض وتسیر فیھا وھذا الا یمنعہ عقل ولا شرع وھو ظاھر الحدیث فوجب المصیر الیہ۔ یعنی ”اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہریں سدرہ کی جڑ سے نکلتی ہیں اور جدھر اللہ تعالٰی کی مشیت ہے، ادھر چلتی ہیں، یہاں تک کہ زمین میں جا پہنچتی ہیں اور اس میں چل رہی ہیں، یہ عقل اور نقل کی رو سے کوئی محال چیز نہیں ہے، ظاہر حدیث کا اقتضا یہی ہے اور اسی طرف مطلب کا پھیرنا واجب ہے۔“

مشکوٰۃ عربی کے حاشیہ پر بحوالہ مرقاۃ ابن الملک سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ دونوں نہریں سدرہ کی جڑ سے نکلتی ہیں اور ان کی کیفیت کا ادراک ہم نہیں کر سکتے۔ بعض نے کہا کہ یہ بلب استعارہ سے ہے کہ ہضم اور غذائیت میں جنت سے مشابہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نہر کوثر کا سدرہ کی جڑ سے ہونا منصوص ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نہر کوثر کی جڑ تو

سدرہ میں ہے اور اس کی ایک شاخ جنت میں ہے اور دوسری حشر کے میدان میں ہو گی۔ اسی طرح نیل اور فرات کی جڑ تو سدرہ میں ہے' لیکن اس کا پانی وہاں سے نکل کر آسمان دنیا پر جمع ہوتا ہو اور بارش کے ذریعہ زمین پر آتا ہو اور پھر اس پانی کو پتھر جذب کرتے ہوں اور پتھروں سے نیل اور فرات جاری ہوں' تو اس نیل اور فرات کا اصل آسمان میں ہو اور ظاہر میں یہ زمین پر چل رہے ہوں۔ یہ مطلب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے مطلب سے ٹھیک مل جاتا ہے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

عبدالقادر عارف حصاری

اہلحدیث سوہدرہ جلد۔۱۰' شمارہ۔۱' ۲' ۳ مورخہ یکم و ۸ جنوری و ۲۶ اگست سنہ۔۱۹۵۷ء

بادل اور بارش

جریدہ "الاعتصام" مطبوعہ یکم ستمبر میں جناب ایس۔ ایم شریف صاحب کا ایک مضمون "بادل اور بارش" کے عنوان سے مطالعہ میں آیا' جس میں علم سائنس کی رو سے تحقیق کی گئی ہے کہ سورج کی شعاعوں اور گرمی کے اثر سے پانی کے بخارات اٹھتے رہتے ہیں' سب سے زیادہ مقدار سمندر سے اٹھتی ہے۔ ہوا ان بخارات کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بلندی پر لے جاتی ہے' پھر بخارات کثیر ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بادلوں کے تہ بہ تہ گالوں میں سے جو زیادہ ٹھنڈے ہوتے ہیں' ان سے پانی ٹپکنے لگتا ہے' پھر اس امر کے ثبوت کے لیے سائنس دانوں کے خیالات پیش فرمائے ہیں۔

اگر یہ مضمون محض سائنس دانوں کے خیالات کا مظہر ہوتا' تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ تھا' لیکن جب اس کو قرآن کی آیت الم تر ان اللہ یزجی سحابا الایہ النور کی تفسیر قرار دے کر بارش کا اس طرح برسنا حقیقت قرار دیا گیا' تو پھر راقم الحروف کو یہ برداشت نہ ہوا' کیونکہ سائنس دانوں کا یہ خیال کتاب وسنت کے ظاہری نصوص اور تفسیر وتشریح سلف صالحین کے خلاف ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ "بارش کا پانی صرف زمین کے بخارات سے پیدا ہوتا ہے۔" اور دیگر سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ "بادل پیدا کرنے اور بارش برسانے میں سمندروں کا بڑا حصہ ہے۔" ان سائنس دانوں اور فلاسفہ کی تقلید میں آکر بعض اہل علم جو مذہب اہلحدیث اور اہلسنت کے دعویدار ہیں' اس بات کے قائل ہیں کہ "بارش کا پانی بادلوں کی آبی حالت میں انقلاب آنے سے برستا ہے اور پہاڑوں پر ہمیشہ مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔" بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رعد وہ آواز ہے جو بادلوں کی رگڑ' یا زور سے ان کے پھٹنے سے پیدا ہوتی ہے اور برق بجلی کی روشنی ہے' جو ان دخانی اجزاء کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے' جن میں دہنیت ہوتی ہے اور وہ جل اٹھتے ہیں اور صاعقہ آگ ہے' جو بادلوں سے گرتی ہے' جبکہ برقی اجزاء زیادہ غلیظ ہو جاتے ہیں۔ (تبصیر الرحمان بحوالہ تفسیر رحمانی وغیرہ)

بات یہ ہے کہ قرآن کی یہ تفسیر بالرائے ہے' جو سلف صالحین کی تفسیر کے خلاف ہے۔ سائنس دان اور فلاسفہ جو باتیں بزرگان دین اور سلف صالحین کے خلاف بیان کریں گے' ہم ان کو غلط کہیں گے۔ جناب شریف صاحب نے اہل علم سے جو یہ اپیل کی ہے کہ وہ قرآن

اور سائنس کو قریب لانے کی کوشش کریں' یہ اس حد تک تو منظور ہے کہ کتاب وسنت اور اقوال سلف سے معارض نہ ہو' لیکن جب قرآن وحدیث کے معارض ہو تو سائنس اور فلسفہ کے بجائے قرآن وسنت کو سلف صالحین کی تشریحات کے ساتھ مانا جائے گا۔ لہٰذا محترم شریف صاحب کو جان لینا چاہیے کہ بارش کی بابت ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آسمانوں پر عرش کے نیچے ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ بارش کا پانی وہاں سے بادلوں میں آتا ہے اور جہاں حکم الٰہی ہوتا ہے' وہاں برستا ہے۔ اسلامی روایات اور قرآن اپنی ظاہری نصوص کی رو سے اس پر ناطق ہیں۔

آپ نے اس آسمانی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے جو مختلف کتابیں اکٹھی کیں ہیں' ان میں سلف صالحین کی روایات کی کتابیں اور مفسرین' متقدمین جو محدثین کے زمرہ میں شمار ہیں' ان کی تفسیریں آپ کے پاس نہیں ہوں گی۔ مثلاً تفسیر ابن جریر' تفسیر ابن کثیر' تفسیر خازن' تفسیر معالم وغیرہ۔ میرا حسن ظن ہے کہ اگر یہ تفسیریں مطالعہ کر کے آپ مضمون لکھتے' تو پھر مسٹر اے داس گپتا' کیپٹن اے۔ این کپور اور دیگر پروفیسوں کے اقوال کے بجائے آپ کا مضمون اسلامی روایات سے لبریز ہوتا' آپ کے پیش کردہ پروفیسوں کے تخیلات پڑھ کر میں کہتا ہوں۔

برسوں فلاسفہ کی چناں اور چنیں رہی
خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

بارش کا عجیب واقعہ: مسلم شریف کی حدیث مشکوٰۃ کے باب الانفاق میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ایک شخص زمین کے کسی جنگل میں کھڑا تھا۔ اس نے بادل سے یہ آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے : اسق حديقة فلان۔ "کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے دو۔" وہ اس طرف چلا اور اس نے اپنا پانی ایک پتھریلی زمین میں ڈال دیا' اس زمین میں سے ایک نالی نے تمام نالیوں سے پانی جمع کیا اور اس میں پانی چلا۔ وہ شخص بھی اس نالے کے پانی کے ساتھ چلتا رہا' تاکہ معلوم کرے کہ جس کے باغ میں پانی پہنچا ہے' وہ کون ہے؟ ناگہاں جا کر دیکھا تو ایک شخص اپنے باغ میں پانی لگا رہا ہے اور اپنے بیلچے کے ساتھ سب جگہ پانی پھیر رہا ہے۔ اس شخص نے کہا' اے خدا کے بندے آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میرا فلاں نام ہے اور اس نے وہ نام بتایا' جو ابر میں سے سنا تھا۔

اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! آپ مجھ سے میرا نام کس لئے دریافت کرتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں نے اس ابر سے ایک آواز سنی تھی' جس میں تیرا نام لیا تھا کہ اس باغ کو پانی دے دو' یہ پانی اس ابر کا ہے' آپ فرمایئے کہ اس باغ میں آپ ایسا کیا نیک عمل کرتے ہیں کہ جس کے سبب سے آپ کو یہ بزرگی حاصل ہے؟ ابر میں آپ کا نام لیا جا رہا ہے اور اس نام کے مطابق باغ کو ٹھیک پانی دیا جا رہا ہے۔ اس نے کہا' جو آپ نے پوچھا ہے' وہ میں عرض کرتا ہوں کہ اس باغ سے جس قدر پیداوار حاصل ہوتی ہے' تو میں اس کے تین حصے کرتا ہوں' ایک حصہ تو اللہ کے نام پر صدقہ کرتا ہوں' اور دوسرا حصہ میں خود اور میرے اہل وعیال کھالیتے ہیں اور تیسرا حصہ اسی باغ میں صرف کرتا ہوں' ہمیشہ سے میرا یہی دستور العمل ہے۔" اس سے ظاہر ہے کہ بارش قدرت الٰہی سے برستی ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ فرشتہ مقرر شدہ کو حکم دیتا ہے' وہاں وہ بارش بادلوں کے ذریعے برساتا ہے۔ اب اس کی تفصیل سنئے۔

آسمانوں پر عرش تلے دریا : مشکوٰۃ باب بداء الخلق فصل ثانی میں عباس بن عبدالمطلب سے یہ حدیث مروی ہے' جو طویل ہے۔ اس میں ہے : ثم فوق السماء السابعة بحر بين اعلاه واسفله كما بين سماء الى سماء۔ یعنی "ساتویں آسمان پر دریا ہے' جس کے اعلیٰ واسفل دو طرفوں میں اتنا فاصلہ ہے' جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے۔" بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات مطبوعہ مصر کے ص۔۴۱۷ میں بھی یہ حدیث ہے اور ص۔۴۰۲ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے یہ اثر مروی ہے' جو حکماً مرفوع ہے' اس میں ہے : وخلق فوق السابعة الماء وجعل فوق الماء العرش۔ "اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور پھر ساتویں آسمان پر دریا بنایا ہے۔" اور کتاب الاسماء ص۔۴۰۱ میں ہے' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : وما بين الكرسی وبين الماء خمس مائة عام والكرسی فوق الماء۔ "کرسی اور پانی کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور کرسی پانی پر ہے۔" یہ دونوں روایتیں گو موقوف ہیں' لیکن حکماً مرفوع ہیں' کیونکہ غیرمدرک بالقیاس ہیں اور حدیث کی موید ہیں۔

فتح البیان جلد۔۹' ص۔۱۰۹ میں آیت "والبحر المسجور" کی تفسیر میں لکھا ہے : وعن علی فی الاية قال بحر فی السماء تحت العرش وعن ابن عمر مثلهٗ۔ "حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے فرمایا کہ بحر مسجور ایک دریا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا فرمایا ہے۔"

ان دلائل سے واضح ہوا کہ عرش کے تلے آسمانوں کے اوپر دریا ہے اور قرآن کی یہ آیت بھی اس پر ناطق ہے: وکان عرشه علی الماء۔ "اللہ کا عرش پانی پر ہے۔" تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے تحت یہ لکھا ہے: قال الربیع بن انس وکان عرشهٗ علی الماء فلما خلق السمٰوٰت والارض قسم ذلک الماء قسمین فجعل تحت العرش وهوالبحرالمسجور۔ "ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا عرش پانی پر تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا' تو اس پانی کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا' ایک حصہ عرش کے نیچے کر دیا' وہ بحر مسجور ہے۔" اس سے بھی تائید مزید ہو گئی اور پانی کا دریا آسمانوں پر ثابت ہو گیا۔

<u>اس پانی کی تاثیر ہر چیز کو زندگی بخشنا ہے</u>: قرآن میں ہے: وما انزل اللّٰہ من السماء من ماء فاحیابه الارض بعد موتها۔ عقل مندوں کے لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہے کہ "وہ آسمان سے پانی اتارتا ہے' جس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔"

مشکوٰۃ میں بروایت مسلم طویل حدیث ہے' جس میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور پھونکا جائے گا' جس سے سب ہلاک ہو جائیں گے: ثم یرسل اللّٰہ مطراً کانهٗ الطل فینبت منه اجساد الناس۔ "پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا' جو گویا شبنم ہو گی' اس سے لوگوں کے جثے اُگ آئیں گے' یعنی زندہ ہو جائیں گے۔" مشکوٰۃ کی دوسری حدیث جو متفق علیہ ہے' اس میں یوں وارد ہے۔ ثم ینزل اللّٰہ من السماء ماء فینبتون کما ینبت البقل۔ "اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرے گا' جس سے مردے اس طرح اُگ آئیں گے' جس طرح سبزی زمین سے اُگتی ہے۔" یہ پانی اسی دریا سے آئے گا' جو عرش کے نیچے ہے۔

چنانچہ فتح الباری جلد-۲۷' ص-۱۴۲ میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نفختین کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا: فیرسل اللّٰہ ماء من تحت العرش فتنبت جسمانهم ولحمانهم من ذلک الماء۔ "یعنی عرش کے نیچے سے اللہ تعالیٰ پانی بھیجے گا' جس سے جسم اور گوشت اُگ آئیں گے۔"

تفسیر ابن کثیر جلد-۹' ص-۳۲۶ میں ہے: قولهٗ تعالیٰ والبحر المسجور قال الربیع بن

انس هوالماء الذی تحت العرش ینزل اللّٰہ منہ المطر الذی تحی بہ الاجساد فی قبورھا یوم معادھا۔ "ربیع بن انس کہتے ہیں کہ وہ پانی عرش کے نیچے ہے' اس سے اللہ بارش اتارے گا' جس سے قیامت کے دن قبروں میں سے اجسام مردہ زندہ کئے جائیں گے۔" ان دلائل سے ظاہر ہوا کہ بارش اس پانی سے آتی ہے اور اس میں اگانے اور زندہ کرنے کی تاثیر ہے۔

بارش کی بابت ملک السحاب کا بیان: ابن کثیر جلد۔۷' ص۔۱۴۲ میں یہ حدیث ہے کہ جبریل جنازہ پڑھنے کی جگہ میں تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے کہا کہ میں شوق رکھتا ہوں کہ بادلوں کا معاملہ معلوم کروں' جبریل نے کہا' یہ (فرشتہ) ملک السحاب موجود ہے' ان سے دریافت فرمائیے۔ (دریافت کیا گیا تو) ملک السحاب نے جواب دیا کہ ہمارے مہر شدہ حکم نامے آتے ہیں' جن میں یہ حکم لکھا ہوتا ہے: اسق بلاد کذا کذا وکذا قطرۃ۔ (رواہ ابو حاتم) اس سے ثابت ہوا کہ بارش پر فرشتے مقرر ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق بادلوں سے بارش برساتے ہیں۔ مسلم سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے' جو پہلے باغ والے قصہ میں گزر چکی ہے۔ کیا سائنس دان ایسی حدیثوں پر ایمان لائیں گے؟

ہر سال ایک مقدار پر بارش ہوتی ہے: تفسیر خازن جلد۔۳' ص۔۳۷۵ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ایک سال میں دو سال سے زیادہ بارش نہیں ہوا کرتی' ہمیشہ ایک ہی مقدار پر ہوتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اس کو زمین میں جدھر چاہتا ہے' پھیرتا رہتا ہے' پھر اس کی تصدیق کے لیے یہ آیت پڑھی: ولقد صرفناہ بینھم الایۃ۔ "ان کے درمیان بارش کو پھیرنا' تاکہ نصیحت حاصل کریں۔" پھر لکھا ہے: وھذا کما روی مرفوعًا ما من ساعۃ من لیل ولا نھار الا والسماء تمطر فیھا صرفہ اللّٰہ کیف یشاء۔ یعنی "ابن عباس کا یہ بیان مرفوع حدیث کے مطابق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے' کوئی گھڑی رات دن میں ایسی نہیں ہے' مگر اس میں بارش ہوتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اس کو زمین میں جدھر چاہتا ہے' پھیر دیتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تفسیر خازن میں مرفوعا اور تفسیر ابن کثیر میں موقوفا مروی ہے' جو مرفوع کے حکم میں ہے کہ ایک سال دوسرے سال سے بارش میں زیادہ نہیں

ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے رزقوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ (یعنی بارشوں کو) پس ان کو اس آسمان کے اس طرف میں کر دیا' ان سے ہر سال ایک اندازہ سے نازل فرماتا ہے۔ جب کوئی قوم نافرمان ہو کر گناہ کرتی ہے' تو اس بارش کو دوسری طرف پھیر دیتا ہے۔ جب سب نافرمانی کرتے ہیں' تو جنگلوں اور سمندروں کی طرف۔ بارش کو پھیر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید قرآن اور دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے' قرآن میں ہے: وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ "تمہارا رزق آسمان میں ہے۔" یعنی بارش کا سلان وہاں ہے' جو رزق کا ذریعہ ہے اور حدیث میں ہے: ما منعوا الزکٰوۃ الا حبس عنہم المطر اوکما قال۔ "جب لوگ زکٰوۃ روک لیتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش روک لی جاتی ہے۔" ان دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے اور ہمیشہ آسمان سے ایک اندازہ پر اُترتی ہے' لیکن حسب الحکم وہ ملکوں میں تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ اس سلسلہ میں فلاسفر اور سائنس دانوں کا خیال صحیح نہیں اور اس پر کوئی شرعی دلیل ناطق نہیں ہے۔

آسمان سے بارش ہونا: قرآن مجید میں ہے: او کصیب من السماء فیہ ظلمات ورعد وبرق۔ یعنی "یا مثل بارش کی ہے' جو آسمان سے اترتی ہے' جس میں اندھیرے' گرج اور بجلی ہو۔" اور آگے یہ ارشاد ہے: وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرت رزقاً لکم۔ "آسمان سے اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا' جس سے پھل پیدا کر کے تم کو روزی دی۔" اسی طرح قرآن میں کئی جگہ یہ وارد ہے کہ پانی آسمان سے اتارا ہے۔ لفظ سماء قرآن کے عام مشہور محاورہ میں آسمان کے معنی پر ناطق اور دال ہے۔ خصوصاً جب احادیث اور آثار سلف سے آسمان سے دریائے عرش سے پانی اترنا ثابت ہوا' تو اب دوسرا معنی کرنا جائز نہیں ہے' اگر کوئی سماء کا معنی بادل کرے اور عرفی معنی آسمان کرے' تو پھر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ بادل پانی کہاں سے حاصل کرتا ہے۔ اس کا جواب اسلامی روایات اور نقلی دلائل سے مطلوب ہے۔

بادلوں کا آسمان سے پانی لینا: یہ تو قرآن سے ثابت ہے کہ بارش بادلوں کے درمیان سے نکلتی ہے' لیکن بادلوں میں پانی کہاں سے آتا ہے' اس کے متعلق مندرجہ ذیل ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔ تفسیر مظہری جلد ۱' ص ۲۔ میں آیت کریمہ او کصیب من السماء کی تفسیر

میں درج ہے : اخرج ابن حبان عن الحسن انه سئل عن المطر من السماء ام من السحاب قال من السماء انما السحاب علم۔ یعنی "امام ابن حبان نے مشہور تابعی حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے یا بادل کے اندر سے پیدا ہوتی ہے؟ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! بارش آسمان سے آتی ہے' بادل صرف بارش کا ذریعہ اور علامت ہیں۔" پھر لکھا ہے : اخرج ابن ابی حاتم وابوالشیخ عن خالد بن معدان قال المطر یخرج من تحت العرش فینزل من سماء الی سماء حتی یجتمع فی السماء الدنیا فیجتمع فی موضع یقال له الاثرم فیه جئی السحاب السود فیدخله فیشربه فیسوقه الله حیث شاء واخرجا عن عکرمة قال ینزل المطر من السماء السابعة۔ یعنی "خلد بن معدان نے بیان کیا کہ بارش عرش کے نیچے سے نکلتی ہے' پس ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف اترتی ہے' یہاں تک کہ دنیا میں ایک موضع میں جس کا نام اثرم ہے جمع ہوتی ہے۔ پس سیاہ بادل اس موضع میں داخل ہو کر پانی پی لیتے ہیں' پس اللہ تعالیٰ ان کو جدھر چاہتا ہے چلا دیتا ہے۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ بارش ساتویں آسمان سے اترتی ہے۔"

خلد بن معدان ثقہ تابعی اور بڑے عابد تھے اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عکرمہ بڑے شہرہ آفاق تابعی تھے۔ یہ سب صحابہ کرام سے علم شرع حاصل کئے ہوئے تھے' ان کی تفسیر کا صحابہ کے بعد دوسرا درجہ ہے' ان کے علاوہ حضرت کعب احبار مشہور مفسر اور بڑے عالم تھے' وہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

چنانچہ فتح البیان جلد۔۲' ص۔۳۲۸ میں ہے : قال کعب ان السحاب غربال المطر ولولا السحاب حین ینزل من السماء لا فسد ما یقع علیه من الارض۔ یعنی "کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بادل بارش کی چھلنی ہے' جبکہ بارش آسمان سے اترتی ہے' اگر بادل نہ ہو اور آسمان سے ویسے ہی گر پڑے' تو زمین کے جس حصہ پر پڑے' اس کو خراب کر دے۔" سابقہ دلائل اور ان چار سلف کے اقوال سے صاف ظاہر ہوا کہ بارش آسمان سے بادلوں کے ذریعہ آتی ہے اور بادل آسمان سے بارش حاصل کرتے ہیں اور بادلوں سے فرشتہ یہ نظام فلکی وارضی سرانجام دیتا ہے۔

پس سائنس دان اور فلاسفر اس کے خلاف کہیں' تو وہ غلط ہے۔ تفسیر خازن ص۔۳۱ میں

ہے : فابطل منھب الحکماء بقوله من السماء لیعلم ان المطر لیس من ابخرة الارض کما زعم الحکماء۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نے لفظ من السماء فرما کر فلسفیوں اور سائنس دانوں کی تردید کر دی کہ بارش زمین کے بخارات سے پیدا نہیں ہوتی' بلکہ آسمان سے آتی ہے۔" اسی طرح تفسیر فتح البیان ص۔۶۴ میں ہے : انما ذکر اللّٰہ تعالیٰ من السماء وان کان المطر لا ینزل الا منها لیرد علیٰ من زعم ان المطر ینعقد من ابخرة الارض فابطل منھب الحکماء بقوله من السماء لیعلم ان المطر منها کما هو زعمهم الباطل۔ یعنی "بارش تو آسمان سے آتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے لفظ سماء کی صراحت سے ۔سائنس دانوں اور فلسفیوں کا رد کر دیا' وہ کہتے ہیں زمین کے بخارات سے بارش پیدا ہوتی ہے' اس کا مذہب غلط ٹھہرا۔"

کتبہ عبدالقادر حصاری

ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد۔۱۳' شمارہ۔۸' ۹ بمطابق ۲۲ و ۲۹ ستمبر سنہ۔۱۹۶۱ء

سرکار مدینہ کے احکام بنام رعایا و حکام

حکومت کے لئے صلاحیت شرط ہے

حکومت کا حق صلاحیت کے ساتھ مشروط ہے' جو قوم صلاحیت کو کھو دیتی ہے' وہ اس حق کو بھی کھو دیتی ہے اور جو صلاحیت اپنے اندر پیدا کرلیتی ہے' وہ اس حق کو بھی حاصل کر لیتی ہے۔ اسلام نے حکومت کے معاملہ میں قومی اور اجنبی کی کوئی تمیز نہیں کی ہے' بلکہ محض عدل اور ظلم کو وجہ امتیاز قرار دیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا : ان ولیت امرا فاتق اللہ واعدل یعنی "اگر تو کسی کام پر حاکم بنایا جائے' تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور انصاف کرنا" (مشکوۃ)

اگر ملک کی حکومت اپنے باشندوں کے پاس ہو لیکن اس کے حکمران ظالم' بدکار' حرام خوار' نفس پرست' ناخدا ترس ہوں' تو اسلام کی رو سے وہ اسی قدر نفرت کے قابل ہیں' جس قدر کسی اجنبی ملک کے حاکم بدکردار وبداعمال ہو سکتے ہیں۔ اگر ایک غیر ملکی ہمارے ملک پر حکومت کرتا ہے اور وہ تمام امور میں انصاف' دیانت' امانت اور خدا ترسی کے ساتھ کام کرتا ہے' مظلوموں کی فریاد سن کر دادرسی کرتا ہے اور حق والوں کو حق دلاتا ہے۔ تکبر' قہر و غضب نہیں کرتا' نفس پروری اور غرض پرستی سے پرہیز کرتا ہے اور رعیت کی اصلاح حال کے سوا اپنی قوتوں کو کسی ذاتی غرض کے لئے استعمال نہیں کرتے' تو اسلام کی رو سے وہ غیر ملکی حکمران بہت بہتر اور افضل ہے اور اگر ہمارے ملک کا شخص ہم پر حکمران ہے اور ان تمام صفات مذکورہ سے بالکل عاری ہے' تو وہ ہمارے ملک کے لئے اسلام کی نظر میں بہت بد اور نالائق ہے۔

صلاحیت کیا ہونی چاہیے؟ : جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : وانما الامام جنة یقاتل من ورائه ویتقی به فان امر بتقوی اللہ وعدل وان له بذالک اجرا وان قال بغیره فان علیه منه۔ (بخاری ومسلم) یعنی "بادشاہ' خلیفہ" گورنر تمام رعایا کے لئے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔ اس کے زیر سایہ جنگ کیا جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ ظالموں اور جابروں کے ظلم سے بچاؤ حاصل کیا جاتا ہے۔ پس اگر وہ اللہ کے تقویٰ اور ڈر سے حکمرانی کرے اور انصاف کرے' تو اس کے لئے بڑا ثواب ہے اور اگر خدا سے بے خوف ہو کر ظلم و ستم کرے' تو

اس کا سارا گناہ اس پر ہے۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حکومت کی صلاحیت وہ شخص رکھتا ہے' جس میں تقویٰ اور عدل ہو' اور جس میں یہ نہ ہو وہ نااہل ہے۔ یہی حکم قرآن میں ہے کہ واذا احکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ "کہ جب تم لوگوں میں حکومت کرو اور فیصلے کرو' تو انصاف کے ساتھ کرو۔"

حکام عادل کا درجہ : جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ان المسقطین عنداللّٰہ علی منا برمن نور عن یمین الرحمٰن۔ کہ "انصاف کرنے والے حکام اللہ تعالیٰ کے پاس نوری ممبروں پر اللہ کی داہنی طرف ہوں گے۔" اس سے منصف حکام کی بڑی فضیلت اور قدر اور مرتبہ ثابت ہوتا ہے' کیونکہ جو کوئی عظیم القدر ہوتا ہے' وہ بادشاہ کے داہنے طرف کھڑا ہوتا اور بیٹھتا ہے۔ پھر انصاف کرنے والوں کی یہ تعریف کی کہ الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وما ولوا۔ (رواہ مسلم) کہ "وہ لوگ جو انصاف کرتے ہیں اپنے بارہ میں اور اپنے اہل اور قریبوں میں اور تمام ماتحت رعایا میں۔" اور دوسری حدیث میں ہے کہ وہ اللہ کے سائے کی طرف سبقت کرنے والے ہوں گے اور وہ ایسے حاکم اور سردار ہیں کہ جب ان کو کلمہ حق کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ قبول کرتے ہیں اور جب ان سے حق طلب کیا جائے' تو وہ اس حق کو استعمال کرتے ہیں۔ وحکموا الناس کحکمھم لانفسھم "اور لوگوں میں جب حکم نافذ کرتے ہیں تو اس طرح کرتے ہیں' جس طرح اپنی ذاتوں اور نفسوں کے لئے کرتے ہیں۔" یعنی جو کچھ اپنے لیے چاہتے ہیں' وہی رعایا کے لیے بھی چاہتے ہیں' نہ یہ کہ آپ شہوت رانی کریں اور لوگوں پر ظلم اور سخت گیری کریں۔

حاکم عادل جنت میں اور ظالم دوزخ میں ہو گا : مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص نے مسلمانوں کی حکومت حاصل کر لی : ثم غلب عدلہ جورہ فلہ الجنۃ ومن غلب جورہ عدلہ فلہ النار۔ پھر غالب ہوا عدل اس کے ظلم پر تو اس کے لئے بہشت ہے اور وہ شخص کہ غالب ہوا ظلم اس کا' اسکے عدل پر تو واسطے اس کے دوزخ ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

درگاہ الٰہی میں حکام کے حق میں رسول اللہ کی دعا : مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ نے دعا فرمائی کہ یاالٰہی! جو شخص میری امت کے کسی کام پر حاکم بنایا گیا' پھر اگر

اس نے لوگوں پر مشقت ڈالی اور سختی کی تو' تو بھی اس پر مشقت ڈال اور سختی کر اور اگر اس نے لوگوں پر نرمی اور آسانی کی تو' تو بھی اس پر نرمی اور آسانی کر۔ پس ہر حاکم اور افسر کو اللہ تعالیٰ کے قہر اور رحم کا تصور رکھ کر رعایا پر حکومت کرنی چاہیے۔

تین قسم کے حکام: مشکوٰۃ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فیصلے کرنے والے حکام تین قسم کے ہیں' جن میں سے ایک جنت میں جائے گا اور دو دوزخ میں جائیں گے۔

(۱) الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی۔ یعنی "جنتی وہ حاکم ہے کہ جس نے حق کو پہچانا کہ حق اس جانب ہے اور پھر حق کے ساتھ اس نے فیصلہ کر دیا۔

(۲) ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو فی النار۔ "اور دوزخی وہ حاکم ہے کہ جس نے حق کو پہچانا اور پھر فیصلہ میں ظلم کیا۔"

(۳) اور دوسرا دوزخی وہ حاکم ہے کہ رجل قضی للناس علی جھل وھو فی النار۔ "کہ جس نے جہالت سے فیصلہ کیا' نہ قانون جانا اور نہ مقدمہ میں حق معلوم کیا' تو وہ دوزخ میں ہے کہ اس نے حق معلوم کرنے میں تقصیر کی۔" پس تین قسم کے حاکموں اور ججوں میں سے ایک قسم کے جنتی ہیں اور دو قسم کے دوزخی ہیں۔

غصہ کی حالت میں کوئی حاکم فیصلہ نہ کرے: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لا یقضین حکم بین اثنین وھو غضبان۔ (متفق علیه) کہ "نہ فیصلہ کرے کوئی حاکم دو فریقوں کے درمیان' اس حالت میں کہ وہ غضبناک ہو۔" یہ ظاہر بات ہے کہ ایک تو غصہ میں دماغ ٹھکانے نہیں ہوتا' غضب اجتہاد اور فکر سے مانع ہوتا ہے' دوم غصہ میں نفسانیت آجاتی ہے' جس سے انصاف نہیں ہوتا۔

قیامت کو وہ تمام حکام گرفتار ہو جائیں گے: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ما من حاکم یحکم بین الناس الاجاء یوم القیمة وملک آخذ بقفاہ ثم یرفع راسه الی السماء فان قال القه القاہ فی مھواۃ اربعین خریفا۔ (رواہ احمد وابن ماجه والبیھقی فی شعب الایمان) "ہر حاکم جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا رہا' دن قیامت کے گرفتار ہو کر آئے گا' فرشتہ اس کو گدی سے پکڑے ہوئے ہوگا' پھر فرشتہ اوپر کی طرف نظر کرے گا۔ پس اگر اللہ نے اس کے بارہ میں یہ حکم دے دیا کہ اس کو جہنم میں ڈال دے' تو وہ فرشتہ چالیس سالہ دوزخ میں اس کو پھینک دے گا۔" یعنی جس میں پھینکنے سے چالیس برس کے

بعد اس کی تہہ میں پہنچتا ہے' اس کی گہرائی چالیس سالہ ہے۔ نعوذ باللّٰہ منہا و من اصلہا۔

تیز نظر کر کے ڈرانے والے حاکم پر وعید: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ من نظر الی اخیہ نظرۃ یخیفہ اخافہ اللّٰہ یوم القیامۃ۔ یعنی "جو شخص کہ نظر کرے اپنے مسلمان بھائی کی طرف ایسی نظر کہ ڈرائے اس کو' ڈرا دے گا اس کو اللہ تعالیٰ دن قیامت کے۔

شیطان حاکم: مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان اللّٰہ مع القاضی مالم یجر فاذا جار تخلّٰی عنہ ولزمہ الشیطان۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ) "تحقیق اللہ تعالیٰ حاکم کے ساتھ ہے کہ جب تک وہ ظلم نہیں کرتا۔" پس جس وقت کہ وہ حاکم ظلم کرتا ہے' تو شیطان اس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ہو رہتا ہے' یعنی وہ شیطان فیصلے کرتا رہتا ہے۔

فرشتہ خصلت حاکم: مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ کتاب الٰہی تورات میں یہ لکھا ہے کہ نہیں کوئی حاکم کہ حکم کرے ساتھ حق کے' مگر یہ کہ ہوتا ہے اس کی داہنی طرف ایک فرشتہ اور بائیں جانب فرشتہ کہ مضبوط کرتے ہیں' دونوں فرشتے اس کو اور توفیق دیتے ہیں اس کو واسطے حق کے جب تک کہ رہتا ہے' حاکم ساتھ حق کے۔ پس جب چھوڑ دیتا ہے' حق کو تو چڑھ جاتے ہیں دونوں فرشتے اور چھوڑ جاتے ہیں اس کو اپنی حالت پر۔

غدار وزیروں حکموں پر وعید: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ لکل غادر لواء عند استہ یوم القیامۃ یرفع لہ بقدر غدرہ الا ولا غادر اعظم غدرًا من امیر عامۃ۔ (رواہ مسلم) یعنی "ہر عہد توڑنے والے کی دبر کے پاس ایک نشان ہو گا' دن قیامت کے' جس سے وہ پہچانا جائے گا اور بقدر غداری کے وہ نشان ہو گا۔ سب سے بڑا غدار اور عہد توڑنے والا حاکم عوام ہے۔" گورنر' وزراء اور حکام سے ان کی تعیناتی کے وقت عہد وفاداری و حکومتی لیا جاتا ہے' جو اس کے خلاف کرے گا' دن قیامت کے اس کی دبر پر ایک جھنڈا بلند ہو گا کہ جس سے سب لوگ پہچان لیں گے کہ یہ فلاں گورنر' فلاں وزیر' فلاں کمشنر ہے۔

سرکاری خزانہ بے جا صرف کرنے والے دوزخی ہیں: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان رجالاً یتخوضون فی مال اللّٰہ بغیر حق فلھم النار یوم

القیامة۔ یعنی ”جو مرد اللہ کے مال (سرکاری خزانہ) میں ناحق تصرف کرتے ہیں۔ پس واسطے ان کے دن قیامت کے آگ ہے' دوزخ کی۔“

تنخواہ کے بغیر کچھ لینا حرام اور خیانت ہے: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا' اس کو ہم اللہ کے کام کی تنخواہ دیں گے۔ پس جو چیز تنخواہ مقررہ کے بعد لے گا' وہ خیانت ہے' خیانت بالاتفاق حرام ہے' تو یہ چیز بھی حرام ہے۔

سفارش کا ہدیہ حرام ہے: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی سفارش کرے پھر اس کو وہ تحفہ یا ہدیہ دے جس کو وہ شخص قبول کرلے' تو وہ سود کے دروازوں میں سے بڑے دروازے میں داخل ہوا۔ (رواہ ابوداؤد)

رشوت لینے والا ملعون ہے: عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعن اللّٰہ الراشی والمرتشی فی الحکم اخرجہ الترمذی رواہ ابن حسان فی صحیحہ والحاکم وزادو الرائش بینھما۔ یعنی ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رشوت دینے والے اور لینے والے ایک ہی حکم میں ہیں اور وہ جو دو کے درمیان ہو کر رشوت دلائے' سب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔“ دوسری روایت مسند احمد میں ہے کہ لعنت اللّٰہ علی الراشی والمرتشی ”کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے رشوت لینے والے اور دینے والے پر۔“

راشی اور مرتشی جہنم میں جائیں گے: وفی روایۃ الطبرانی قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی فی النار کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔“ اس زمانہ میں رشوت کا بازار گرم ہے۔ اس لئے سب ان حدیثوں پر گہری نظر سے غور کرکے عبرت حاصل کریں۔

رشوت فی الحکم کفر ہے: عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال الرشوۃ فی الحکم کفر وھی بین الناس سحت رواہ الطبرانی موقوفا باسناد صحیح۔ یعنی ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی فیصلہ اور حکم میں رشوت لینا کفر ہے اور یہ لوگوں میں حرام ہے۔“ اس روایت سے معلوم ہوا کہ رشوت لے کر حکم بدلانے والے اور ظلم کرنے والے کافر ہیں۔

جو قوم رشوت خور ہو وہ مرعوب ہو جاتی ہے: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ نہیں کوئی ایسی قوم کہ جس میں بیاج کا رواج ہو، مگر یہ کہ وہ قحط سالیوں کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ وما من قوم یظهر فیهم الرشاء الا اخذوا بالرعب رواه احمد (ترغیب و ترہیب) "اور نہیں کوئی قوم جس میں رشوت ظاہر ہو، مگر یہ کہ وہ غیروں سے مرعوب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت خور قومیں مجاہد نہیں بن سکتیں، وہ بزدل ہوتی ہیں اور جہاد سے جی چراتی ہیں، جس سے یہ مرعوب ہیں۔"

رشوت خور عمیق دوزخ میں پھینکے جائیں گے: ترغیب و ترہیب میں بروایت امام حاکم حدیث وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حاکم کو عدالت الٰہی میں دن قیامت کے حاضر کیا جائے گا۔ درآں حالانکہ اس کے ہاتھ اس کی گردن میں بطور طوق پڑے ہوں گے۔ پس اس نے عدل کیا ہو گا اور رشوت نہ لی ہو گی اور ظلم نہ کیا ہو گا، تو اس کو رہا کر دیا جائے گا اور اگر حکم بغیر ما انزل وارتشی وحابی فیه شدت یساره الی یمینه ثم یلقی به فی جنہم فلم یبلغ قعرها خمسمائة عام رواه الحاکم۔ "اس نے بغیر آسمانی قانون کتاب وسنت فیصلہ کیا ہو گا اور رشوت لی ہو گی اور اس فیصلہ میں کسی کی طرف داری کی ہو گی، تو اس کے دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں کو باندھ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ جس کی گہرائی میں پانچ سو سال تک پہنچے گا۔"

بغیر اہلیت کے طرف داری سے حکومت دینا باعث لعنت ہے: ترغیب میں حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ من ولی امر المسلمین شیئا فامر علیهم احداً من احباءه فعلیه لعنة اللّٰہ لا یقبل اللّٰہ منه صرفا ولا عدلا حتی یدخله جهنم۔ (رواہ الحاکم) یعنی "جو شخص مسلمانوں پر حکمران ہوا، پھر اس نے مسلمانوں پر کسی کو اپنی دوستی اور طرفداری یا رشتہ داری کی بنا پر حاکم بنا دیا، تو اللہ تعالیٰ ایسے حاکموں کا فرض نفل کوئی عبادت قبول نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ قیامت کو جہنم میں داخل کر دے گا۔"

بہتر لوگوں کو چھوڑ کر نالائقوں کو حکومت دینے والے خائن ہیں: عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من استعمل من عصابة المسلمین وفیهم من هو ارضی للّٰہ عنه فقد خان اللّٰہ ورسوله والمومنین۔ (رواہ الحاکم)

یعنی "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کی جماعت میں سے کسی کو حاکم یا ممبر بنایا یا عامل مقرر کیا' حالانکہ اس جماعت میں اس شخص سے بہتر موجود تھا' جو اللہ کو بہت پسند تھا۔ (عقیدہ و عمل کے لحاظ سے) تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔"

اسلامی قانون کے خلاف فیصلے کرنے والے کافر ہیں: قرآن میں ہے: ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکفرون۔ "جو حاکم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہیں کرتے' وہ کافر ہیں۔" اور جگہ قرآن میں یہ بھی ہے کہ وہ فاسق ہیں اور ظالم ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اصل عدل آسمانی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے میں ہے' باقی ظلم ہے۔

علماء کے لیے افضل الجہاد: مشکوٰۃ میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم افضل الجھاد من قال کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل اور بہترین جہاد یہ ہے کہ ظالم حاکموں' وزیروں' گورنروں کے پاس کلمہ حق کہنا اور ان کو امر بالمعروف کرنا۔

سب سے اعلیٰ درجہ کا شہید کون ہے؟: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکور ہے کہ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قلت یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الشھداء اکرم علی اللّٰہ قال رجل قام الی امام جائر فامرہ بمعروف ونھاہ عن المنکر فقتلہ۔ یعنی "میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب شہیدوں میں سے زیادہ قابل اکرام کون ہے؟ فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم جابر حاکم کی طرف کھڑا ہوا اور اس کو کسی نیک کام کا حکم کیا اور بری بات سے روکا' تو اس حاکم نے اس کو قتل کر دیا۔" دوسری حدیث میں ہے: عن جابر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سید الشھداء حمزہ بن عبد المطلب ورجل اقام الی الامام جائر فامرہ ونھاہ فقتلہ۔ "جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام شہیدوں کا سردار حمزہ بن عبدالمطلب ہے اور وہ شخص ہے جو ظالم حاکم کی طرف کھڑا ہوا اور اس کو کسی نیکی کا حکم کیا یا کسی برائی سے منع کیا اور حاکم نے اس کو قتل کر دیا۔" دیگر احادیث میں یہ بھی ہے کہ من حبسہ السلطان ظلما فمات فی السجن فھو شھید ومن ضرب فمات فی الضرب فھو شھید۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) "کہ جس شخص کو بادشاہ نے ظلم سے قید کیا اور وہ جیل خانہ میں مر گیا' تو وہ شہید ہے اور جس کو حق کلمہ کی وجہ سے

مارا گیا اور وہ اسی ضرب سے مارا گیا' تو وہ بھی شہید ہے۔"

اب ہم دنیا کی حکومتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر چہار طرف ظالم حکام مسلط ہیں۔ قوت والوں نے کمزوروں کو غلام بنا رکھا ہے۔ قانون آسمانی نافذ نہیں ہے۔ عدل اور انصاف بالکل مفقود ہے۔ ظالم حکام کے اشاروں سے غریب طبقہ کے حقوق پائمال کئے جا رہے ہیں۔ غریب محنتی لوگ اپنا خون پانی ایک کر کے جو دولت کماتے ہیں' اس کو ظالم حکام طرح طرح کی زیادتیوں اور قسما قسم حیلوں سے لوٹ لیتے ہیں اور اس کو اپنی عیش پسندیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ جب حاکم خود بد عمل اور خواہش پرست اور پرلے درجے کے بدکار ہیں' تو رعیت کی حفاظت اور اصلاح کیا کر سکتے ہیں۔ بمقولہ الناس علی دین ملوکھم۔ "کہ رعیت بھی بادشاہوں' حاکموں کے طریقہ پر ہو جاتی ہے۔" رعایا بھی ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا ہے' کہیں شراب کا زور اور کہیں زنا کے اڈے ہیں' کہیں جوا عام ہے اور کہیں رشوت اور خیانت کا بازار گرم ہے۔ ہر طرف شرم وحیا کے خلاف کارستانیاں ہو رہی ہیں۔ شرعی احکام سے استہزا کیا جا رہا ہے اور قانون اسلام کی تکذیب کی جا رہی ہے اور قانون انسانی کو قانون اسلامی پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ الغرض راعی اور رعایا سب احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر کے حدود الٰہی سے متجاوز ہو رہے ہیں۔ جب تک کہ حکومت اسلامی قائم ہو کر قانون کتاب وسنت نافذ نہ ہوں گے' ہرگز ہرگز حکام اور رعایا اصلاح پر نہ ہو سکیں گے۔ پس تمام مسلمانوں کو متفقہ طور پر اسلامی قانون نافذ کروانے کی جدوجہد کرنی چاہئے' ورنہ جب تک قانون کفر ملک پر مسلط ہے اجتماعی طور پر تمام قوم کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمام خاص وعام بالخصوص علماء کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ موجودہ حکومت سے پرزور مطالبہ کریں کہ وہ جلد سے جلد آئین اسلامی نافذ کر کے ملک میں ہر قسم کے فساد اور گناہ سے امن قائم کرے۔

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللّٰہ۔ (وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

عبدالقادر عارف حصاری عفی عنہ

اہلحدیث سوہدرہ

جلد۔۴' شمارہ۔۴۳' ۴۴ مورخہ۔۱۹' ۲۴ نومبر سنہ۔۱۹۵۲ء

اسلام روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے پاس امانت الٰہی ہے

حکام و رعایا کو اس کے ادا کرنے اور نبھانے کا حکم

واضح ہو کہ زمین کے تمام ادیان اختراعیہ و مذاہب محدثہ کے مقابلہ میں اسلام ایک ایسا دین ہے جو عین حق اور صواب ہے جس کی بابت قرآن ناطق ہے "ان الدین عند اللہ السلام" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا اور مقبول دین اسلام ہے اس کے مقابلہ میں جس قدر ادیان ہیں خواہ وہ مجموعی طور پر کتنی ہی کثرت سے ہوں درگاہ الٰہی میں سب مردود ہیں۔ چنانچہ قرآن اس پر یوں ناطق ہے "ومن یبتغ غیرالاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین○ یعنی جو شخص چاہے سوائے اسلام کے دیگر دین پس وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص قیامت کے دن خسارہ میں رہیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز عدالت الٰہی میں اعمال پیش ہوں گے۔ نماز آئے گی اور کہے گی' اے رب میرے میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا "انک علٰی خیر" کہ تو بہت بہتر اور بھلائی پر ہے۔ پھر صدقہ خیرات آئے گا وہ کہے گا میں صدقہ ہوں ارشاد ہو گا کہ تو بھی خیر پر ہے۔ پھر روزہ آئے گا کہے گا میں روزہ ہوں۔ اس کو بھی یہ فرمان ہو گا کہ تو بہتر اور خیر پر ہے۔

اسی طرح سب اعمال آتے جائیں گے اور ان کو بھی یہی جواب ملتا جائے گا۔ پھر اسلام آئے گا اور کہے گا' اے پروردگار میرا نام سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ آج کے دن میں تجھ سے ہی لین دین' حساب کتاب مخلوقات کا کروں گا' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی جو مذکور ہے۔ اس آیت اور حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ اسلام سچا دین ہے اور قیامت کے روز اسی کو حساب کا معیار بنا کر کھڑا

کیا جائے گا۔ اس لیے آج اسلام کو سمجھنا اور اس کی تعلیم حاصل کرنا اور اس پر پابند ہو کر رہنا فرض ہے۔

عربی لغت میں لفظ اسلام جو عربی زبان کا ہے' دو معنی پر استعمال ہوتا ہے۔ اول معنی یہ ہے کہ گردن جھکانا' انقیاد فرماں برداری کرنا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کو ارشاد فرمایا "اسلم" تو میرا مطیع اور فرماں بردار ہو جا۔ تب انہوں نے کہا "اسلمت لرب العالمین" کہ میں پروردگار کا فرماں بردار ہو گیا۔

چنانچہ جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم ہوا اور باپ بیٹے نے حکم الٰہی کی تعمیل پر باہم مشورہ کیا اور حکم کی بجا آوری کی تو ارشاد الٰہی یوں ہوا **"فلما اسلما وتله للجبین ونادیناہ ان یاابراھیم○ قد صدقت الرویا انا کذالک نجزی المحسنین"**○ یعنی جب دونوں حکم الٰہی سے مطیع ہوئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایا تو ہم نے پکارا' اے ابراہیم تو نے سچا کر دکھایا خواب والے حکم کو۔ تحقیق ہم اسی طرح اپنے حکم کی تعمیل کرنے والوں کو آزمائش کے بعد جزا دیتے ہیں۔

اس قصہ میں ایک تو ہمارے لیے عبرت حاصل کرنے کا سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی خواہ وہ کتنا ہی مشکل ہو کہ جان' اولاد اور مال قربان کرنا پڑے تو تعمیل کرنا واجب ہے۔ دوسرا یہ ظاہر ہوا کہ اسلام کا معنی گردن جھکانا اور فرماں بردار ہونا ہے جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام فرماں بردار ہوئے۔

شریعت الٰہی میں اور کتاب و سنت کے محاورہ کی رو سے اسلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام اور اسلام کے لوازم کا زبان سے اقرار کر لے۔ اس ارادہ سے کہ میری جان' مال اور اولاد محفوظ ہو جائے اور اہل اسلام مجھے اسلام لانے سے مسلمانوں میں شمار کر لیں۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے **"قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا"** یعنی گنوار لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ دیکھ کر یہ کہا کہ ہم ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ باطنی حقیقت کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم فرمایا کہ ان سے یہ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (کیونکہ تمہارا ظاہر باطن یکساں نہیں ہے) یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے۔

ایسوں کو دنیا میں مسلمان کہا جاتا ہے کیونکہ بظاہر خدا اور رسول کو مان کر اسلام کے تابعدار ہیں اور باطن میں منکر ہیں۔ ان کا امتحان احکام شریعت اور اسلام کے مشکل کاموں کو بجا لانے کے وقت ظاہر ہوتا ہے یہ منافق ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے اقرار کے ساتھ دل میں بھی خدا اور رسول اور ان کے احکام کی صداقت اور حقانیت قائم ہو اور اعتقاد واثق ہو۔ عمل کے وقت بھی ان احکام کی تعمیل کرے اور جانی و مالی قربانی سے دریغ نہ کرے اور کٹھن سے کٹھن حکم پر جانبازی دکھائے اور قضا و قدر کے آگے بھی گردن جھکائے' تب وہ سچا مسلمان ہے۔

قرآن ناطق ہے "من یؤمن بایاتنا فھم مسلمون" یعنی جو لوگ ہماری آیتوں پر دلی یقین رکھتے ہیں وہ حکم بردار ہیں۔ سورہ حجرات کے آخر میں ارشاد ہے "انما المؤمنون الذین امنوا باللّٰہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ اولئک ھم الصادقون" یعنی سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کے پھر شک نہ کیا خدا اور رسول میں اور ان کے احکام میں اور جہاد اور کوشش کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے ساتھ مالوں اور جانوں کے وہ سچے مومن ہیں۔

سورہ انفال میں یوں ارشاد ہے "فاتقوا اللّٰہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللّٰہ ورسولہ ان کنتم مؤمنین" یعنی ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے اور صلح کرو اور درست کرو معاملے آپس کے اور فرماں برداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی اگر تم دعویٰ میں سچے ہو۔ یعنی مومن ہو تو عمل کر کے دکھاؤ کیونکہ عمل ایمان قلبی کا شاہد ہے۔

من ادعیٰ شیئا بلا شاھد
لابد ان تبطل دعواہ

بنی اسرائیل نے دعویٰ کیا کہ ہم مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بے عملی پیش کر کے یہ کہا "فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ من قبل ان کنتم مؤمنین" اگر تم مومن تھے تو انبیاء اللہ کو' احکام سن کر قتل کیوں کیا؟

اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال میں مومنوں کی یہ تعریف فرمائی ہے جیسے سورہ حجرات کی

آیت میں سچے مومنوں کی تعریف گزر چکی ہے۔ یہاں یہ فرمایا "انما المومنون الذین اذا ذکراللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون○ الذین یقیمون الصلوٰة ومما رزقنھم ینفقون○ اولئک ھم المؤمنون حقا لھم درجات عند ربھم ومغفرة ورزق کریم" یعنی سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہ ہیں کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں دل ان کے اور جب ان پر آیات الٰہی پڑھی جائیں تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ اور توکل رکھتے ہیں اور وہ لوگ نماز کو ہمیشہ قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو مال دیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرتے ہیں' یہ لوگ وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ حق کے' واسطے ان کے اللہ تعالیٰ کے پاس درجے بلند ہیں اور رزق ہے کرامت والا۔"

ان آیات سے ثابت ہوا کہ مومن اور مسلمان وہ ہے جو ظاہر و باطن میں فرماں بردار ہے اور احکام خدا و رسول اور قرآن و حدیث کی اطاعت کرتا ہے۔ حقوق الٰہی اور حقوق عباد کو ادا کرتا ہے۔ آج اس دور ضلالت میں ایسے مسلمان بہت کم پائے جاتے ہیں' صرف نام کے مسلمان بکثرت ہیں اور نام کے مومن بہت ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے "وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الا وھم مشرکون" یعنی اکثر لوگ ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر حقیقت میں وہ لوگ مشرک ہیں۔

مشکوٰة میں حدیث آئی ہے "عن علی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لایبقیٰ من الاسلام الا اسمہ ولا یبقیٰ من القران الا رسمہ مساجدھم عامرة وھی خراب من الھدی علماؤھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنة وفیھم تعود" (مشکوٰة کتاب العلم) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس وقت اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا (عمل نہ ہو گا) اور قرآن بطور رسم کے پڑھا جائے گا (اس کے احکام پر عمل نہ ہو گا) مساجد اس زمانہ کی بظاہر آباد نظر آئیں گی اور حقیقت میں وہ خراب ہوں گی کہ ہدایت وہاں نہ ہو گی اور علماء اس زمانہ کے بدترین خلائق ہوں گے' انہی سے فتنے نکلیں گے (کہ وہ فرقہ فرقہ ہو جائیں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے) اور انہی میں وہ فتنے لوٹیں گے (کہ ظالموں کو اللہ ان پر

مسلط کر دے گا)

چنانچہ دور حاضرہ میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے کہ لوگ نام کے مسلمان ہیں۔ اوامر و نواہی اسلام کے احکام سے بالکل غافل ہیں اور مسجدیں خوب مزین اور خوبصورت ہیں لیکن ان میں شرک و بدعات اور دنیا کی باتیں اور جھگڑے جاری ہیں اور علماء شر نے گمراہیوں سے فتنے برپا کر رکھے ہیں اور سب فرقہ فرقہ ہو کر باہم مجادلہ کرتے ہیں اور قرآن خوب لحن اور طرز سے پڑھتے ہیں۔ تجوید کا رواج اکثر درس گاہوں میں ہے کہ حروف کو اور الفاظ کو خوب حلق پھاڑ کر ادا کیا جاتا ہے۔ قرآن خوانی مدرسوں' خانقاہوں اور گھروں میں بہت جاری ہے لیکن قرآن کے معانی اور امرونواہی سے غافل ہیں

ے فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

یہود و نصاریٰ کی طرح بعض مسائل شرعیہ کو جو ان کی خواہشات اور رسم و رواج کے مطابق ہوتے ہیں' مان لیتے ہیں اور جو خلاف ہیں ان سے روگردانی کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" کہ تم بعض احکام کتاب الٰہی کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

تب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا "یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین" یعنی اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور تم شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو کہ وہ تمہارا قطعی دشمن ہے۔

اس آیت میں حتی الوسع تمام احکام اسلام پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ پس اب جو بعض مسائل کو مانتے ہیں اور بعض سے اعراض اور بعض کا کتمان حق کرتے ہیں یہ شیوہ یہودیت ہے۔ کامل مومن وہ ہے جو حسب طاقت پورے قرآن پر عمل کرے ورنہ مومن نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں "لایؤمن احدکم حتٰی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (مشکوٰۃ) یعنی کوئی تمہارے میں سے اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اپنی نفسانی خواہشات کو شریعت کے تابع نہ کر دے جو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے لے

کر آیا ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا' بایں طور کہ سب احکام پر عمل کیا' آگ میں جانا منظور کیا' وطن چھوڑا' بیٹا قربانی میں پیش کیا' بیت اللہ کی تعمیر کی' احکام الٰہی نماز' حج وغیرہ سب بجا لائے' اسی کا نام اسلام ہے۔

عہد نبوی میں کئی فرقے تھے ہر ایک ان میں سے اپنی حقانیت اور جنت میں جانے کا مدعی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو یہ فرمایا "**تلک امانیهم**" کہ یہ سب ان کے خیالی پلاؤ ہیں۔ ان سے یہ کہہ دو "**هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين**" اگر تم اپنے دعووں میں سچے ہو تو ان کے ثبوت کے لیے عقلی اور نقلی دلائل پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے صداقت اور نجات آخرت کا یہ اصول بیان فرمایا ہے **بلٰی وھو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولاهم يحزنون**" یعنی جن لوگوں نے اپنی ذات کو اللہ کے تابع کر دیا اور وہ نیکیاں کرنے والے ہیں' واسطے ان کے ہے ثواب ان کے عملوں کا پاس اللہ کے اور نہیں ہے ان پر ڈر اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

اسلام کا دوسرا معنی اور اس کی تفصیل ⇦ لغت کی مشہور کتاب بیان اللسان کے ص۔۴۳ میں اسلام کا معنی یہ لکھا ہے "گردن جھکانا۔" اور فارسی لغت میں یوں لکھا ہے "گردن نہادن بر حکم خدا و رسول" کہ اللہ رسول کے حکم کے سامنے اپنی گردن رکھ دینا۔ یہ معنی اصطلاحی ہو گیا۔ اس کی پہلے تفصیل آچکی ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے "کام کسی کو سپرد کرنا" اس معنی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین انسان کے سپرد کیا ہے اور اس کو بذریعہ اپنے فرشتہ جرائیل علیہ السلام کے انبیاء کرام پر نازل فرمایا ہے جو آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں محفوظ چلا آیا ہے۔ امت محمدیہ پر وہ اسلام بطور امانت بذریعہ جرائیل علیہ السلام جناب نبی اکرم ﷺ کے سپرد کیا گیا ہے جو قرآن و حدیث میں محفوظ عہد نبوی سے اہل اسلام کے پاس چلا آرہا ہے۔

یہ امانت ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھائی تھی۔ وہی ان کی اولاد کے پاس مسلسل چلی آرہی ہے' اس کے اعتقادی احکام و مسائل تو وہی چلے آرہے ہیں۔ اعمال انبیاء کی شرائع میں ہر زمانہ کے لوگوں اور حالات کے پیش نظر رد و بدل

ہوتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اسلام کو کامل اور مکمل کر دیا اور قیامت تک اس کے احکام اعتقادی اور عملی جامع اور عالمگیر ہیں۔

قرآن ناطق ہے **"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"** یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور یہ نعمت روحانی تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے میں نے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔

قرآن کریم میں اس اسلام کو جو انسان کے لیے پسند کیا گیا ہے امانت قرار دے کر ان کے سپرد کیا ہے۔ چنانچہ سورہ احزاب پارہ۔۲۲ میں اس آیت شریفہ میں اس کا ذکر ہے **"انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا"** یعنی ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے معذرت پیش کر کے انکار کر دیا اور اس کے اٹھانے' نبھانے سے ڈر گئے۔ انسان نے اس کو اٹھا لیا' اس میں کوئی شک نہیں انسان بے ترس اور نادان ہے۔

جملہ سلف صالحین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد اسلام اور احکام شرعی کی تکلیف ہے۔ جناب شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی موضح القرآن میں اس آیت پر یوں رقم طراز ہیں:

> "امانت کیا ہے؟ پرائی چیز اپنی خواہش کو روک کر رکھنی۔ آسمان زمین وغیرہ میں اپنی خواہش کچھ نہیں یا ہے تو وہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے۔ اس پرائی چیز (یعنی حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کا قصور پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہی حکم ہے کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلہ دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو کچھ نہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ اسلام' قرآن' سنت نبوی' امت محمدیہ کے پاس اللہ اور اس کے رسول کی امانت ہیں۔ ان کی حفاظت اور ادائیگی سب مسلمانوں پر فرض ہے اور ان میں

خیانت کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر ج۔۳' ص۔۵۲۲ میں رئیس المفسرین ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امانت سے مراد احکام الٰہی کی طاعت اور فرائض الٰہی (نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ) مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ وہ ان کو ادا کریں۔ اگر پورے طور پر ان کو ادا کریں گے تو ثواب پائیں گے اور اگر ضائع کریں گے تو عذاب اور سزا پائیں گے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی عظمت کے پیش نظر معذرت کر دی کہ ہم ان کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر اس دین اور طاعت امر الٰہی کی امانت کو پیش کیا اور یہ کہا کہ تم اس امانت کو اٹھا لو "فان اطعت غفرت لک وان عصیت عذبتک" اگر تم میری اطاعت کرو گے اور احکام اسلام کو بجا لاؤ گے تو تجھے بخش دوں گا اور اگر نافرمانی کرو گے تو عذاب کروں گا۔

حضرت آدم علیہ اسلام نے "قبلت" کہہ دیا کہ مجھے آپ کی اطاعت اور احکام کی بجا آوری قبول ہے۔ پس اس کے بعد عصر سے لے کر رات تک کے قلیل وقت میں حضرت آدم علیہ السلام سے نافرمانی صادر ہو گئی۔ (کہ جس درخت کے پھل کھانے سے روکا تھا وہ کھا گئے) اسی طرح دیگر سلف صالحین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ کسی نے غسل جنابت کا ذکر کیا' کسی نے نماز روزہ وغیرہ فرائض الٰہی مراد لیے' کسی نے مطلق طاعت اور دین وغیرہ مراد لیا۔

امام حافظ ابن کثیر نے تمام اقوال کے پیش نظر یہ تطبیق دی ہے "کل ھذہ الاقوال لاتنا فی بینھا بل ھی متفقۃ وراجعۃ الی انھا التکلیف وقبول الاوامر والنواھی بشرطھا" یعنی ان اقوال صحابہ و تابعین وغیرہم میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے' سب کا مآل اور معنی ایک ہی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو تکلیف شرعیہ کے ساتھ قبول کر لیا اور ان کے بجا لانے کی شرط کو منظور کر لیا اور وہ یہ شرط تھی "وھو انہ ان قام بذالک اثیب وان ترکھا عوقب فقبلھا الانسان علی ضعفہ وجھلہ وظلمہ الا من وفق اللہ وباللہ المستعان" یعنی وہ شرط الٰہی یہ تھی کہ اگر ان حدود اور فرائض الٰہی کو قائم رکھا تو جزا و ثواب دیا جائے گا اور اگر ترک کر دیا اور نافرمانی کی تو سزا دیا جائے گا۔

انسان نے باوجود اپنے ضعف اور جہل اور ظلم کے اس تکلیف الٰہی کو قبول کر لیا۔ اب اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے تو وہ نباہ سکتا ہے' اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ جب اس امانت الٰہی سے مراد اسلام اور اس کے احکام ہیں تو اب تمام روئے زمین کے انسانوں کو جو اولاد آدم ہیں لازم ہے کہ اس امانت کو ادا کرنے اور سنبھالنے اور نباہنے کی کوشش کریں۔ قرآن ناطق ہے "**لیس للانسان الا ماسعیٰ**" کہ انسان کو اسی چیز کی جزا یا سزا ملے گی جو وہ کوشش کرے گا۔ جنہوں نے اسلام کی پابندی کی اور اس کے احکام کو بجا لائے' ان کو اللہ تعالیٰ حساب کے دن یہ فرمائے گا "**کان سعیکم مشکورا**" کہ دنیا میں جو تم نے اسلام کی حفاظت کی اور اس امانت کو ٹھیک ادا کر دیا ہے' تمہاری اس کوشش کی آج قدر کی جائے گی اور اس کے شکریہ میں تم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما کر تمام جنتیوں میں یہ اعلان کر دے گا "**کلوا واشربوا هنیا بما کنتم تعملون**" کھاؤ پیو بدلے اس چیز کے کہ تم دنیا میں ہمارے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔

اس لیے آج تمام انسانوں خصوصاً مسلمانوں سے یہ گزارش ہے کہ اسلام کی امانت کی نگرانی کریں اور اس کے احکام کی پابندی کریں۔ اگر غفلت میں عمر گزار دی اور اسلام کو پس پشت ڈال کر اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کی تو پھر قیامت میں جہنم کی سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**فاذا جات الطامة الکبریٰ یوم تذکر الانسان ماسعیٰ**" کہ جب بڑی آفت آگئی تو انسان اپنی کوشش کو یاد کرے گا' دوزخ اور حساب کتاب کا معائنہ کر کے کہے گا "**یقول یلیتنی قدمت لحیاتی**" کاش کہ میں اپنی عمر میں نیک عمل کر کے اپنی دائمی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیج دیتا —— لیکن یہ افسوس کچھ کام نہ آئے گا۔ آج ہی اس امانت الٰہی کو ادا کرو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (ترجمہ) "تحقیق اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے تم کو اس بات کا کہ پہنچا دو تم امانتیں حقدار مالکوں کی طرف اور جب تم کو حکومت ملے تو تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرو اور تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو خوب اچھی نصیحت کرتا ہے اور تمہاری باتوں کو سننے والا ہے اور تمہارے اعمال اور حالات کو دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کو لوگوں پر حکومت امارت مل جائے تو وہ امانت تکبرو غرور' عیش و آرام کرنے اور لوگوں کے اموال حاصل کرنے اور اترانے کے لیے نہیں ہے بلکہ احکام الٰہی نافذ کرنے اور لوگوں کے مقدمات و تنازعات میں عدل و انصاف سے فیصلے کرنے کے لیے ملی ہے' اس کا قیامت کو حساب لیا جائے گا۔ حدیث میں ہے "کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ" کہ تم سب حاکم ہو اور سب ہی اپنے ماتحت اور رعایا کے بارہ میں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث میں ہے کہ ابوذر صحابی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کا کوئی کام طلب کیا تو آپ نے ان سے فرمایا "انھا الامانة وانھا یوم القیامة ندامة" یہ حکومت امانت ہے اور قیامت کے دن بہت بڑی ندامت کا سبب ہو گی۔

میں کہتا ہوں کہ ہماری حکومت ملک پاکستان کی اسمبلی نے ماہ مارچ سنہ ۴۹ء میں ۱۲ تاریخ کے اجلاس میں یہ قرارداد پاس کی تھی کہ جو ہم کو اقتدار ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے۔ اقتدار کی اس مقدس امانت کو حکومت پاکستان حدود اللہ کی (جو قرآن و حدیث میں ہے) پابندی کرتے ہوئے استعمال کرے گی۔ اس مقدس امانت کو استعمال کرنے والے پاکستان کے عوام کے اپنے چنے ہوئے ہوں گے۔ یہ نمائندے حکومت کا سارا انتظام جمہورت کے اصول کی تشریح کے مطابق چلائیں گے۔

پاکستان کی قانونی بنیادیں آزادی مساوات اور اجتماعی عدل کے اصولوں کی اس تشریح پر رکھی جائے گی جو اسلام کی طرف سے کی گئی ہے۔ حکومت پاکستان مسلمانوں کو زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں قرآن و سنت کے سارے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے کی ذمہ دار ہو گی۔ یہ خلاصہ اس روئداد کا ہے جو حکومت اسمبلی نے پاس کی۔ کیا حکومت نے اس مقدس امانت کو ادا کیا؟ ملک کے باشندگان اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ امانت اب تک ادا نہیں کی گئی حالانکہ بحکم قرآن "اوفوا بالعھد" کہ عہد کو پورا کرو۔ یہ عہد پورا کرنا فرض تھا پس عدم ایفا کی صورت میں قرآن یوں ناطق ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بڑے غضب کی ہے کہ جو کہو اس پر عمل نہ کرو۔" اب بھی حکومت سے گزارش ہے کہ عہد کو پورا کرے۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد۔۵۵' شمارہ۔۳' ۴' ۵' ۶

حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے

حقائق کی روشنی میں

سنہ ۱۹۴۷ء میں انقلاب عظیم ملک ہندوستان میں پیدا ہوا۔ اس سے پہلے انگریز کی حکومت قائم تھی۔ اس وقت ملک میں دو قومیں آباد تھیں۔ اہل اسلام اور کفار ہند۔ پھر ان دونوں قوموں نے متفقہ طور پر جدوجہد کر کے انگریز حکومت سے آزادی حاصل کی۔ بہت سی قربانیاں دے کر پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس میں آئین اسلام کتاب و سنت کی رو سے جاری کرنے کا وعدہ کیا گیا اور اسلام پر اس کی بنیاد رکھی گئی کہ پاکستان میں آئین اسلام اور نظام مصطفیٰ نافذ کیا جائے گا۔ اس آئین اور نظام کی اطاعت بموجب حکم اللہ اور رسول اور اجماعی معاہدہ کے تمام اہل اسلام پر فرض عین ہے۔ قیام پاکستان کو تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ علماء اسلام ہمیشہ یہ مطالبہ کرتے رہے کہ پاکستان کی بنیاد اسلام پر رکھی گئی ہے۔ اس لیے اس ملک میں آئین اسلام مرتب کر کے نافذ کرنا ضروری ہے۔ اس سے انکار اسلام اور ملک پاکستان سے غداری ہے۔

سنہ ۱۹۴۷ء سے لے کر سنہ ۱۹۷۷ء تک ملک کی صدارت اور وزارت جن کو ملتی رہی ہے' وہ سب انگریزی داں اور علوم شریعت قرآن و حدیث سے ناواقف تھے۔ ان کا ملک پر تسلط ہوتا رہا وہ زبانی وعدے کرتے رہے کہ آئین اسلام ضرور نافذ ہو گا لیکن یہ کام آہستہ آہستہ ہو گا کیونکہ ایک تو اسلام میں فرقہ بندی ہے اور دوسرا باشندگان پاکستان کی نئی آبادی ہے' یک لخت آئین اسلام سے گھبرا جائیں گے۔ پہلے ان کو آئین اسلام سے مانوس کر لیا جائے۔ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔ بلآخر علماء کے اصرار پر دستور ساز اسمبلی کے اراکین اور حکومت نے ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۹ء کے اجلاس میں یہ قرارداد پاس کر دی کہ "پاکستان کو جو اقتدار ملا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے۔ اقتدار کی اس مقدس امانت کو حکومت

پاکستان حدود اللہ (احکام کتاب و سنت) کی پابندی کرتے ہوئے استعمال کرے گی۔ اس مقدس امانت کو استعمال کرنے والے پاکستان کے عوام کے اپنے چنے ہوئے نمائندے ہوں گے۔ یہ نمائندے حکومت کا سارا انتظام جمہوریت کے اصول کی اس تشریح کے مطابق چلائیں گے جو اسلام نے پیش کی ہے۔ پاکستان کی قانونی بنیادیں آزادی' مساوات اور اجتماعی عدل کے اصولوں کی اس تشریح پر رکھی جائے گی جو اسلام کی طرف سے کی گئی ہے۔ حکومت پاکستان مسلمانوں کو زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں کتاب و سنت کے سارے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے کی ذمہ دار ہو گی۔"

اور اس قرارداد اور معاہدہ کو بھی بیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے' کوئی عمل نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ملک کا اقتدار مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ہاتھ آگیا تو انہوں نے اپنا اثر جما کر سوشلزم کا فتنہ قائم کر دیا جو سراسر آئین اسلام کے خلاف اور متضاد ہے۔ اس پر گذشتہ انتخاب کے موقعہ پر علمائے اسلام نے کفر کا فتویٰ عائد کیا تھا جن کی تعداد ۱۴۴ بتائی گئی ہے۔ اب پھر انتخاب کا موقعہ آیا ہے تو اس کفر کو اختیار کرنے والی پارٹی جو پیپلز پارٹی کہلاتی ہے' آئین اسلام سے صریحاً انکار کر رہی ہے جس نے اپنے جلوسوں میں اسلام مردہ باد کا نعرہ لگایا جو بلاشبہ کفر حقیقی ہے۔ جس نے اسلام سے باغی ہو کر اہل اسلام کا مقابلہ کیا' لڑائیاں اور فساد برپا کئے' بہت سے مسلمانوں کو ہلاک اور زخمی کیا اور تیس ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر کے ملک کے جیل خانوں میں بند کئے رکھا۔ یہ پارٹی اپنی دھاندلیوں کی وجہ سے برسر اقتدار آگئی تھی اور اس نے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی میں اپنی جابرانہ حکومت قائم کر لی تھی۔

علماء اسلام اور جمہور اہل اسلام نے اس حکومت کو یکسر مسترد کر کے اس کا بائیکاٹ کر دیا اور اس حکومت کے خلاف ملک میں تحریک جاری ہوئی اور بھٹو شاہی ختم ہو کر رہ گئی۔ پیپلز پارٹی علماء اسلام کی توہین کرتی ہے جیسے کہ بھارت کے ہندوؤں نے اسلام اور اہل اسلام کی توہین کر کے قتل عام کیا۔ ایسے ہی پیپلز پارٹی نے اپنا پروگرام بنا رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے آئین کا جو ڈھانچہ تیار کیا ہے' اس میں احکام قرآن نہیں ہیں۔ بعض مسائل جو ان کی خواہشات کے موافق ہیں' ان کو مانتے ہیں اور جو خلاف ہیں' ان کے منکر ہیں۔

قرآن کریم پارہ ۶' رکوع ۱ یہ ارشاد الٰہی ہے: ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا اولئک ھم الکفرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا

مھینا۔ یعنی "یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بعض احکام قرآن کو مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ ہم نے ان کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔"

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام ایک سچا دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ جیسے ارشاد ہے ان الدین عند اللّٰہ الاسلام - اس دین کے علاوہ سب دین مردود ہیں۔ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ومن یتبغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرۃ من الخاسرین یعنی جو شخص اسلام کے ماسوا کوئی دین تلاش کرے گا وہ خسارہ پانے والوں میں شمار ہو گا۔ سوشلزم اسلام کے علاوہ دوسرا دین ہے جو مردود ہے۔ جس کو پیپلز پارٹی نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام و قوانین کے خلاف اپنا آئین تیار کر کے اس پر ملک کے فیصلے کریں گے' یہ کفر ہے۔

چنانچہ سورہ مائدہ پارہ-۶ میں یہ فرمان الٰہی وارد ہے ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکافرون۔ یعنی "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے خلاف اپنے اختراعی قانون پر فیصلے کریں گے وہ کافر ہیں۔" اس آیت میں تہدید ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ آئین کے خلاف فیصلے کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے خارج اور کافر ہیں۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی اطاعت کا نام ہے۔ پس جنہوں نے اسلام کو مردہ کہا' انہوں نے اسلام کی توہین کی ہے اور قانون الٰہی سے انکار کیا۔

قومی اتحاد کا نعرہ اسلام زندہ باد کا مطلب یہ تھا کہ اسلام کا قانون حق اور صحیح ہے۔ اس کو ہم نافذ کریں گے جس سے اسلام زندہ ہو گا اور وہ ملک میں پھیلے گا اور جو مردہ کہتے ہیں وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں کہ مردہ چیز نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ اس سے ملک پاکستان ہی مر جائے گا جس نے اسلام کے نام سے جنم لیا تھا۔ پس پیپلز پارٹی اسلام اور پاکستان کی دوست نہیں۔ جو اس کو مٹا کر سوشلزم لانا چاہتی ہے اور لوگوں کو کفر کی دعوت دیتی ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ پاکستان سے اس کا جمہوری طریقہ سے جنازہ نکال دیا جائے۔ انہوں نے اسلام اور علماء کرام کی صریح توہین کی ہے۔ اسلام اور علماء کرام کی توہین کفر ہے۔ کیونکہ یہ قرآن اور انبیاء خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین ہے۔

چنانچہ شرح فقہ اکبر کے ص ۲۰۹ میں ہے۔ (ترجمہ) "یعنی جس شخص نے کسی دینی حکم کی

بناء پر علماء کی توہین کی تو وہ کافر ہوا کیونکہ علماء کی توہین عین انبیاء کی توہین ہے۔" کیونکہ علماء انبیاء کے وارث اور مبلغ ہیں' خود احکام شرعیہ کو وضع اور ایجاد نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے کفر کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ ایک مقام پر اہل اسلام نے حلوہ پوری کھائی جو بروئے شریعت اسلامیہ حلال و طیب ہے۔ ان کے مقابلہ میں پیپلز پارٹی نے شراب نوشی شروع کر دی کیونکہ اسلام شراب کو حرام قرار دیتا ہے۔ انہوں نے قرآن کی حرام کردہ چیز کو حلال بنا لیا' یہ کفر ہے۔ ان کے قائد نے خود اقرار کیا کہ علماء شراب کو روکتے ہیں اور میں شراب پیتا ہوں۔

شرح فقہ اکبر ص-۱۹۷ میں ہے کہ قدامہ بن عبداللہ نے شراب حرام ہونے کے بعد نوش کی اور دیگر بعض لوگوں نے بھی پی لی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ ذکر ہوا تو حضرت عمر اور حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اگر وہ شراب کے حرام ہونے کا اعتراف کریں تو ان کو شرعی تعزیر درے لگائے جائیں اور اگر انہوں نے حلال جان کر نوش کی تو ان شراب نوشوں کو قتل کیا جائے کیونکہ شراب حرام کو حلال جان کر پینا کفر ہے اور کافر کی سزا قتل ہے کہ وہ مرتد ہو گیا۔

چنانچہ شرح فقہ اکبر ص-۱۹۶ میں ہے۔ (ترجمہ) اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے واجبات کا انکار کیا جو صاف ظاہر اور متواتر ہیں یا اس نے محرمات ظاہرہ کا انکار کیا جو متواتر چلی آتی ہیں تو ایسے شخص سے فوراً توبہ کرائی جائے گی۔ اگر توبہ کر جائے تو بہتر ورنہ اس کو کافر و مرتد قرار دیا جائے۔

قرآن ناطق ہے ان الحکم الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے۔ جو کسی غیر کا حکم جاری کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے ولا یشرک فی حکمہ احدا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک نہیں کرتا۔ اب جو شخص شریک کرے گا وہ مشرک ہو گا۔

شعبہ نشرواشاعت جماعت اسلامی پاکستان نے ایک کتاب بنام "دستوری سفارشات اور ان پر تنقید و تبصرہ" شائع کی تھی۔ جس کے ص-۱۴۹ میں یہ لکھا ہے کہ "۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پاس کی گئی۔ "قرارداد مقاصد" چونکہ تمام کائنات کی بادشاہی صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے اور چونکہ وہ اقتدار ایک مقدس امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باشندگان پاکستان کے ذریعہ ریاست پاکستان کو اس لیے سونپا کہ وہ اس اقتدار کو

اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کے اندر استعمال کرے۔ لہٰذا یہ دستور ساز اسمبلی باشندگان پاکستان کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے آزاد و خودمختار ریاست اکستان کے لیے ایک ایسا دستور بنانے کا فیصلہ کرتی ہے۔

(الف) جن میں ریاست اپنے اقتدار و اختیارات کو باشندوں کے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے گی۔ (ب) جس میں پوری جمہوریت' آزادی' مساوات' رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر اسلام کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ (ج) جس میں مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کی ان تعلیمات و مقتضیات کے مطابق منظم کر سکیں جو قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہیں۔ پھر اس قرارداد کی تشریح حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی نے خوب بیان کی ہے جن کو سات نمبروں میں لکھا گیا ہے۔

(۱) بادشاہی کے جملہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہیں (جو قرآن و حدیث میں درج ہیں) یعنی پاکستان میں حاکمیت باشندگان ملک کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(۲) پاکستان کی حکومت کو جو اقتدار ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے اور اس کی طرف سے ایک مقدس امانت ہے۔ یہ بعینہ وہی مفہوم ہے جس کے لیے قرآن میں خلافت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

(۳) اقتدار کی یہ مقدس امانت حکومت پاکستان کو اس لیے سونپی گئی ہے کہ وہ اسے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرے۔ دوسرے الفاظ میں اگر حکومت اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے باہر قدم نکالے تو وہ خیانت کی مرتکب ہے۔ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حدود اللہ کی پابند ہو کر رہے۔

(۴) اقتدار کی یہ امانت حکام پاکستان کو براہ راست نہیں سونپ دی گئی بلکہ باشندوں کے توسط سے سونپی گئی ہے اور باشندگان ہی اس کے مجاز ہیں کہ اس امانت کو اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے سپرد کریں۔

(۵) یہ نمائندے حکومت کا سارا انتظام جمہوریت کی اس تشریح کے مطابق چلائیں گے جو اسلام نے پیش کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہاں جمہوریت کا نظام نہیں بلکہ خلافت راشدہ کا نظام اختیار کیا جائے گا۔

(۶) پاکستان کے ملکی قانون کی بنیادیں آزادی' مساوات اور اجتماعی عدل کے اصولوں کی اس تشریح پر رکھی جائیں گی جو اسلام نے پیش کی ہیں- نہ اس تشریح پر جو انگلستان' امریکہ یا روس میں اختیار کی گئی ہے-

(۷) حکومت پاکستان مسلمانوں کو اس قابل بنانے کی ذمہ دار ہو گی کہ وہ زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا کر سکیں یعنی یہ حکومت وہی فرائض انجام دے گی جو ایک اسلامی حکومت کے فرائض ہیں یعنی محض تماشائی نہ ہو گی- وہ محض سابق انگریز حکومت کی طرح روادارنہ نہ ہو گی- وہ مسلمانوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑے گی کہ جس طرح چاہیں اپنی صواب دید کے مطابق کام کرتے رہیں بلکہ ایجابی طور پر اس کا یہ فریضہ ہو گا کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرے- انہی باتوں کو دیکھ کر مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اسلامی حکومت کے قیام کا جو وہ مطالبہ کر رہے تھے' اسے مان لیا گیا ہے- اور یہ مسلمانوں نے خود ہی نہیں سمجھ لیا بلکہ ہمارے حکمران لیڈروں نے بھی اپنی تقریروں اور بیانوں میں ہم کو یقین دلایا کہ اس قرارداد میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور غیر مسلموں کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ اس قرارداد پر جو اسلامی ریاست قائم ہو گی' اس میں ان کے حقوق بالکل محفوظ ہوں گے- اس طرح یہ بات پبلک اور لیڈروں کے درمیان متفق علیہ ہو گئی کہ اب یہاں اسلامی حکومت قائم ہو گی-

مولانا کی اس تشریح اور قرارداد مقاصد سے یہ ثابت ہوا کہ اصل حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے- اس میں غیر کی حکومت قائم کرنا اور اس کا قانون چلانا شرک ہے- چنانچہ قرآن ناطق ہے: ام لھم شرکٰؤا شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللّٰہ- (پارہ ۲۵' سورہ شوریٰ) یعنی "کیا ان لوگوں نے ایسے شریک اپنے لیے ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لیے بغیر حکم اللہ کے شریعت بنا دیں-" شریعت کے احکام اور قوانین مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے- وہ بذریعہ اپنے رسول ﷺ کے احکام نافذ کرتا ہے- چنانچہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی شریعت کا نظام قائم کر دیا ہے- اس کا نافذ کرنا ضروری ہے- دوسرا نظام قائم کرنا کفر ہے- اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ ارشاد فرمایا ہے ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکافرون- (سورہ مائدہ پارہ ۶) "کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ آئین پر حکم اور فیصلے نہ کریں گے بلکہ اپنے اختراعی قانون اور رائے سے فیصلے کریں گے وہ

اسلام سے خارج کافر ہیں۔"

چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ نے اپنی کتاب مذکور کے ص-۱۵۱ پر یہ عنوان لکھا ہے "اسلامی حکومت کیا چیز ہے" پھر یہ لکھا ہے کہ اسلامی حکومت کی اولین بنیاد قرآن مجید میں یہ بیان ہوئی ہے۔ یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ (الایۃ) یعنی "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان حکمرانوں کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارا آپس میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت میں چار اہم دستوری نکتے ارشاد ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت مقدم ہے اور اولی الامر کی اطاعت ان کے بعد۔ دوم یہ کہ اولی الامر صرف وہی ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں میں سے ہوں۔ ایک غیر مسلم اسلامی حکومت میں کارکن تو ہو سکتا ہے مگر کارفرما اولی الامر نہیں ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ پبلک کو حکام سے نزاع کا حق حاصل ہے۔ افراد کو بھی اور مجموعی قوم کو بھی حکام کی بے چون و چرا اطاعت کا حق نہیں پہنچتا۔ یہ حق صرف اللہ اور رسول کے لیے خاص ہے۔ چہارم یہ کہ جب پبلک اور حکام کے درمیان نزاع ہو تو اس کا فیصلہ کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق ہونا چاہیے یعنی اصل فیصلہ قانون الٰہی ہے' نہ کہ کوئی انسانی قانون۔ یہ چار نکتے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ طرز عمل اختیار کرو یعنی اگر تم یہ عمل اختیار نہیں کرتے تو نہ تم مسلمان ہو نہ تمہاری حکومت اسلامی ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ مولانا مودودی صاحب کا یہ بیان بالکل صحیح ہے۔ پس اس بیان کی رو سے پیپلز پارٹی اور ان کے چیئرمین کی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہے۔ ایک تو ان میں یہ چار حکم نہیں پائے جاتے' دوسرا فریب کاری اور دھاندلیوں سے یہ حکومت جابرانہ تیار کی گئی ہے۔ تیسرا عوام' اہل اسلام اور علماء کرام اور لیڈر اس قوم کو تسلیم نہیں کرتے۔ چوتھا یہ کہ انہوں نے ملک میں فسادات قائم کر کے ملک کو تباہ کر دیا۔ بیشمار مسلمان شہید اور زخمی اور گرفتار کر لیے گئے۔ پس پیپلز پارٹی کے قائد اور اس کے اراکین کی حکومت اسلامی نہیں تھی۔ جس کی اطاعت پاکستان کے باشندگان اہل اسلام پر واجب نہیں بلکہ گناہ ہے۔ یہ گروہ

قرآن، آئین اسلام، نبی سلطان اور علماء، خلفاء انبیاء کی سخت توہین کر رہا ہے اور جو آئین اسلام اور قرآن اور احکام نبی سلطان کی توہین کرے وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟

عبدالقادر عارف حصاری۔

ہفت روزہ الاسلام لاہور جلد-۳، شمارہ-۳۶، ۲۷ مورخہ ۱۰ و ۱۷ رمضان سنہ-۱۳۹۷ھ

مقدمات قتل کا شرعی فیصلہ

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔ (المائدہ) "جو کوئی مار ڈالے ایک شخص کو ناحق' تو گویا مار ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے بچا لیا ایک شخص کو' تو گویا بچا لیا اس نے سب لوگوں کو۔" نیز سورۃ النساء آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ "جو شخص کسی مومن کو قتل کرے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا اور اس پر لعنت ہو گی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

واضح ہو کہ حقوق دو قسم کے ہیں' ایک حقوق اللہ ہیں' جیسے نماز۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کی پرسش اور حساب ہو گا۔ (ترغیب وترہیب) دوسرے وہ حقوق ہیں' جو حقوق العباد ہیں' جیسے کسی کو ناحق یعنی بے گناہ قتل کرنا۔

نیز صحیحین کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب سے پہلے قتل کے مقدمات کا فیصلہ فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ) قتل من وجہ حقوق اللّٰہ سے ہے۔ اور من وجہ حقوق العباد سے۔ بعض احادیث میں یہ ثابت ہے کہ شرک باللہ کے بعد اس کو کبیرہ گناہ شمار کیا گیا ہے کہ کسی بے گناہ کو قتل کیا جائے۔ (کتاب الکبائر للذہبی) ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا وما فیہا کا تباہ و برباد ہو جانا اتنا سنگین نہیں' جتنا کسی مسلمان کا قتل کرنا۔ (ترغیب وترہیب' متعدد احادیث)

دیگر حدیث میں یہ آیا ہے کہ بالفرض اگر تمام اہل آسمان و اہل زمین کسی ایک مسلمان کو متفق ہو کر قتل کر دیں' تو اللہ تعالیٰ ان تمام اہل آسمان اور اہل زمین کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ (ترغیب وترہیب میں متعدد احادیث) نیز حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے قتل میں' کلمہ اقتل سے آدھا لفظ بول کر صرف "اق" کہہ دے' تو وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس حال میں پیش ہو گا کہ اس کی پیشانی پر یہ الفاظ لکھے ہوں گے کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ (ترغیب بحوالہ سنن' ابن ماجہ)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ کسی مومن مسلمان کا قتل کرنا حقوق اللہ سے ہے اور من وجہ حقوق العباد سے بھی ہے کہ قاتل ایک قبیلہ کے شخص کی جان ضائع کر دیتا ہے' اس

لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً۔ "کہ جو شخص ظلم سے مارا جائے' تو ہم نے اس کے وارثوں کے لیے اختیار دلایا ہے' تو اس کو چاہیئے کہ خون میں زیادتی نہ کرے' کیونکہ واجبی بدلہ لینے میں اس کی مدد کی جائے گی۔"

اس آیت کی تفسیر میں ہی لکھا ہے کہ قاتل کے سوا دوسرے کو نہ مارا جائے' یا ایک کے بدلہ میں دو نہ مارے جائیں' جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو شریح خزاعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو خون ہو جائے یا خطرناک حالت میں پایا جائے اور پھر مر جائے' تو وارثوں کے لیے تین راستے ہیں' جو چوتھا راستہ اختیار کرے' تو اس کو روکو۔ ایک یہ اختیار ہے کہ قاتل کو قتل کر دے' دوسرا یہ کہ اس کو معاف کر دے' تیسرا یہ کہ اس سے دیت خون بہا لے کر اس کو چھوڑ دے۔ ان طریقوں کے علاوہ کوئی چوتھا اختیار کرے' تو وہ زیادتی کر رہا ہے' اس کے لیے ہمیشہ کے لیے جہنم تیار ہے۔ (مشکوٰۃ) اس حدیث اور آیت سے یہ ثابت ہوا کہ قتل کا جرم حقوق العباد میں شمار ہے۔

حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ وارثان مقتول کی رضامندی کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فیصلہ جرم قتل کا صادر کر سکیں نہ رحم کرنے کا اختیار ہے اور نہ سزائے موت کو کسی دوسری سزا سے بدلنے کا اختیار ہے۔ پس اس صورت میں تو محمد احمد خاں قصوری کے مقدمہ قتل کے بارے میں جب ہائی کورٹ کے فل بنچ کے ججوں نے سزائے موت کا فیصلہ متفقہ طور پر صادر کر دیا ہے اور اس کو مقتول کے وارثوں نے تسلیم کر لیا ہے' تو بروئے اصل شریعت یہی فیصلہ نافذ ہونا واجب ہے' نہ اس میں غیر ملکوں کی سفارشات کو ماننا بروئے آئین اسلام جائز ہے اور نہ سپریم کورٹ کے ججوں اور صدر مملکت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس شرعی فیصلہ کو تبدیل کر سکیں' کیونکہ یہ وارثان مقتول کا حق ہے' جس کو وہ بصورت قصاص تسلیم کر چکے ہیں۔ پس سزائے موت کے حکم کو جلد سے جلد نافذ کرنا چاہیے' تاکہ وارثان مقتول کو ان کا حق جلد مل جائے' جو شدت سے اس حکم کے نافذ ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ عرض بروئے آئین اسلام حکومت کی خدمت میں پیش کی گئی ہے' امور حکومت میں دخل اندازی ہرگز مقصود نہیں' وما علینا الا البلاغ۔

عبدالقادر عارب الحصاری

الاعتصام لاہور جلد ۲۹' شمارہ ۳۹ مورخہ ۱۹ جمادی الاول سنہ ۱۳۹۸ھ

شریعت الٰہی کے خلاف قانون بنانے والے کون ہیں

مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی کا فتویٰ

آج کل ممالک اسلامیہ میں مدعیان اسلام شریعت الٰہی کے خلاف قوانین مرتب کر کے نافذ کر رہے ہیں۔ اس لیے تمام اہل اسلام کو اس کا شرعی حکم معلوم کر کے اس پر عقیدہ و عمل رکھنا واجب ہے۔ آج کل کے علمائے کرام میں سے نہیں بلکہ علمائے سابقین میں سے حضرت مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ بمع سوال و جواب نقل کرتے ہیں۔ اس پر تمام اہل اسلام رعایا و حکام کو بنظر عمیق غور فرما کر عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ **واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم** (عارف)

(سوال) چار پانچ شخص جو سرکار انگریزی میں باعزت اور باوقار ہیں' انہوں نے شرع کے خلاف قانون بنایا ہے۔ اہل اسلام کو ایسے قانون کا قبول کرنا درست ہے یا نہیں اور وہ لوگ ایسا قانون بنانے کی وجہ سے کافر ہو گئے یا نہیں؟ اور اوقاف اسلام جیسے مساجد' مقابر وغیرہ سے حق جاتا رہا یا نہیں اور ان کے جنازوں کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

(جواب) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "**ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکفرون**" (جس نے قرآن کے موافق حکم نہ دیا وہ کافر ہے) اور فرمایا ہے "**ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الفسقون**" (جس نے قرآن کے موافق حکم نہ کیا وہ فاسق ہے) اور فرمایا ہے "**ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الظلمون**" (جس نے قرآن حکیم کے موافق حکم نہ دیا وہ ظالم ہے")

پس اہل اسلام کو ایسے قانون کو قبول کرنا جو شرع کے خلاف ہو' حرام ہے اور جو اس قانون پر عمل کرے گا اس کا گناہ قانون بنانے والے کی گردن پر ہو گا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے "**من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا ووزر من عمل بھا**" (جس نے کوئی بری بات ایجاد کی اس کو اس بری بات کے ایجاد کرنے کا اور اس بری بات پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہو گا)

اور قانون بنانے والوں نے اگر شرعی قانون کو برا جانا اور شرعی قانون کے ساتھ

راضی نہ ہوئے اور اس کو خلاف مصلحت اور غیر کافی تصور کیا تو کافر ہو گئے۔ ان کے جنازے کی نماز پڑھنا اور مسجد و مقابر میں ان کو شریک رکھنا اور ان کی دعوت کرنا یا ان کی دعوت میں جانا اور ان کے یہاں شادی و غمی میں شرکت کرنا مسلمانوں کو درست نہیں ہے اور اگر انہوں نے قانون شرع کو برا نہ جانا' تو اگرچہ کافر نہیں ہوئے مگر بہت بڑے فاسق ہوئے۔

اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان سے مجالست ترک کریں اور شادی و غمی میں ان کے یہاں شرکت نہ کریں تاکہ وہ اپنے اس فعل سے توبہ کریں۔ (فتاویٰ عبدالحی ج-۲' ص-۲۰۳)

اس فتویٰ سے ظاہر ہوا کہ شرع کے خلاف قانون بنانا جائز نہیں ہے اور نہ منازعت اور خصومت میں غیر شرعی قانون پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن بصورت مجرم پیش ہوں گے۔ دنیا میں ان کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کی دعوت قبول کرنا جائز ہے نہ سلام و مصافحہ کرنا جائز ہے اور نہ ان کی شادی و غمی میں شریک ہونا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور شرعی قانون بنانے اور اس کے جاری کرنے کی توفیق دے' آمین۔

حررہ بندہ عبدالقادر الحصاری

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد-۱۶' شمارہ-۴۵' مورخہ ۸ر مئی سنہ-۱۹۶۴ء

استفتاء بابت استصواب رائے عامہ

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ استفسارات ذیل کے :

(ا) استصواب رائے عامہ میں مطلب پرست امیدواروں کے چناؤ کے سلسلہ میں مقام انتخاب پر مہمات انتخاب یعنی رائے دہی کی نگرانی یا انتظام یا کسی قسم کی امداد کرنا شریعت حقہ کی رو سے کیسا ہے، جبکہ رائے دہندگان کی بڑی تعداد زر خرید ہوتی ہے، یا جھوٹے وعدوں میں الجھائی جاتی ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں بالعموم انتخاب لڑنے والے چناؤ کے زمانے میں وعدوں کی بارش کر دیتے ہیں اور پھر ان کے وعدے نقش وفا کی طرح بے معنی رہتے ہیں۔

(۲) ایسے مطلبی افسران کے بارے میں شریعت محمدی کیا حکم دیتی ہے، جو سر رشتہ ہائے دیگر (غیر متعلقہ) کے حکام بالا کی خوشنودی طبع حاصل کرنے یا کسی وقت ذاتی مفاد پانے کے لالچ میں اپنے ماتحت عملہ سے تخویف یا تحریص کے احکام صادر کر کے دھاندلی کے انتخاب میں بالجبر کام لیں یا بصورت دیگر برخواستگی یا معطلی کی دھمکی دیں۔ (ننگ اسلاف اعجاز احمد علوی عفی عنہ)

جواب (ا۔۲) : اندریں حالات متقی شخص کو اجتناب کر کے گوشہ نشیں رہنا چاہیے، حدیث میں ہے : فاعتزل تلک الفرق کلھا۔ کہ تمام شر و فساد کے فرقوں اور گروہوں سے الگ رہو اور ایک حدیث میں ہے کہ فتنوں کے وقت اپنے گھر یا مسجد کو لازم کر لو اور یہ بھی ہے کہ جنگلوں میں رہائش کرو، بہرصورت مطلب یہ ہے کہ ایسے گناہوں یا گناہ گاروں سے کنارہ کش رہو۔ ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری بالقلم

فتاویٰ ستاریہ جلد چہارم، ص۔ ۱۵۴، ۱۵۵

انتخاب کا صحیح طریقہ

ہے وہی مسلم جو ہو پابند قرآن و حدیث
ہے وہی کافر جو ان دونوں سے بیگانہ ہے
دین و مذہب سے تعلق نام کو بھی کچھ نہیں
کوئی ہے ابلیس ان میں اور کوئی شیطانہ ہے

معزز ناظرین! السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

ہم باشندگان پاکستان خدائے مہربان کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے کفر کی غلامی سے خلاصی دے کر اسلامی آزادی بخشی۔ الحمداللہ' لیکن ہمارے بزرگان ملت اور ماہرین سیاست نے حصول پاکستان اور اس کی آزادی کا صحیح مقصد یہ بیان کیا تھا۔ "کفر سے آزاد ہو کر دین و دنیا کے ہر کام کو اسلام کی روشنی میں انجام دینا۔" چنانچہ ہماری دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۹ء کو اپنی قرارداد میں پاکستان کو خالص اسلامی ملک بنانے اور مسلمانوں کو ان کی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں کتاب و سنت پر چلانے کا قطعی فیصلہ کر دیا تھا اور یہ کہہ دیا تھا کہ پاکستان کی حکومت کو جو اقتدار ملا ہے' یہ اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے' اس امانت کو استعمال کرنے والے پاکستانی عوام کے اپنے چنے ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ اب انتخاب کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب ہر ایک پاکستانی مسلمان کا یہ فرض ہے کہ جو نمائندہ منتخب کرے' اس کا انتخاب بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں ہو' نہ نفسانیت سے ہو' نہ لحاظ سے ہو' نہ لالچ سے ہو اور نہ کسی کے رعب داب سے ہو اور انتخاب کے وقت مندرجہ ذیل ارشادات خدا اور رسول کو مدنظر رکھا جائے۔

(۱) فرمایا آنجناب ﷺ نے کہ ان لا نولی علی ھذا العمل احدا سالہ ولا احدا حرص علیہ۔ یعنی "ہم خدا کی قسم ایسے شخصوں کو اس حکومت کے کام پر مقرر نہیں کریں گے' جو اس کو مانگ کر لیں' یا اس کی حرص ظاہر کریں۔" پس روپے' طمع' خوشامد سے ووٹ لینے والے کو ووٹ نہ دیں۔

(۲) فرمایا : یقودکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا لہ واطیعوا۔ "کہ جو رہنما' نمائندہ اللہ کی کتاب پر چلائے اس کا حکم مانو اور سنو۔" پس ووٹ اس کو دیں جو قرآن و حدیث کا ماہر ہو

اور قرآن وحدیث پر چلائے۔

(۳) عن ابی الدردآء قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العلمآء خلفاء الانبیاء۔ (رواہ البزار) "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے خلیفے ہیں۔" پس ان کو ووٹ دیں جو نبیوں کے وارث ہیں۔

(۴) فرمایا : اتبعوا العلماء فانھم سرج الدنیا ومصابیح الاخرۃ۔ "علماء کی پیروی کرو' وہ دنیا اور آخرت ہر دو جہانوں کے چراغ ہیں۔" پس ووٹ ان کو دیں جو دونوں جہانوں کے چراغ ہیں' دین ودنیا میں بصیرت رکھتے ہیں۔

(۵) فرمایا : اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ "نااہل کو ووٹ دینا قیامت کی بری علامت ہے۔"

(۶) عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من استعمل رجلا من عصابۃ وفیھم من ھو ارضی للّٰہ منہ فقد خان اللّٰہ ورسولہ والمومنین۔ (رواہ الحاکم) یعنی "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کسی ایسے شخص کو حکومت کے کام پر لگایا کہ اس سے بہترین شخص اور موجود تھا' جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند تھا' تو ان لوگوں نے اللہ اور رسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی۔"

قرآن میں ہے : ان اللّٰہ یحب المتقین۔ "اللہ تقویٰ والوں کو دوست رکھتا ہے۔" وعلموا ان اللّٰہ مع المتقین۔ "جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔" انما یتقبل اللّٰہ من المتقین۔ "اللہ تعالیٰ متقین کی کاروائی قبول کرتا ہے۔" ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔ "اللہ کے نزدیک وہ مکرم ومعزز ہے' جو بہت متقی اور پرہیزگار ہے۔" اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی سوسائٹی کے نظام میں اور اس کے آداب و قوانین میں ان قاضیوں' والیوں' نمائندوں کو انتخاب کرنا چاہیے' جو علم وتقویٰ رکھتے ہوں۔ ظالموں' غداروں' حرام خوروں اور بے دینوں' ملحدوں کا انتخاب کرنا ناجائز ہے۔

(۷) قرآن شریف میں ہے : ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکافرون۔ یعنی "جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین پر فیصلہ نہ کریں' وہ کافر ہیں۔" پس قرآن وحدیث پر فیصلہ کرنے کا عہد کرنے والوں کو ووٹ دیں' قرآن وحدیث کے خلاف فیصلہ کرنے والوں کو ووٹ نہ دیں کہ وہ کافر ہیں اور کافروں' بے دینوں کو ووٹ دینا جائز نہیں۔

(۸) قرآن شریف میں ہے :ولا ترکنو الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ یعنی "ظالموں کی طرف نہ جھکو' ورنہ تم کو جہنم رسید کیا جائے گا۔" ظالموں غداروں کو ووٹ نہ دیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اقیموا الصلٰوۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ "نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔" پس بے نماز کو ووٹ نہ دیں کہ وہ مشرک ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو دیدہ دانستہ نماز چھوڑ دے وہ کافر ہے' صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا بے نماز کافر ہے۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعن اللّٰہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینھما۔ "اللہ تعالیٰ نے رشوت دینے اور لینے والے اور دلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔" پس رشوت خور ملعون مردود کو ووٹ نہ دیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔ پس ان دس ہدایات کے خلاف ووٹ دینے والے اللہ اور رسول کے دین کے خائن ہوں گے۔ فرمایا : یایھا الذین اٰمنوا لاتخونوا اللّٰہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون۔ "اے مسلمانو! اللہ اور رسول اور مسلمانوں سے خیانت نہ کرو' حلانکہ تم سب جانتے ہو۔" وما علینا الا البلٰغ۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہلحدیث جلد۔۳۱' شمارہ۔۲ بمطابق ۱۵ محرم سنہ۔۷۰ ۱۳ھ

موجودہ انتخابات میں اسلامی ہدایات

فرمان الٰہی یآایھاالذین اٰمنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجوا بالبر والتقوٰی واتقوا اللّٰہ الذی الیہ تحشرون۔ (سورہ مجادلہ) "اے ایمان والو! جب تم الگ ہو کر ایک دوسرے سے بات چیت اور مشورہ کرو' تو گناہ' زیادتی' رسول کی نافرمانی کی بات نہ کرو' نیکی اور تقویٰ کی باتوں کے مشورے کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' جس کی طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے۔"

حضرات اہل اسلام! یہ ملک کی خوش نصیبی ہے کہ ہماری دستور ساز اسمبلی نے مورخہ ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۹ء کو ایسی قرارداد پاس کر دی ہے' جس میں پاکستان کو ایک خالص اسلامی ملک بنانے کا قطعی فیصلہ ہو گیا ہے۔ اس قرارداد مقاصد میں جو باتیں ملک کے باشندگان کے لیے واضح کر دی گئی ہیں' ان کو اپنے ذہن میں رکھ کر عملی قدم اٹھانا ہر خاص وعام کا اولین فریضہ ہے۔

قرارداد مقاصد کے امور ضروریہ : (۱) بادشاہی کے سارے اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔ (۲) پاکستان کی حکومت کو جو اقتدار ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس امانت ہے۔ (۳) اقتدار کی مقدس امانت کو حکومت پاکستان حدوداللہ (احکام قرآن وحدیث) کی پابندی کرتے ہوئے استعمال کرے گی۔ (۴) اس مقدس امانت کو استعمال کرنے والے پاکستانی عوام کے اپنے چنے ہوئے ہوں گے۔ (جنہیں وہ امانت کا اہل پا کر چنیں گے۔) (۵) یہ نمائندے حکومت کا سارا انتظام جمہوریت کے اصول کی اس تشریح کے مطابق چلائیں گے' جو اسلام نے پیش کی ہے۔ (۶) پاکستان کے قانون' ملکی بنیاد' آزادی' مساوات اور اجتماعی عدل کے اصولوں کی اس تشریح پر رکھی جائے گی' جو اسلام کی طرف سے کی گئی ہے۔ (۷) حکومت پاکستان مسلمانوں کو زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں کتاب وسنت (یعنی قرآن وحدیث) کے سارے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے کی ذمہ دار ہو گی' انتھٰی مخلصاً۔

حکام اور رعایا کے فرائض : اللہ تعالیٰ بادشاہ حقیقی مختار مطلق نے اپنی شریعت اور نازل کردہ قانون آسمانی کو جسے اس نے نوع انسانی کے سپرد کیا ہے' امانت کے لفظ سے تعبیر کیا

ہے۔ فرمایا : انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال الایة۔ یعنی "ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا' بے شبہ وہ ظالم اور نادان ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ پوری شریعت ایک الٰہی امانت ہے' جو ہم انسانوں کے سپرد ہوئی۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے حکم کے مطابق پورا پورا حق ادا کریں' اگر ہم ایسا نہ کریں تو خائن ٹھہریں گے۔ حکومت کے عہدے اور ہر منصب کو حدیث میں امانت قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کا کام طلب کیا' تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ تم ضعیف ہو : وانها امانة وانها یوم القیمة ندامة۔ "کہ یہ امانت ہے اور دن قیامت کے پشیمانی کا موجب ہے۔"

حسب حکومت شریعت امانت الٰہی کے اور حسب قرارداد مقاصد کے اب حکام پاکستان اور رعایا کا فرض ہے کہ اپنا اپنا حق ادا کریں۔ اب عام مسلمانوں اور حکام وقت کا اپنے متفقہ قومی اور ملی مصالح کے خلاف قدم اٹھانا ملت سے بددیانتی اور خیانت ہے۔ اس طرح دل میں کچھ رکھنا' زبان سے کچھ کہنا اور عمل سے کچھ اور ثابت کرنا بھی خیانت ہے۔ اسلامی اخلاقی شریعت میں ہر قسم کی خیانتیں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے : یآایها الذین اٰمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون۔ "اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں جان کر بددیانتی نہ کرو۔"

اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت یہ ہے کہ اقرار کر کے پورا نہ کیا جائے اور ایمانداری سے ان کے حکموں کی تعمیل نہ کی جائے اور دین وملت کے مصالح کے ساتھ غداری کی جائے۔ حدیث شریف میں منافقوں کی نشانیوں سے ایک نشانی یہ ہے کہ جو عہد کرتے ہیں' وہ پورا نہیں کرتے اور اگر ان کو امانت سپرد کی جائے' تو خیانت کریں گے' اس واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے : ان اللّٰہ یامرکم ان تودوا الامانات الٰی اهلها۔ یعنی "بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے حوالے کرو۔" مذکورہ بالا قرارداد مقاصد میں جو امور مذکور ہیں اس میں نمبر ۴ کا تعلق عام رعایا کے ساتھ ہے' باقی سب حکومت کے ذمہ ہیں کہ وہ ان امور کو شرعی نظریہ سے سرانجام دیں۔ ان کا شرعی نظریہ یہ ہونا چاہیے کہ

جن امور میں خدا نے ہمیں ہدایات دیں ہیں، ان میں اپنی قانون سازی نہ کریں، بلکہ اپنی ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے تفصیلی قوانین اخذ کریں اور جن امور میں اللہ تعالیٰ نے ہدایات نہیں دیں، ان میں یہ سمجھ لیں اللہ تعالیٰ نے خود ہی آزادی عمل بخشی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے : وما سکت عنہ فھو عفو۔ "کہ جس چیز کے بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، اس میں معافی ہے۔" لہٰذا ان امور میں ارکان حکومت باہمی مشورہ سے قانون بنانے کا حق رکھتے ہیں، لیکن ان قوانین میں بھی شرعی اصول اور ہدایات الٰہی کو مدنظر رکھنا پڑے گا، یعنی کسی قوم یا فرد پر ضرر، ظلم، عدوان کسی طرح روا نہ ہو گا اور کماحقہ حکومت کے کام کو سرانجام دینا ہو گا، ورنہ اس وعید شدید کے مستوجب ہوں گے جو اس حدیث میں وارد ہے : عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ما من امتی احد ولی من امر الناس شیئا لم یحفظھم کما یحفظ بہ نفسہٗ لم یجد رائحۃ الجنۃ۔ یعنی "ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے جو کوئی شخص لوگوں کے کسی کام پر کار مختار ہوا اور پھر اس نے لوگوں کے حقوق اور جانوں کی اس طرح حفاظت نہ کی جس طرح اپنے نفس کی نگرانی کرتا ہے، تو وہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔"

دوسری حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ ما من امام بات لیلۃ سوداء غاشا لرعیتہٖ الا حرم اللّٰہ علیہ الجنۃ۔ "کہ نہیں ہے کوئی بادشاہ، حاکم جس نے رعیتؓ کے ساتھ غداری کرتے ہوئے ایک رات بھی بسر کی، مگر یہ کہ اس پر جنت اللہ نے حرام کر دی۔"

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ بادشاہ اور ارکان حکومت اگر امانت الٰہی کو اور امانت رعایا کو پورے طور پر ادا نہ کریں گے، تو خائن اور غدار قرار دیئے جائیں گے اور جنت ان پر حرام ہو جائے گی۔ ایک اور حدیث میں ثابت ہے کہ وہ جہنم میں پھینکے جائیں گے، جس کی گہرائی میں پانچ سو برس تک نہیں پہنچیں گے۔

مسلمان ووٹروں کو ہدایات : حضرات! قرارداد مقاصد نمبر ۴ کی رو سے ظاہر ہے کہ ارکان حکومت کا انتخاب کرنا مسلمان رعایا کے ذمہ ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حکومت کو ظالم یا عادل، اچھی یا بری، اسلامی یا کفری، رحمانی یا شیطانی بنانا آپ کے اختیار میں

ہے۔ اگر آپ اپنے مشورے یا دونوں کے ذریعہ ظالموں' غداروں اور بڑے خائنوں' خوفناک ڈاکوؤں' لامذہبوں' اسلامی تعلیم سے بے خبروں' بدکرداروں کو منتخب کریں تو حکومت ایسی ہی ہو جائے گی اور اگر آپ علم داروں' مخلصوں' متقیوں' عادلوں' امانت داروں' مسلمانوں کے خیر خواہوں اور حق پرستوں کو منتخب کریں گے' تو حکومت بھی ایسی ہی ہو جائے گی۔ مشورہ دینے اور ووٹ دینے کی امانت آپ لوگوں کے سپرد ہے' اب آپ کے امتحان کا وقت آن پہنچا ہے' کھرے اور کھوٹے کی تمیز کرنا آپ کا فرض ہے' اگر آپ لوگوں نے خیانت اور بددیانتی کی قابلیت اور عدم قابلیت کو شرعی نقطہ نگاہ سے نہ دیکھا بلکہ برادری کے لحاظ سے یا روپیہ لے کر یا کسی کے دباؤ میں آکر یا کسی دوستانہ تعلق کی بنا پر ووٹ دیا' تو یہ خدا اور رسول اور تمام مسلمانوں سے غداری ہو گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے مشورہ کیا' تو آپ نے فرمایا کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے' اس کو امانت سپرد کی جاتی ہے۔

پس جن لوگوں کے ووٹ بن گئے ہیں وہ سب خدا اور رسول اور تمام مسلمانوں کی طرف سے امانتدار قرار دیئے گئے ہیں۔ اب ان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور اسلامی ہدایات کی رو سے اپنے اندر سے صالح ترین افراد کو اسلام اور ملک پاکستان کی خدمت کے لیے پسند کریں اور شرعی طور پر جو حکومت اسلامی کا اہل ہو' اس کو اپنا ووٹ دیں' اگر کسی نااہل کو آپ لوگوں نے ووٹ دے دیا اور وہ حکومت میں جا کر بدعملیاں اور مظالم کرنے لگا اور اسلام کے خلاف قانون تجویز کرنے لگا تو حکومت کی تمام ظالمانہ کارروائیوں کی ذمہ داری آپ لوگوں پر وارد ہو گی اور یہ گناہ جیسے ان لوگوں کو ملیں گے' ایسے آپ لوگوں کے اعمال نامہ میں درج کئے جائیں گے اور اول نمبر کے آپ لوگ خائن اور غدار قرار پائیں گے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے : عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استعمل رجلا من عصابتہ وبینھم من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہٗ والمومنین۔ (رواہ الحاکم) یعنی "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماعت میں سے جن لوگوں نے کسی ایسے شخص کو حکومت کے کسی ایسے کام پر لگایا کہ اس سے بہترین شخص اور موجود تھا' جو اللہ کو اس سے زیادہ پسند تھا' تو ان لوگوں نے اللہ اور رسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت

کی۔"

اور حدیث میں ہے: ومن اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ(ابوداؤد) "کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو ایسے امر کا اشارہ کیا جس میں یہ جانتا تھا کہ بھلائی اور فائدہ اس کام کے سوا دوسرے کام میں ہے تو اس نے اس کے حق میں خیانت کی۔"

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ناقابل اور نااہل کو ووٹ دینا خدا اور رسول اور عامہ مسلمین کے ساتھ بھی خیانت ہے اور اس نااہل اور نالائق کے ساتھ بھی خیانت ہے' کیونکہ اس کو ووٹ نہیں دینا چاہیے' بلکہ اس کو حکومت کے فرض کا ذمہ لینے سے روکنا چاہیے۔ جیسے آنحضرت ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو روکا کہ تو ضعیف ہے اور یہ حکومت کا کام امانت ہے جو قیامت کے دن تیرے لئے باعث ندامت ہو گا۔ پس نااہل لوگوں کو ووٹ دینا اور خدائی مقدس امانت سپرد کرنا' شرعاً حرام اور گناہ ہے۔

ناقابل امیدواروں کی علامات: عوام اہل اسلام کے لیے ایسے نااہل لوگوں کی علامات بتلائی جاتی ہیں' تاکہ ان کے ذریعہ ہر شخص ایماندار یہ معلوم کر سکے کہ یہ امیدوار نالائق ہے' ان کو ووٹ دینا نہ چاہیے' کیونکہ ظاہر میں خیرخواہ اور باطن میں بدخواہ' ظاہر میں ایماندار اور باطن میں منافق لوگ امیدوار بن کر نکلیں گے۔ مسلمان حضرات مندرجہ ذیل علامات سے ان کو جانچ لیں' پھر رائے دیں ورنہ مجرم ٹھہریں گے۔

(ا) حکومت لینے کے امیدواروں میں سب سے بری چیز یہ ہے کہ وہ کوئی عہدہ مانگ کر لیتے ہیں' یہ شرعاً ناجائز کام ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص مسلمانوں میں کوئی عہدہ مانگ کر لے' تو اللہ اس کی مدد چھوڑ دیتا ہے۔" پس کسی منصب کی خواہش کا اظہار اگر کسی شخص کی طرف سے ہو' تو وہ اللہ اور رسول کے دین کی نگاہ میں منصب کے لیے سب سے زیادہ نااہل ہے' یا تو وہ اس منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی حرص میں مبتلا ہے' یا اسے اس امانت کے بوجھ کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ مسلمانوں کے لیے نہایت مضر ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس لیڈر کی حمایت' مدد اللہ چھوڑ دے اور وہ ناجائز فائدہ کے حصول میں مبتلا ہو' یا اپنے منصب کی ذمہ داری کا بوجھ نہیں معلوم کر سکتا' وہ حکومت کے

قابل اور ہمارے لئے مفید کیسے ہو سکتا ہے؟ اس واسطے آنحضور ﷺ نے ان دو شخصوں کو جنہوں نے حکومت کے کسی منصب کا مطالبہ کیا تو یہ جواب دیا تھا : انا واللّٰہ لا نستعمل علٰی ھذا العمل احدا سالہٗ ولا احدا حرص علیہ۔ (مشکوٰۃ) ''کہ خدا کی قسم ایسے شخصوں کو اس کام پر مقرر نہیں کریں گے' جو اس کام کو مانگ کر لیں' یا اس کی حرص کریں۔'' جن امیدواروں کو لالچ ہو گا ان کے آثار یہ ہوں گے' اپنے آپ کو امیدوار بنا کر پیش کرنا اور لوگوں سے کہنا کہ مجھے انتخاب کرو' ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرنا' روپے دینا' ضیافتیں کرنا' اپنی تعریف وتوصیف کے اشتہارات شائع کرنا' بولنے والے مقررین کو کرایہ پر لانا' ان سے تقریریں کروا کر ثابت کرنا' برادری اور دوستانہ پارٹیوں کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنا وغیرہ۔ ایسے غلط طریقہ کے انتخابات میں دیگر شرعی نقصانات بہت ہیں۔ مثلاً روپیہ برباد کرنا' وقت ضائع کرنا' اپنے مدمقابل کے امیدوار کو ناقابل ثابت کرنے کے لیے اس کے عیوب کا تجسس کرنا اور عیب جوئی کرنا' ووٹروں میں باہم منافرت کا پیدا کرنا' ووٹ نہ دینے کی صورت میں کینہ' بغض' عداوت پیدا ہو جانا وغیرہ۔ پس ایسے امیدوار بن کر کھڑے ہونے والے کو ووٹ دینا ناجائز ہے۔

(۲) قرارداد مقاصد سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ حکومت اس مقدس امانت کو کتاب وسنت کی رو سے بنائے گی اور اس کے تقاضوں کو پورا کرے گی۔ پس جو کتاب وسنت اور اسلام کے نظام زندگی کا پورا علم رکھنے والے ہوں اور زمانہ حاضرہ کی سیاست سے بھی بخوبی ماہر ہوں ان کو ووٹ دیا جائے اور جو ہر دو پہلوؤں سے کورے ہوں' یا ان میں سے کسی ایک سے ناواقف ہوں تو ان کو ووٹ نہ دیا جائے۔ وہ نااہل ہیں' ان کو اگر ووٹ دیا گیا تو یہ امت رسول اللہ سے غداری ہے۔ شرعی رہنماء کا وصف حدیث شریف میں یوں وارد ہے : یقودکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا لہٗ واطیعوا۔ ''کہ جو رہنما تم کو کتاب پر چلائے اس کا حکم مانو اور سنو۔''

(۳) اسلامی حکومت کا انتظام چلانے میں ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ جس کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں' کیا وہ مسلمان ہے' اس کا عقیدہ اور اس کی عملی زندگی اور اس کا مذہب جانچ کر ووٹ دینا چاہیے۔ جس کارکن کی عملی زندگی خراب ہو وہ مسلمانوں کو مفید نہیں ہے۔

(۴) وہ سابقہ لیڈر جن کی عملی زندگی دنیائے اسلام پر روشن ہو چکی ہے' وہ اب تک

شراب نوشی، سودخوری، بے پردہ معاشرت، رشوت ستانی، بلیک مارکیٹ، اموال متروکہ کی لوٹ، ناجائز الاٹمنٹ، رقص و سرود کے عادی، مزدوروں اور ملازموں کی حق تلفی، مزارعین کی ایذا رسانی، پڑوسیوں کی دل آزاری، گندی سوسائٹی سے وابستگی، گناہ کبیرہ، جھوٹ، وعدہ خلافی، فریب دہی، اسراف، زناکاری وغیرہ ثابت ہو چکی ہوں ان کو ووٹ نہ دینا چاہیے، کیونکہ ان سے پہلے مسلمان کافی نقصان اٹھا چکے ہیں۔ اب دوبارہ ان کے فریب میں نہ آنا چاہیے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین۔ "کہ ایک سوراخ سے مومن دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا۔"

الغرض مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ خطرناک آدمیوں کو ووٹ نہ دینا چاہیے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: فمن سودہ قومہ علی الفقہ کان حیاۃ لہ ولھم ومن سودہٗ قومہٗ علی غیر الفقہ کان ھلا کالہٗ ولھم۔ یعنی "جس شخص کو اس کی قوم نے اس کے علم اور سیاسی فہم کی بنا پر اپنا رہنما بنایا، تو یہ سرداری اس شخص اور اس کی قوم کے لیے دونوں جہان میں مبارک زندگی ہے اور اگر قوم نے کسی جاہل اور بے عقل کو سرداری دی، تو اس شخص اور اس قوم کی ہلاکت اور تباہی ہے۔" لہٰذا قوم کو چاہیے کہ شرعی اصول سے کسی قابل شخص کا انتخاب کریں، نااہل کو منتخب کرنا قیامت کی بری علامات سے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اذا وسدا الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔

شرعی اصول انتخاب :

تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا وبینکم۔ قرارداد مقاصد سے ہمیں یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ حکومت کی بنیاد کتاب الٰہی پر ہو گی اور وہ اپنے اقتدار کو جو اللہ کی مقدس امانت ہے، حدود اللہ کی پابندی میں استعمال کرے گی، تو اب آئیے سیاسی رہنما کے لیے قرآن مجید سے دریافت کریں کہ اس کے انتخاب کا اصول کیا ہے؟ جو طریقہ ہمیں قرآن مجید سمجھائے وہی اصلی صحیح سچا اور انصاف پر مبنی ہے۔ تمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا۔ حضرت سمویل علیہ السلام کے عہد کا واقعہ ہے کہ جالوت کے مظالم دیکھ کر بنی اسرائیل کو ایک سیاسی رہنما کی ضرورت پیش آئی اور انھوں نے اپنے نبی سے یہ کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کریں، تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ سیاسی رہنما خود اپنے آپ کو پیش نہیں کیا کرتا، بلکہ قوم اسے انتخاب کیا کرتی ہے، یا قوم کا ذمہ دار جو اہل حل وعقد سے ہو، وہ انتخاب کرتا ہے۔

حضرت سمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کر دیا ہے' اس پر سرمایہ داروں نے اعتراض کیا کہ طالوت ہمارے اوپر بادشاہ کیسے بن سکتا ہے' وہ تو غریب اور ایک مفلس شخص ہے' جس کو مالی وسعت نہیں ہے۔ ہم ملک کے زیادہ حقدار ہیں' جو قومی اور مالی حیثیت اس سے بہتر رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ان سرداروں کے نزدیک لیڈری کے لیے سرمایہ داری اور قومی عزت شرط تھی' وہ عملی اور عقلی اور جسمانی قابلیت شرط نہ سمجھتے تھے۔ تب حضرت سمویل علیہ السلام نے فرمایا : ان اللّٰہ اصطفاہ علیکم وزادہٗ بسطۃ فی العلم والجسم۔ "کہ بے شک اللہ نے طالوت کو تم پر چن لیا ہے اور اس کو تمہاری نسبت علم اور جسمانی طاقت زیادہ بخشی ہے۔" یعنی طالوت اگرچہ غریب آدمی ہے' لیکن تمہارے پر اس کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ علم اور جسمانی طاقت میں تم سے بڑھ کر ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ بادشاہ علم شرعی رکھنے والا ہو اور ہوشیار' معاملہ فہم' دور اندیش' قوی بہادر' شجاع ہو' ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔ پس میونسپل کمیٹیوں' اسمبلیوں اور دیگر محکموں کے لیے جو نمائندے منتخب ہوں' ان کے لئے علم اور جسمانی قوت کو مدنظر رکھا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عادل ہو' قرآن میں ہے : واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ "کہ تم جب لوگوں کے درمیان حکم کرو تو عدل سے کرو۔" اور حدیث میں ہے : وحکموا للناس کحکمھم لانفسھم۔ "کہ لوگوں کے لیے اس طرح حکم کیا کریں' جس طرح اپنے نفسوں کے لیے دوسروں سے منصفانہ حکم چاہتے ہیں' یا اپنے نفسوں کے لیے اپنا حکم بہتر جانتے ہیں۔" حدیث میں ہے کہ تمہارے میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز دوست نہ رکھے جو خود اپنے لئے چاہتا ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی قربانیوں پر خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا : انی جاعلک للناس اماما۔ "کہ میں تمہیں لوگوں کا رہنما بنانے والا ہوں۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے اس منصب کا تقاضا کیا اور درخواست دی : ومن ذریتی۔ اے میرے آقا! میری اولاد کو بھی اس منصب سے سرفراز فرمایئے۔ تب عدالت الٰہی سے یہ حکم سرزد ہوا : لا ینال عھدی الظالمین۔ "کہ یہ منصب ظالموں کے لائق نہیں ہے۔" جس کا مطلب صاف ہے کہ جو تمہاری طرح عقیدہ توحید اور علم و عمل رکھنے والا ہو گا اس کو یہ منصب مل سکے گا

اور وہ اس کا حق دار ہے۔ اس طرح سیاسی رہنما کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مرد ہو، عورت مسلمانوں کی سیاسی، شرعی رہنما نہیں بن سکتی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ فارس کے رہنے والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ تجویز کر لیا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ۔ "کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنے کام کا عورت کو سردار بنائے۔" (راوہ بخاری) بس اس شرط کے مطابق کسی قابل شخص کو ووٹ دینا چاہیے۔

<u>حکام وقت اور افسران کو ہدایت شرعیہ :</u> حکومت پاکستان کو جو اقتدار حاصل ہے وہ شرعاً اور حسب قرارداد مقاصد اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس امانت ہے، اس کو احکام شرعیہ کے مطابق استعمال کریں اور مندرجہ ذیل وعید شرعی کو مدنظر رکھیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے : من ولی عشرۃ فحکم بینھم بما احبوا او بما کرھوا جیئنی بہٖ مغلولۃ یدہ فان عدل ولم یرتش ولم یحف فک اللّٰہ عنہ وان حکم بغیر ما انزل وارتشی وجافٰی فیہ شدت یسارہ الی یمینہ ثم امر بہ فی جھنم فلم یبلغ قعرھا خمس مائت عام۔ (رواہ الحاکم) یعنی "آنحضور ﷺ نے فرمایا! جو شخص دس آدمیوں پر بھی حاکم ہوا اور اس نے ان کے درمیان کسی نزاع کا فیصلہ کیا جس پر وہ خوش ہوئے، یا ناراض ہوئے، تو اس حاکم کو عدالت الٰہی میں اس حال میں پیش کیا جائے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوں گے۔ پس اس نے اگر عدل کیا ہو گا اور رشوت لے کر ظلم اور بے انصافی نہیں کی ہو گی، تو اس کو رہا کر دیا جائے گا اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (قرآن و حدیث) کے بغیر فیصلہ کیا ہو گا اور رشوت لے کر کسی کی طرف داری کی ہو گی، تو اس کا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے ساتھ مضبوط باندھ کر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، جس کی گہرائی میں وہ پانچ سو برس تک بھی نہیں پہنچے گا۔" (نعوذ باللّٰہ منھا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الرشوۃ فی الحکم کفر وھی بین الناس سحت۔ (طبرانی) "کسی حکم کے نافذ کرنے میں رشوت لینا کفر ہے اور وہ حرام ہے۔" ایک اور حدیث میں وارد ہے : عن یزید بن ابی سفیان قال قال لی ابوبکر الصدیق حین بعثنی الی الشام یا یزید ان لک قرابۃ عسیت ان توثرھم بالامارۃ ذالک اکثر ما اخاف علیک بعد ما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کن ولی امیر المومنین شیئا فامر

علیهم احدا محاباة فعلیه لعنة الله لا یقبل الله منه صرفا ولا عدلا حتی یدخل جهنم۔ یعنی ”یزید بن ابی سفیان نے کہا کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ملک شام کو بھیجا تو یہ ہدایت کی کہ اے یزید! تمہاری لوگوں سے رشتہ داری اور قرابت ہے‘ تم ان کو ملازم کرنے اور حکومت دینے میں دوسرے لوگوں پر ترجیح نہ دینا‘ زیادہ تر تمہاری بابت مجھے اس بات کا خطرہ ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نافذ فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی محکمہ میں حاکم ہوا اور اس نے مسلمانوں پر کسی شخص کو لحاظ داری اور تعلق داری سے ملازم اور حاکم مقرر کر دیا‘ تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرض اور نفل کوئی عبادت قبول نہ کرے گا‘ یہاں تک کہ اس کو جہنم میں ڈال دے گا۔“

اس واسطے ہر موجودہ حاکم کے دل میں اس وعید شدید کا خوف ہونا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ حکام اور رعایا کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق بخشے‘ آمین۔ والسلام

حررہ ابو الشکور عبدالقادر عارف مہاجر حصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہلحدیث جلد۔۳۰‘ شمارہ۔۳‘ ۴‘ ۵ بمطابق ربیع الاول‘ ربیع الثانی‘ جمادی الاول سنہ۔۱۳۶۹ھ

نیز اہلحدیث سوہدرہ جلد۔۲‘ شمارہ۔۱۲ یکم و ۸ جنوری سنہ۔۱۹۵۰ء

منکرین آئین اسلام

عرصہ ہوا ایک فتویٰ ایک سو تیرہ علماء اسلام کی طرف سے اس مسئلہ پر شائع ہوا تھا کہ سوشلزم اور دیگر لادین نظریات جو قوانین اسلام اور شرعی حکومت قائم کرنے کے خلاف ہیں' یہ کفر بواح ہے اور ان کی حمایت کرنا اور اس میں شامل ہو کر ان کا تعاون کرنا حرام اور موجب کفر ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت اور کتاب و سنت پر ایمان اور عقیدہ صحیح تھا' انہوں نے تو اس فتویٰ شرعیہ کو تسلیم کر کے آمنا و صدقنا کہہ دیا اور وہ صراط مستقیم پر قائم ہیں اور اسلامی حکومت قائم کرنے پر اپنی جان و مال کا ایثار کریں گے اور اس مقابلہ کو جہاد فی سبیل اللہ جان کر سعی جمیل سے کام لیں گے اور جن لوگوں کے پہلے ہی عقائد فاسد اور خیالات باطل تھے اور ان کے دلوں پر ابلیس لعین کا پورا پورا تسلط تھا' وہ اس فتویٰ شرعی کی تکذیب کر رہے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے اس کو مسترد کر رہے ہیں اور نہایت بلبلا اٹھے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ اس فتویٰ کی رو سے پاکستان کی اکثریت کافر ہو کر خارج از اسلام قرار پائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ ہمیشہ اکثریت ہی اہل حق کا مقابلہ کرتی رہی ہے اور گمراہی پر قائم رہی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ ہدایت فرما دی تھی : ولا تطع اکثر من فی الارض فیضلوک عن سبیل اللّٰہ۔ یعنی "آپ اکثریت کی (جو باطل پر ہے) اطاعت نہ کریں' ورنہ وہ آپ کو گمراہی کی طرف دھکیل کر صراط مستقیم سے دور پھینک دیں گے۔"

بعض نام نہاد مفتی جو تکبر فی العلم رکھتے ہیں' یہ شور و غوغا کر رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں یوں بدگمانیاں پیدا کر رہے ہیں کہ اس فتویٰ کے شائع کرنے والے اور اس فتویٰ کے لکھنے والے اور تصدیق کرنے والے علماء نااہل اور غیر مستند ہیں' حالانکہ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اس فتویٰ کے لکھنے والے اور تصدیق کرنے والے اکثر ملک کے مشہور مفتی اور شہرہ آفاق علماء ہیں' جن کے سامنے یہ غلط باتیں پھیلانے والے شاگردوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان کے پاس عشر عشیر بھی علم نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور بات ہے کہ ان گمراہ مولویوں کو ان مفتیان دین سے عناد اور تعصب ہے اور ملحد اور زندیق لیڈروں کو تقلید پلید کو حبل فی الجید کر کے کفر والحاد کا شکار ہو چکے ہیں۔ اچھا اگر

ان مولویوں کا جو گمراہ اور ملحد لیڈروں کے مقلد ہیں' ان مفتیان دین پر اعتماد نہیں ہے تو ہم ان معاصرین علماء دین کے علاوہ ایک بہت بڑے عالم شہرہ آفاق اور مفتی اعظم جناب مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رئیس الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ان کے مجموعۃ الفتاویٰ جلد۔۲' ص۔۲۰۳ سے نقل کر کے ان منکرین کے سامنے پیش کرتے ہیں' جو پاکستان بننے سے پہلے ہی اس دار فانی سے ملک جاودانی کو رحلت فرما گئے ہیں' جن کا کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق نہ تھا' چنانچہ ان کا فتویٰ مندرجہ ذیل ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتویٰ

سوال : چار پانچ شخص جو سرکار انگریزی میں باعزت ووقار ہیں اور انہوں نے شرع کے خلاف قانون بنایا ہے' اہل اسلام کو ایسے قانون کا قبول کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ ایسا قانون بنانے کی وجہ سے کافر ہو گئے یا نہیں؟ اور اوقاف اسلام جیسے مساجد ومقابر وغیرہ سے حق جاتا رہا یا نہیں؟ اور ان کے جنازوں کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

جواب : اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے : ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون۔ "جس نے قرآن کے موافق حکم نہ دیا وہ کافر ہے۔" اور فرمایا ہے : ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون۔ "جس نے قرآن کریم کے موافق حکم نہ دیا وہ فاسق ہے۔" اور فرمایا : ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون۔ "جس نے قرآن کے موافق حکم نہ دیا وہ ظالم ہے۔"

پس اہل اسلام کو ایسے قانون کا قبول کرنا جو شرع کے خلاف ہو حرام ہے اور جو اس قانون پر عمل کرے گا اس کا گناہ قانون بنانے والے کی گردن پر ہو گا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے : من سنَّ سنۃ سیۃ فلہ وزر ھاووزر من عمل بھا۔ "جس نے کوئی بری بات ایجاد کی اس کو اس بری بات کے ایجاد کرنے کا اور اس کی بات پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہو گا۔" اور قانون بنانے والوں نے اگر شرعی قانون برا جانا اور شرعی قانون کے ساتھ راضی نہ ہوئے اور اس کے خلاف مصلحت اور غیر کافی تصور کیا' تو کافر ہو گئے۔ ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور مسجد ومقابر میں ان کو شریک رکھنا اور ان کی دعوت کرنا یا ان کی دعوت میں جانا اور ان کے ہاں شادی وغمی میں شرکت کرنا مسلمانوں کو درست نہیں ہے اور اگر انہوں نے قانون شرع

کو برا نہ جانا' تو اگرچہ کافر نہ ہوئے مگر بہت بڑے فاسق ہوئے۔ اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان سے مجالست ترک کریں اور شادی غمی میں ان کے ہاں شرکت نہ کریں' تاکہ وہ اپنے فعل سے توبہ کریں۔ اب سب دانشمند حضرات تعصب سے بہ کنارہ ہو کر غور کریں کہ کمیونسٹ سوشلزم اور دیگر لادینی نظریات رکھنے والی پارٹیاں اسلام اور اس کے قانون کے نقائص اور مضرات بیان کر کے اپنی نفسانی خواہشات کے قوانین کو ترجیح دے رہے ہیں یا نہیں؟ اگر دے رہے ہیں تو فتویٰ مذکورہ کی رو سے ان کے کافر اور خارج اسلام ہونے میں کیا شبہ رہا اور اگر نفی میں جواب ہے اور وہ سب دلی اخلاص سے اسلام کے قانون کو تسلیم کر کے اسے نافذ کرنا چاہتے ہیں' تو پھر ان کو علماء اسلام کے ساتھ مل کر اتفاق واتحاد کرنا چاہئے کہ ارشاد الٰہی ہے : واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا۔ کہ سب اہل ایمان اسلام کی رسی کو اکٹھے ہو کر مضبوط پکڑ لیں اور متفرق ہو کر اپنی اپنی پارٹیاں نہ بنائیں' ورنہ دن قیامت کے سخت اور بہت بڑا عذاب ہو گا۔ اعاذنا اللّٰہ تعالٰی عنہ

بعض لوگ اشتراکیت کے عاشق اسلام کے دشمن یہ کہتے ہیں کہ ان مولویوں کو تو بس کفر کا فتویٰ لگانا آتا ہے' کوئی بات اسلام کے خلاف کہہ دی جائے تو جھٹ کافر کہہ دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ تھا کہ جب کسی نے اسلام کے خلاف کفر اختیار کیا' تو ان کو کافر کہہ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ھوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن واللّٰہ بما تعملون بصیر۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نے تم سب انسانوں کو پیدا کیا' لیکن پھر تم میں سے بعض کافر ہو گئے اور بعض مومن ہو گئے' اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کا معائنہ کر رہا ہے۔" ان کی رو سے تمہارے پر حکم مرتب کرے گا' اللہ تعالیٰ دن قیامت کے بھی کافروں کو کافروں کے لقب سے پکارے گا : یایھا الذین کفروا لا تعتذروا الیوم انما تجزون ما کنتم تعملون۔ یعنی "اے کافرو! آج تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا' ہماری عدالت میں عذرداری مت کرو' کیونکہ قرآن کریم تمہاری طرف بھیج کر تم پر حجت قائم کر دی گئی تھی' اب تم کو تمہارے عملوں کی سزا ملتی رہے گی' جو تم خلاف قرآن کرتے رہے تھے اور اپنے نبی کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ کافروں کو یوں خطاب کرو : قل یایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون "کہ اے کافرو! جن چیزوں کو تم پوجتے ہو' میں ان کو ہرگز نہ پوجوں گا۔"

احادیث میں بھی اسی طرح فرد جرم لگائے گئے ہیں۔ مثلاً جس نے نماز قصداً ترک کر دی، تو یہ جرم اس پر لگایا گیا کہ من ترک الصلٰوۃ متعمدا فقد کفر جھارا۔ یعنی "جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی، تو وہ کھلم کھلا کافر ہوا۔" اسی طرح صحابہ کرام نے بھی کافر کو کافر کہا ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: من لم یصل فھو کافر۔ "کہ جس نے نماز نہ پڑھی وہ کافر ہے۔" چنانچہ ایک بہت بڑا لیڈر عارف والا میں آیا جو اقتدار کا خواہاں ہے، اس نے مغرب کے وقت تقریر کی، تو نہ مغرب کی نماز پڑھی اور نہ عشاء کی۔ اسی طرح رینالہ خورد میں بھی کوئی نماز نہ پڑھی اور پانی بھرے اجلاس میں بائیں ہاتھ سے پیا، جس سے شیطان پیتا ہے، تو اب اس کو کافر تابع شیطان کہنا جائز ہوا۔ پھر ایسا شخص اسلامی ملک کا خلیفہ اور صدر کس طرح بن سکتا ہے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: من لم یصل فھو کافر۔ "کہ بے نماز کافر ہے۔" پس کافر ملک پاکستان کے مسلمانوں کا قائداعظم نہیں بن سکتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے کہ ان امر علیکم عبد مجدع یقود کم بکتاب اللہ فاسمعوا له واطیعوا۔ یعنی "اگر تم پر ناک کٹا غلام بھی حاکم بنایا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ تمہاری قیادت کرے، تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" جس شخص میں کفر بواح پایا جاتا ہو اور وہ بے نماز ہو تو اس کے ساتھ شامل ہونا، اس کو اپنا قائد بنانا اور اس کی اطاعت کرنا حرام ہے، کیونکہ وہ خلیفہ اسلام اور حاکم شرع نہیں ہے، بلکہ طاغوت ہے، جس کا مقابلہ تمام اہل اسلام پر واجب ہے۔ اہل ایمان پر ان اولی الامر کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے، جو اہل ایمان میں سے منتخب ہوئے ہوں اور خلافت شرعیہ کے شرائط ان میں پائے جاتے ہوں۔ ایسے امیرالمسلمین کا انتخاب کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے، ورنہ جاہلیت کی موت میں مبتلا ہوں گے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: من مات بغیر امام مات میتة جاھلیة۔ "جو لوگ بغیر خلیفہ، امام اسلام کے مر گئے وہ جاہلیت کی موت پر مر گئے۔ جب شرعی شرائط سے خلیفہ ملک کا مقرر ہو گیا، تو سب پر اس کی بیعت اور عہد اطاعت کرنا فرض ہو جائے گا، ورنہ سب کی موت جاہلیت پر واقعہ ہو گی۔

چنانچہ ارشاد ہے: من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاھلیة۔ یعنی "جو لوگ مر گئے اور انہوں نے خلیفہ اسلام کی بیعت نہ کی تو وہ جاہلیت کی موت مریں گے۔" جاہلیت کا معنی تفسیر بیضاوی میں یہ لکھا ہے: متابعة الھویٰ۔ یعنی "نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا۔"

چنانچہ آج اکثر مدعیان اسلام جو احکام اسلام کو پس پشت ڈال کر حدود شرعیہ سے تجاوز کر چکے ہیں' وہ سب اپنی اپنی خواہشات نفسانیہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اسلام نازل ہونے سے پہلے اہل دنیا کی بھی یہی حالت تھی' پھر اسلام اور قرآن نازل ہوا' تو سب کو ان کی اتباع کا حکم ہوا۔ پس اسلامی قوانین اور اسلامی خلیفہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو خواہشات کی پیروی سے روک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرائی جائے۔ اس لئے خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔

عبدالقادر عارف حصاری

اہلحدیث لاہور' جلد۔۱' شمارہ۔۳۹' مورخہ ۲۵ ستمبر سنہ۔۱۹۷۰ء

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات

کمیونسٹ' سوشلزم' آزاد خیالی ملک ہند میں بھی پیدا ہو گئی تھی: واضح ہو کہ جن لوگوں کو اللہ رحمان اور اس کے کلام قرآن پر صحیح ایمان وایقان ہے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور حق وصواب اور سچا دین اسلام ہے' جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے : ان الدین عند اللّٰہ الاسلام "کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا اور مقبول دین اسلام ہے۔" اسلام سے باہر جس قدر ادیان ہیں خواہ وہ سناتن دھرم ہو' یا آریہ' وید پنتھ ہو' یا اکالی خالصہ' یہودیت ہو' یا عیسائیت' مجوسیت ہو' یا دہریت سب باطل اور آوارہ موجب خسارہ ہیں۔

چنانچہ قرآن اس پر ناطق ہے : ومن یبتغ غیرالاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین۔ یعنی "جس شخص نے اسلام کے سوا کوئی دین تلاش اور اختیار کیا' تو وہ عدالت الٰہی میں ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ حشرگاہ میں سخت خسارہ پانے والوں میں داخل کیا جائے گا۔" ملک عرب میں اسلام کی اشاعت سے پہلے ایک دین تھا' جس کو جاہلیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آج کل کے محاورہ میں اس کے معنی آزاد خیالی ہے' یعنی اپنی اپنی خواہشات کی پیروی اسی کو جاہلیت کہتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر بیضاوی جلد اول ص۔۲۴۲ میں ہے : التی متابعۃ الھوی۔ یعنی "اپنی خواہش کی پیروی کرنے کا نام جاہلیت ہے۔" جاہلیت آج اسلام کے مقابلہ میں آرہی ہے اور اس پر مزید افسوس یہ ہے کہ مدعیان اسلام' اسلام کے آئین واحکام کو پس پشت ڈال کر جاہلیت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے' جو منافقوں کا علم خوب رکھتے تھے' منافق کی تعریف دریافت کی گئی تو انہوں نے یہ فرمایا : الذی یصف الاسلام ولا یعمل بہ۔ یعنی "منافق وہ شخص ہے جو اسلام کا مدعی ہو اور اس کے احکام وآئین پر عمل نہ کرے۔" آج کل کے آزاد خیال' کمیونسٹ' سوشلزم مسلک رکھنے والوں کا یہی حال ہے کہ وہ مدعی اسلام ہیں' لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کرتے بلکہ مخالفت کرتے ہیں' اس کو شرعی اصطلاح میں منافقت کہتے ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نام کے مسلمانوں کی پیش گوئی فرمادی تھی کہ ایک زمانہ آئے

گا اس میں ایسے نام کے مسلمان ظاہر ہو جائیں گے اور قرآن کریم رسمی طور پر پڑھیں گے' لیکن ان کا عمل اسلام کے احکام پر نہ ہو گا۔ چنانچہ ارشاد ہے: یوشک ان یاتی علی الناس زمان لایبقٰی من الاسلام الا رسمہ ولا یبقٰی من القرآن الا اسمہ مساجد ھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ۔ (الحدیث) یعنی "عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام صرف نام کے طور پر باقی رہ جائے گا' اس پر عمل نہ ہو گا اور قرآن صرف رسمی طور پر پڑھا جائے گا اس کے احکام اور آئین سے روگردانی کی جائے گی' ایسے لوگوں کی مسجدیں بڑی شان والی ہوں گی' مگر ان میں ہدایت باقی نہ رہے گی' وہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے۔"

چنانچہ آج الحاد' لادینی' خواہش پرستی زوروں پر ہے۔ اسلام اور احکام اسلام پر مذاق اڑایا جا رہا ہے اور قرآن کے آئین کی تکذیب کی جا رہی ہے اور مسلمانوں میں فتنہ عظیمہ پیدا ہو گیا ہے' اگر ایسا فتنہ ہند میں ہندوؤں کی طرف سے پیدا ہوتا یا یہودیوں کی طرف سے پیدا ہوتا تو کوئی تعجب نہ ہوتا' کیونکہ یہ فرقے خارج از اسلام اور اسلام کے قدیمی دشمن ہیں' لیکن افسوس اور صد افسوس یہ ہے کہ یہ فتنہ ان لوگوں نے برپا کر دیا ہے جو مدعیان اسلام ہیں اور زبان سے اسلام اور قرآن کو تسلیم کرتے ہیں' ایسے ہی منافقوں نے عہد نبوی میں اسلام اور کفر کے مقابلہ کے وقت اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یعنی "منافق نام کے مسلمان جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے۔"

میں کہتا ہوں کہ ایسے آزاد خیال نام کے مسلمان ہند میں بھی انگریزی پڑھ کر اور بعض کثرت مال سے لوگوں میں رئیس اور چودھری بن کر پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ حنفیہ کے مشہور فقیہ حکیم الامت الحنفیہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ایسے گمراہ لوگوں کا اپنی تصنیفات میں جابجا ذکر کیا ہے۔ راقم الحروف عارف الحصاروی ان کے ایک رسالہ الظاہر سے چند اقتباسات نقل کرتا ہے جو انہوں نے سلسلہ تبلیغ میں ماہ جون سنہ ۱۹۲۴ء کو شائع کرایا تھا' اس میں نماز کے فوائد بیان کرتے ہوئے ایک فائدہ یہ بیان فرمایا کہ اس کے واسطے وضو کیا جاتا ہے جس سے صفائی اور ستھرائی ہو جاتی ہے' وضو نماز کے لیے شرط ہے اور یہ ایک ایسا حکم شرعی ہے جس پر عرب و عجم میں مسلسل تعامل اہل اسلام کا جاری ہے' جو کتاب و سنت

واجماع امت سے ثابت شدہ حکم ہے' لیکن آزاد خیال اور کمیونسٹ' سوشلسٹ جب ظاہر ہوئے تو انہوں نے پہلے وضو پھر نماز' پھر تمام اسلام ہی سے انکار کر دیا۔ چنانچہ رسالہ ظاہر کے ص-۶۷ پر لکھا ہے۔

شرعی وضو سے انکار: اگر صبح اٹھ کر غسل کر لیا' یا صابون سے منہ ہاتھ دھو لیا ہے اور بنگلے اور کوٹھیوں میں رہتے ہیں گردوغبار کا وہاں دخل نہیں ہے' تو اس صورت میں نماز کے واسطے وضو کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ ایک صاحب ایسا ہی کرتے تھے کہ بے وضو نماز پڑھ لیتے تھے اور اگر کسی نے کہا کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی' تو کہتے یہ دقیانوسی مولویوں کے خیالات ہیں۔ یہ لوگ غور نہیں کرتے اور دین کی تہ کو نہیں پہنچتے۔ عرب میں جب اسلام شروع ہوا تو افلاس بہت تھا لوگ محنت مزدوری سے پیٹ بھرتے تھے اور میلے کچیلے رہتے تھے' اس واسطے اس وقت کے لیے بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ قید لگا دی تھی کہ جب نماز پڑھو تو منہ ہاتھ دھو لیا کرو' اب زمانہ وہ نہیں ہے۔ اب مل کی افراط ہے' محنت مزدوری کی ضرورت نہیں' ہم آئینہ دار بنگلوں میں رہتے ہیں روز صبح کو صابون مل کر غسل کرتے ہیں گردوغبار کا یہاں گزر تک نہیں' بتاؤ ہمارے بدن پر کیا لگ رہا ہے جس کے واسطے بار بار دھو دیں۔ اس پر مولانا یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "کوئی پوچھے کہ ہر روز صبح کو کیا لگ جاتا ہے' جس کے واسطے روز نہاتے ہو' مگر یہ کام استاد نے بتایا ہے جس کے حکم میں چون وچرا کی گنجائش نہیں' یعنی شیطان۔" نیز یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "خود یہ بات بھی نہایت تعجب خیز ہے کہ عرب عموماً میلے کچیلے رہتے تھے' یہ تاریخی بات ہے ان کے یہاں تاریخ کو بڑا دخل ہے اور اس پر بڑی جلدی ایمان لاتے ہیں۔ تاریخ میں یہ مل گیا کہ عرب میں افلاس تھا آگے عموم اپنی رائے سے تجویز کر لیا۔ کیا تاریخ میں کہیں یہ بھی ہے کہ اہل عرب سب ایسے ہی غریب اور مفلس تھے۔ کیا ان میں متنعم اور صاحب ثروت نہ تھے۔ عرب میں تو وہ لوگ بھی تھے جس کے یہاں سو سو غلام تھے' تو اگر وضو کی بنا غربت اور افلاس تھی تو ان لوگوں کو تو مستثنیٰ کر دیا جاتا اور غریبوں کے لیے وضو کا حکم ہوتا۔ نیز صحابہ کے حالات ابتداء میں بے شک ایسے ہی تھے' مگر پھر حق تعالیٰ نے فتوحات دیئے' ملک کے والی ہوئے اور یہ حالت تھی کہ بدن پر بجائے عطر کے مشک ملا کرتے تھے' مگر تاریخ میں کہیں ہے کہ انہوں نے وضو کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بس زمانہ آزادی کا ہے جو چاہو کرو اور جو چاہو کہو' کوئی پوچھنے والا

نہیں۔ چنانچہ وہ صاحب پانچ وقت نماز بے وضو اڑاتے تھے۔"

نماز اور اسلام سب بے ہودہ ہیں: ایک صاحب نے اور زیادہ ترقی کی کہ نماز بھی ندارد کر دی' کیونکہ مقصود بدون اس کے حاصل تھا' یعنی ریاضت' جیسے گھوڑے کی سواری وغیرہ۔ ایک اور صاحب کا قصہ ہے کہ وہ ایک جگہ مدعو تھے اور بڑے معزز شخص تھے' ان کے ساتھ اور بہت سے اشخاص مدعو تھے گویا تمام جلسہ انہی کی وجہ سے مدعو تھا اور سالار قافلہ بھی تھے' نماز کا وقت ہوا تو سب لوگ اٹھے مگر یہ نہ اٹھے' کسی نے کہا کہ آپ بھی نماز کو چلیں تو کہا کہ میں نماز کو لغو سمجھتا ہوں' لوگوں نے کہا کہ جناب نماز تو اسلام کی چیز ہے آپ ایسا کیوں کہتے ہیں' تو آپ جواب میں (توبہ توبہ) کیا کہتے ہیں کہ "میں اسلام ہی کو لغو سمجھتا ہوں۔"

مولانا فرماتے ہیں: "صاحبو! یہ نوبت ہے ان لوگوں کی جو سربرآوردہ کہلاتے ہیں اور جن کی عزت کو لوگ اسلام کی عزت سمجھتے ہیں' اس پر اگر کوئی مولوی کچھ کہے تو کہا جاتا ہے کہ مولویوں کو بس فتوئ لگانا آتا ہے۔" اس پر مولانا کا ارشاد یہ ہے۔ "صاحبو! کیا یہ اسلامی ترقی ہے؟" اب سنئے کہ اس شخص کے لیے اہل جلسہ میں سے بعض لوگوں نے یہ تجویز کی کہ اس شخص نے ایسا بے ہودہ کلمہ بکا ہے' اس واسطے اس سے بائیکاٹ کرنا چاہیے اور اس سے قطع تعلق کر دینا چاہیے' تو دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ہم کیوں اختلاف ڈالیں اس نے اللہ کی شان میں گستاخی کی ہے' اللہ میاں اس سے آپ نبٹ لیں گے۔ اس پر مولانا کا یہ ارشاد ہے۔ "سبحان اللہ یہ صاحب صلح کل ہوں گے' مگر کیا صلح ہے' ذرا سلطنت کے باغی سے دوستی کر کے دیکھو' دیکھیں صلح کل کے مذاق کو کیسا نباہتے ہو' مگر یہاں اہل جلسہ کو بھی تامل ہے کہ ایسے بے ہودہ سے بائیکاٹ بھی کرنا چاہیے کہ نہیں؟ افسوس"

عبدالقادر عارف الحصاری

اہلحدیث لاہور شمارہ۔ ۴۲' مورخہ ۱۶ اکتوبر سنہ۔ ۱۹۷۰ء

قومی راہنماؤں کی آزاد خیالی!

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات

"مرد عورت میں نکاح کی ضرورت نہیں؟": مولانا تھانوی ارشاد فرماتے ہیں۔ (رسالہ ظاہر' ص-۴۹) روڑکی میں ایک کمیٹی ہوئی تھی' جس میں اس پر بحث تھی کہ نکاح کی پخ کیوں لگائی گئی ہے؟ نکاح کی روح اور حقیقت تو تراضی ہے۔ جہاں تراضی پائی جائے نکاح ہی کا حکم ہونا چاہیے۔ عورت مرد کا ایک ساتھ مقید ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں! جبر نہیں چاہیے' رضامندی سے کسی مرد اور عورت کے مل جانے میں کیا حرج ہے؟ مگر یہ کیا ضروری ہے' ایک میاں اور ایک بیوی ہو۔

میں کہتا ہوں کہ اگر موجودہ انتخاب میں خدا نہ کرے سوشلسٹ پارٹی کامیاب ہو گئی اور انہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی' تو ان کی حکومت کا یہی انجام ہو گا کہ عشق بازی اور یارانوں کا شکار کھیلنے والے اس میں کامیاب ہوں گے۔ عصمت' پارسائی' شرم وحیا رخصت ہو جائیں گے۔ نکاح شرعی کا وجود مفقود ہو جائے گا' صرف مرد' عورت کی تراضی کو نکاح تصور کر کے عیاشی کے بازار گرم ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے پاکستان کی بدمعاش اور عیاش پارٹی بغلیں بجا رہی ہے۔ غیور مسلمانوں کو خبردار ہو کر اس بدمعاشی عیاشی کا قلع قمع کرنے کے لیے جان ومال سے جہاد کرنا چاہیے' تاکہ لچوں اور بدمعاشوں کی حکومت قائم نہ ہو ورنہ شرعی طور پر تو ایسے کافروں سے جہاد کرنا فرض ہو جائے گا' یا پھر اس ملک سے دوسرے کسی اسلامی ملک کی طرف ہجرت کرنی فرض ہو جائے گی۔

اسلام چھوڑے بغیر ترقی نہ ہو گی؟: رسالہ ظاہر کے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔ "اس سے بڑھ کر ایک اور لطیفہ سنئے (لطیفہ کیا ہے کثیفہ ہے) لکھنؤ میں ایک محلہ ہے خیالی گنج' وہاں کے ایک صاحب مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے۔ ایک روز ذرا دیر سے آئے تو پوچھنے پر بیان کیا کہ آج وہاں ایک کمیٹی ہوئی تھی' جس میں اس پر بحث ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے تنزل کی اصل وجہ کیا ہے؟ بہت گفتگو کے بعد جو اخیر بات طے ہوئی' وہ یہ ہے کہ ان کا اصلی اور آخری باعث تنزل اسلام ہے' جب تک اس کو نہ چھوڑا جائے گا ترقی نہیں ہو گی

اور یہ بات پاس ہو گئی۔"

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر فرماتے ہیں : "لعنت ہے اس کے پاس ہونے پر اے صاحبو! خیال تو فرمایئے کہ کہاں تک نوبت پہنچ گئی' پھر اس پر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں' ٹھیٹ مسلمان ہیں۔ ٹھیٹ نہیں تمہارے اسلام کی آنکھ میں ٹینٹ نکل آیا ہے' جس نے بالکل بیکار کر دیا اور جس کا علاج سوائے نشتر کے کچھ نہیں اور نشتر بھی کونسا؟ نائی کا پھر وہ نشتر نہیں جس سے آنکھ بن جائے' بلکہ وہ جس سے اور پھوٹ جائے اور کاٹ کر نکال ڈالی جائے' کیونکہ اس میں قابلیت ہی بننے کی نہیں ہے۔ یہ نوبت ہے اس پر اگر کوئی حکم شرعی سنایا جائے تو کہتے ہیں کہ مولویوں کو فتویٰ لگانا آتا ہے اور غصہ ان کی ناک پر رکھا ہوتا ہے' ذرا میں برا مان جاتے ہیں' اگر ان کی ماں کو کوئی گالی دے تب دیکھیں کہ یہ برا نہیں مانتے اور اس سے اس کی دوستی قائم رہتی ہے یا نہیں؟ اس وقت تو یہ بھی خشک برتاؤ کریں گے کہ مولوی بھی مخالف کے ساتھ نہ کریں۔ بات یہ ہے کہ جس سے جس کو تعلق ہوتا ہے اس کو برا کہنے سے غصہ آتا ہے' سو آپ کو اپنی ماں سے تعلق ہے اس واسطے ماں کو گالی دینے سے غصہ آگیا اور ایسا ہی ہونا چاہیے' اگر ایسا نہ ہو تو فطرت سلیم کے خلاف ہے اور ہم کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہے' اس لئے جب ہمارے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی جائیں گی' تو ہم کو کیسے غصہ نہ آئے گا اور کیوں ہم برا نہ مانیں گے اور کس طرح ایسے بے ہودہ سے دوستی رکھیں گے۔"

میں کہتا ہوں کہ آج مسلمانوں میں اسلامی غیرت نہیں رہی اور غیور مسلمان قلیل رہ گئے ہیں۔ دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم خدا اور رسول کو اپنے ماں باپ سے زیادہ محبوب جانتے ہیں اور عمل یہ ہے کہ اگر کوئی ان کے ماں باپ کو گالی دے تو مرنے مارنے تک جائیں گے' لیکن اگر کوئی اسلام اور اللہ ورسول کو گالی دے اور برا بھلا کہے' تو سب خاموش رہتے ہیں اور کسی کو غصہ نہیں آتا اور کوئی اس کی زبان کاٹنے اور دانت توڑنے کو تیار نہیں ہے۔ یہی موجودہ حکومت کا حال ہے کہ کوئی اللہ اور رسول کی اور ان کے قانون کی تکذیب کرے اور علماء کو برا کہے' اسلام کی تردید کرے' تو حکومت کچھ پرواہ نہیں کرتی' لیکن اگر کوئی عالم قرآن وحدیث کا حق مسئلہ بیان کر دے' حکومت کا ظلم اور کسی لیڈر کا کفر بیان کر دے' تو حکومت اس کو باغی اور مفسد قرار دے کر فوراً گرفتار کر لے گی۔ جس سے ظاہر ہے کہ حکومت جو

اسلام کی مدعی ہے' اسلامی غیرت نہیں رکھتی' صرف نفسانی اور جذباتی غیرت رکھتی ہے۔ ایسی حکومت قیامت کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جواب دہ ہو گی۔

حدیث میں ہے کہ جو حکام اور بادشاہ انصاف نہیں کرتے' ان کے ہاتھوں کو گردنوں میں باندھ کر جہنم میں اوندھے منہ ڈالا جائے گا۔

اچھا اگر حکومت انصاف اور غیرت نہیں کرتی' تو نہ کرے علماء اسلام کو تو غیور بن کر کلمہ حق کہہ کر باطل کی مدافعت کرنی چاہیے' خواہ کوئی صدر ہو' یا وزیر' حاکم ہو' یا رئیس۔ جب احکام الٰہی اور شریعت محمدی کی تکذیب اور توہین کریں' تو برملا ان کی تردید کر کے احقاق حق وابطال باطل کریں کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے : افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر۔ "افضل جہاد بادشاہ ظالم وحاکم جائر کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا ہے۔" اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلہ میں کچھ تکلیف صدمہ پہنچے تو حکم یہ ہے : واصبر علٰی ما اصابک ان ذالک من عزم الامور۔ یعنی "اگر تجھے کوئی تکلیف اور ایذا پہنچے تو صبر کر' یہ بڑے ہمت کے کاموں سے ہے۔" اور جو غیرت کر کے حق نہ کہے گا وہ منکوس القلب ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں : جب ہمارے اللہ اور ہمارے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دی جاویں گی' تو ہمیں کیسے غصہ نہ آئے گا اور کیسے ہم برا نہ مانیں گے اور کس طرح ایسے بے ہودہ سے دوستی رکھیں گے۔

رسالت کا انکار : رسالہ ظاہر کے صفحہ۔۷ میں لکھتے ہیں : "ایک اور ایل ایل بی صاحب کا قصہ ہے کہ انہوں نے مجمع میں کہا کہ رسالت صرف ایک مذہبی خیال ہے' ضرورت مذہب مان لیا جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اسی کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کی توہین کرتا ہوں' ایسا نہیں' بلکہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں محمد صاحب کو (ﷺ) کہ آپ بڑے رفامر تھے اور آپ نے بڑی اصلاح کی' لیکن رسالت صرف ایک مذہبی خیال ہے۔"

ایسے آزاد خیال لوگوں کے بارے میں مولانا کا فتویٰ : جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مذہب حنفیہ کے شہرہ آفاق مفتی تھے' جن کے فتوے عرب وعجم کے حنفیہ میں مسلم تھے' اس لئے آپ کو علماء نے حکیم الامت کا لقب دیا ہوا تھا۔ آنجناب نے جو انگریزی

داں آزاد خیالوں کے خیالات باطلہ کا ذکر کر کے فتویٰ صادر فرمایا ہے وہ تمام مسلمانان پاکستان کے لیے قابل توجہ اور موجب عبرت ہے' اس کو پڑھ کر سب کو فوراً عمل درآمد کرنا چاہیے' چنانچہ فرماتے ہیں : "ایسے آزاد خیال کافر ہیں' ان کے ساتھ مناکحت نہ کریں۔" کیوں صاحبو! کیا ان پر بھی کوئی فتویٰ نہیں لگانا چاہیے' کیا یہ صریح کفر نہیں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان کے تحت میں ایک مسلمان دین دار لڑکی ہے اور جھڑا جھڑ بچے پیدا ہو رہے ہیں' اگر لڑکی کے گھر والوں سے کہیں کہ یہ نکاح باقی نہیں اور لڑکی کو اس سے الگ کر لینا چاہیے' تو ابھی ناصح پر تلوار کھینچ لی جاوے کہ ہم گالی دیتے ہیں۔

صاحبو! آج کل تو اس کی بھی ضرورت ہے اور میں بطور نصیحت اور خیر خواہی کہتا ہوں کہ جہاں دلہا کی صحت اور نسب اور حیثیت وغیرہ دیکھتے ہو' اللہ اور رسول ﷺ کے لیے اس کا دین وایمان بھی دیکھ لیا کرو۔ وہ زمانہ گیا کہ دلہا کے صرف افعال دیکھے جاتے تھے کہ نمازی اور پرہیزگار بھی ہے کہ نہیں اور لڑکی مسلمان کے گھر جا رہی ہے یا کافر کے گھر' آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے آزاد ہوئے ہیں کہ بہت سوں کا ایمان اور اسلام ہی باقی نہیں یقیناً کافر ہیں' ان سے نکاح صحیح ہو ہی نہیں سکتا' ایسے لوگوں کو بیٹی دینے سے چکلے میں بٹھا دینا بہتر ہے' کیوں نام کا نکاح کیا۔

راقم الحروف عارف الحصاری نے حالات زمانہ کے پیش نظر ایک رسالہ شائع کیا ہے' جس کا نام ہے "سیاحۃ الجنان بمناکحت اھل الایمان" اس میں مرد وعورت کی مناکحت کے شرائط بروئے کتاب وسنت بتائے گئے ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ کیسے لوگوں سے نکاح حلال ہے اور کیسے لوگوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ آج کل دیہاتی ملا اکثر نکاح کے شرائط ہی سے ناواقف ہیں اور جو بعض واقف کار ہیں وہ دنیادار لوگوں کی لحاظ داری سے اپنی امامت برقرار رکھنے کے لیے نکاح پڑھ دیتے ہیں' جو سخت جرم عظیم ہے کہ نکاح حرام ہوتا ہے' جو منعقد نہیں ہوتا اور تمام عمر زناکاری ہوتی رہتی ہے اور اس نکاح سے جو اولاد ہوتی ہے اس کو حلال اولاد نہیں کہہ سکتے' حرام اولاد ہے۔ مولانا تھانوی نے یہ خوب فرمایا کہ "اسلام سے آزاد ہو کر جو ملحدانہ اور زندیقانہ خیالات رکھتے ہیں' ان کو لڑکیاں دینے سے بہتر ہے کہ چکلہ میں بٹھا دی جائیں۔"

<u>اسلامی نام رکھنا ذلت؟</u> : مولانا اشرف علی صاحب اپنے تبلیغی رسالہ "الظاہر" میں یہ

ارشاد فرماتے ہیں : ''بعضوں کو تو اس قدر اجنبیت ہوئی کہ اسلام کا نام بھی مسلمانوں کا سا پسند نہیں کرتے۔ مثلاً موسیٰ' عیسیٰ' محمد' احمد' عمر' علی وغیرہ اور اس کو ذلت سمجھتے ہیں۔ اہل یورپ کے سے نام رکھتے ہیں اور ایسوں کو لوگ قومی لیڈر کہتے ہیں اور ان کی تعریفیں کرتے ہیں کہ یہ بڑے ہمدرد اور باہمت ہیں' مسلمانوں کے اوپر انہوں نے جان ومال فدا کر رکھا ہے۔ آج کل کے لیڈروں میں حمیت تو ہے' مگر صرف قومی حمیت ہے' مذہبی حمیت نہیں ہے' یہ کوشش بے شک کرتے ہیں کہ ایک جماعت قائم رہے' جن کو اہل اسلام کہا جاوے' قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہوں بھی یا نہیں' بلکہ یہ لوگ مذہبی حمیت کو جنون سمجھتے ہیں۔'' لیڈران قوم کے قصے آپ نے سن لئے اگر ایسے لوگ بھی مسلمان ہیں' تو دنیا میں کوئی بھی کافر نہیں۔

<u>ان نام کے مسلمان لیڈروں سے کفار اچھے ہیں:</u> ان سے وہ کافر بدرجہا اچھے جو کھلم کھلا اپنے آپ کو دوسری قوم میں شمار کرتے ہیں' ان سے اتنا ضرر مسلمانوں کو نہیں پہنچتا' کیونکہ مسلمان جانتے ہیں کہ یہ ہمارے مخالف ہیں اور ان لوگوں کو اپنا موافق سمجھتے ہیں اور حقیقت میں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں' تو یہ دشمن بصورت دوست ہیں ان سے ہر وقت مسلمان دھوکا کھا سکتے ہیں' ان سے وہ نقصان پہنچتا ہے' جیسے ایک رئیس کو ایک ریچھ سے پہنچا' اب ریچھ کا لطیفہ سنئے' جس کی طرح یہ لیڈر ہیں۔

لطیفہ : ایک رئیس نے ریچھ پالا تھا اور تعلیم اس کو یہ دی تھی کہ یہ سویا کرتے تھے اور وہ مکھیاں اڑایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آقا صاحب بیٹھے تھے اور بے خبر سو رہے تھے اور یہ اپنے معمول کے موافق مکھیاں اڑا رہے تھے' بعض مکھی ضدن ہوتی ہے کہ جہاں سے اڑایا جائے وہیں لوٹ لوٹ کر آتی ہے' ایک مکھی نے اسی طرح محافظ کو دق کیا کہ یہ اڑا دیتے تھے اور وہ لوٹ لوٹ کر پھر منہ پر آبیٹھتی تھی۔ پس ان کو غصہ آگیا اور استرہ لے کر ان کی ناک کو اڑا دیا اور کہا کہ لے حرامزادی وہ اڈا ہی نہیں رہا' اب بیٹھ کہاں بیٹھے گی' حالانکہ جب تو ایک ہی مکھی تھی اب تو اس کی ساری برادری خون پر آگئی' غرض اس ریچھ کو غصہ آگیا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر لایا اور منتظر رہا کہ اب کے مکھی آئے تو اس کو پتھر سے ماروں گا۔ چنانچہ وہ مکھی آقا صاحب کے منہ پر حسب دستور آکر بیٹھی' انہوں نے پوری قوت سے اور نشانہ صحیح کر کے اس کے پتھر مارا' مکھی تو اڑ گئی اور آقا صاحب کا سر پاش پاش ہو گیا۔

صاحبو! یہ ریچھ بھی خیرخواہ ہی تھا۔ قرائن تو یہ اس بات کی شہادت میں موجود ہیں‘ اس نے اس فعل میں کوئی بدنیتی نہیں کی‘ اپنے نزدیک تو آقا کی خیرخواہی اور خدمت ہی کی‘ مگر ایسی خدمت سے خدا بچائے‘ اس کا کام ہی تمام ہو گیا‘ ایسے خیرخواہان قوم ایسی تجویز کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی ہو‘ خواہ اسلام کا گلا ہی گھٹ جائے۔

اسلام کی ترقی کے لیے نماز کا انکار: پھر مولانا تھانوی صاحب ص۔۲۷ پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک اخبار میں چھپا تھا کہ اسلام ایسا مذہب ہے‘ جس کی طرف بہت لوگوں کو رجحان ہے‘ مگر اس میں نماز کی ایسی بخ لگا رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے بہت لوگ اس میں آنے سے رکتے ہیں‘ اگر علماء نماز کو اس میں سے نکل دیں‘ تو ہزاروں آدمی مشرف باسلام ہو جائیں اور مسلمانوں کی جماعت میں معقول اضافہ ہو جائے اور بہت زیادہ ترقی اسلام ہو۔ کیوں صاحب بلا نماز کے وہ اسلام بھی ہو گا‘ میں اس سے بھی سہل ترکیب بتا دوں‘ وہ یہ ہے کہ سب قوموں کا نام مسلمان رکھ دیا جائے خواہ وہ اس کو پسند کریں یا نہ کریں۔ پس آج ہی کروڑوں کی تعداد کا اضافہ ہو جائے گا‘ دنیا میں کوئی قوم اور رہے گی ہی نہیں‘ سب مسلمان ہی ہوں گے۔ صاحبو! یہ لیڈران قوم کی رائے ہے۔

نام کے مسلمانوں کی عقل کا مظاہرہ: نہ معلوم عقل ان لوگوں کی کون لے گیا؟ (انگریز اور انگریزی) کہ چیز کی ذاتیات اور ارکان موجود نہیں‘ اس چیز کو موجود سمجھتے ہیں۔ کسی چیز پر حیوان اور ناطق تو صادق آتے نہیں اور انسان کو اس پر صادق سمجھتے ہیں‘ یا کسی کا سر کاٹ کر الگ پھینک دیا اور پاؤں الگ پھینک دیئے گئے اور تمام جسم کی بوٹی بوٹی الگ پھینک دی گئی‘ مگر اس کل کو جہاں قائم سمجھ رہے نہ معلوم یہ کون سی معقول کا مسئلہ ہے کہ وجود عدم کے ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے۔ دین کی ہر ہر چیز کو حذف کر ڈالا اور دین موجود اور مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ ماموارت میں سے کوئی چیز مامور بہ نہیں مانتے‘ نماز کی ضرورت نہیں۔ اس کی حقیقت جسمانی ریاضت سے ہے‘ وہ اور طریق سے کر لی۔ روزہ بہیمیت توڑنے کے لیے تھا‘ وہ اس زمانے میں رہی نہیں‘ کیونکہ تعلیم کا زمانہ ہے‘ اسی طرح حج‘ زکوٰۃ وغیرہ سب کو کتر بیونت کر کے ندارد کر دیا اور محرمات میں سے کسی چیز کو ممنوع نہیں سمجھتے۔

سود کی حرمت اڑا دی اور حلال کر دیا: میں کہتا ہوں سود‘ بروئے حدیث و قرآن قطعاً حرام ہے‘ جس کے گناہ کے ستر دروازے بتائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ

اپنی ماں سے نکاح اور حرام کاری کرلی۔ سود کا حلال کنندہ اور عادی ہمیشہ جہنم میں رہے گا‘ مگر ان نام کے مسلمان لیڈروں اور دنیادار مولویوں نے اس کو بھی جائز اور حلال بنا دیا۔ چنانچہ تھانوی اپنی کتاب ”الظاہر“ کے ص-۳۷ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ”سود کی حرمت اڑا ہی دی‘ اس کو تو آج کل اتنا زور وشور ہے اور اس مسئلہ میں اس قدر قابلیتیں دکھائی گئی ہیں کہ حلال ہی کر کے چھوڑا ہے۔ غرض اجزائے دین کو سب کو الگ کر دیا اور منافیات دین کو دین میں داخل کرلیا ہے اور خوش ہیں کہ ہم دیندار اور پکے مسلمان ہیں‘ یہ تو ایسا ہوا جیسے کوئی کنبہ والوں کو اور دوستوں کو اپنے گھر سے نکال باہر کرے اور غیروں کو اور اپنے جانی دشمنوں کو داخل کر لے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہو اور خوشی خوشی لوگوں کو دکھا رہا ہو کہ دیکھو ہمارا گھر کیسا آباد ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا کہ کیسا آباد ہے‘ جب کہ وہ تیری تکہ بوٹی کر دیں گے۔ پھر مولانا نے ان خیر خواہ بے شعور نام کے مسلمانوں کی ایک بڑھیا عورت کی مثال دے کر یہ سمجھایا ہے کہ ان لیڈروں کی خیر خواہی حقیقت میں مسلمانوں کی سراسر بدخواہی ہے‘ اس لئے ان گندم نما جو فروش فریب کاروں سے بچنا واجب ہے۔

ان لیڈروں کی خیرخواہی دراصل دین کی بربادی ہے: چنانچہ مولانا لکھتے ہیں :

”آج کل کے لیڈران قوم نے دین میں وہ تصرفات کئے ہیں اور ایسی خیر خواہی اس کے ساتھ کی ہے‘ جیسے کسی بڑھیا نے ایک شاہی باز کے ساتھ کی تھی۔ حکایت اس باز کی اس طرح ہے کہ ایک شاہی باز اڑ کر ایک بڑھیا کے یہاں جا بیٹھا‘ بڑھیا نے اس کو پکڑ لیا اور اس کی چونچ اور پنجوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا‘ دیکھا تو چونچ ٹیڑھی ہے اور ناخن کسی قدر بڑھے ہوئے ہیں اور ٹیڑھے بھی ہیں اور اس کو گود میں لے کر رونا شروع کیا کہ ہائے بچے تو کیسے زمین پر بیٹھتا ہو گا‘ تیری انگلیاں ٹیڑھی ہیں اور ناخن اتنے بڑھ گئے ہیں‘ تو کھاتا کیسے ہو گا‘ کیونکہ چونچ بھی ٹیڑھی ہے‘ معلوم ہوتا ہے کہ تو بے ماں باپ کا ہے‘ کوئی تیری غور کرنے والا نہیں‘ جو ناخن کو کاٹتا اور چونچ کو درست کرتا اور رحم وشفقت نے ایسا زور کیا کہ قینچی لے کر اس کے ناخن سب کاٹ دیئے اور چونچ بھی تراش دی‘ اپنے نزدیک تو بڑھیا نے اس کی بڑی خیرخواہی اور ہمدردی کی‘ مگر خدا بچائے ایسے ہمدردی سے کہ اس کو برباد کر دیا نہ وہ شکار کو پکڑنے کے کام کا رہا اور نہ کھانے کے۔“

یہی خیرخواہی اسلام کے ساتھ آج کل ہمدردان اسلام کر رہے ہیں کہ یہ بھی فضول اور

وہ بھی فضول، نماز بھی زائد ہے، روزہ بھی زائد، زکوٰۃ کی حاجت نہیں، حج بھی فضول ہے اور پھر مسلمان ہونے کے مدعی، معلوم نہیں اسلام کس چیز کا نام ہے، کوٹ کا نام ہے، یا پتلون کا نام ہے۔ جب اسلام کا ہر جز فضول ہے تو کل بھی فضول ہے، اس کا نام ہی کیوں لگا رکھا ہے اور ہم تو جانیں کہ تم بھی فضول ہو جو ایسی فضول باتیں کرتے ہو۔ سچ یہی ہے کہ درحقیقت یہی لوگ فضول ہیں۔ ایک پیسہ کا سنکھیا کھا کر مرجاتے تو دنیا ایسے ناپاک وجود سے پاک ہو جاتی۔ غرض اس گروہ نے (یعنی لیڈروں اور امراء نے) عجیب گت بنائی ہے دین کی۔ درحقیقت تو یہ دین سے بالکل الگ ہیں، مگر نام نہاد کے لیے اور دل کو سمجھانے کے لیے دین کا ایک خلاصہ نکال لیا ہے اور اس کو دین کا لب لباب سمجھ کر خاموش ہیں کہ وہ ہمارے پاس موجود ہے، لہٰذا ہم دین دار ہیں۔ وہ خلاصہ تہذیب اخلاق ہے، اس کو دین کا باطن کہتے ہیں اور خیال ہے کہ باطن ہی مقصود اعظم ہے ظاہر کی کیا ضرورت ہے۔

مولانا تھانوی کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ لیڈران قوم اور رئیس لوگ جو اصول اسلام کے منکر ہو کر ایک جدید اسلام جو ان کے دماغوں کی اختراع ہے پیش کر کے اہل اسلام کے خیر خواہ بنتے ہیں، یہ سراسر بے عقلی اور گمراہی اور جاہلیت والا کفر ہے۔ ان نام کے خیرخواہوں اور نام کے مسلمانوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اصل اسلام وہی ہے جو کتاب وسنت اور تعامل نبوی اور تعامل خلفاء راشدین میں موجود ہے، اسی پر ملک پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی، اب اس پر حکومت قائم کر کے ملک میں امن قائم کرنا چاہیے۔

عبدالقادر عارف حصاری

اہلحدیث لاہور مورخہ ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۷۰ء

حکومت کی غریب رعایا پر مہربانیاں

ارکان حکومت کا یہ رویہ ہے کہ جب بذریعہ انتخاب اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں' تو جلسوں میں تقریروں سے اور اخبارات اور اشتہارات میں تحریروں سے اپنی قابلیت' ہمدردی اور غربا پروری کے سبز باغ اور ملمع سازی کے عجیب نقشے اور فریب کاری کے بھرپور وعدے سنا کر ووٹ حاصل کرلیتے ہیں اور جب کامیابی کی سند اور تمغہ مل جاتا ہے اور مسند حکومت پر قابض ہو کر جلوہ افروز ہوتے ہیں' تو بذریعہ حلف بھی اپنی امانت داری اور دیانت داری کا اقبال واقرار کرتے ہیں' لیکن جب ملک کی بہبودی کے لیے تجویزیں کرتے ہیں اور ان پر عمل درآمد شروع کرتے ہیں' تو آہستہ آہستہ رعایا میں اپنی مہربانیاں اور شفقتیں ایسی ظاہر کرتے ہیں' جن سے بیچارے غرباء تنگ آکر انتخاب کے وقت اپنے دیئے ہوئے ووٹوں پر افسوس سے ہاتھوں کو ملتے اور دلوں میں مارے افسوس کے پگھلتے رہتے ہیں۔

سب سے پہلی مہربانی ارکان حکومت نے خلاف آئین اسلام یہ کی کہ کاشتکاروں کو خوش کرنے کے لیے یہ آئین نافذ کیا کہ وہ مالکان اراضی کی زیر کاشت اراضی پر مستقل طور پر قابض ہو جائیں' نہ آبیانہ دیں اور نہ لگان دیں اور نہ کاشت کے بیج دیں' یہ سب اشیاء مالکان اراضی سے حاصل کریں اور نہ زمینوں کا قبضہ دیں' گویا ان کاشتکاروں کو مالکان اراضی کی زمینوں کا مالک بنا دیا' بظاہر تو یہ غرباء زمینداروں کی بڑی ہمدردی اور غریب پروری دکھائی' لیکن حکومت کی اس عقلمندی اور دوراندیشی کا یہ انجام ہوا کہ ملک میں بجائے امن کے فسادات اور خون ریزیاں شروع ہو گئیں اور مالکان اور مزارعان میں عداوت' کینہ' بغض اور دشمنیاں جاری ہو گئیں اور خوب لڑائیاں ہوئیں' کہیں مالکان کامیاب ہوئے اور کہیں کاشتکار' لیکن باہم نفرت اور عداوت پیدا ہو گئی ہے۔ یہی حال کارخانوں میں مالکان اور مزدوروں کا ہوا۔ اب آخر انجام کاشتکار ہی تنگ ہو رہے ہیں کہ مالکان ان کو کاشتکاری کے لیے اپنی زمینیں نہیں دیتے اور کسی کا اعتبار نہیں کرتا' بلکہ مالکان اور مزارعان ہر دو فریق حکومت کے اس خانہ ساز قانون پر لعنت بھیج رہے ہیں۔

دوسری مہربانی حکومت کی یہ ہے کہ ملک میں رشوت اور سفارش کا معاملہ زوروں پر ہے' علانیہ ٹھوک بجا کر چھوٹے افسر سے بڑے افسر تک ہر محکمہ میں رشوت کا بازار گرم ہے'

اس طرح مال دار لوگ تو ہر طرح کامیاب ہیں' لیکن غرباء بہت پریشان اور اپنی زندگیاں صدموں اور مصیبتوں میں گزار رہے ہیں اور غرباء مظلوم بہت تنگ ہو رہے ہیں۔ کوئی زخمی ہو جائے' کوئی مارا جائے' کوئی لوٹا جائے' تو حکومت کی عدالتوں میں رسائی حاصل نہیں کر سکتا' کیونکہ نہ رشوت دینے کو روپیہ پاس ہے اور نہ سفارش کرنے کی طاقت ہے' وہ حکومت کی ایسی مہربانیوں پر آنسو بہا رہے ہیں کہ ان رشوتوں اور سفارشوں سے عدل وانصاف اڑ گیا اور سب یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ غریب پروری نہیں' ظلم پروری ہے۔

اگر کوئی پولیس وغیرہ کے محکمہ میں کچھ روپیہ خرچ کر کے پہنچ بھی جائے' تو حکومت نے انگریزوں کی تقلید پلید سے وکیلوں کا محکمہ قائم کر رکھا ہے' وہ اس قدر فیس مانگتے ہیں کہ جو غریب صبح شام کی روٹی سے عاجز آرہا ہے وہ وکیلوں کی فیس کیسے ادا کر سکتا ہے اور بغیر وکیلوں کے اس نام نہاد اسلامی حکومت میں جا کر فریاد نہیں کر سکتا' اگر جانے کی جسارت کرے تو عدالت کا اردلی ہی جھڑک کر اس کو دروازہ سے باہر کر دیتا ہے کہ وہ بھی رشوت مانگتا ہے۔ الغرض محکمہ پولیس میں رشوت کا اندھیر چل رہا ہے اور محکمہ مال میں تو پٹواریوں' قانون گوؤں اور تحصیلداروں نے وہ اودھم مچا رکھا ہے کہ الامان والحفیظ' سب غرباء اپنی حکومت کی ان مہربانیوں پر نوحہ کر رہے ہیں۔

تیسری مہربانی حکومت نے غرباء زمینداروں پر یہ کی ہے کہ زمین کے یونٹ فارموں میں متعلقہ اراضی درج ہیں اور اراضی حاصل کرنے کو سارے ملک میں مارے مارے پھرتے رہے اور ان کو اراضی دستیاب نہ ہوئی' تو حکومت نے یہ تجویز پاس کی کہ ان غرباء زمینداروں کو ان کے یونٹوں کا معاوضہ دیا جائے۔ چنانچہ یہ اعلان ہوا کہ جن لوگوں کو پاکستان میں یونٹوں پر زمین الاٹ نہیں ہوئی وہ فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک اپنے فارم اراضی اور یونٹوں کا ثبوت پیش کر دیں' ان کو بایں حساب معاوضہ دیا جائے گا۔ غریب زمینداروں نے حکومت کے اس اعلان پر اعتماد کر کے اپنے اپنے ضلعوں میں درخواستیں دے دیں اور فارم داخل کر دیئے' اس بھاگ دوڑ میں بھی ان کا بہت سارا پیسہ خرچ ہوا' مزید سو' دو سو علاوہ رشوت کے ہر زمیندار کا صرف ہوا۔ حکومت کے محکمہ میں الگ روپیہ دیا اور کرایہ وغیرہ اور فارم برآمد کے پر الگ اور نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کے افسروں نے ان کو لوٹ کر گھروں کو واپس کر دیا۔ اب دو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے' حکومت غفلت کی میٹھی نیند سو رہی

ہے اور ان یونٹوں کے معاوضہ کا اب کوئی نام بھی نہیں لیتا' کوئی اس حکومت کو پوچھنے والا نہیں' سوائے اللہ تعالیٰ کے' لیکن اس ہستی نے تمام خلقت کے محاسبہ کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا ہے' جس کا ارکان حکومت کو کوئی خوف نہیں ہے۔ آج حکومت کا ہر افسر اپنی جگہ خدا بنا ہوا ہے' اس لئے غریبوں کی فریاد کوئی نہیں سنتا' اگر کوئی زیادہ فریاد اور واویلا کرے گا تو اسے باغی قرار دے کر جیل بھیج دیں گے' گویا حکومت نہ کسی مظلوم کو رونے دیتی ہے اور نہ آہ بھرنے دیتی ہے' کیونکہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں' تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں' تو چرچا نہیں ہوتا

چوتھی مہربانی حکومت کی یہ ہے کہ حکومت نے تجویز کی کہ جن غریب لوگوں کو رہائشی مکان میسر نہیں ہیں' ان کو آباد کرنے کے لیے دیہات میں زمین کے قطعے اور احاطے دیئے جائیں گے' تاکہ وہ غرباء اپنے مکان وہاں تعمیر کر کے زندگی بسر کریں۔ زمینداروں نے حکومت کی اس مہربانی پر لبیک کہی اور فوراً درخواستیں دے دیں۔ پٹواریوں نے فی درخواست جو سرکاری فارموں پر تھی' بیس بیس روپے لئے' کسی سے دس دس لئے اور فارم پیش کر کے منظوری حاصل کی' لیکن قریباً ایک سال گزر گیا ہے کسی کو کوئی احاطہ نہیں ملا۔ دوسرے علاقوں کا تو کوئی تفصیلی علم نہیں' لیکن ضلع ساہیوال کے علاقہ گگو میں تو کسی کو کوئی احاطہ نہیں ملا اور نہ ملنے کی کوئی امید ہے' کیونکہ سب مالکان اپنی اپنی اراضی پر قابض ہیں اور سرکاری چراگاہ بھی ان کے قبضہ کاشت میں ہے' کوئی شخص ان سے زمین نہیں لے سکتا۔

پانچویں مہربانی حکومت کی رعایا پر یہ ہے کہ معاشی مسائل نے غرباء کی کمر توڑ دی ہے' گرانی دن بدن اس قدر بڑھ رہی ہے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ ضروریات زندگی کو پورا کرنا غرباء کو سخت دشوار ہو رہا ہے۔ ملداروں کو تو یہ موقع غنیمت ہے کہ وہ ناجائز منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی سے کام چلا رہے ہیں' ان کا محاسبہ حکومت نہیں کرتی' کیونکہ حکومت خود آٹے' چینی' گھی وغیرہ اشیائے خوردنی کے نرخوں میں آئے دن اضافہ کرتی رہتی ہے اور حکومت غرباء رعایا کو تنگدستی میں ڈال کر سوشلزم دستور نافذ کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ سو یہ رویہ جابرانہ غریب رعایا کو بالکل ناگوار گزرا ہے' لیکن حکومت کے ہاتھ میں اقتدار اور جبری بھاگ دوڑ ہے' اس کا اختیار ہے کہ وہ ملک کابل کے بچہ سقہ کی طرح چڑھے کا سکہ

چلا کر لوگوں سے شاباش حاصل کرے۔ ووٹ حاصل کرنے کے وقت غرباء کو حکومت نے یہ چکمہ دیا تھا کہ روٹی' کپڑا' مکان وغیرہ غرباء کے لیے میسر ہونا آسان کر دیا جائے گا' لیکن اس فریب دہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ روٹی' کپڑا' مکان وغیرہ اشیائے ضرورت کمیاب ہو گئی ہیں۔ پس جب تک حکومت پاکستان جو صرف زبانی دعویٰ اسلام کا کرتی ہے' خالص نیت سے مسلمان بن کر نظام اسلام قائم نہ کرے گی' سیاسی' معاشی' اخلاقی وغیرہ مسائل کبھی حل نہ ہو سکیں گے۔ حکومت کہتی کچھ ہے اور کرتی کچھ ہے' یہ غضب الٰہی کا موجب ہے۔ قرآن اس پر ناطق ہے : کبر مقتا عنداللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون۔ یعنی "اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت غضب کا موجب ہے کہ تم کوئی بات منہ سے کہو اور پھر اس پر عمل نہ کرو۔"

حکومت کے ارکان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ملک میں جو چاہیں کریں' ہم سے کوئی بازپرس نہیں کر سکتا' حالانکہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ دراصل زمین آسمان کی تمام کائنات کا حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے' جس نے دنیا میں عارضی طور پر بادشاہوں کو حکومت دے کر امتحان میں ڈال دیا ہے اور پھر وہ دنیا کو ختم کر کے روز حشر قائم کرے گا اور سب بادشاہوں اور ان کی رعایا کا حساب لے گا' جو لوگ آج دنیا کے بادشاہ بن کر خود مختاری میں خدا بن بیٹھے ہیں' ان کے ہاتھوں کو گردنوں پر باندھ کر احکم الحاکمین ملک الملوک کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور وہاں رائی رائی کا حساب لیا جائے گا۔ اس لئے موجودہ حکمرانوں کو خوف الٰہی دل میں رکھ کر حکومت کرنی چاہیے اور جو وعدے وغیرہ حکومت حاصل کرنے کے وقت رعایا سے کئے جاتے ہیں' ان کا ایفا کرنا چاہیے' ورنہ اللہ شدید العقاب کی طرف سے سخت بازپرس ہو گی۔

<u>علماء اسلام سے خطاب</u> : اگرچہ ہمارے علماء اسلام نے یہ جہاد تو خوب کیا کہ قادیانیوں اور حکومت پاکستان سے مقابلہ کر کے نوے سال کے بعد قادیانی مسئلہ ختم نبوت منوا کر ختم کرا دیا ہے' لیکن یہ حقیقی اور بنیادی کامیابی نہیں ہوئی۔ اصل جہاد یہ تھا کہ جس طرح تمام فرقوں کے علماء نے متفقہ طور پر حکومت کا مقابلہ کر کے ان سے قادیانی مسئلہ حل کرایا' اس طرح شرعی حکومت قائم کرنے اور آئین اسلام کتاب و سنت کی رو سے نافذ کرانے پر جہاد کرنا علماء اسلام پر قطعی فرض تھا' اگر اس فرض کی ادائیگی کے لیے علماء اسلام جہاد کرتے اور اس جہاد سے کامیابی حاصل کر لیتے' تو یہ حقیقی کامیابی تھی' اس سے تمام طاغوتی قلعے مسمار ہو

جاتے اور ملک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتیں اور اس کے ذہن میں تمام قادیانی مسائل خلاف شریعت حل ہو کر کافور بن کر اڑ جاتے' لیکن علماء اسلام نے یہ جہاد نہ کیا اور صرف کفر کی ایک شاخ کے قلع قمع کرنے پر تل گئے اور باقی ملک میں تمام طاغوتی کفر چھایا ہوا ہے۔ جب تک آئین اسلام نافذ کرانے پر علماء اسلام جہاد نہ کریں گے' تب تک حقیقی کامیابی حاصل نہ ہو گی۔ تعجب ہے کہ ملک میں شرک فی الحکم شرک فی الذات اور شرک فی الصفات بدستور جاری ہیں اور عدالتوں میں خلاف شریعت قانون چل رہا ہے اور علماء اسلام محض قادیانی مسئلہ شرک فی الرسالت پر جہاد کر کے خوشیاں منا رہے ہیں' جو سراسر شریعت کے اسرار سے نادانی اور بے خبری ہے۔ بندہ عارف حصاری تمام علماء اسلام سے یہ اپیل کرتا ہے کہ اب انتخاب کا مسئلہ ملک میں پیش ہونے والا ہے۔ خدارا اس موقعہ کو غنیمت جانیں اور تمام علماء اسلام متفقہ قوت سے اس قدر طاقت ور جہاد کریں کہ پاکستان میں آئین اسلام نافذ کرنے پر حکمران مجبور ہو جائیں' ورنہ آپ حضرات اس فرض سے سبکدوش نہ ہونے پر بروز قیامت ماخوذ ہوں گے' وما علینا الا البلاغ۔

عبدالقادر عارف الحصاری

اہلحدیث لاہور جلد۔٦' شمارہ۔ ۴۸' ۴۹ مورخہ ۲۸ نومبر' ۵ دسمبر سنہ۔۱۹۷۵ء

اہل حکومت وعلماء اسلام ولیڈران قوم کی خدمت عالیہ میں اپیل

تمام اہل اسلام باشندگان مملکت پاکستان میں یہ امر مسلم ہے کہ انگریزوں اور ہندوؤں سے ملک پاکستان محض اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا تھا اور اجماعی طور پر یہ طے ہوا تھا کہ ملک پاکستان کی بنیاد اسلام پر رکھی جائے گی۔

بایں ہمہ تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اسلام اور اہل اسلام کی جو ناگفتہ بہ حالت ہو رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے' وہ سرسبز باغ اسلام کا جس کی آبپاشی وباغبانی رسول عربی فداہ ابی وامی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے نہایت جانفشانی سے کی تھی آج وہ باغ پژمردگی کی حالت میں نظر آرہا ہے۔ حقیقی معنوں میں اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے' علم کی ترقی ہے' علماء بکثرت موجود ہیں' لیکن احکام خداوندی سے لا پرواہی ہے' ارشادات نبویہ ﷺ کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے' قرآن وحدیث' توحید وسنت سے بے بہرگی' خواہشات نفسانیہ کی پیروی' ہوا وہوس کی پابندی' حسد وکینہ' تکبر وخوداری کی شرانگیزی زوروں پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج شیرازہ اسلام بکھرا ہوا ہے۔ لیکچر اور مضمون نگاری جولانی پر ہے۔ تحقیق حقیقت وتفتیش صداقت سے کچھ بحث نہیں ہے۔ مذہبی فرقہ بندی اور سیاسی پارٹیاں بکثرت نظر آرہی ہیں۔ قرآن کی سچی تعلیم واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ "کہ اہل اسلام' اسلام کی رسی کو اکٹھے ہو کر مضبوطی سے پکڑ لو۔" سے انحراف کیا جا رہا ہے۔ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کی سراسر خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔

لیڈران قوم افراط وتفریط میں پڑ کر راہ راست سے الگ اور منزل مقصود سے دور جا کر وادی پرخار میں بھٹک رہے ہیں۔ اس بگڑی ہوئی اسلامی حالت کی اصلاح کی طرف حقیقی توجہ کسی کی نہیں ہے' اس لئے بندہ راقم الحروف موجودہ حکومت اور علماء اسلام اور لیڈران قوم کی خدمت میں اپیل کرتا ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کی بگڑی ہوئی حالت کی نہایت جلد اصلاح کی جائے' ورنہ آپ حضرات اور قوم اہل اسلام قعر ضلالت میں گر کر ہلاک ہو جائیں گے۔ پس بروئے کتاب وسنت اصلاح کی دو صورتیں ہیں' ان پر عمل درآمد کیا جائے' بغیر ان

دو صورتوں کے کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی۔

صورت اول یہ ہے کہ سب سیاسی پارٹیاں اور علماء اسلام سیاست شرعیہ اختیار کر کے باہم متحد و متفق ہو جائیں۔ اتباع حرص وہوا اور تکبر اور خود پسندی کو ترک کر دیں۔ محض اسلام اور اہل اسلام کی خیرخواہی کو مد نظر رکھ کر اخلاص للّٰہیت سے کام کو سرانجام دیں۔ قرآن پاک کی ان آیات کو پیش نظر رکھیں : ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا۔ یعنی "تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے فرقہ بندی کی اور باہم اختلاف کیا۔" ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم۔ "اور آپس میں جھگڑے اور بحث نہ کرو' ورنہ تم سب سست اور کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی اور تم بدنام ہو جاؤ گے۔" آپ حضرات بخوب جانتے ہیں کہ

از اتفاق مگس شہد می شود پیدا
خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

بعض سیاسی پارٹیوں نے اپنی پارٹی کا نام رکھا ہے۔ قومی اتحاد' لیکن یہ صرف نام ہے۔

بر عکس نہند نام زنگی کافور

لیکن حالت یہ ہے کہ خود ان کا باہم اتفاق نہیں ہے' کسی اہل اسلام طائفہ کو اپنے میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور کسی کو خارج کرتے ہیں' کیا اسی کا نام اسلامی اتحاد ہے۔ پس جب تک مسلمانوں کو باہم ملا ملا کر اتفاق واتحاد اختیار نہ کرو گے کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو گے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : الا اخبرکم بافضل درجة الصیام والصدقة والصلٰوة قلنا بلٰی یا رسول اللّٰہ قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقة۔ یعنی "کیا میں تم کو ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو روزہ' صدقات' نماز سے بھی افضل اور بہتر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! ایسا عمل ضرور بتلائیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ وہ آپس میں صلح صفائی سے رہنا ہے اور باہمی فساد سے رہنا ایسا ہے جیسا استرا بالوں کو مونڈ دیتا ہے۔"

چنانچہ صحابہ نے عہد نبوی میں اس پر عمل کیا' تو وہ ہر میدان میں کامیاب ہوتے رہے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے فلاح بخشی اور باہم اتفاق کا بہت بڑا نسخہ ہمارے پیغمبر ﷺ نے یہ بتلایا ہے کہ لا یومن احدکم حتٰی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ یعنی "تم میں سے اس

وقت تک کوئی مومن نہ ہو گا جب تک یہ اصول اختیار نہ کرلے کہ جو چیز اپنے نفس کے لیے چاہتا اور دوست رکھتا ہے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے چاہے اور دوست رکھے۔" اس سے نفسانیت باطل ہو گی' اگر قومی اتحاد والے یہ اصول اختیار کرلیں تو سب مسلمان ان کے گرویدہ ہو جائیں گے۔

دوسری صورت جس سے قوم مسلم کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ سب علماء اسلام اور لیڈران قوم متفق ہو کر عبوری حکومت کے سربراہ کے پاس جا کر یہ درخواست کریں کہ وہ ملک کے اہل حل وعقد کو جمع کر کے مجلس شوریٰ قائم کریں اور پھر سب کے مشورے سے متفقہ طور پر امیر شریعت کا انتخاب کریں اور پھر سب اس کی بیعت کر کے اطاعت کا عہد کرلیں۔ پس امیر شریعت ملک میں نظام اسلام قائم کرے گا' جس سے اسلام اور اہل اسلام کی اصلاح ہو جائے گی۔ اب تک ملک میں انگریزی طرز کی حکومت قائم ہوتی رہی ہے' اس لئے اصلاح نہ ہو سکی' اب امیر شریعت اور خلیفہ اسلام قائم کر کے ملک کی حالت درست کریں۔ انشاء اللہ ملک کی کلیا پلٹ جائے گی اور حالت پرسکون ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے : لا یصلح للناس الا امیر۔ "لوگوں کی اصلاح امیر شریعت ہی کر سکتا ہے۔" پس جب امیر شریعت اور امام المسلمین نہ بنائیں گے تو سب جاہلیت کی موت مر جائیں گے۔ چنانچہ اس بارے میں احادیث نبویہ بہت وارد ہیں۔

صحیح مسلم جلد دوم ص ۱۲۸ میں حدیث ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔ یعنی "جو شخص مر گیا' دریں حال کہ اس نے کسی امام شریعت کی بیعت نہ کی تو وہ جاہلیت کی موت سے مرا۔" اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ہر شخص کو امیر شریعت کی بیعت کرنا واجب ہے' اگر بیعت نہ کی تو جاہلیت کی موت مرے گا۔

مجمع البحار میں اس حدیث پر لکھا ہے : ای کما یموت اھل الجاھلیۃ من الضلال والفرقۃ۔ یعنی "جیسے کفر کے زمانہ کے لوگ بغیر امام شرعی کی بیعت کے گمراہی اور فرقت پر مر گئے ویسے یہ لوگ جو امام شرعی بنا کر بیعت نہیں کرتے گمراہی پر مریں گے۔"

نیل الاوطار جزء ۷' ص ۱۴۳ میں ہے : ان یکون حالہ فی الموت کموت اھل الجاھلیۃ علی ضلال ولیس لہ امام مطاع۔ یعنی "جو شخص بیعت نہیں کرتا اس کا حال

جاہلیت کے لوگوں کی طرح گمراہی پر ہے کہ جاہلیت کے لوگوں کا کوئی امام اور پیشوا نہ تھا' جس کی اطاعت کی جاتی۔" پس جب اسی حالت پر موت آئی تو وہ گمراہی کی موت ہو گی' یعنی جس شخص نے کسی امام شرعی کی بیعت نہیں کی' اس کی موت جاہلیت کے لوگوں کی موت کی طرح ہو گی' یعنی گمراہی پر کیونکہ جاہلیت کے لوگوں کا بھی کوئی امام لائق اطاعت کے نہ تھا۔ جاہلیت کی موت' گمراہی کی موت نہایت خطرناک ہے' تو امام بنانا اور اس کی بیعت کرنا واجب ہوا۔

نیل الاوطار جلد ثالث' ص۔۹۱ میں ہے : وما یتم الواجب الا بالواجب کوجوبہ کما تقرر فی الاصول۔ یعنی "جو چیز کسی پر واجب ہے' وہ کسی اور چیز کے بغیر ادا نہیں ہوتی' تو وہ چیز ہی واجب ہے۔ یہ اصول میں بات مقرر ہو چکی ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے۔" مثلاً وضو کرنا نماز کے لیے واجب ہے اور وضو بغیر پانی کے نہیں ہوتا' تو پانی مہیا کرنا واجب ہے۔ ٹھیک اسی طرح امام کی اطاعت کے بغیر اور بیعت کے بغیر گمراہی کی موت ہے' تو امام بنانا اور امیر شریعت قائم کرنا واجب ہوا' ورنہ بغیر امام شرعی کی تقرری کے جاہلیت کی موت واقع ہو گی۔ کذا فی فتح الباری۔

سنن ابوداؤد طیالسی ص۔۲۵۹ میں یہ حدیث ہے : من مات ولیس علیہ امام مات میتتہ جاھلیۃ۔ پس امام شرعی واجب ہے' ورنہ زندگی گزارنا حرام گمراہی ہے۔ چنانچہ مسند احمد جلد سوم میں ہے : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع ان لا ینام نوما ولا یصبح صبحا ولا یمسی مساء الا وعلیہ امیر۔ یعنی "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کو طاقت ہو کہ وہ نہ سوئے' سونا اور نہ صبح کرے' صبح کرنا اور نہ شام کرے وہ شام کرنا' مگر اس حال میں کہ اس پر امیر مقرر ہو۔" یعنی نہایت جلدی امیر بنانا واجب ہے کہ صبح شام ہونے سے پہلے امیر بنایا جائے۔

منتقٰی میں یہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا : لا یحل لثلاث یکونون بفلاۃ من الارض الا امروا علیھم احدھم۔ (رواہ احمد) یعنی "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تین شخص کسی میدان میں ہوں' تو ان کو وہاں رہنا حلال نہیں' مگر اس حال میں کہ وہ اپنے میں سے ایک کو اپنے پر امیر مقرر کریں۔" امیر بنانے کی اس قدر تاکید ہے کہ اگر تین شخص سفر کریں تو ایک کو اپنے پر امیر مقرر

کریں۔ چنانچہ ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا : اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیومروا علیهم احدهم۔ یعنی "جب تین سفر میں نکلیں تو وہ ایک شخص کو اپنے پر امیر مقرر کریں۔" فتح الباری میں امیر مقرر کرنے کی یہ حکمت بیان کی گئی ہے :
والحکمة فی الامر بطاعتهم المحافظة علی اتفاق الکلمة کما فی الافتراق من الفساد۔ یعنی "امیر شرعی کی اطاعت کے حکم میں حکمت یہ ہے کہ سب متفق ہو کر رہیں اور باہم افتراق اور فساد نہ کریں۔" جس طرح سب علماء اور لیڈران میں باہم افتراق وفساد ہے۔

مسلم شریف میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا : ان امر علیکم عبد مجدع یقودکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا له واطیعوا۔ یعنی "اگر تم پر غلام ناک' کان کٹا ہوا امیر بنایا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے ساتھ حق کی طرف کھینچے' تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" پس شرعی اصطلاح میں امام اور امیر شریعت وہ شخص ہے' جو نبی کریم ﷺ کی قیادت میں اور آپ کے قائم مقام ہو کر دین اسلام اور شریعت محمدیہ کو قائم رکھے اور خلق خدا کو دعوت الی الحق دے۔ پس ایسے امیر کی اطاعت میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہو گی۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے : من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی۔ یعنی "آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔" امام نووی شرح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں یہ فرماتے ہیں : لان اللّٰہ تعالٰی امر بطاعة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وامر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بطاعته الامیر فتلازمت الطاعته۔ یعنی "اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم امیر کی اطاعت کرو۔"

پس ان اطاعتوں میں باہم تلازم ہو گیا' یعنی ایک کی اطاعت سے دوسرے کی اطاعت لازم آئے گی۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تو اللہ تعالٰی کی اطاعت ہو گئی اور جب امیر کی اطاعت کی تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہو گئی' لیکن یہ تلازم بایں شرط ہو گا' جب کہ امیر کتاب وسنت سے احکام لے کر نافذ کرے اور اگر اپنی رائے اور خواہشات کے

قوانین بنا کر نافذ کرے گا تو اس کی اطاعت سے اللہ اور رسول کی اطاعت لازم نہ آئے گی۔ پس اگر اللہ ورسول کی اطاعت کرنا ہو اور آئین اسلام جاری کرنا چاہو' تو پہلے امیر شریعت بناؤ' امیر بنانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو امیر بنایا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ یعنی "اللہ رب العالمین نے فرمایا فرشتوں کو کہ میں تو زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں۔" چنانچہ اس کو پیدا کیا اور علم عطا فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بابت قرآن کریم میں یہ ارشاد ہے : یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللّٰہ۔ یعنی "اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے۔ پس آپ لوگوں کی خصومات میں حق کے ساتھ فیصلے کرو اور مت پیروی کرو خواہش نفس کی کہ گمراہ کر دے گی تجھ کو راہ اللہ سے۔"

بروئے شرع محمدی خلیفہ اور امام' امیر کا مفہوم ایک ہی ہے' جس کی اتباع اللہ تعالیٰ کی اتباع ہے اور امیر شریعت کو سلطان بھی یعنی بادشاہ کہا جاتا ہے۔ مشکوٰۃ میں یہ حدیث ہے کہ زیاد عدوی کہتے ہیں کہ میں ابوبکرہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے تھا' وہ باریک لباس پہنے ہوئے تھا اور خطبہ دے رہا تھا' ابوبلال نے کہا کہ تم ہمارے امیر کو دیکھو کہ وہ فاسقوں کا لباس پہن رہا ہے۔ ابوبکرہ نے کہا کہ چپ رہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص توہین کرے بادشاہ کی جو اللہ کی طرف سے زمین میں مقرر ہے' اللہ تعالیٰ اس کو خوار کرے گا۔ اس حدیث میں امیر کو سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فتح الباری جز۔۲۵' ص۔۸۷۸ میں ہے : فان کل من یامر بحق وکان عادلا فھو امیر الشارع لانہ تولی بامرہ وبشریعتہ۔ یعنی "ہر وہ شخص جو حق کے ساتھ حکم اور فیصلے کرے اور عدل کرے' پس وہ شارع کی طرف سے امیر ہے' کیونکہ وہ شارع کے حکم سے اور اس کی شریعت کی رو سے امیر مقرر کیا گیا ہے۔ پس ایسے امیر کا ہونا ضروری ہے۔"

حدیث میں ہے : لا بدللناس من امارۃ۔ یعنی "لوگوں کو امیر بنائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔" (کنزالعمال۔ ج۔۲' ص۔۲۸)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : لا یصلح للناس الا امیر۔ "کہ لوگوں کی اصلاح امیر شریعت ہی کر سکتا ہے۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ فرمایا : لا بد للناس من امارۃ۔ کہ امیر شریعت بنائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔" پس امیر کا

تقرر سب مسلمانوں پر واجب ہے۔ تفسیر کبیر مبحث ستون نصب امام میں لکھا ہے : ا
وجوب نصبه علینا لا علی الله یعنی "امام شرعی کا مقرر کرنا ہم پر واجب ہے' اللہ پ
واجب نہیں۔" جیسا کہ رافضیوں کا مذہب ہے۔

کنزالعمال میں یہ حدیث ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص ایسے شہ
میں داخل ہو کہ وہاں امیر شریعت نہ ہو' تو وہاں رہائش اختیار نہ کرے۔" آنحضور ﷺ ک
وفات کے بعد صحابہ کرام نے آپ کی تکفین وتدفین سے پہلے امیر بنایا تھا' جو لوگ امیر او
مامور کے بغیر جلسے' جلوس' تقریریں کر رہے ہیں' یہ سب مختل ہیں' اسی وجہ سے ملک میں
پارٹیاں مختلف ہیں۔ تیس سال میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ سب فساد فی الارض تھ
امیر شریعت کا کام ہے اتفاق واتحاد بین المسلمین' مسائل شرعیہ کا حل' اسلام کی نشرواشاعت
امر بالمعروف ونہی عن المنکر' مقدمات اور خصومات کے فیصلے شرعی کرنا' مسلمانوں کا نظم ونسق
قائم کرنا' جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری' مسلمانوں کے معاملات کو سلجھانا' سب کو ایک مرکز پ
جمع کرنا اور اسلام کا صحیح نمونہ بنانا وغیرہ' اس لئے حکومت ملکی اور علماء اسلام اور لیڈران قو
سے میری یہ اپیل ہے کہ سب اتفاق کریں اور باہم مشورہ سے امیر شریعت مقرر کریں۔ وم
علینا الا البلاغ۔

عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث لاہور جلد ۵۹' شمارہ ۲۳' یکم ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۸ھ

موجودہ مسلمانوں کے حال پر تبصرہ اور ان کی مصلحانہ رائے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ

حضرات! آج ہم اہل اسلام جن گوناگوں مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہیں وہ کسی فرد بشر سے مخفی نہیں ہیں۔ تجارت وملازمت کے دروازوں پر ہندو قابض ہو چکے ہیں اور سلطنت عیسائیوں کے ہاتھ میں آچکی ہے۔ اب ہر جہت سے طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ غریب مختلف غیر مسلم اقوام کے نرغے میں آئے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں' نہ ان کے پاس سلطنت وحکومت ہے' نہ ملازمت وتجارت ہے' نہ مذہبی حمیت ہے' نہ آلات حرب ہیں' نہ مساوات اسلامی ہے' صرف من کل الوجوہ ان کے پاس غلامی ہی غلامی ہے۔ باوجود ان خطرناک گردابوں اور تباہی خیز آندھیوں کے علمائے اسلام جو گمراہوں کے رہنما اور روحانی امراض کے معالج قرار دیئے جاتے ہیں' کما حقہ اس قہر کا احساس نہیں کرتے یا کرتے ہیں' لیکن کوئی تدبیر علاج کی نہیں کرتے' حالانکہ علمائے دین کا یہ فرض ہے کہ ان مصائب وآلام کا علاج تلاش کریں' کیونکہ اسلام ایک کامل مذہب ہے' جس میں ہر زہر کا تریاق اور ہر زخم کی مرہم موجود ہے۔ ارشاد ہے : وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين۔ یعنی "ہم نے قرآن ہی میں مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت اتاری ہے۔" جیسے امراض مہلکہ قدیم سے چلے آرہے ہیں' ویسے ان امراض خبیثہ سے صحت یاب کرنے کے لیے وید اور حکیم بھی چلے آرہے ہیں۔ اب جب کہ مرض لگی ہوئی ہے اور دن بدن بڑھ رہی ہے' تو مریض لوگ علاج کیوں نہیں کراتے اور حکیم لوگ کیوں علاج نہیں کرتے' حالانکہ مرض کا سب کو یقین ہے اور احساس بھی سب کو ہے' مگر علاج نہیں کرتے کراتے۔

اے مسلمان بھائیو! خالی گھوڑوں کے دوڑانے سے یہ دور دراز کی مسافت طے نہیں ہو سکتی اور نہ ان خیالی پلاؤں سے کبھی پیٹ بھر سکتا ہے اور نہ ہی ان خیالی دواؤں اور علاجوں سے یہ امراض خبیثہ دفع ہو سکتی ہیں۔ اٹھئے! کمر ہمت باندھئے اور ان دماغی خیالات کو عملی جامہ پہنائیے۔ تب کوئی نتیجہ مرتب ہو سکتا ہے' کیونکہ اقدام عمل پر نتائج حسنہ کا ترتب لازمی ہے۔

موجودہ مصائب کا واحد علاج : مخفی نہ رہے کہ انسان کی اصلاح یا فساد کا دارومدار

اس کی اپنی قوت ارادی پر ہے' جس طرف قوت ارادی کی اسٹیم کا رخ ہو گا' ادھر ہی انسان کے تمام اعضاء نقل و حرکت کریں گے۔ پس ہماری امراض کا پہلا علاج یہ ہے کہ ہم اپنے اندر قوت ارادی پیدا کر کے اس کے مطابق نقل و حرکت شروع کریں۔ یہ قوت ارادی اور عمل اتنا مضبوط اور مستحکم ہو کہ ہم سمند عمل کو تیزگام چلاتے جائیں اور باد مخالف کے سخت ترین جھونکوں کو باد صبا تصور کرتے رہیں اور جب اثنائے عمل میں آلام و مصائب گھریں تو انا للہ کی شمشیر سے ان کے دو ٹکڑے کر دیں۔ تب اللہ تعالیٰ ایسے بہادروں کا مددگار ہو گا اور ان کا نعرہ تکبیر عرش معلیٰ سے خراج تحسین حاصل کرے گا۔ بس یہی وہ چیز ہے جس سے حلم صدیقی اور رعب فاروقی اور غناء عثمانی اور جرات حیدری دنیا پر نمودار ہوتی تھی' کیوں کہ ان بہادروں کو یقین کامل تھا کہ حصول عزت کا ذریعہ قرآن مجید ہے۔ بس انہوں نے بلداد الہی اپنے اندر قوت ارادی پیدا کی تھی' جس کی اسٹیم کا رخ عمل کی طرف کر دیا تھا۔ چنانچہ اس قرآن مجید کو سامنے رکھ کر انہوں نے اس طرح عمل کیا تھا کہ باوجود بہت مصائب لاحق ہونے کے وہ ہمت نہیں ہارتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رضی اللہ عنھم وارضاھم۔

<u>اب ہم کیا کریں؟:</u> جب ہم اپنے اندر قوت ارادی اور جذبہ عمل پیدا کر لیں اور مرض کمزوری اور کم ہمتی اور بزدلی سے صحت یاب ہو چکیں' تو ہم کو سب سے اول یہ کام کرنا چاہیے کہ باہمی تفرقہ و اختلاف کو مٹا کر اتفاق و اتحاد پیدا کریں بالخصوص اس امت محمدیہ ﷺ کے علمائے کرام کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اس تباہی خیز و فتنہ انگیز دور میں شریعت محمدیہ ﷺ کا وہ نور جو ان کے سینوں میں روشن ہے' اس کی مشعل سے گم گشتگان راہ ہدایت کو متفق ہو کر شاہراہ محمدی ﷺ پر لائیں اور اس دور فساد میں وہ راہ عمل اختیار کریں جس سے اسلام کو ترقی حاصل ہو۔ جس طرح آفتاب نبوت ﷺ نے اپنی ضیاباریوں سے اختلاف و عداوت کے سیاہ بادلوں کو سطح قلوب سے مٹا دیا تھا' اس طرح وارثان نبی ﷺ کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد مسلم کو مظہر محبت والفت بنا دیں اور ان کے قلوب سے عداوت و تفریق کو مٹا دیں۔

اگر آج چودھویں صدی کے دور میں جگر خراش مصیبتوں میں پھنسنے کے باوجود بھی علماء کی آپس میں سرپھٹول ہو کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں اور اعمال محدثہ پر عمل نہ کرنے والوں کو کافر کہیں اور سنت نبوی ﷺ کو زندہ کرنے والوں کو دشمن جانیں' تو اس سے زیادہ

خطرناک سیلاب اور کوئی نہیں آئے گا' ایسے علماء کو چاہیے کہ دنیا کی بلند ترین جگہ پر کھڑے ہو کر دنیا کو پیغام موت سنا دیں اور سننے والے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ماتم کا نوحہ کریں' کیونکہ حقیقی ماتم دین ہی کا ماتم ہے۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خون بار بار
یہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

علماء کی قسمیں: عام غرباء مسلمانوں کا تو اتنا ہی فرض ہے کہ آیت :فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ یعنی جس مسئلہ میں ضرورت ہو علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے سیکھیں اور علماء اسلام کا یہ فرض ہے کہ ان کو قرآن وحدیث کا حق حق مسئلہ بتائیں' لیکن اس دور فساد میں اس قدر مختلف فرقوں کے علماء پھر رہے ہیں کہ جن کا شمار بھی مشکل ہو رہا ہے۔ ہر ایک مولوی دعویٰ کرتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک کا پورا متبع ہوں۔ اس سے عوام الناس کو بہت حیرت ہوتی ہے کہ اب کیا کیا جائے کوئی مولوی کسی طرف کھینچتا ہے اور کوئی مولوی کسی طرف' ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ سو ایسے مسلمانوں کو یہ واضح ہو کہ علماء کی دو قسمیں ہیں' ایک علماء ربانی' دوم علماء طغیانی۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ بہترین خیر کے علماء کے چیدہ آدمی ہیں اور بدترین شر کے علماء میں سے شریر ہیں۔

علماء ربانی کی صحبت سے طبائع پر ایسا پاکیزہ اثر ہوتا ہے' گویا آنحضرت ﷺ کی صحبت میں بیٹھ گیا' یعنی جیسے آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ صحبت میں صحابہ کرام پر اثر ہوتا تھا' ویسے یعنی اس کے مشابہ علمائے ربانی کی صحبت سے طبائع پر اثر ہو گا' لیکن اثر کا یہ مطلب نہیں کہ دل کسی طرف کھینچنے لگے اور اس کی محبت ہونے لگے' بلکہ اثر کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اس مصاحب کے دل میں گھر جائے اور ایسی پختہ ہو کہ غیر اللہ کی عظمت وجلال سطوت وجبروت اس کے دل سے نکل جائے اور اللہ کی عظمت تھم جائے' کسی وقت بھی ہو خلاف مرضی الٰہی کام پر آمادہ نہ ہو۔ کتاب اللہ اور سنت رسول کا شوق اس قدر پیدا ہو کہ دن بدن ترقی کرتا جائے۔ احکام الٰہی کی مخالفت اور عصیان پر پشیمانی ہو اور گزشتہ گناہوں سے طلب معافی اور آئندہ کا عزم بالجزم کرے کہ مخالفت نہ کرے گا۔ سو یہ اثر انہی علماء سے حاصل ہو سکتا ہے جو اعلاء کلمتہ اللہ کو اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں اور ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور مخلوق خدا کی بہتری کے لیے کرتے ہیں۔

پس اصلاح پذیر مسلمانوں کے لیے فرض ہے کہ ایسے علماء ربانی میں ایک تبحر کو جس کا سینہ نور سے منور ہو اور عملی طور پر وہ محمدی طرز معاشرت کو محبوب رکھتا ہو' اپنا مقتداء بنا کر اس کے ماتحت رہ کر شریعت الٰہی پر عمل درآمد کریں اور ایسے رہنما کے وجود کو ترقی اسلام کا وسیلہ قرار دیں' دراصل وہ حبل اللہ ہو گا' جس کے متعلق قرآن میں یہ ارشاد ہے : واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ یعنی "سب جمع ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور متفرق نہ ہو جاؤ۔" سو اس کا واحد ذریعہ یہی ہے جو بیان ہوا۔ پس ایسا عالم ربانی سطح قلوب سے اختلاف وعداوت کی سیاہ گھٹاؤں کو چھن بھن کر سکتا ہے' لیکن ایسے علماء ربانی قلیل ہیں۔ جہاں کہیں پائے جاتے ہیں اور آواز حق نکالتے ہیں وہاں کئی ہزار بدعت پسند' شکم پرست طغیانی علماء شور برپا کر دیتے ہیں' جس سے عوام الناس کو حق وباطل میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

علمائے طغیانی جن کو شرار العلماء یا علماء سوء کہا جاتا ہے' ان کو حق سے کوئی واسطہ نہیں ہے' ان کو یا تو اپنے مذہب محدثہ کی حمایت درکار ہے یا اپنے حلوہ مانڈے سے کام ہے۔ اسلام کا بھلا ہو یا برا' مسلمان آپس میں لڑ مریں یا مصیبتیں اٹھائیں ان کو تو یہ غرض ہے کہ ہمارے ان مسائل کی اشاعت وترویج ہو جائے' جو زمانہ رسالت وصحابہ کی پیداوار نہیں ہیں۔ وہ جاہلوں پر خوب رنگ چڑھا کر علماء حق سے نفرت دلاتے ہیں اور فساد کا بیج بوتے ہیں اور ان پر الزامات لگا کر اپنی فوقیت ظاہر کرتے ہیں۔ سو مسلمانوں کا فرض ہے کہ علمائے حق اور علمائے طغیانی میں امتیاز کر کے راہ انصاف وحق کو اختیار کریں' ان علماء کا یہ مشغلہ ہے کہ وہ علمائے حق کی تکفیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو کافر کہو' جو نہ کہے گا وہ خود کافر ہے۔ یہ وہابی ہیں' بزرگوں کے منکر ہیں' ان کی شکل مت دیکھو' ان کے پاس تک نہ جاؤ' بلکہ ہو سکے تو ان کو مار دو' یا بے عزت کرو۔ سو مسلمانوں کو نہایت غور وفکر سے کام لے کر علماء حق اور علماء باطل میں امتیاز کر لینا چاہیے اور حتیٰ الوسیع باہم اتفاق واتحاد پیدا کرنا چاہیے' کیوں کہ اسلام کی ترقی کا باعث اور سبب اعظم اتفاق ہی ہے اور بس۔

(نوٹ) یہ مضمون آزادی سے پہلے کا ہے جبکہ ہندوپاک میں انگریز کی حکومت تھی۔ (خلیل)

عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد ۷' شمارہ ۲۸' مورخہ ۱۷ جون سنہ ۱۹۳۸ء

اسلامی دنیا میں حیرت انگیز ترقی

جلالۃ الملک سلطان ابن سعود کی عظیم الشان اصلاحی کامیابی

احکامت شرعیہ کی برکات

حضرات! اس وقت دنیا میں تحیر خیز ہنگامہ ترقی بپا ہے۔ خاص کر مغربی اقوام کی کارگزاریوں کو معمولی نگاہ سے دیکھ لیا جائے تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس وقت دنیا میں استعجاب انگیز مسابقت جاری ہے۔ ہر گوشہ سے بیداری کی تحریک اور ترقی کی صدائیں بلند ہیں' خصوصاً اپنی اپنی قوم کی فلاح اور ملک کی عزت و حرمت کے تحفظ کا خیال ہر روشن دماغ کے دل میں اس قدر پیدا ہو رہا ہے کہ وہ حتی الوسع اسی کی سرگرمیوں میں مصروف ہے اور اپنے خیالات وجذبات سے عامۃ الناس کے بے حس دلوں میں شعلہ حیات نو پھونک کر انہیں مسابقت اقوام کے ہنگامہ میں سرگرمی سے حصہ لینے پر آمادہ کر رہا ہے۔ ادیان باطلہ کے عروج اور تہذیب وتمدن کی اس حیرت انگیز ترقی کو جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود ایدہ اللہ بنصرہ نے اپنی بیدار مغزی اور روشن خیالی سے محسوس کیا اور طائرانہ نظر ملک حجاز پر ڈالی۔ جہاں ستم کوش اور ستمگر حکمران اپنی ایک قہرآلود شکن جبیں سے سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو خاک وخون میں تڑپا رہے تھے اور زبردست زبردستوں کو اپنی استبداد نوازیوں اور فتنہ انگیزیوں کے بے پناہ تیروں کی آماجگاہ بنا رہے تھے اور اہل حجاز اپنی اپنی بدمستیوں کا سمان نشاط بنا کر ہوس کی بزم آرائیوں میں مصروف ہو رہے تھے اور وطن نبی ﷺ بدتمیزیوں' خدائی قانون شکنیوں' شیطان پرستیوں' کفر ومعصیت' ظلم وعدوان کا مرکز بن رہا تھا اور جنوب مغرب میں شیطانی حکومت کی شان وشوکت کا اقبال واقتدار پورے عروج پر تھا اور عرب کے گمراہ باشندے عرب کے جاہل اور وحشی رہنماؤں کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ آپ کو اس تخیل وتصور سے غیرت کا وہ جوش پیدا ہوا کہ جس کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا اور اس جذبہ سے شبستان دل کے اندر اصلاحی ارادہ کا شعلہ روشن ہوا۔

اب اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ زندگی ایک خواب وخیال نہیں ہے' بلکہ

کامل انسان کے نزدیک ایک سنگین حقیقت ہے۔ دل خوش کن تماشا نہیں ہے' بلکہ میدان کارزار ہے۔ جہاں انہیں اپنے دل ودماغ اور جسم کی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر اپنی جوانمردی اور علوہمتی اور شجاعت کے جوہر دکھا کر دنیا اور خالق دنیا سے خراج تحسین حاصل کرنا ہے۔ بس حیات انسانی کی فتح وشکست' کامیابی وناکامی' عزت وذلت کے تمام کارنامے قوت خیال ہی کے نتائج واثرات ہیں۔ خیالات کی رو تبدیل کر دینے سے زندگی اور اس کے تمام کاروبار میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ خواہش اور ارادہ کی طاقت انسان میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے' اگر انسان اس کی بناء پر ہمت اور کوشش سے کام لے تو رذیل زندگی سے نکل کر شریف زندگی میں آسکتا ہے' کیونکہ یہ بات عقل ونقل' تجربہ ومشاہدہ سے پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ کامیابی کے خیالات کا نتیجہ کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ جلالتہ الملک ایدہ اللّٰہ بنصرہ اپنے اس پاکیزہ خیال کی بنا پر قوانین قدرت سے کام لیتے ہوئے ظلم وستم کی گھنگھور گھٹاؤں کو جو مطلع حجاز پر چھائی ہوئی تھیں' چھن بھن کرنا شروع کر دیا اور ہر قسم کے خس وخاشاک کو جو اس اصلاحی تحریک کے لیے سد راہ ثابت ہوا جلا کر راکھ کر دیا' پھر ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا کہ ظلم وستم کی فضاؤں میں تہلکہ مچا دیا اور ضلالت وجہالت کی شب دیجور میں صداقت وحقانیت کا وہ چراغ روشن کیا' جس نے بطالت وجہالت کی تاریکیوں کو دور کر کے ذرہ ذرہ کو اپنی ایمان پاش روشنی سے جگمگا کر تجلی زار صد طور بنا دیا اور ملک میں ایسا امن وسکون طاری ہوا کہ خزاں کی جگہ سعادت کی بہار آگئی۔ اس چمنستان میں وہ خونخوار بھیڑیے جو انسانی لباس میں دوسرے انسانوں کا خون پی رہے تھے' مدافعانہ چھری سے ہمیشہ کے لیے ذبح کر دیئے گئے۔ حق کما حقہ فتح ہو گئی اور باطل مغلوب ہو کر غائب ہو گیا۔ اب وہ باطل پرست پیشانیاں جو مخلوق خداوندی کے آستانہ پر جھک رہی تھیں' صرف اس وحدہ لاشریک خالق کے سامنے سربسجود ہیں' کیونکہ اس فرزند توحید نے اہل عرب کو توحید وسنت کی طرف بلا کر شرک وبدعت کو حماقت کا عظیم ترین مظاہرہ قرار دیا اور صوم وصلوٰۃ وزکوٰۃ وحج کا ان کو سختی پابند کیا۔ سب کو اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کا مختار کر کے زندگی بسر کرنے کی تاکید فرمائی اور فرمان جاری کر دیا کہ صداقت' امانت' دیانت' عفت' عصمت کی زندگی گزارو اور سیاہ کاریوں سے باز آجاؤ' کسی پر ظلم نہ کرو' یتیموں کا مال نہ کھاؤ' خونریزیوں سے دور رہو' ہر قسم کے شرک وبدعت سے اجتناب کر کے

اس وحدہ لاشریک کی پرستش کرو اور پیارے نبی ﷺ کے احکام کی اطاعت کرو اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی اتباع کو اصل ایمان سمجھو۔

پس آنجناب کے کلام بلاغت نظام کو سن کر طوعًا و کرھًا لوگوں نے منظور کیا اور صداقت کے رنگ میں رنگی ہوئی اسلامی تبلیغ نے ملک کو مسحور کر لیا۔ چنانچہ اس انقلاب آفریں صدا سے لوگ ایسے متاثر ہوئے ہیں کہ فطرت کا حسن حقیقی اور روحانیت کا جمال ہر چہرہ پر چمک رہا ہے اور چاروں طرف تہذیب و تمدن کی روشنی نظر آ رہی ہے۔ اب ان عالمگیر گمراہیوں اور ہولناک تاریکیوں کا نام و نشان نہیں ہے جو حکومت سعودی کی فتح و ظفر کے شادیانے بجنے سے قبل ملک حجاز پر چھائی ہوئی تھیں۔ پس یہ انقلاب عظیم اور تحیرخیز ترقی جلالتہ الملک ابن سعود ایدہ اللّٰہ بنصرہ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے، جنہوں نے ظلم و ستم کی شب تاریک میں عدل و انصاف، رحم و شفقت کی ضیا پاشیوں سے روشنی پھیلائی اور حقانیت کے مذبح پر اپنی زندگی کے تمام عیش و عشرت کو بے دریغ قربان کر دیا ہے، جس کا اعتراف متعصبین اعتراض کنندگان نے بھی کر لیا ہے۔ چنانچہ حکومت حجاز اور مجاہدین نجد کے شدید ترین اعداء نے بھی یہ شہادت دے دی ہے کہ اس حکومت کے عہد میں جو امن و سکون حاصل ہے، وہ پہلے نہ تھا۔

الفضل ماشهدت به الاعداء

الحمدللہ مخالفین کی زبان سے بھی جلالتہ الملک کی بزرگی اور صلاحیت ثابت ہو گئی ہے اور کیوں نہ ہو جلالتہ الملک نے نصرت الٰہی سے حجاز کو جس طرح کہ وہ مہبط دین الٰہی تھا اس طرح آج اس کو معمل دین الٰہی بنا دیا ہے۔ جس سے ملک کی یکسر حالت بدل گئی ہے اور گوشہ گوشہ نور ہدایت سے جگمگانے لگا ہے۔ پس اس قسم کی حیرت ناک تبدیلی آسانی سے ظہور میں نہیں آ سکتی، یہ صرف احکام شرعی کی برکات ہیں جن پر قوم و ملک کی ترقی و تنزل کا دارومدار ہے۔ پس جلالتہ الملک کی بلند خیالی میں یہی راز مضمر تھا جس کو انہوں نے عمل کے ذریعہ سے دنیا پر ظاہر کر دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

<u>عروج و ترقی کا صحیح مفہوم:</u> بعض انسان بہیمیت صفت یہ خیال کرتے ہیں کہ سب عزت و راحت، جاہ و جلال کا مدار اسباب معیشت پر ہے، اگر ان کی فراوانی ہو رہی ہو تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا عروج اور ترقی ہے، اگر ان میں کمی آنے لگے تو تنزل کا تصور آنے لگتا ہے۔ جن

دنیا داروں کا تعلق خدا سے نہیں ہے وہ محبت زر اور اس کے حصول کا نام ترقی رکھتے ہیں اور بعض نفس پرستوں کے نزدیک عبادت گاہوں' مساجد ومدارس کی آبادی کے بجائے تھیٹروں اور بائیسکوپوں کی کثرت اور تماشائیوں کا نام ترقی ہے' بلکہ ان ہوس پرستوں کے عندیہ میں عفت مآب وعصمت پناہ نازنین مستورات کا بے نقاب ہو کر جوان مردوں کی بدمستیوں کے سامان نشاط بن جانا یہی ترقی کے مفہوم میں داخل ہے۔ جب یہ ناعاقبت اندیش انسان بداخلاقیوں کی کثرت اور قناعت وکفایت شعاری کی بجائے اسراف اور تعیش جسمانی اور لذات حیوانی کا نام ترقی رکھتے ہیں' تو پھر ان چیزوں سے متنفر کیوں ہو سکتے ہیں' حالانکہ یہ حقیقت بین نگاہ رکھنے والوں کے نزدیک اسباب عروج نہیں عِلَلِ تباہی ہے۔ ہم کو ان پر بجائے ترقی کے تنزل کا اعتقاد رکھنا چاہیے' کیونکہ تمام ملل اس پر متفق ہیں کہ یہ روحانیت میں خلل انداز اور مضر ہیں۔

اکثر بادشاہوں' راجوں' مہاراجوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ممالک مختلف پر قابض ہو جانا اور بہت سے علاقہ جات کو فتح کرلینا ترقی ہے۔ الغرض اہل دنیا کے ترقی وعروج کے متعلق مختلف خیال ہیں جو سب فاسد ہیں۔ اصل واقعی بات یہ ہے کہ نہ تو مکاسب جو حصول معاش کا ذریعہ ہیں' جیسے صنعت' حرفت' تجارت' زراعت وغیرہ میں حقیقی کمال ہے' کیونکہ ان سب کا مآل شکم پروری ہے اور نہ ہی بداخلاقیوں کا نام عروج ہے۔ بے شک لذیذ اشیاء کے کھانے پینے سے طبیعت خوش ہوتی ہے اور لباس فاخرہ سے دل کو لطف آتا ہے اور سریلی آواز دل کو بھاتی ہے' لیکن یہ سب بہیمیت ہے۔ اصل مفہوم ترقی اور عروج کا یہ ہے کہ اس مستعار زندگی میں جذبہ تعلق باللہ کا تمام اعمال میں پیدا کیا جائے اور اس کے مضبوط ومستحکم رکھنے والی تجاویز عمل میں لائی جائیں۔ بس یہ ایک ہی چیز ہے جو روحانی کمال کا موجب ہے اور یہ اہل علم ودانش کے نزدیک مسلم امر ہے کہ کمال روحانی سے کمال جسمانی اور قوت ملکیہ سے قوت بہیمیہ خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت کی تکمیل کرنے والوں کے سامنے اعلیٰ درجہ کے بادشاہ بھی سرنگوں ہو جاتے ہیں' جس کو یہ کمال حاصل ہو جائے وہ مندرجہ ذیل امور کو باسانی انجام دے سکتا ہے۔

امور واسباب ترقی:

(ا) اللہ تعالیٰ کے تعلق کو نوع انسان میں مضبوط کرنا۔

(۲) بد اخلاقیوں سے مخلوق خدا کو بچانا۔
(۳) تعیش جسمانی جو روحانیت کو مضر ہو اس کو نفرت سے دیکھنا۔
(۴) مخالفت امر الٰہی کو تباہی کا ہم پلہ سمجھنا۔
(۵) ارادہ الٰہی کے موافق اشیاء ارضیہ میں تنظیم کرنا۔

ان چیزوں میں اگر ترقی ہونے لگے تو جان لینا چاہیے کہ انسان ترقی کر رہا ہے۔ زمانہ عروج وترقی سے یہی انسانی ترقی مراد لی جاتی ہے باقی خواص حیوانی ہیں جو ترقی ظاہر کی جاتی ہے وہ حقیقی ترقی نہیں ہے، وہ تو اس ترقی کی ادنیٰ خلوم ہے۔ قرآن پاک میں وارد ہے : وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ یعنی "تم بلند مرتبہ ہو اگر کامل ایمان رکھنے والے ہو۔" دوسری جگہ یوں آیا ہے : ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم۔ یعنی "تم میں سب سے زیادہ قابل عزت اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے : وللّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین۔ یعنی "عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے۔" دیگر جگہ فرمایا : ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ یعنی "اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ عزوجل تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ہر موقعہ پر ثابت رکھے گا۔"

آیت اول سے مومنوں کے لیے علو ثابت ہوا۔ آیت دوم سے متقی شخص معزز ثابت ہوا۔ آیت سوم سے مومنوں کے لیے عزت معلوم ہوئی اور آیت چہارم سے دین الٰہی کی حمایت کرنے والے کے ساتھ تائید ایزدی کا شامل ہونا قطعی معلوم ہوا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں (صحابہ کرام) نے اس تعلیم کو بسروچشم منظور کیا تھا اور وہ اس میں کمال حاصل کر چکے تو ان کو فتح ونصرت ایسی حاصل ہوئی کہ وہ ترقی وعروج کی بلند منزلوں تک جا پہنچے، دنیا ان کی اتباع کو باعث نجات سمجھتی تھی۔ مسدس حالی میں اس کا مختصر خاکہ یوں کھینچا گیا ہے۔

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا
ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
لئے علم وفن ان سے نصرانیوں نے
کیا کسب اخلاق روحانیوں نے

ادب ان سے سیکھا صفلہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک ملک میں ان کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے ان سے سیکھی تجارت
کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں
مہیا کئے سب کی راحت کے ساماں

اگر اب بھی کوئی انسان پر تکلف اور بر تعیش زمانہ میں اس تعلیم پر عمل پیرا ہو جائے تو وہ بھی انتم الاعلون کے مصداق ہو کر اپنے اسلاف کی خوبیاں حاصل کر سکتا ہے۔ موجودہ مسلمانوں کی ذلت کا اصلی سبب اس خدائی تعلیم سے اعراض ہے۔ جب انہوں نے لیل ونہار غفلت شعار بن کر اعراض عن القرآن کی روش اختیار کر لی تو قعر ذلت میں جا پڑے۔ تجارت میں سب سے پیچھے رہے تو اسی سبب سے اقتصادیات میں سب سے نیچے گر گئے' تو اسی سبب سے' سیاست میں ذلیل ہوئے' تو اسی سبب سے۔ غرض یہ کہ ہر رنگ میں متبرک ہستیوں کے کپوت اپنے اسلاف کی روش کو چھوڑ کر زوال پذیر ہو گئے۔ اب نہ معزز قوموں کی صف میں شامل کئے جاتے ہیں اور نہ ہی صنعت وحرفت میں ملدار گنے جاتے ہیں اور نہ سرمایہ داروں کی فہرست میں داخل ہیں' نہ ہی زندہ قوموں میں شمار کئے جاتے ہیں' بلکہ اگر ہندوستانی مسلمانوں کو جبل ذلت کے چند سنگریزے قرار دیا جائے تو بے شک موزوں ہے۔ جب انہوں نے خدائی قانون سے اعراض کیا تب اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سے رحمت کا ہاتھ اٹھا لیا۔ اب ان کے پاس نہ دین ہے نہ دنیا' ہر دو میں تنزل لاحق ہے۔

ہاں بطر الحق وغمط الناس کی صفت ان میں ایسی ہے کہ جلالتہ الملک ابن سعود جیسے کامل انسانوں پر تعصب اور باطل طرازیوں کو ہی شیوہ بنا کر شرمناک اعتراض کرنے شروع کر دیتے ہیں' حالانکہ سلطان ابن سعود جیسے انسانوں کا موجودہ اقتدار ہی اسی سبب سے ہوا ہے کہ سلطان موصوف کی نیت' ان کا شیوہ' عمل' ان کا طرز اصول' ان کا طریقہ کار احکام شرع پر مبنی ہے اور آنجناب کو مکارم اخلاق کی وہ دولت حاصل ہے جو قارون کے گنج اور یورپ کے بے اندازہ خزانوں پر خندہ زن ہے۔ جلالتہ الملک ترقی وعروج کے صحیح مفہوم سے خوب واقف ہیں' اس لئے اسی کے مطابق عمل درآمد کر رہے ہیں۔ انسان کی زندگی اتنی ہی کامران

ہوتی جتنی سرگرمی اور تندہی سے وہ تلاش صداقت اور پھر اس کی اشاعت میں منہمک رہتا ہے۔ اس فرشتہ رحمت نے نہایت جرات اور ثابت قدمی کے ساتھ باطل کا مقابلہ کر کے اس کو نیست ونابود کیا اور عین ضرورت کے وقت جب کہ خانہ خدا کو مملکت کفر میں شامل کیا جا رہا تھا' اپنی خداداد طاقت سے وطن نبوی اور خانہ خدا اور مرکز اسلام کو شریفی دجالوں سے پاک کر دیا۔ جس سے کعبتہ اللہ اور جزیرہ محمد ﷺ یورپ کے ان دشمنوں کے ہاتھ سے بچ گیا جو عرصہ سے ان پر گھات لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ جزاہ اللّٰہ عن الاسلام خیراً۔

جب جلالتہ الملک کو نصرت الٰہی سے حجاز مقدس کی خود مختاری اور کامل آزادی حاصل ہو گئی' تب سے خدمت حرمین کا ذمہ آپ نے لے لیا اور ہر شعبہ میں اصلاحی کاروائی شروع کر دی۔ اب جو امن وسلوک ملک کو نصیب ہو رہا ہے اور بے خوف وخطر زندگی بسر کرنے کی نعمت میسر ہوتی ہے' وہ بالیقین اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان احسان ہے' جو ایک عادل حکمران کے وجود سے اسلامی دنیا پر عیاں ہوا۔ اس کا شکریہ ہر مسلمان بالخصوص اہل حجاز پر واجب ہے۔

میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ حقیقی ترقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کو نوع انسان میں مضبوط کرنا۔ سو جلالتہ الملک نے مشرکانہ مراسم کا قلع قمع کر کے بدعات وظلمات اور نہی عن المنکر فرما کر شرعی امور کی پابندی کا اعلان کر دیا ہے۔ اب حجاز میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے شرعی حکومت کا عہد مبارک قائم ہو گیا ہے۔ چنانچہ امور شرعی جاری شدہ یہ ہیں۔

(۱) اذان سن کر بازار کے لوگوں کو مسجد کی طرف آنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور تاخیر مستوجب سزائے شرعی ہے۔

(۲) کسی مذہب کو گالی دینا اور غیراللہ کی قسم کھانا بھی مستوجب سزائے شرعی بتایا گیا ہے۔

(۳) لہو ولعب پر جمع ہونے سے روکا گیا ہے۔

(۴) مسکرات کو ممنوع قرار دے کر استعمال کنندہ پر شرعی سزا کا حکم سنایا گیا ہے۔

(۵) داڑھی منڈانا حرام اور اس پر سزا اور حجام کو بھی سزا اور اس کی دکان کو ضبط کرنے کا حکم جاری کیا گیا ہے۔

(۶) مفتر شے تمباکو وغیرہ سے بھی منع کیا گیا ہے۔ تمباکو نوش سے پہلے تفہیم سے کام لے کر پھر سزا تجویز کی گئی ہے۔

(۷) دفن کے بعد تعزیت کے لیے جو مراسم اختراع کی گئی تھیں' ان کا انسداد کیا گیا ہے۔

(۸) اہل میت کو مردہ پر نوحہ کرنا ممنوع ہے۔

(۹) حکومت حجاز میں تقریبوں پر مردوں اور عورتوں کا باہمی اجتماع ممنوع ہے۔

(۱۰) فال کھول کر غیب کی باتیں بتانا اور اس قسم کے ناجائز کام اور خرافات روک دیئے گئے ہیں۔

(۱۱) مردوں کے واسطے زیور سونا یا چاندی بالستثناء طریق مسنون اور خالص ریشمی لباس پہننا بالستثناء ان صورتوں کے جن کی شرع نے اجازت دی ہے' ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۱۲) سود کی تمام صورتیں حرام اور ممنوع ہیں۔

(۱۳) دکانداروں کو دھوکا کرنے سے مسدود کیا گیا ہے۔

(۱۴) عورتوں کے لیے زیب وزینت لگا کر اور عطر وغیرہ خوشبو لگا کر باہر نکلنا اور مردوں کے ہجوم میں داخل ہونا ممنوع ہے۔ اگر کسی صورت میں بامر ضرورت برفاقت محرم ہو تو اجازت حاصل ہو گی۔

(۱۵) غسل اور وضو کے مقامات میں ستر کھولنا ناجائز ہے۔

(۱۶) معلموں کو ہدایت کی گئی ہے کہ حاجیوں کو غیر مسنون ادعیہ نہ پڑھائیں' مسنون وماثور دعائیں پڑھائیں۔

(۱۷) عورتوں کے لیے عام قبور کی زیارت ممنوع ہے' صرف روزہ مطہرہ کی زیارت ودرود وسلام کی غرض سے کرے تو اجازت ہے۔

(۱۸) لوگوں کو بدعیہ اذکار سے مسجدوں اور خانقاہوں میں روک دیا گیا ہے۔

(۱۹) جن جرائم پر شرع محمدیہ ﷺ نے حدود بتلائی ہیں اور تعزیر فرمائی ہے ان کو مجرموں پر قائم کر دیا گیا ہے۔

(۲۰) عدالت شرعی قائم کرنے کے علاوہ محلہ کے ہر نمبردار کو اس کے محلہ میں منکرات کے انسداد کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے' اگر معلوم ہو کہ وہ عمداً چشم پوشی کر رہا ہے تو اس کو بھی شریک جرم قرار دیا گیا ہے۔ (امور مستفاد از اخبار توحید وغیرہ)

اب ناظرین انصاف کریں کہ خدائی تعلق کو نوع انسان میں بطریق شرعی مضبوط کیا گیا ہے' یا نہیں؟ ساکنین حرمین اور زائرین کے لیے اس حسن انتظام کی بدولت امن وسلامتی

حاصل ہو گئی ہے' یا نہیں؟ کچھ شک نہیں دنیا شہادت دے رہی ہے اور دن رات متواتر خبریں آرہی ہیں اور اخباری دنیا میں ڈنکا بج چکا ہے کہ نجد وحجاز وملحقاتھا میں وہ امن وسلامتی میسر ہوئی ہے جو پہلے کسی کو نہ ہوئی تھی۔ کسی چور ڈاکو کی یہ طاقت ہی نہیں رہی کہ کسی کی طرف نظربد سے دیکھے۔ اکیلا مسافر مال لے کر جا سکتا ہے۔ زیورات سے لدی ہوئی مستورات صحراء حجاز میں سفر کر سکتی ہیں۔ ہر ملک کے حاجی امن وسکون کے نظارے دیکھ کر ممنون ومسرور ہو کر آتے ہیں۔ دنیا اس امن وسکون کے میسر ہونے کی مختلف وجوہات بیان کرتی ہے۔ کوئی اس کا موجب قتل وغارت کو قرار دیتا ہے اور کوئی براہ تعصب ظلم وتعدی کو اس کا سبب بیان کرتا ہے' حالانکہ یہ سب بدظنیوں اور عداوتوں کا نتیجہ ہے کہ ایسے جھوٹے الزامات قائم کرتے ہیں۔ اصلی بات یہ ہے کہ احکام شریعت کے قیام کی برکت ہے۔ حجاز وغیرہ پر جلالتہ الملک کی ذاتی حکومت نہیں ہے بلکہ اسلام اس ملک پر حکمران ہے۔ صرف اس میں جلالتہ الملک کی نیک نیتی اور سعادت مندی کو ضرور دخل ہے کہ وہ اس بنا پر احکام شرعی کا اجراء فرما رہے ہیں۔

اہل علم حضرات پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اسلام ہی نے حکومت کو قابل خوف اور لائق احترام ہونے کے ساتھ محبوب شے بنایا ہے اور اس کی محبوبی کا سبب یہ ہے کہ وہ شریعت کی خادم ہو کر شریعت کے احکام نافذ کرتی ہے۔ پس حکومت کا حقیقی لازوال اقتدار شریعت ہی سے قائم ہو سکتا ہے' کیونکہ ایسے حکمران کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین شہنشاہ رب العالمین سے ہو جاتا ہے۔ جس نے ایسے عادل خلیفہ کو ظل عرش عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور دنیا بھی ایسے خلیفہ کی قدر کرتی ہے اور اہل حل وعقد بھی یہ کہتے ہیں کہ زمام حکومت اس کو دی جائے جو قانون خداوندی ملک خدا میں جاری کرے' کیونکہ پیغام فتح اسلام اسی قانون کی پابندی سے ہے' جو شخص یا قوم اصول اسلام کی پابند ہو کر یہ فیصلہ کرے کہ یا تخت ہے' یا تختہ' تو وہ کبھی مٹ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ حسب وعدہ اس کی پشت پناہی فرمائے گا۔ ظاہر وباطن' زمین وآسمان کی تمام طاقتیں اس کی خدمت کے لیے وقف ہو جائیں گی اور وہ قوم تمام قوموں کی سردار ہو کر رہے گی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولو انھم اقاموا التورۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم۔ یعنی "اگر وہ تورات وانجیل اور تمام احکام الٰہی کو قائم کرتے' تو زمین وآسمان سے اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کو حاصل کرتے۔"

جلالتہ الملک دام اقبالہ وافضالہ نے انہی اصول کی پابندی علوہمتی سے کی اور اپنی رعایا کو کروائی۔ چنانچہ نجد کے دارالسلطنت ریاض میں جبکہ آٹھ سو علماء کرام' امراء عظام' زعما اور نمائندگان ملک کا بے نظیر اجتماع ہوا تھا اور عوام کی تعداد ہزاروں کی تھی' اس کانفرس میں جلالتہ الملک نے جو خطبہ پڑھا تھا اس میں اجتماع کا مقصد بیان فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم میں سے کسی کے دل میں کوئی شکایت میرے خلاف ہو یا میرے کسی نائب یا امیر کے خلاف ہو یا کسی کی حق تلفی ہوئی ہو' تو میں چاہتا ہوں کہ اس کو معلوم کروں' تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤں تو اس کے مواخذہ یا بازپرس سے محفوظ رہوں اور اسی جگہ جو مجھ پر واجب ہے اس کو ادا کر دوں۔

پھر اس تقریر پر تاثیر میں موصوف نے علماء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ تم کو اللہ تعالیٰ عنقریب اپنی بارگاہ میں پیش کرنے کا حکم دے گا اور تم ان امور کے متعلق پوچھے جاؤ گے' جن کے متعلق آج میں تم سے پوچھ رہا ہوں اور جن امور پر مسلمانوں نے تم کو اپنا امین بنایا ہے۔ پس ہر امر میں حق کو ظاہر کرو اور کسی بڑے چھوٹے کی پرواہ نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے رعیت کا حق بادشاہ پر اور بادشاہ کا حق رعیت پر دینی یا دنیاوی معاملات میں مقرر کیا ہے' اس کو بیان کرو۔ دیکھو کسی چیز کو چھپائے نہ رکھنا' جس کسی نے اپنے دل میں کچھ چھپائے رکھا اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ جو شخص تم میں سے حق بات کہے گا میں اس سے عہد کرتا ہوں کہ اس کو کسی قسم کی سرزنش نہیں کروں گا' بلکہ ممنون ہوں گا اور جس پر علماء نے اتفاق کر لیا اس کو نافذ کر دوں گا اور جس پر تم میں اختلاف ہو گیا اس میں سلف صالحین کے مسلک کے مطابق جو قول کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہو گا اس پر عمل کروں گا۔ اے حضرات علماء دیکھنا میری خوشنودی مزاج کے لیے یا میرے رعب میں آکر کسی حق بات کو نہ چھپانا' جس کسی نے کوئی مسئلہ شرعی میرے لحاظ سے یا خوف سے چھپایا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ سن کر علماء نے عہد کیا کہ کسی حق بات کو نہیں چھپائیں گے' پھر اس کانفرنس میں زعماء قوم اور شیوخ قبائل کی تقریریں ہوئیں' جس میں انہوں نے یہ شہادت دی کہ اے عبدالعزیز آپ سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہم لوگ اس سے پہلے جنگلی تھے' تمام خلاف شریعت اور اخلاق سے

گرے ہوئے کام ہم سے سرزد ہوتے تھے۔ جب اللہ نے ہم پر احسان کیا تو ہمیں اپنے فضل وکرم اور اس کے بعد آپ کے آباء واجداد کی کوششوں سے ابتداء" اور آجکل آپ کی مساعی جمیلہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا۔

جب بادشاہ اور خلیفہ میں للّٰہیت اور دینی صداقت اور علوہمتی اور شجاعت پیدا ہو جائے تو رعایا میں بھی اس کا اثر آجاتا ہے : الناس علی دین ملوکھم۔ مقولہ مشہور ہے۔ زعماء' اخوان اور شیوخ نے اپنے اپنے قبائل کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ہم صرف رضا الٰہی کے طالب ہیں۔ دولت کو پھینکا' خاندانوں کو چھوڑا' صرف اللہ کے لیے ہجرت کی' ہم اپنے مال وجان کو اللہ کے راستے میں وقف کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ کلمتہ اللہ بلند ہو اور دین الٰہی غالب ہو اور اس جہاد کے لیے آپ ہمارے امام ہوں۔ یہ وفادارانہ جذبات کا اظہار ایمانی قوت اور شرعی طاقت سے ہے۔

غرض ان اقتباسات سے جو اخبار توحید سنہ ۔ ۱۹۴۷ء سے ماخوذ ہیں' والی نجد وحجاز اور اس کی رعایا کی شرعی حالت کا نقشہ معلوم ہو گیا ہے۔ اب بالانصاف ناظرین غور فرمالیں کہ جلالتہ الملک اور آپ کی رعایا کی دینی حمیت کیسی ہے؟ اس کا اندازہ کرلینے کے بعد معلوم کرلیں کہ وہ دین الٰہی کی عزت وحرمت کی بقا کے لیے کس قدر پاکیزہ عزائم رکھتے ہیں۔ بس یہی چیز ان کی حقیقی ترقی کا باعث ہے' کیونکہ ایسے کامل انسانوں کے ساتھ تائید ایزدی ہمیشہ شامل ہے۔

ہندوستان کا سیاسی زوال کیوں ہوا؟ اور حکومت سعودی کا کمال کیوں؟ :

ہمارے ہندوستان میں سیاسی زوال کیوں ہوا؟ افلاس نے مسلمانوں کو ناتواں کر دیا؟ سازوسامان کی کمی نے کیوں اس طرح ناقابل بنا دیا کہ یورپ کے طالبان جاہ واقتدار کی درازدستی کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور محکومی کی جملہ آفتوں اور ذلتوں کو برداشت کر رہے ہیں' سو اس انحطاط کا اصلی سبب یہی ہے کہ مسلمانوں نے احکام الٰہی سے روگردانی کرلی تھی اور اب تک کیے ہوئے ہیں۔ مادی اقتدار اور خوشحالی ان لوگوں کا حصہ ہے جو فطرت کے تسلط یافتہ قوانین کو دریافت کرتے ہیں اور اس علم کے ذریعے سے فطرت کی نعمتوں سے افادہ واستفادہ کرتے ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے قوانین شرعیہ کے ذریعہ سے ہی ہماری اخلاقی اور تمدنی راحت وخوشحالی کا سامان مہیا کیا تھا۔ پس کامل ایمان رکھنے والے بھی

باتباع اسوہ حسنہ اپنی سعی جمیلہ سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جس کی نظیر جلالتہ الملک اور آپ کے مجاہدین ہیں' جن کی حیات طیبہ کے عدیم النظیر واقعات اور فقید المثال کارنامے اس قدر ہیں کہ گم گشتگان بادیہ ضلالت اور کارگاہ خیر و شر کی کشاکش سے گھبرائے ہوئے لوگوں کے سامنے رکھے جائیں تو ان کی شاہراہ حیات پر ہدایت کی روشنی کا مینار بن سکیں۔ آپ کے وجود کی برکت سے جو ملک کی دینی اور دنیوی اشیاء میں اصلاحات عمل میں آئی ہیں' وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہیں۔

کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۲۶ء میں موصوف نے خود بیان فرمایا کہ "جب میں تمہاری اور تمہارے وطن کی آزادی کے لئے گھر سے چلا تھا تو تم سب فرقوں اور جماعتوں میں منقسم تھے۔ ایک دوسرے کا قتل ونہب تمہارا مشغلہ تھا اور تمہارے حکام کی بھی یہ حالت تھی کہ وہ عربی تھے' یا غیر عربی سب کے سب تمہیں متفرق اور مشتت رکھنے کے لیے طرح طرح کی فریب کاریاں کرتے تھے' تاکہ تمہاری قوت ٹوٹ جائے اور ان کے شخصی مقاصد پورے ہوتے رہیں اور مجھے بھی معلوم ہے کہ میں جس وقت گھر سے نکلا تھا تو بالکل ضعیف تھا' کوئی میرا بازو نہ تھا' ایک اللہ کی نصرت واعانت میرے شامل حال تھی۔ میرے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے' جس کا تمہیں علم ہے اور میں اس وقت وہ تمام تفاصیل بیان نہیں کرنا چاہتا کہ کس طرح مجھے اللہ تعالیٰ نے فتوحات بخشیں اور نہ میں ان تفصیلات میں جانا چاہتا ہوں کہ اس عرصہ میں میں نے اپنی قوم اور وطن کی کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ تمہارے دلوں میں میرے بتلائے بغیر ہی نقش ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے : السیرۃ مرءۃ السریرۃ۔ یعنی "انسان کا عمل اس کے اندرونی خیالات وافکار کا آئینہ ہوتا ہے۔"
(توحید)

اس پر ہندوستان کے کئی کروڑ مسلمان غور کریں اور پھر غیرت اختیار کریں کہ ایک شخص صرف چالیس آدمیوں کے ساتھ کیسے ترقی کر گیا اور ہم باوجود کئی کروڑ ہونے کے کیوں تنزل کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں؟ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہے جو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے قابل ہے کہ آپ کی ترقی توحید وسنت یعنی اصول اسلام کی پابندی سے ہوئی ہے۔ اس محل اسلام کی تعمیر رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں نے جس سنگ بنیاد پر کی تھی' جلالتہ الملک اور آپ کے چالیس رفقاء نے اسی بناء پر اس محل کی درستی کی ہے' جو

اینٹیں جہاں سے گر چکی تھیں ان کو وہیں پھر لگا دیا اور جہاں سے نقش ونگار بگڑ چکے تھے انہیں پھر تازہ کر دیا۔ پس ان متبعین کتاب وسنت کو ان اصلاحات سے یہ انقلاب حاصل ہوا جو دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ جب ماسویٰ اللہ سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے غلام بن گئے اور غیراللہ کا رعب دلوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کا رعب قائم کر لیا اور ہر لمحہ زندگی میں رضائے مولا ازہمہ اولیٰ سمجھنے لگے اور شعائراللہ کی عزت وحرمت کے تحفظ کو اپنی زندگی سے ضروری قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا پیغام بھیج دیا' اور وہ حزب اللّٰہ ھم الغالبون بن گئے۔

ہمارے ملک اور دیگر ممالک کے مسلمانوں نے ان بنیادوں سے ہٹ کر دوسری چیزوں کو بنیاد قرار دے لیا ہے' جن سے وہ کامیاب نہیں ہو سکتے' بلکہ اس مصنوعی اسلام سے برکات الٰہی کا نزول اور کامیابیوں کا حصول ناممکن اور محال ہے۔ ہاں ترقی کا ذریعہ وہی ہے جس کو جلالتہ الملک نے اختیار کیا اور ایک تقریر میں یہ بیان فرمایا:

"ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں' ترقی کرنا چاہتے ہیں' لیکن مضبوط قدموں سے۔ ترقی میں ہمارے خیالات' ہمارے معتقدات' ہماری آرزوئیں ہمیشہ نبی ﷺ اور سلف صالحین کی پیروی کے ساتھ ہونی چاہئیں۔ دنیا کا جو کام ہمارے دین کے مطابق ہو گا اسے کریں گے' جو مخالف ہو گا اس سے باز رہیں گے۔ (توحید امرتسر)

موجودہ فرمان روایان اسلام کا تقابل کرنے سے یہ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ والی نجد وحجاز نے جو ترقی کی ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی' کیونکہ اس کا ذریعہ قرآن ہے۔ پس اگر ہندوستان یا دوسرا کوئی ملک ترقی عروج کا خواہاں ہے تو اس وسیلہ کو اختیار کرے۔ ودونہ خرط القتاد۔

ایک مصری سیاح کی شہادت ہے کہ مجھ سے جلالتہ الملک نے بیان فرمایا: "ہم نے فوج کشی تو کر دی' مگر ہمیں پورا یقین تھا کہ ہماری غرض صرف حجاز کی ظالموں سے تطہیر' حجاج کے لیے امن اور مسلمانوں کے مال وجان کی حمایت ہے۔ ہمیں ہرگز خیال نہ تھا کہ ہم حجاز فتح کرنے اور اپنی سلطنت وقوت بڑھانے جا رہے ہیں۔"

بس اسی اخلاص کی برکت سے اس وقت سرزمین حجاز میں پورا پورا امن قائم ہو چکا ہے اور ہر طرح کی بدامنی اور من گھڑت قوانین کا قطعی انسداد کر دیا گیا۔ چنانچہ اس مذہبی پابندی

اور حسن انتظام اور امن وسکون کے اکثر پرستاران حجر وقبر بھی مداح ہیں' صرف بعض شدید ترین اعداء اپنے افتراء وکذب اور دجل وفریب سے جلالتہ الملک کو بدنام کرنا چاہتے ہیں اور حج وغیرہ کار خیر متعلقہ حجاز سے لوگوں کو روکتے ہیں اور موصوف کے عالمگیر قوانین اور کامیاب ارادوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں' جو ان کی بددیانتی اور شرارت کا شرمناک مظاہرہ ہے۔ مسلمانوں کو اس سے متاثر نہ ہونا چاہئے' بلکہ ہمیشہ فرمان خداوندی کونوا مع الصادقین۔ پر عمل کرنا چاہیے۔ بالآخر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شرعی حکومت کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس کی تمام ملکوں میں ترقی کرے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمیں باد

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عبدالقادر عارف الحصاری گنگوی

تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد۔۶' شمارہ۔۴۲' مورخہ۔ ۱۵' ۲۲ اکتوبر سنہ۔ ۱۹۴۳ء

قوم اوڈ کی اصلاح اور اُن کا مصلح اعظم

ناظرین! آپ قوم اوڈ سے غالباً واقف ہوں گے' مختصر تعارف یہ ہے کہ یہ ایک جنگلی قوم ہے' جو قافلہ کے طور بکریاں لے کر جنگل میں ہمیشہ چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ اپنی سرکیاں کسی گاؤں یا شہر کے آس پاس لگا کر چند روز گزارتے ہوئے آگے چلے جاتے ہیں۔ عربی محاورہ میں ان کو اعرابی یا بدوی کہنا چاہیے۔ لڑنے میں یہ قوم بہت بہادر ہے' لیکن اکثر لڑائیاں ان کی ناجائز ہوتی ہیں۔ چنانچہ زمینداروں کے کھیتوں کو علانیہ خراب وتباہ کرنا پھر ان سے لڑائیاں کرتے ہیں۔ ان کی کمائی تجارت وغیرہ حلال ذریعہ سے ہوتی ہے' مگر ان کا اکثر حصہ ناجائز مقدمات فوجداری میں صرف ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر ان کا کوئی قائد ہادی اور رہبر نہیں تھا۔ اس لئے آج تک ان کی کوئی خاص اصلاح نہیں ہوئی اور یہ قوم عام زمینداروں کے لیے خطرناک ہی رہی' مگر الحمدللہ اس قوم میں کچھ عرصہ سے اصلاح کا کام شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ فاضلکا میں جو جماعت اوڈوں کی مولانا عبداللہ صاحب کے زیر سایہ مقیم ہے' ان کی دینی حالت نہایت ترقی پر ہے۔

مورخہ ۱۰ شوال سنہ۔۱۳۵۵ھ کو کمترین مدرسہ اسلامیہ قوم اوڈاں فاضلکا میں قیام پذیر ہوا' یہاں کی جو جماعت محلہ کہیٹکاں کے متصل آباد ہے' وہ تمام منظم ہے جن کے امیر مولانا محترم مولوی عبداللہ صاحب دام اقبالہ ہیں اور اب رحمہ اللہ۔ آنجناب نے اپنی قوم میں مسئلہ امارت جاری فرما کر مردہ سنت کو زندہ کیا ہے۔ قبل ازاں تمام قوم انفرادی زندگی وحشیوں کی طرح گزارتی رہی ہے اور بالکل اپنے نفس کے ماتحت آزاد پھرتی رہی ہے' لیکن اب منظم زندگی کا سبق لے کر تمام کاروبار دین ودنیا کے اپنے امیر کے ماتحت اجتماعی قوت سے سرانجام دے رہی ہے۔

توحید' اتباع سنت' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ دینی کام کا خصوصیت سے جذبہ موجود ہے۔ ہر خورد وکلاں' مرد وعورت نمازی ہی نظر آتا ہے' کیونکہ مولانا عبداللہ صاحب امیر جماعت کا اعلان ہے کہ بے نماز کا جنازہ جائز نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی بے نماز مر جاتا ہے تو اس کا جنازہ نہ امیر صاحب خود پڑھتے ہیں نہ کسی کو پڑھنے دیتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ تمام جماعت کے افراد نمازی ہیں۔ ان کے باہمی تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ اکثر بروئے شریعت محمدیہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ میرے سامنے بعض فیصلے اسی طرح ہوئے۔ جب اس جماعت کا نزاع ہو جاتا ہے تو فوراً اس کا فیصلہ اپنے امیر سے کرا کر متحد ہو جاتے ہیں۔ ذاتی اختلافات ان کے ظاہر میں موجود نہیں ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ تمام جماعت اپنے امیر موصوف کے ساتھ انتہائی عقیدت رکھتی ہے اور ہر امر میں ان کی اطاعت گزار ہے' کیونکہ آپ اپنی قوم کے نہایت ہمدرد ہیں' جو ان کے لیے دینی و دنیاوی ترقی کے ضروری مسائل فراہم کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کی اصلاح کے لیے ایک مدرسہ سرکاری سکولوں کے طرز پر بنوا کر اس میں تعلیم جاری کر دی ہے' جس میں قوم اوڈ کے لڑکے لڑکیاں تعلیم پاتے ہیں۔ ان کو اردو کی کتابیں حسب کتابت پڑھائی سکھائی جاتی ہے اور ان کے اخلاق کی ہر طرح اصلاح کی جاتی ہے۔ چنانچہ اب ان کی اخلاقی حالت پہلے سے بہت سدھر گئی ہے۔

اسی طرح ایک مدرسہ اسلامیہ خادم الکتاب والسنۃ کے نام سے اپنے زیر اہتمام جاری کر رکھا ہے' جس میں قرآن وحدیث وغیرہ علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے' اس میں بھی لڑکے اور لڑکیاں کافی مقدار میں تعلیم پا رہے ہیں اور کئی ایک اپنی قوم میں تبلیغ کے قابل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب امتحان لیا گیا تو نتیجہ بہت اچھا رہا۔ ہر جمعرات کو طلبہ کا جلسہ ہوتا ہے' جس میں وہ حسب استطاعت وعلمی لیاقت کے تقریریں کرتے ہیں۔ ان کو توحید وسنت کے مضامین دیے جاتے ہیں' جن کے مطابق آیات اور احادیث طلباء یاد کر کے ہر جمعرات کو سناتے ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس میں رحمۃ للعالمین ہر سہ حصہ مصنفہ قاضی سلیمان مرحوم داخل نصاب تھی۔ اس مدرسہ میں دیگر مدارس اسلامیہ کی نسبت یہ نمایاں خصوصیت پائی گئی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے طلباء کو ادعیہ مسنونہ ہر موقعہ کی یاد کرائی گئی ہیں۔ میں کئی ایک لڑکوں سے بعض دعائیں مسجد میں داخل ہونے' نکلنے' کھانے' پینے' سونے' اٹھنے' قضاحاجات کو جانے اور آنے' نماز' روزہ کی سنی تھیں' جن کو سن کر میں بہت خوش ہوا۔

قوم اوڈ ایک وحشی قوم ہے' جو جنگلوں اور بیابانوں میں بودوباش رکھتی ہے' گویا یہ انسانوں میں مثل درندوں کے ہے' جو نہایت بری صورت اختیار کر چکی ہے۔ دیہاتی لوگوں کو ان سے سخت تکلیف ہے' لیکن جو جماعت اب امیر مولانا عبداللہ صاحب کی ماتحتی میں منظم زندگی بسر کر رہی ہے' وہ بہت سنور چکی ہے۔ کسی شہری اور دیہی کو بے جا تکلیف نہیں

پہنچاتی۔ اس جماعت میں وہ لوگ جو عربی بدوؤں سے کم نہ تھے۔ راستے چلتے پھرتے ہوئے آس پاس کی زراعت کا نقصان کرتے تھے' بلکہ رات کو عموماً کسانوں کے کھیت اجاڑا کرتے تھے اور عام زمینداروں کے لیے نہایت ہی رنجدہ اور تکلیف افزا تھے۔ آج وہ مولانا کے طفیل سے قرآن وحدیث کے مسائل سیکھ کر خود اپنی قوم کو ان کاموں سے منع کر رہے ہیں۔ اب اس جماعت میں کوئی ایسا انقلاب ہو گیا ہے' جیسا امام ابن سعود کے آنے سے عرب کے بدوؤں میں انقلاب ہو گیا ہے' لیکن وہ انقلاب حکومت کے رعب سے ہوا ہے اور یہ انقلاب قرآن وحدیث سے۔

مولانا موصوف اپنی قوم کی اخلاقی' معاشرتی اور دینی حالت کی اصلاح کے لیے ہر ممکن سے ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ زراعت کے لیے کمیٹی سے زمین لے دی ہے اور آب رسانی کا ذریعہ قائم کر دیا ہے۔ ایک کنواں اس زمین میں لگا دیا ہے' یہاں قوم کے افراد کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں اور آبپاشی کیلئے ضرورت ہے ایک کنواں مسجد کے پاس ہی بنوا دیا ہے جہاں وضو اور غسل کے لیے پانی کی اشد ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔ اب قوم اوڈ کے وہ لوگ جو جنگلوں اور دیہاتوں میں بارش کا گندہ پانی پی کر مرض عرق مدنی سے ہمیشہ بستر مرض پر اپنے ڈیروں یا ہسپتال میں بے آرامی سے زندگی گزارا کرتے تھے' آج کنویں کا میٹھا پانی پی کر الحمدللہ پڑھتے ہوئے بستر میں میٹھی نیند سو جاتے ہیں اور بعض بزبان قال اور بعض بزبان حال مولوی عبداللہ صاحب کے حق میں دعاء خیر کرتے ہیں' جنہوں نے شہر میں مہذبانہ زندگی گزارنے کا طریقہ سکھلایا ہے۔

اسی طرح ایک مسجد بنوا دی ہے' جہاں مدرسہ قائم کر کے نہایت مشکل تعلیمی مسئلہ کو حل کر دیا ہے' جو قوم اوڈ میں دشوار دکھائی دے رہا تھا' اگرچہ قوم کے اکثر افراد نے بالخصوص شہر کے لوگوں نے بالعموم اپنی ریشہ دوانیوں سے اس جماعت اوڈاں کے امیر صاحب کو نکل دینا چاہا اور پرزور مقابلہ کیا' نہایت صبر واستقلال کے ساتھ امیر صاحب موصوف اور ان کی جماعت نے سینہ سپر ہو کر اس کو جھیلا۔ اس قوم کی اصلاح کرتے ہوئے امیر صاحب موصوف نے ہزاروں تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کیں' کئی بغاوتیں ہوئیں اور کئی لڑائیاں لڑی گئیں' تاکہ یہ جماعت فاضلکا سے نکل جائے اور مولانا صاحب کی تبلیغ کا سلسلہ منقطع ہو جائے' لیکن مولانا نے نہایت صبر سے یہ سلسلہ قائم رکھا اور تکلیف کو سہا۔ جس سے یہ ہوا

کہ آج اس جماعت میں دینی اور دنیاوی ترقی موجود ہے اور اغیار جو ناجائز کاروائیوں سے ان کو زوال پہنچانا چاہتے تھے' سرنگوں ہو کر عالم سکوت میں ذلت خواری اٹھا رہے ہیں اور خواب ندامت ان کے اوپر طاری ہے۔ سچ ہے : الحق یعلو ولا یعلیٰ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا عبداللہ صاحب امیر جماعت اوڈاں ایک مخلص خدمت گزار اسلام ہیں' جو اپنی جماعت کو منظم کر کے دین ودنیا کا کام کر رہے ہیں۔ زکوٰۃ وصدقات وغیرہ حسب حکم شریعت قوم سے وصول کر کے قوم کی خیرخواہی پر خرچ کر رہے ہیں۔ قوم کے لاوارث لڑکے' لڑکیاں' یتیم' مساکین مسافر اور غریب لوگ اور ہر دو مدرسہ کے طلباء کی انہیں صدقات کے ذریعہ گزران ہو رہی ہے۔ تبلیغ اور اشاعت کا سلسلہ بھی قوم میں جاری ہے۔ مولانا موصوف الصدر مبلغین کو سفری اخراجات دے کر قوم کی اصلاح کے لیے وعظ ونصیحت کرنے کے لیے بھیجا کرتے ہیں۔ اب اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ ایک شخص باوجود مخالف اغیار حاسدین کے کس قدر شجاعت اور فراخ حوصلگی اور دیانت داری سے کہ اجڈ قوم کی اصلاح نہایت حسن تدبیر سے کر رہا ہے۔ قوم کے مقدمات بھی امیر صاحب کے پاس آتے ہیں' جن میں تاوان وغیرہ وصول کیا جاتا ہے' وہ بھی انہی اخراجات میں وصول کیا جاتا ہے۔ میرے سامنے ملک عرب سے کئی سائلین آئے جو اپنی غربت اور مسکینی کے مظہر ہوئے' ان کی بیت المال سے امداد کی گئی۔ بعض مدرسہ کے سفیر آئے' جن کو افراد جماعت نے چندہ دیا اور امیر صاحب موصوف نے امداد کی۔

الغرض جو جماعت اوڈاں زیر اہتمام مولانا عبداللہ صاحب قائم ہے' وہ اپنی دینی اور دنیاوی حالت میں نہایت اصلاح پذیر ہے' جو سب کچھ مسئلہ امارت پر عمل درآمد کرنے کی برکت ہے۔ پس دیگر افراد مسلمین کو ان کے حالات پر غور کر کے عبرت حاصل کرنی چاہئیے اور اس جماعت کے مخالفین کو اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر ذرہ سوچنا چاہیے کہ وہ کس مخلص خدمت گزار شخص کی مخالفت کر رہے ہیں۔

حقیقت اصلیہ یہ ہے کہ مولانا عبداللہ صاحب قوم اوڈ میں اس وقت آیت من آیات اللہ ہیں۔ ان کی یہ مصلحانہ حالت ان کے جوش عمل پر دلالت کرتی ہے۔ قوم کے افراد کو چاہیے کہ ان کے ماتحت رہ کر دین ودنیا کے کام کریں' ان کی مخالفت سے کفران نعمت کر کے خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق نہ ہو جائیں' اگر قوم نہ بھی کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل

مولانا عبداللہ کا ایسا شامل حال ہے کہ قوم کو طوعاً کرھاً ان کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اس جماعت کا الحاق جماعت غرباء اہلحدیث دہلی سے ہے' بعض لوگوں کے ایماء سے مولانا حافظ عبدالستار صاحب امام غرباء اہلحدیث دہلی نے کسی غیر شخص کو قوم اوڈ پر امیر مقرر کر دیا' لیکن باوجود دن رات تبلیغ کرنے کے وہ کامیاب نہ ہو سکا' آخرالامر مولانا عبداللہ صاحب نے ہی عام جماعت کو قابو کیا' اپنی قوم کو آپ ہی سیدھے راہ پر لائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا عبداللہ صاحب کو تادیر سلامت رکھے اور آپ اوڈ جیسے اجڈ قوم کی اصلاح کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اخلاص بخش کر اس کے عوض خیردارین عنایت فرمائے' آمین۔

عبدالقادر عارف الحصاری

تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد۔۳' شمارہ۔۵' مورخہ ۲۲ جنوری سنہ۔۷ ۱۹۴۳ء

پاکستان کی تنزلی کا مجرب علاج!

علاج ہر مرض کا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک علاج بالمثل اور دوسرا علاج بالضد' علاج بالمثل یوں ہوتا ہے کہ مریض کی بیماری کی تشخیص کرنے کے وقت ڈاکٹر یا حکیم یہ معلوم کرتا ہے کہ اخلاط اربعہ میں سے کون سی خلط غالب ہے کہ اس کا علاج کر کے طبیعت کو حد اعتدال کی طرف لایا جائے' پھر علاج کرتا ہے' بعض علاج بالمثل کرتے ہیں' یعنی اگر صفرا غالب ہو تو گرم دوا دے کر اس خلط کو دفع کرتے ہیں اور بعض علاج بالضد کرتے ہیں کہ گرمی ہو تو اس کو سرد دوا دیا کرتے ہیں۔

جناب حکیم مظفر حسین صاحب نے "رسالہ نقاد" کراچی مجریہ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۸ء میں ملک پاکستان کی تنزلی کا علاج بالمثل بتایا ہے۔ چنانچہ ان کا نسخہ درج ذیل ہے' جس کو عوام بلکہ خواص بھی استعمال کر رہے ہیں' شاید ان کی بیان کردہ ادویات کے وزن میں کچھ کمی بیشی ہے' یا کوئی بدپرہیزی ہو گئی ہے' بہرحال ان کا یہ نسخہ درج کیا جاتا ہے' تمام روحانی اور جسمانی حکیموں' ڈاکٹروں کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ میرا خیال یہ ہے کہ پاکستان کے مریضوں کو اس نسخہ سے اس لئے فائدہ نہیں ہوا اور نہ شفا ہوئی کہ اس میں سب اجزاء مادی ہیں کوئی ایک جز بھی روحانی نہیں ہے' حالانکہ انبیاء کرام بھی حکیم اور ڈاکٹر روحانی تھے' وہ مادی چیزوں کے علاوہ روحانی اجزاء سے بھی علاج کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب مسلمانوں سے کفار جنگ کرتے تو آنجناب ﷺ دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوا کرتی تھی اور وہ تنزل جو ملک پر چھایا ہوا ہوتا دفع ہو جاتا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے ملک پاکستان کے مریضوں کی بیماریوں کی شناخت تو ٹھیک کی ہے' تشخیص صحیح ہے' لیکن علاج بالمثل جو آپ نے بتایا ہے اس کا باشندگان پاکستان نے آنجناب کی ہدایت کے مطابق نسخہ استعمال کیا تو فائدہ نہیں ہوا' ان کے طریق علاج سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ چنانچہ نسخہ کے اجزاء پر نظرثانی کریں' نسخہ یہ ہے :

سیاہ دلی ۸ تولہ' کنبہ پروری ۸ تولہ' سفارش ۸ تولہ' رشوت ستانی ۸ تولہ' پارٹی بازی ۸ تولہ' بے انصافی ۸ تولہ' غریب مسلم کا خون ۱۲ تولہ' حسد ۴ تولہ' نفرت ۱۲ تولہ' دھوکہ ۱۰ تولہ' بے رحمی ۱۰ تولہ' لاپرواہی ۱۲ تولہ' کاہلی ۸ تولہ' مکاری ۸ تولہ' نااتفاقی ۸ تولہ' زبان درازی ۱۰ تولہ'

چوری ۸ تولہ' بلیک مارکیٹ ۳ تولہ' بے ایمانی ۲ تولہ' چغلی ۸ تولہ' عیاشی ۲ تولہ' دوستانہ ۴ تولہ' شراب نوشی ۲ تولہ' جھوٹ ۶ تولہ' دولت دنیا ۲ تولہ' نقصان ملک ۸ تولہ' نقصان قوم ۴۰ تولہ' نقصان دین ۴۰ تولہ' کینہ ۸ تولہ' بغض ۴ تولہ' غیر ملکوں کی سیر ۳۰ تولہ۔

ترکیب استعمال : ان اکتیس جڑی بوٹیوں کو بدانتظامی کے کھرل میں ڈال کر پروپیگنڈہ کے ڈنڈہ سے باریک کریں' جب یک جان ہو جائیں تو حرفت کی ہانڈی میں ڈال کر بزدلی کے پانی میں' بعدازاں گھمنڈ کے سرپوش سے ڈھک کر قرض کے چولہے پر رکھ کر بے رحمی کی لکڑی لگا کر اشتعال کی آگ لگا دیں' جب اچھی طرح جوش آجائے تو اتار کر تعصب کی چھلنی میں چھان کر بے عزتی کے گلاس میں ڈال کر تھوڑی سی بے شرمی کی چینی ملا دیں اور پھر بے عزتی کے چمچے سے ملا کر صبح شام پی لیا کریں۔

پرہیز : نماز' روزہ' سچ' انصاف' اخلاق' نیکی' غریب پروری سے مکمل رکھیں۔

خوراک : غریبوں کا مال جس قدر کھلیا جائے کھائیں۔ حکیم مظفر حسین صاحب کا یہ نسخہ پاکستان کے مریضوں کی مرضی کے مطابق ہے۔ یہاں ایک لطیفہ میرے ذہن میں ہے :

"کہتے ہیں کہ کوئی شخص نوجوان بیمار ہو گیا' اس کے اقرباء اور احباب اس کی تیمارداری اور عیادت کے لیے جمع ہوئے' کئی حکیم اور دانشمند بھی تھے' اس کی ہمدردی اور شفقت کے پیش نظر اس کی بیماری کے دفع کرنے اور صحت میسر ہونے کی تجویزیں اور تدبیریں ظاہر کرنے لگے' کسی نے کہا کہ اس کو قے کرائی جائے' تاکہ مادہ فاسد خارج ہو جائے۔ دوسرا بولا اس کے لیے جلاب مفید رہے گا کہ سب بیماریاں معدے کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ تیسرے صاحب بولے کہ اس کو پسینہ آور دوا دے دو' ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ چوتھے نے کہا کہ گل بنفشہ' آلوبخارا' ہرڑ کلاں' نمک سیاہ وغیرہ اشیاء کا جوشاندہ دے دو' مریض نازک طبع تھا وہ اس طریقہ علاج اور دوایوں کو سن کر گھبرا رہا تھا' ایک شخص اس کا دوست دروازے پر باہر کھڑا تھا' اس نے کہا تم سب غلط دوایاں بتا رہے ہو۔ مثل مشہور ہے سو چاچا ایک پیو' سو دوایاں ایک گھیو' تم اس کو صبح و شام خوب گھی خالص ڈال کر سوجی کا حلوہ کھلاتے رہو' اس میں کھویا' مغز بادام' کشمش خوب ڈال کر بنانا ہو گا' میں اس کی طبیعت اور مزاج سے خوب واقف ہوں' یہ خوش ہو کر کھائے گا' مرض دفع ہو جائے گا' چونکہ مریض بھی حلوہ کھانے کا مریض تھا اس نے کہا کہ سب کی باتوں اور دوایوں کو چھوڑو' تم اس باہر دروازے والے کی

بات پر عمل کرو' جو مجھے مفید ہے۔" سو نسخہ تو حکیم صاحب کا مریضوں کی مرضی کے مطابق ہے اور انہوں سنہ ۱۹۵۸ء سے لے کر اب تک اس کو استعمال کیا ہے' لیکن مرض بڑھتا گیا' جوں جوں دوا کی۔ اس علاج سے ملک پاکستان اور اس کے باشندگان قریب الہلاکت ہیں۔ پہلے ملک مشرقی پاکستان اس نسخہ کو استعمال کر کے ہلاک ہو گیا' جس کا کفن دفن کفار ہند کے ہاتھ آگیا ہے' اگر یہی نسخہ مغربی پاکستان نے استعمال کیا' تو یہ بھی ہلاک ہو جائے گا' اس لئے بروئے حکمت حکیم یزدانی بندہ اس کا علاج تجویز کرتا ہے' جس کا نسخہ مندرجہ ذیل ہے اور یہ نہایت مجرب ہے اس کے اجزاء پر غور وخوض کریں اور پھر تمام اطباء' ڈاکٹروں' حکیموں' بادشاہوں' عقلمندوں اور بزرگوں' عقلاء وعلماء وحکماء روحانی وجسمانی اس نسخہ کے مجرب اور موجب شفا حاصل کر کے عروج کے صحت سے ترقی کے بازاروں کی سیر کریں گے اور تپ دق ملک میں نہ رہے گا۔

نسخہ : پہلے تمام اہل اسلام حکیم مظفر حسین کی دوائیوں کے استعمال سے ندامت اور پشیمانی ۳۰ تولے خاص توبہ ۵۰ تولہ کو ملا کر جلاب لے لیں اور تمام مواد فاسدہ کو خارج کر دیں' پھر استغفار ۳۰ تولہ کے پانی ۲۰ سیر سے کئی دفع غسل کریں اور پھر یہ دوایاں لے کر استعمال کریں۔

ایمان ۴۰ تولہ' اسلام ۴۰ تولہ' اتباع قرآن ۴۰ تولہ' اتباع سنت ۴۰ تولہ' اسوۂ حسنہ خلفاء راشدین ۴۰ تولہ' آئین اسلام کا اجراء ۳۰ تولہ' عدل وانصاف ۴۰ تولہ' قبول حق ۴۰ تولہ' حکومت اسلامیہ شرعیہ کا قیام ۴۰ تولہ' حکومت اسلامیہ کی اطاعت ۴۰ تولہ' حلال روزی ۴۰ تولہ' ہر مسلمان سے اسلامی ہمدردی ۵۰ تولہ' باہمی محبت وحسن سلوک ۶۰ تولہ' اپنے قریبیوں سے صلہ رحمی ۴۰ تولہ' غریبوں' مسکینوں پر رحم وشفقت ۴۰ تولہ' غیرت مندی ۱۸ تولہ' شرم وحیا ۲۰ تولہ' اولوالعزم کا باہمی مشورہ ۲۵ تولہ' ملک کی جماعت بندی و تنظیم ۴۰ تولہ' شاہ اسلام امیرالمؤمنین کا تقرر ۴۰ تولہ' اپنے امیر الرعایا کی اطاعت کا عہد ۳۰ تولہ' خلوص نیت واخلاص ۳۰ تولہ' کفار سے بروقت ضرورت جہاد ۴۰ تولہ' جہاد کی نیت وتیاری رکھنا ۴۰ تولہ۔

ترکیب استعمال : ان پچیس جڑی بوٹیوں کو اس عہد کی حقیقت سے حاصل کریں' جو پاکستان کی بنیاد قائم کرنے کے وقت کیا تھا' یہ تمام اجزاء لے کر اسلامی نظام کے کھرل میں ڈال کر سیاست کے ڈنڈوں سے باریک کریں' جب اتفاق کے رگڑے سے سب یکجان ہو

جائیں' تو سعی جمیل ہانڈی میں ڈال کر محنت وہمت کا پانی ملا دیں' اوپر تواضع وفروتنی کا سرپوش دے کر قرض حسنہ اور مالی امداد کے چولہے پر چڑھا دیں' جوش جہاد کی لکڑیاں لگا کر غضب برکفار کی آگ لگا دیں' جب جنگ کی تیاری کا جوش آکر جوشاندہ تیار ہو تو اتحاد کی چھلنی میں چھان کر صبر کے گلاس میں ڈالیں اور خلوص ونیت کی چینی ملا کر حوصلہ اور شوکت اسلامی کے چمچے سے ہلا دیں' غیرت کی سجلہ پڑھ کر شکر وحمد کے گھونٹوں سے تمام جوشاندہ حکام ورعایا نوش کرلیں' انشاء اللہ ضرور بر ضرور شفا ہو گی۔

عبدالقادر عارف الحصاری

ہفت روزہ اہلحدیث لاہور مورخہ ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۶۷ء

نیک اعمال کو کھا جانے والے گناہ

ترغیب وترہیب میں حدیث ہے: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں ان قوموں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن مثل تہامہ کے پہاڑوں کے نیک اعمال کے ساتھ حاضر ہوں گی' لیکن اللہ تعالیٰ ان کو گرد وغبار کی طرح اڑا کر بے کار کر دے گا۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہم ان لوگوں کو نہیں جانتے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال اور ان کی صفات بیان فرمائیں' تاکہ ہم ان کے زمرہ میں شامل نہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! وہ تمہارے ہی بھائی' تمہاری ہی جنس (بنی آدم) سے ہوں گے' جو تمہاری طرح راتوں کو عبادت کریں گے: ولکنھم قوم اذا خلوا بمحارم اللہ انتھکوھا۔ (رواہ ابن ماجہ) لیکن وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ جب خلوت اور علیحدگی میں ہوں گے' تو حرام امور اور حرام چیزوں کا ارتکاب کریں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حرام کھانے والوں' حرام پہننے والوں' اور حرام کا کام کرنے والوں کی عبادت بے کار ہے۔

کبیرہ گناہوں سے بچنا جنت کے داخلہ کی شرط ہے: قرآن مجید میں ہے: ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم وندخلکم مدخلا کریما۔ یعنی "اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے' تو تمہاری چھوٹی برائیاں ہم اپنے فضل سے دور کر دیں گے اور تم کو مقام عزت یعنی جنت میں داخل کریں گے۔" اس آیت میں "ان" شرط ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے یہ شرط کی ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے' تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ دور کر دیں گے اور تم کو جنت میں داخل کر دیں گے' اگر یہ شرط فوت ہو گئی' تو مشروط بھی فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ قاعدہ ہے: اذا فات الشرط فات المشروط۔ یعنی اگر ہم کبیرہ گناہوں سے نہ بچے' تو نہ ہمارے صغیرہ گناہ دور ہوں گے اور نہ جنت میں داخلہ ہو گا۔ اس آیت سے ظاہر ہوا کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک کبائر (یعنی بڑے گناہ) اور دوسرے صغائر (یعنی چھوٹے گناہ)۔

پس بڑے گناہوں سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ ایک مقام پر قرآن مجید میں ہے: الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم ان ربک واسع المغفرۃ۔ یعنی "جو لوگ

گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں' مگر چھوٹے گناہ ان سے ہو جاتے ہیں۔ تحقیق تیرا رب بڑی وسیع بخشش والا ہے کہ (ان کے) چھوٹے گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف کر دیتا ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے : والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون۔ "وہ لوگ جن کو جنت ملے گی' ان کی صفت یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے گناہوں سے پرہیز رکھتے ہیں اور جب غصہ میں آجائیں تو قصور معاف کر دیتے ہیں اور قصور وار سے بدلہ نہیں لیتے' اللہ ان سے بدلہ نہ لے گا۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون۔ یعنی "اے ہمارے نبی ﷺ! آپ یہ اعلان کریں کہ میرے رب نے بے حیائی کے تمام کام' ظاہرہ اور پوشیدہ اور ہر قسم کے گناہ اور بغاوت ناحق اور شریک کرنا اللہ کا کسی کو اور اللہ پر بے علمی سے کوئی بات اپنی طرف سے کہنا' سب حرام کر دیا ہے۔" ان سب کاموں سے بچو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے : وذروا ظاھر الاثم وباطنہ ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون۔ یعنی "چھوڑ دو تم گناہ (ظاہر بھی اور پوشیدہ بھی) جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ اپنے کیئے کی سزا پائیں گے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے : سیصیب الذین اجرموا صغار عند اللہ وعذاب شدید بما کانوا یمکرون۔ یعنی "عنقریب جن لوگوں نے جرم کیئے ہیں' ان کو اللہ کی طرف سے ذلت اور سخت عذاب پہنچ کر رہے گا' کیونکہ وہ گناہوں کے منصوبے (باندھا) کرتے تھے۔"

کسی گناہ کو حقیر اور معمولی نہ جانو: ترغیب الترہیب میں حدیث ہے :عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا عائشۃ ایاک ومحقرات الذنوب فان لھا من اللہ طالبا۔ (رواہ نسائی) یعنی "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! چھوٹے اور معمولی گناہوں سے بچو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا محاسبہ ہو گا۔"

مشکوٰۃ باب خطبہ یوم النحر میں حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا :الا وان الشیطان قد ائیس ان یعبد فی بلدکم ھذا ابدا ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحتقرون من اعمالکم فسیرضی بہ۔ (ابن ماجہ' ترمذی) یعنی "خبردار' تحقیق شیطان تمہارے اس شہر میں اس

بات سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو چکا ہے کہ اب اس کی پوجا کی جائے گی۔" یعنی بت پرستی کا تو یہاں سے خاتمہ ہوا' لیکن جن کاموں کو تم معمولی اور حقیر جانتے ہو (اگر) ان میں تم شیطان کی پیروی کرو گے' تو اسی بات سے ہی وہ خوش رہے گا۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ معمولی کام میں بھی شریعت الٰہی کی پیروی کرنی ضروری ہے' اگر اس میں بھی خلاف ورزی کی گئی' تو وہ شیطان کی پیروی ہو جائے گی۔ جس سے وہ خوش رہے گا اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ مثلاً کسی عورت کو دیکھنا عام طور پر معمولی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ حکم شرعی یہ ہے کہ پہلی نظر جو اتفاقاً اور اچانک پڑی ہے' وہ معاف ہے۔ اب قصداً دوبارہ نگاہ کرنا حرام ہے' مگر شیطان بار بار اسے دیکھنے کا خیال دل میں ڈالتا ہے اور اس معمولی گناہ سے بڑے گناہوں کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور شیطان کی اطاعت کا انجام آخر کار یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور پھر اس سے خوش ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ نے تمام بنی آدم کو خبردار کیا ہے کہ شیطان سے بچو' وہ تمہارا دشمن ہے۔

عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

تنظیم اہلحدیث لاہور

جلد۔ ۱۴' شمارہ۔ ۲' مورخہ۔ ۲۱ جولائی سنہ۔ ۱۹۶۱ء

گناہوں کا سیلاب اور اس کے انسداد کی صورت

حرف آغاز: برادران اسلام! آپ حضرات عہد حاضرہ کے موجودہ حالات پر طائرانہ نظر ڈالیں گے' تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ اکثر عوام بلکہ خواص کبیرہ گناہوں کے مرتکب' شرک وکفر' فسق وفجور' بد عملی وبے دینی کے کاموں میں مبتلا ہیں۔ غیر مسلموں سے قطع نظر خود مدعیان اسلام ہی پابندی اسلام وقید شریعت سے بالکل آزاد ہو کر خواہشات نفسانی کے تابع ہو چکے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے گناہ سے پرہیز نہیں کرتے۔ معصیت کی گرم بازاری ہے۔ گناہ اور بدکاری کا ہر طرف غلبہ ہے۔ اس عصیان اور طغیان کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں وبال عظیم اور عذاب الیم کا سلسلہ شروع ہے۔ کہیں ملکی انقلاب کی صورت میں قتل وغارت شروع ہے' کہیں سیلاب کا عذاب ہے' کہیں مختلف قسم کی بیماریاں پھیل گئی ہیں' کہیں بارش اور آندھی کا طوفان ہے۔ علاوہ ان مصائب وآلام کے حکام کے مظالم سے رعایا تنگ ہے' یہ سب کچھ اعمال کی شامت ہے۔

جب میں کہتا ہوں کہ یا رب میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

کیا یہ زمانہ برا ہے؟: زمانہ بذاتہ برا نہیں ہوا کرتا' اس لیے زمانے کو برا کہنے سے اسلام میں مخالفت آئی ہے' چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے: لا تسبوا الدھر۔ "کہ زمانہ کو برا مت کہو۔" لیکن جس زمانہ میں خیر کثیر ہو' تو اس زمانہ کو اچھا کہا جاتا ہے۔ جیسے آنحضور ﷺ نے فرمایا: خیر القرون قرنی۔ "کہ سب زمانوں سے میرا زمانہ نہایت بہتر ہے۔" پھر وہ زمانہ جو اس سے متصل ہے' پھر وہ جو اس سے متصل ہے: ثم یفشوا الکذب۔ "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔" ایسے ہی جس زمانے میں برائیوں کی کثرت ہو' تو اس کو بھی برا کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً برتن خود پاک ہے' مگر اس میں پلیدی پڑ گئی تو اس سبب سے اس کو پلید کہیں گے۔ پانی پاک ہے' مگر جب اس میں پلیدی پڑ کر رنگ' مزہ' بو بدل گئے' تو پانی کو ناپاک کہا جائے گا' ایسا ہی زمانہ کا حال سمجھ لیں۔

چنانچہ حدیث میں وارد ہے: لا یاتی علیکم عام الا والذی بعدہ اشر منہ۔ (رواہ

بخاری، یعنی "نہیں آئے گا تم پر کوئی زمانہ مگر اس کے بعد کا زمانہ اس سے بھی بدترین ہو گا۔"

گناہوں کی بابت نبی ﷺ کی پیشینگوئیاں:

آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل زمانہ جاہلیت میں گناہوں سے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ومامور ہو کر دن رات کی جدوجہد سے ملک سے اندھیروں کو دفع کر کے اسلام کی ایسی روشنی پھیلائی کہ توحید وسنت کے نور سے ملک جگمگا اٹھا اور سب کفر مٹ گیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ کفار واشرار یا ہلاک ہو گئے یا اسلام کے ماتحت ہوئے یا اعتقادی وعملی طور پر اسلام کے پورے پابند ہو گئے اور ملک میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ پوری کامیابی کے بعد جب دین کمال کو پہنچ گیا اور اسلام غالب ہوا' تو آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر کئی پیشین گوئیاں فرمائیں جو آئندہ زمانہ کے متعلق تھیں کہ ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں بڑی گمراہی پھیل جائے گی اور لوگ پھر گناہ اور نافرمانیوں میں اس قدر مبتلا ہو جائیں گے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن بطور رسم عادت کے پڑھیں گے' اس پر عمل نہ ہو گا۔ چنانچہ ان میں سے چند پیشین گوئیاں یہ ہیں۔

(۱) مستدرک حاکم جلد۔۴' ص۔۵۱۳ میں یہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک فحش گوئی عام نہ ہو' پڑوسی کے حقوق پامال نہ کئے جائیں' قطع رحمی نہ ہو۔ حتیٰ کہ جس کو امین تصور کیا جائے گا وہی خیانت کرے گا اور خائن کو امین سمجھا جائے گا۔ (حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

(۲) قیامت ان لوگوں پر قائم ہو گی' جو کافر ومشرک ہوں گے اور گدھوں کی طرح لڑکوں سے جفتی کرتے پھریں گے۔ (مستدرک حاکم ج۔۴' ص۔۴۹۴)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب قیامت قریب ہو گی' تو اس وقت نیک لوگوں کی قدر نہیں کی جائے گی اور شریر قسم کے لوگوں کی تعظیم ہو گی۔ باتیں زیادہ کی جائیں گی' مگر ان پر عمل کم ہو گا اور لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ کر ناول وغیرہ پڑھیں گے اور ان میں کوئی ان سے نفرت کرنے والا نہ ہو گا۔ (مستدرک ج۔۴' ص۔۵۰۴) حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۴) علامات قیامت ایک رسالہ ہے۔ اس کے صفحہ۔۵ پر مجموعہ احادیث نکال کر قیامت

کی علامتیں یہ لکھی ہیں۔ لونڈیوں کی اولاد کی کثرت، بے علم، بے ادب، نو دولت لوگوں کی حکومت، اغلام بازی، چپی بازی، مساجد میں کھیل کود، ملاقات کے وقت بجائے سلام کے گالی گلوچ بکنا، علوم شرعیہ کا کم ہونا، جھوٹ کو ہنر سمجھنا، دلوں سے امانت ودیانت کا اُٹھ جانا، فاسقوں کا علم سیکھنا، شرم وحیا جاتا رہنا، مسلمانوں پر کفار کا چاروں طرف سے ہجوم کرنا، ظلم کا اس قدر بڑھ جانا کہ جس سے پناہ لینی مشکل ہو، باطل مذاہب کی جھوٹی حدیثوں اور بدعتوں کا رواج پانا جب یہ آثار نمایاں ہو جائیں گے، تو عیسائی بہت سے ملکوں پر غلبہ کر کے قبضہ کر لیں گے۔

(۵) سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم زمین وملک کے لگان ومحصول کو اپنی ذاتی دولت بنائیں (یعنی اس کو مصرف شرعی میں خرچ نہ کریں) زکوۃ کو تاوان کے طور پر ادا کریں، لوگ امانت کو مال غنیمت کی طرح حلال وطیب سمجھیں، شوہر اپنی بیوی کی بے جا اطاعت کرے، اولاد اپنے والدین کی نافرمانی اور بد لوگوں کی دوستی کرے، علم دین حصول دنیا کی غرض سے سیکھا جائے، ہر قوم میں سے ایسے لوگ سردار بن جائیں جو ان میں سے زیادہ کمینے، بد خلق، لالچی ہوں، انتظامات ایسے شخص کے سپرد کئے جائیں جو خلاف شرع ہو، شراب خوری کھلے عام ہونے لگے، آلات لہو ولعب اور ناچ گانے کا رواج ہو جائے، زناکاری کی کثرت ہو، امت کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت وطعنہ زنی کرنے لگیں، تو اس وقت نہایت سرخ رنگ کی آندھی اور علامات عذاب آنے کا انتظار کرو۔ جیسے زمین کا دھنسنا، آسمان سے پتھروں کا برسنا، صورتوں کا بدل جانا، ان کے سوا اور بھی علامتیں ظہور پذیر ہونے لگیں گی۔ (رسالہ علامات قیامت ص۔ ۴)

اسی طرح اور پیشین گوئیاں بھی ہیں، جو اس دور المناک میں ظہور پذیر ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ بے شمار درسگاہیں اور اسلامی جلسے اور جلوس دن رات ہوتے رہتے ہیں اور جمعہ وعید وغیرہ کے خطبات میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ چاروں طرف ہدایات پہنچائی جاتی ہیں، پھر بھی گناہوں اور جرائم کا دن بدن زور بڑھ رہا ہے۔ اشیاء ضروریہ کی گرانی، مصارف زندگی میں اضافہ اور بدلی ہوئی اقتصادی صورت حال کے باعث چوریاں، نقب زنی، عورتوں اور بچوں کا اغواء اسی نوعیت کے دوسرے جرائم میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، پھر حیرانی اور پریشانی یہ ہے کہ باوجود اشیاء ضروریہ کی سخت گرانی اور اقتصادی بدحالی کے، سینماؤں پر تماشوں اور کھیلوں

کا زور ہے۔ قوالیوں کی مجلسوں میں لہو ولعب بیش از بیش ہے۔ شادیوں میں گانے بجانے کا شغل عام ہے۔ کہیں مرد خوبصورت لڑکے عمدہ لباس پہن کر مانگ پٹی جما کر گاتے بجاتے اور تان توڑتے ہیں' کہیں بدکار فاحشہ رنڈیاں اور بازاری عورتیں پوری دلربائی' دل فریب اداکاری کے ساتھ گانے گا رہی ہیں اور فساق فجار کے مجمعے قائم ہیں۔ نظرباز' دل پھینک' بے فکرے جمع ہیں۔ طبلے کی تھاپ' گھنگرو کی چھم چھم' سارنگی کی نیرنگی' ہارمونیم کی سروں میں مست ہیں۔ گراموفون کے ذریعہ فحش اور بے حیائی کے گانوں میں ریکارڈ توڑ دلچسپی لے رکھی ہے۔ بایں ہمہ سب کا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں' اہل سنت ہیں' اہل قرآن ہیں' اہلحدیث ہیں' عاشقان رسول ہیں' سو یہ دعویٰ باطل اور مندرجہ لطیفہ کا مصداق ہے۔

لطیفہ : بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی شہر میں گیا تو اس نے شب باشی کی غرض سے اپنے گاؤں کے ایک بابو کا گھر تلاش کیا۔ بابو صاحب وہاں ملازم تھے' جو بہت کوشش سے تلاش کرنے پر مل گئے۔ دونوں کی ملاقات اور تعارف ہونے کے بعد بابو صاحب نے اس شخص سے پوچھا کہ ہمارے گھر کا کیا حال ہے؟ خیریت تو ہے۔ اس شخص نے کہا ہاں بابو جی سب خیریت ہے' مگر آپ کا ٹیپو کتا فوت ہو چکا ہے۔ بابو جی حیران ہو کر بولے' ارے میرا وہ کتا تو بہت خوبصورت اور وفادار تھا' وہ کیسے مرگیا' کیا ہوا۔ اس شخص مسافر نے کہا بابو جی! معاملہ یہ ہوا کہ آپ کا جو گھوڑا تھا وہ جب مرگیا' تو اس کا گوشت کتے نے کھایا' اس کے گلے میں ہڈی ایسی پھنسی کہ نہ نکل سکی اور وہ مرگیا' باقی سب خیریت ہے۔ بابو صاحب نے کہا اوہو! میرا گھوڑا بھی مرگیا' وہ کس طرح؟ اس شخص نے کہا آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر کے لئے اینٹوں کی ضرورت تھی۔ مسافت دور ہونے کی وجہ سے اس گھوڑے پر لاد کر لائے' گرمی کا موسم تھا' وہ بوجھ نہ سہار سکا' اچانک دم توڑ گیا اور مرگیا' باقی سب خیریت ہے۔ بابو صاحب گھبرا گئے اور بہت پریشان ہو کر بولے کیا میری والدہ بھی مرگئی ہے؟ اس کو کیا ہوا؟ وہ آدمی کہنے لگا کہ جناب کی والدہ اپنی بہو کے اچانک مرجانے سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اس کا ہارٹ فیل ہو گیا اور وہ مرگئی' باقی سب خیریت ہے۔ اب تو بابو حواس باختہ ہو گئے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا' پھر سر پیٹا اور بولے ارے ظالم میری بیوی کیسے اچانک مری؟ اس کو کیا ہوا؟ اس آدمی نے کہا کہ ہونا کیا تھا' تقدیر کی بات ہے وہ بیچاری اپنے دونوں بچوں کی لاشیں یکجا دیکھ کر تڑپ تڑپ کر رہ گئی اور آناً فاناً اس کی روح پرواز کرگئی' باقی سب خیریت

ہے۔ اب تو بابو کی چیخ نکل گئی' دل کی حرکت تیز ہو گئی' روتے ہوئے پوچھا کہ او ظالم' تو کیسی ہیبت ناک خبریں لایا ہے کیا میرے بچے بھی مر گئے؟ ان کو کیا ہوا؟ وہ آدمی بولا! بابو جی بات یہ ہوئی کہ بارش بڑے زور کی برسی' جو دن رات مسلسل برستی رہی' جس سے آپ کے مکان کی چھت گر گئی' جس کے نیچے دونوں بچے آگئے اور سخت زخمی ہو کر ہلاک ہوئے' باقی سب خیریت ہے۔ بس یہ سنتے ہی بابو پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور دھڑام سے زمین پر گر گئے۔

اب آپ حضرات ذرا غور فرمائیں کہ یہ لطیفہ بطور مثال ہے' بابو جی کا گھر تمام کا تمام تباہ ہو گیا' مگر پھر بھی وہ شخص مسافر یہ کہتا رہا کہ باقی سب خیریت ہے۔ اس زبوں حالی اور کلی تباہی کے بعد بھی سب خیریت کا کوئی مفہوم باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح آج اس جہل کے مسلمانوں کی مسلمانی کا حال ہے کہ زبان سے کہہ رہے ہیں' ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں' اہلسنت ہیں' محبان اہل بیت ہیں' عاشقان آل رسول ہیں' محمدی امت ہیں' شفاعت کے حق دار ہیں' مگر نہ نماز ہے نہ روزہ' نہ حج ہے نہ زکوٰۃ' نہ توحید قائم نہ سنت اور کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ ڈاڑھی منڈوا کر شراب خوری اور زنا کاری میں مبتلا ہے اور گیارہویں' عرس' میلاد کا عاشق ہے اور کہتا ہے کہ میں اہلسنت ہوں۔ نماز پڑھتا نہیں اور سود خوری کرتا ہے اور ریڈیو میں ہمیشہ گانے سنتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اللہ کے فضل سے اہلحدیث ہوں' نماز' روزہ کبھی ادا نہیں کیا' تقیہ بازی سے جھوٹ بولنے کی لازمی عادت ہے اور متعہ میں عیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں محب اہل بیت اور شیعہ علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ یہ سب جھوٹے اور مردود ہیں۔ خانہ اسلام ان کا تباہ ہو چکا ہے' صرف نام ہی نام ہے۔ جیسے بھینس کا نام بیگم رکھ کر کوئی خوش ہو یا کتے کو موتی کہہ کر پکارے' تو اس کا کچھ اثر نہیں' بلکہ برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق ہیں' ان کی مسلمانی ختم ہے۔

تبلیغ حق واصلاح دشوار ہے: جب یہ دور بڑا نازک اور خطرناک ہے کہ ایک طرف تو گناہوں کا طوفان اُمڈ رہا ہے' دوسری طرف بداعمالیوں کے بد نتائج مختلف آفتوں کی صورت میں ملک پر مسلط ہیں۔ تیسری طرف ملکی حکومت نے اظہار حق کرنے والوں کے قلم اور زبان پر پابندی لگا رکھی ہے' تو دریں حالات علماء اہل حق کے لیے اظہار حق کرنا اور مصلحین کے لیے اصلاح کرنا سخت دشوار ہے۔ دنیا کی فضا بڑی ناسازگار ہو رہی ہے۔ تبلیغ اور اصلاح

کی کوششیں صدا بصحرا نظر آرہی ہیں۔ آج اگر کسی گنہگار کو اس کے گناہ پر سمجھایا جائے' تو وہ اس گناہ کو چھوڑنے یا اس پر نادم ہونے کی بجائے یہ کہتا ہے۔

نا صحامت کر نصیحت کیوں مجھے سمجھائے ہے
نیک و بد سوجھے نہیں جب دل کہیں لگ جائے ہے

جب اس قدر معاشرہ خراب ہو اور ملک میں عالمگیر گمراہی پھیل جائے تو اس کا علاج خلیفہ اسلام یا ایسی اسلامی حکومت سے ہو سکتا ہے' جو آئین اسلام نافذ کر کے اپنی قوت سیاست سے ان جرائم کا انسداد کرے اور شرعی حدود اور تعزیر لگا کر لوگوں کی اصلاح پر کمر بستہ ہو' اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ لا بد للناس من امارة۔ "لوگوں کو حکومت اسلامی کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔" اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: لا یصلح للناس الا امیر۔ (بیہقی شعب الایمان) یعنی "لوگوں کی اصلاح امیر ہی کر سکتا ہے۔" اس لیے جب تین سفر کریں تو ایک کو اپنا امیر بنا کر نظام دین قائم رکھیں۔ بہرکیف ملک کے لئے ایسی حکومت اسلامی کی ضرورت ہے جو آئین اسلام کے ذریعہ تعزیرات جاری کر کے جرائم کا انسداد کرے۔ کسی پنجابی شاعر نے یہ خوب کہا ہے۔

چار کتاباں عرشوں آیاں تے پنجواں آیا ڈنڈا
ڈنڈے باجھوں سجدا ناہیں بے دیناں دا کنڈا

ڈنڈا آنے سے مراد اولی الامر کی حکومت قائم کرنا اور ان کی اطاعت کرنا ہے اور حدود و تعزیرات نافذ کرنا ہے۔ پس غیر مسلم حکومتیں یا نام کی اسلامی حکومت جو قوانین اسلام نافذ نہ کرے' تو وہ نہ اسلام کے لئے مفید ہے اور نہ مسلمانوں کے لیے' وہ صرف ملکی حکومت ہوتی ہے' جہاں ایک منٹ میں سینکڑوں جرم سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ دن رات ڈکیتیوں' چوریوں اور لوٹ مار کی بھرمار رہتی ہے۔ جرائم پیشہ ملکی قانون کے لچک سے فائدہ اٹھا کر اپنی خواہشات کی کاروائیاں کرتے پھرتے ہیں اور کوئی قانون جرائم کے انسداد کا ملکی حکومت بنائے بھی' تو اس نے اپنے وکلاء چھوڑ رکھے ہیں' پھر ملک گناہوں سے کس طرح باز آسکتا ہے۔ ہاں جہاں قوانین اسلام نافذ ہیں وہاں شاذ و نادر ہی گناہ ہوتے ہوں' گناہ کیوں کر ہوں کہ زانی کو سنگساری یا سو درہ کی سزا کا اور چور کو ہاتھ کاٹے جانے کا خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ سب لوگ اسلامی قوانین سے مرعوب ہو جاتے ہیں' پھر اعلانیہ گناہ نہیں ہوتے۔ اب تو

لوگ کفر، شرک، بدعات اور کبیرہ گناہ اعلانیہ کر رہے ہیں، جن سے حکومت کوئی تعرض نہیں کرتی، بلکہ شراب، زنا وغیرہ کے لیے حکومت پرمٹ دے رہی ہے، اس لیے ہم کو تبلیغ حق اور اصلاح کرنی دشوار ہو رہی ہے اور ہم مجبور ہو کر یہ کہہ رہے ہیں ؎

کر لیں اپنی گمراہی کی دھوم دھام
جب تلک مہدی کے لشکر کا پتہ لگتا نہیں

اور یہ کہتے ہیں ؎

سرکش و گمراہ سارے ہوں گے سیدھے اس گھڑی
ہو گا جب کالا نشان ظاہر خراساں کی طرف

تبلیغ اور وعظ تذکیر واجب ہے: تبلیغ احکام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس خیرالامت کی صفت لازمی ہے، جو اس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی، جو شخص اس کو عمداً چھوڑ دے گا وہ خیرالامت میں شمار نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعرف وتنهون عن المنکر۔ یعنی "تم بہترین امت ہو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو، تاکہ تم نیکی کا حکم کرو اور برے کاموں سے روکو۔" حدیث میں ہے: من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذالک اضعف الایمان۔ (مشکوٰۃ) یعنی "جو شخص تم میں سے کوئی برا کام ہوتا دیکھے، تو اس کی اپنے ہاتھ سے اصلاح کرے، اگر یہ طاقت نہ رکھے، تو زبان سے اصلاح کرے اور اگر یہ بھی طاقت نہ رکھے، تو اپنے دل سے اس کام کو اور اس شخص کو برا سمجھے اور سمجھانے کی نیت رکھے۔"

محلّٰی ابن حزم جلد ۹، ص ۳۶۱ میں ہے: والامر بالمعروف والنهی عن المنکر فرض علٰی کل مسلم ان قدر بیده فبیده وان لم یقدر فبلسانه وان لم یقدر فبقلبه وذالک اضعف الایمان فان لم یفعل فلا ایمان له۔ یعنی "نیکی کا حکم کرنا اور برے کام سے روکنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اگر ہاتھ سے قدرت رکھتا ہے، تو ہاتھ سے روکے اور اگر زبان سے طاقت نہیں رکھتا، تو دل سے نفرت کرے یہ ضعیف ایمان ہے، اگر یہ بھی نہ کرے تو اس کا کوئی ایمان نہیں ہے۔"

تفسیر کشاف میں ہے کہ امر بالمعروف تو مامور بہ کے تابع ہے، اگر مامور بہ تابع ہے تو امر

بالمعروف کرنا بھی واجب ہوگا' لیکن نہی عن المنکر کرنا سب پر واجب ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :
اما النهي عن المنكر فواجب كله لان جميع المنكر تركه واجب لاتصافه بالقبح۔ یعنی "برائی سے لوگوں کو ہٹانا سب پر ہی واجب ہے' کیونکہ تمام منکرات کا چھوڑنا واجب ہے کہ ہر برے کام میں قباحت موجود ہے۔"

حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے تمام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا : یاایها الناس ان الله يقول لكم مروا بالمعروف وانهوا عن المنكر قبل ان تدعوا فلا استجيب لكم وتسئلوني فلا اعطيكم وتستنصروني فلا انصركم۔ (ترمذی احمد' ابن حبان) یعنی "اے لوگو! بے شک اللہ نے تمہیں پیغام بھیجا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو' ورنہ پھر تم مجھ سے دعا کرو گے' تو میں قبول نہ کروں گا اور تم مجھ سے کچھ مانگو گے' تو میں تم کو نہ دوں گا اور اگر تم مجھ سے مدد چاہو گے' تو میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔"

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ گناہوں کے سیلاب کو روکنا سب مسلمانوں پر واجب ہے۔ خصوصاً حکام اور علماء کا تو یہ خصوصی فرض ہے کہ سیاست سے اور وعظ و تذکیر سے لوگوں کی اصلاح کریں۔ چنانچہ مجمع الزوائد میں یہ حدیث ہے کہ معاویہ ابن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا! اے لوگو تم بدکار بدمعاش شخص کی برائیاں ذکر کرنے سے کب تک رکے رہو گے' تم علانیہ فسق و فجور کرنے والے شخص کی بداعمالی کے پردے چاک کر دو' تاکہ دیگر لوگ ان سے اور ان کی بدیوں سے ہوشیار ہو جائیں اور اس سے متنفر ہو کر اس سے بچیں' اگرچہ لوگوں کے دل الٹے برتن کی طرح ہو چکے ہیں اور کثرت جرائم کی وجہ سے نور ایمان سے خالی ہو کر بالکل سیاہ ہو چکے ہیں اور اس آیت کا مصداق ہو گئے ہیں : كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون۔ یعنی "خبردار! ان بدکاروں کے دلوں پر ان کی بدکاریوں کی وجہ سے زنگار آچکا ہے۔" اس لیے گناہ کے عادیوں کو سمجھانا اور ان کی اصلاح کرنا دشوار ہے۔

ظالموں پر اب نصیحت کس طرح ہو کارگر
کہ زنگ عصیان سے دل ان کا سخت پتھر ہو گیا

لیکن تاہم بہ نیت اصلاح واتمام حجت کتاب وسنت کے دلائل اور احکام سے لوگوں کو گناہ

سے روکنا اور ہر گناہ کا حکم اور اس کی سزا جو دنیا اور آخرت میں مقرر ہے' اس کا بیان کرنا ہمارا فرض ہے' چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ راگ باجے اور گانا گانے اور سننے والوں کے بارہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں ایک مضمون الارشاد کے صفحات پر بیان کیا جائے گے۔

فانتظرو انی معکم من المنتظرین۔

عبدالقادر عارف حصاری

الارشاد جدید کراچی

جلد۔۳' شمارہ۔۲۱' ۲۲ بابت ماہ نومبر سنہ۔ ۱۹۹۴ء

عذاب سیلاب

اور اس کا واحد علاج

ملک ہند کے دریائے جمنا و گنگا وغیرہ و ملک پاکستان کے دریائے ستلج و راوی وغیرہ سے اور کثرت بارش سے جو سیلاب آیا اور اس سے جو تباہی ہوئی ہے' وہ اہل ملک سے مخفی نہیں ہے۔ بے شمار جانی و مالی نقصان ہوا ہے۔ جس سے سب ملک پریشان ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ سیلاب کیوں آیا؟ اگر اسی طرح آتا رہا تو ملک سب تباہ ہو جائے گا' پھر اس کا علاج کیا ہے؟

سنئے قرآن مجید میں ہے : ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم۔ یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے' "اگر وہ لوگ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو اور اس کتاب کو جو ان پر نازل کی گئی ہے یعنی قرآن اور ان پر پورا پورا عمل کرتے' تو رزق الٰہی اور قسما قسم کی نعمتیں اپنے اوپر اور نیچے سے کھاتے۔" یعنی رحمت کی بارشیں ہوتیں اور زمین سے غلہ بہت پیدا ہوتا' لیکن انہوں نے نافرمانیاں اور سرکشیاں شروع کر دیں' اس لیے زوال نعمت ہوا۔

اس سے صریح ثابت ہوا کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے اور قانون ربانی کی پابندی کرنے سے رزق بڑھتا ہے۔ مفہوم مخالف یہ ہے کہ نافرمانی اور عصیاں اور بغاوت سے رزق گھٹتا ہے' چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ یہ ارشاد ہے : ذالک بان اللّٰہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ یعنی "اللہ تعالیٰ کبھی اس نعمت کو جو کسی قوم کو دی ہے نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود اپنے حالات کو بدل ڈالتے ہیں' تو پھر ہم کو بھی اس نعمت کو بدلنا پڑتا ہے۔"

اس سے بھی یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر بڑا محسن اور منعم ہے' جو بہت نعمتیں عطا کرتا ہے اور ان کو زائل نہیں کرتا۔ لیکن جب وہ سرکش ہو کر بغاوتیں کرتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ رحمت کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے' پھر نعمتوں کا زوال پیدا ہو جاتا ہے۔ پس یہ زوال موجب زوال نعمت ہے' جیسے حدیث شریف میں وارد ہے : ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یحببہ۔ یعنی "بے شک آدمی اس گناہ کے سبب سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے'

جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔" قرآن کریم میں ایک جگہ صاف قانون عطائے نعمت وزوال نعمت کا ذکر ہے کہ اس قانون سے یہ سلسلہ چلتا ہے : ولو انھم امنوا واتقو الفتحنا علیھم برکت من السمآء والارض ولٰکن کذبوا فاخذنا ھم بما کانوا یکسبون۔ یعنی "اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے' تو البتہ کھول دیتے ہم ان پر دروازے برکتوں کے آسمان سے بھی اور زمین سے بھی' لیکن انہوں نے ہمارے احکام اور پیغمبروں کو جھٹلایا' اس لیے ہم نے ان کو ان کے اعمال کے سبب سے پکڑ لیا۔"

یہ آیت بھی صریح دلالت کرتی ہے کہ احکام الٰہی کی اطاعت اور کامل ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے سے آسمان وزمین کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور نافرمانیوں اور بغاوتوں سے عذاب الٰہی اور مصائب نازل ہوتے ہیں۔ یعنی جب لوگ مسلمان' مومن' متقی' مطیع' عابد' خائف' مصلح' صادق' صابر' متصدق' صائم' قائم ہوتے ہیں' تو برکتیں اترتی ہیں اور امن قائم ہوتا ہے اور اگر لوگ ان اوصاف کے برعکس کافر' مشرک' فاسد' فاجر' عاصی' مفسد' زانی' شرابی' رہزن' ظالم' سرکش' متکبر' ملعون' جاہل' قاتل' کاذب' غادر وغیرہ بن جاتے ہیں تو ملک میں بدامنی اور فساد اور جان ومال کا فساد شروع ہو جاتا ہے' قرآن بیان کرتا ہے : ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ یعنی "جنگلوں اور دریاؤں میں فساد برپا ہو گیا' بسبب ان اعمال کے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائے ہیں۔" پس یہ سیلاب اور گزشتہ خونی انقلاب ہمارے گناہوں کا ثمرہ ہے اور یقینی طور پر ہمارے بداعمال کے باعث وبال نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ کر دیا ہے : وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر۔ یعنی "جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب ہوتی ہے' لیکن بہت ساری باتوں کو اللہ تعالیٰ معاف کرتا رہتا ہے۔ ہر ہر گناہ پر فوراً نہیں پکڑتا ورنہ ایک بھی شخص زمین پر زندہ نہ رہتا۔"

پہلی امتوں اور سابقہ اقوام پر بھی تباہی ان کے گناہوں ہی کے سبب سے آئی تھی' چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا واقعات اور عبرتناک قصے موجود ہیں۔ سورہ عنکبوت کی آیت فکلا اخذنا بذنبہ میں اس کا صاف ثبوت ہے۔ یعنی ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کے سبب سے پکڑا تھا۔ کسی پر پتھراؤ کیا گیا اور کسی کو سخت آواز اور کڑک سے ہلاک کیا گیا اور کسی کو زمین میں دھنسایا گیا اور کسی کو پانی میں غرق کیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا'

وہ لوگ خود اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتتے رہے' جو اپنے آپ پر ظلم تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کے ضمن میں یہ فرمایا ہے کہ میں نے بنی امیہ کے خزانے میں گندم کا ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر دیکھا' جو ایک تھیلی میں تھا۔ اس پر یہ لکھا تھا کہ یہ زمانہ عدل میں پیدا ہوتا تھا اور بعض دیہاتی لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے زمانے کے پھل اس وقت کے پھلوں سے بڑے ہوتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آئے گا تو اس وقت طاعت کی کثرت ہو گی اور زمین گناہوں سے پاک ہو جائے گی' تو وہ برکتیں پھر عود کر آئیں گی۔ حدیث میں وارد ہے' ایک انار بڑی جماعت کو کافی ہو گا اور وہ اس کے سایہ میں بیٹھ سکیں گے۔ انگور کا خوشہ اتنا بڑا ہو گا کہ ایک اونٹ کو بھی اٹھانا مشکل ہو گا۔ ان حدیثوں سے صاف نمایاں ہے کہ موجودہ بے برکتی اور زوال نعمت ہمارے گناہوں کا انجام ہے' قرآن بیان کرتا ہے : وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضرآء لعلھم یتضرعون۔ یعنی "ہم ہر بستی میں نبی بھیج کر ان کو اپنے احکام سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ پھر جب وہ جھٹلاتے ہیں اور نافرمانیاں کرتے ہیں' تو پھر ہم تنگی اور سختی کر کے پکڑ لیتے ہیں' تاکہ وہ ہم سے عاجزی (اور توبہ) کریں۔"

علامہ ابن ابی الدنیا روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ یہ زلزلہ کیوں آتا ہے؟ انہوں نے فرمایا! جب لوگ حرام کاری کرتے ہیں اور اس کو امر مباح کی طرح بے باکی سے کرتے ہیں اور شرابیں پیتے ہیں اور معازف (باجے) بجاتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ کو آسمان پر غیرت آتی ہے' وہ زمین کو فرماتے ہیں کہ ان کو جھٹکا دے اور ہلا ڈال۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفتہ المسلمین کے زمانہ میں زلزلہ آیا تو انہوں نے جابجا شہروں میں حکم نامے بھیجے' جن کا مضمون یہ تھا۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے مدعا یہ ہے کہ یہ زلزلہ عتاب الٰہی ہے۔ تمام شہریوں کو یہ حکم ہے کہ فلاں تاریخ' فلاں مہینہ میں سب میدان میں نکلیں اور دعا وتضرع کریں اور جس کے پاس کچھ پیسہ اور مال ہو وہ خیرات کرے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : قد افلح من تزکّٰی ۝ وذکر اسم ربہ فصلّٰی یعنی "جس شخص نے زکوٰۃ دی' اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی' اس نے فلاح پائی۔" اور تم اس طرح کہو جس طرح آدم علیہ السلام نے کہا تھا : ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ اور

جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے کہا تھا : لا الہ لا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ دریا ہر رات تین بار اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگتا ہے کہ اگر حکم ہو' تو تمام لوگوں کو ڈبو دوں' لیکن اللہ تعالیٰ اس کو روک لیتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مجاہد بزرگ سمندر کی سرحد پر پہرہ دے رہا تھا۔ گشت کرتا ہوا ایک میدان میں جا پہنچا اور سمندر پر نظر ڈالی' تو وہ جوش میں آکر پہاڑ کی چوٹیوں سے ٹکرا رہا تھا' بار بار یہی نظارہ دیکھا۔ صبح حضرت ابو صالح بزرگ سے یہ حال ذکر کیا' تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث جو بحوالہ مسند احمد درج ہے سنائی۔

اور یہ بھی قرآن میں ہے : والبحر المسجور۔ یعنی "قسم ہے دریا پر شدہ بہتے ہوئے کی۔" اور ارشاد ہے : واذا البحار سجرت۔ یعنی "جب دریا بھڑکا دیئے جائیں اور ان میں آگ لگ جائے' جو ملکوں میں پھیل کر تمام اہل محشر کو گھیر لے۔" بحر مسجور سے مراد وہ دریا بھی بیان کیا جاتا ہے' جو عرش تلے ہے۔ جس سے بارش برسے گی اور مردے اس سے زندہ ہوں گے۔

الغرض دریا حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ جب ان کو خشک ہونے کا حکم ہوتا ہے' تو وہ خشک ہو جاتے ہیں اور جب جوش مار کر چلنے کا حکم ہوتا ہے' تو چل پڑتے ہیں۔ دریائے نیل عہد جاہلیت میں خشک ہو جاتا تھا اور مصری لوگ ایک کنواری لڑکی اس کی نظر چڑھایا کرتے تھے' تب چلتا تھا' ورنہ قحط پڑ جاتا تھا۔ جب اسلام نے اس کو فتح کیا' تو پھر وہ بند ہو گیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص گورنر مصر نے یہ حال خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا' تب انہوں نے اس جاہلیت کی رسم سے لوگوں کو روکا اور دریائے نیل کو یہ خط لکھا : من عبداللہ عمر امیر المومنین الی نیل مصر اما بعد فان کنت تجری من قبلک فلا تجر وان کان اللہ یجریک فاسئل اللہ الواحد القھار ان تجریک۔ (تاریخ الخلفاء) یعنی "یہ خط عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کی خدمت میں ہے۔ پس حمد وصلوٰۃ کے بعد اے دریا اگر تو اپنے اختیار سے چلتا ہے' تو مت جاری ہو۔ (پھر ہم کو تیری ضرورت نہیں ہے) اور اگر اللہ کے حکم کے تابع ہے اور وہ تجھے چلاتا ہے' تو اللہ ہی سے ہم سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی مہربانی سے ہمیشہ کے لیے تجھے جاری کر دے' تاکہ یہ رسم کفر مٹ جائے۔"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا جس سے وہ جاری ہو گیا اور پھر کبھی بند نہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے : وما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللّٰہ معذبھم وھم یستغفرون۔ یعنی "اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ کریں گے' جب تک کہ آپ ان میں موجود ہیں اور نہ ایسی حالت میں ان کو عذاب کریں گے کہ وہ استغفار کرتے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے رہیں۔" اس سے یہ ظاہر ہوا کہ استغفار پڑھنا اور اپنے گناہوں سے معافی مانگنا دافع عذاب ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے : فلولا انہ کان من المسبحین○ للبث فی بطنہ الیٰ یوم یبعثون○ یعنی "اگر یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والے نہ ہوتے' تو مچھلی کے شکم میں قیامت تک قید رہتے۔" اس سے یہ مستنبط ہوا کہ تسبیح موجب رہائی' ندامت اور اعتراف قصور دافع عذاب الٰہی ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جناب امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم قریب وفات ہوئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرۃ العینین امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور یہ ارشاد فرمایا : امر کما بسبحان اللّٰہ وبحمدہ فانھا صلوٰۃ کل شئی وبھا یرزق کل شئی یعنی "میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ سبحان اللہ وبحمدہ کا وظیفہ لازم کرلو' یہ ہر چیز کی نماز ہے اور ہر چیز کو اسی تسبیح کی طفیل سے رزق دیا جاتا ہے۔"

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈکوں کو مارنے سے لوگوں کو روک دیا اور علت یہ بیان فرمائی : فان نعیقھن تسبیح۔ "ان کا ٹرانا تسبیح ہے۔" حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب ایک نبی نے قریۃ النمل (چیونٹیوں کے بل) کو من الامم تسبح۔ یعنی "تجھ کو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور تو نے ایک گروہ جو میری مخلوق میں سے تھا اور تسبیح پڑھتا تھا کو جلا دیا۔" ان دلائل سے یہ واضح ہوا کہ تسبیح اور استغفار دافع مصائب و عتاب الٰہی ہیں' سب مسلمانوں کو ان کا التزام کرلینا چاہئے۔ ایک اور جگہ قرآن مجید میں ہے : ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیرا لھم۔ یعنی "اگر وہ لوگ اس کام کو کرتے' جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی' تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔" سورہ سجدہ میں یہ ارشاد ہے : ومن اظلم ممن ذکر بایت ربہ ثم اعرض عنھا انا من المجرمین منتقمون۔ یعنی "ان لوگوں سے بڑھ کر بڑا ظالم کون ہو گا"

جن کو آیات الٰہی سے نصیحت کی جائے اور وہ اس سے اعراض کر جائیں۔ بیشک ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔"

پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ علماء حق کے وعظوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے خیر اور بھلائی حاصل ہوتی ہے اور دوسری آیت سے یہ واضح ہے کہ احکام الٰہی اور قرآن وحدیث کے فرامین سن کر اعراض کر جانا موجب عتاب الٰہی ہے اور غیظ وغضب کا باعث ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لیتا ہے۔ مقتدر لوگوں اور حکام کو قوانین الٰہیہ کی پابندی کرنے اور ان کو ملک میں نافذ کرنے کا وعظ کیا گیا اور بذریعہ تقریر و تحریر کے سمجھایا گیا اور عوام کو احکام خداوندی نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور اطاعت الٰہی کا حکم دیا گیا۔ مظالم' معاصی' شرک وکفر' بدعت' زنا' بے حیائی کے تماشے سینما وغیرہ' گانے بجانے' شراب نوشی' سود خوری' رشوت خوری' فسادات' جھوٹ' بددیانتی اور فریب کاری وغیرہ سے روکا اور منع کیا گیا' تو انہوں نے عمل نہ کیا' بلکہ علماء کو برا بھلا کہا اور احکام الٰہی کی تکذیب کی۔ تب عذاب الٰہی وارد ہوا اور تنبیہہ کی گئی ہے کہ اب بھی حق کی طرف رجوع کرو' طاعت الٰہی بجا لاؤ اور معاصی سے رک جاؤ۔ ارشاد ہوتا ہے : ولنذیقنھم من العذاب الادنٰی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون۔ یعنی "ہم ان کو دنیا میں بڑے عذاب قیامت والے سے پہلے پہلے ادنیٰ عذاب دے کر سمجھاتے ہیں' تاکہ وہ نادم ہو کر اللہ کی طرف رجوع کریں اور توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں۔" حدیث شریف میں ہے : ان الصدقۃ لتطفئی غضب الرب وتدفع میتۃ السوء۔ یعنی "صدقہ خیرات اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری حالت کی موت کو دفع کر دیتا ہے۔" بری حالت کی موت سے مراد برا خاتمہ' اچانک موت' جزع فزع کی موت' عذاب الٰہی کی موت وغیرہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سابقہ انقلاب' سیلاب' موجودہ ملک گیر سیلاب اور آئندہ کے طرح طرح کے فتنے اور عذاب بداعمالیوں کی سزا ہے اور بداعمالیوں کی بڑی سزا تو قیامت کے روز بعد از حساب ملے گی' لیکن اس دنیا میں بس برائے تنبیہہ سزا مل جاتی ہے' جس پر راقم نے کافی ثبوت پیش کر دیا ہے۔ ہماری حکومت اور عام لوگ اس کے انسداد کی کچھ اور تدبیریں سوچتے ہیں اور اس کے اسباب کی تحقیقات کرتے ہیں' تاکہ اس عذاب الٰہی کو روکیں' حالانکہ اس عذاب الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ مالہ من دافع۔ ہاں! یہ اسی

صورت سے روکا جا سکتا ہے' جو خود اللہ اور اس کے رسول نے بتلائی ہے اور وہ یہ کہ احکام الٰہی کی پابندی کریں اور اسلامی قانون ملک میں نافذ کریں اور معاصی کا سلسلہ بند کر کے توبہ واستغفار کریں اور مساکین' غرباء اور سیلاب زدہ لوگوں پر صدقات کریں' بس۔

والسلام

عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث' جلد۔۳۶' شمارہ۔۷ مورخہ یکم ربیع الثانی سنہ۔۷۵ ۱۳ھ

حنفیوں کے مولانا محمود الحسن دیوبندی کی قرآن میں تحریف اور اس کی بابت اُن کا اپنا فیصلہ

قابل توجہ علماء دیوبند

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

حضرات ناظرین! آپ لوگ غالبا مولانا محمود الحسن صاحب سے واقف ہوں گے۔ آپ دیوبندی علماء میں سے ایک بڑے عالم ہو چکے ہیں۔ حجتہ الاسلام' مرشد العالم' سید الاتقیاء' شیخ الہند وغیرہ بڑے بڑے القاب آپ کو دیئے جاتے ہیں' حتیٰ کہ احناف کے حسن ظن میں وہ قبلہ وکعبہ تھے' جن پر ان کو بڑا ناز ہے' لہذا ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ ہندوستان میں بہت سے حنفی بلاواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے شاگرد ہیں' جو آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے مولانا ممدوح علم وفضل میں قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان نشان تھے۔ ماشاء اللہ لیکن کمترین نے جب مولانا موصوف الصدر کی تصانیف پر غور کیا' بالخصوص جب وہ تصانیف دیکھی گئیں' جو حنفیوں میں خدمت مذہب کی تکمیل کا شرف حاصل کر چکی ہیں' تو کچھ اور ہی نظر آیا اور ہم کو اس مقولہ کی تصدیق کرنی پڑی: "رُبَّ مشھور لا اصل لہ"

ویسے تو مولوی محمود الحسن کی کئی کتابیں ہیں' جن کو حنفی علماء بہت رغبت سے پڑھتے ہیں' لیکن ان کی ایک کتاب "ایضاح الادلہ" ہے جو ان کی مخصوص علمی شان کے بموجب جلیل القدر یادگار ہے' جس کو آپ کے تمام علم کا ثلث' بلکہ نصف قرار دیا جائے' تو مبالغہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کتاب کو غور وخوض سے پڑھنے والے کو ہر اعتبار سے آپ کی لیاقت اور قابلیت کا نمونہ مل سکتا ہے۔ چنانچہ ہم یہاں دیوبند کی اس علمی یادگار سے چند ایک نمونے پیش کرتے ہیں' تاکہ اہل علم کو آپ کی تصنیفات کی کسی قدر حقیقت معلوم ہو جائے۔

نمبر اول : مولانا موصوف نے اپنی کتاب "ایضاح الادلہ" ہمارے ایک اہلحدیث عالم کے جواب میں لکھی ہے' وہ اہلحدیث بزرگ فرماتے ہیں : "حنفیوں کے حق میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں فرقہ مرجیہ ہونا لکھا ہے۔" اس کا جواب آپ یوں دینا شروع کرتے ہیں۔ "مجتہد بدفہم وبد زبان کی اس بے ہودہ گوئی کا جواب کافی یہی ہے۔" (ص ۱۹۸)

ناظرین! اہلحدیث بزرگ نے حضرت شیخ المشائخ کا فرمان اگر اپنے لفظوں میں ظاہر کر دیا' تو کونسا جرم کیا' اس پر آپ اس قدر برے الفاظ سے ان کو مخاطب کرنا حنفیوں کے قبلہ وکعبہ کی شیریں بیانی پر دلالت کرتا ہے' خیر آگے چلیے۔

نمبر دوم : ص ۱۹۹ میں فرماتے ہیں : "باقی رہا حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ کا بعض حنفیہ کو فرقہ مرجیہ کا شمار کرنا سو اول واسلم تو اس کا جواب وہی ہے' جو مترجم نے لکھا ہے' یعنی یہ کلام الحاق معاندین ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ مخالفین سے جب کچھ اور نہ ہو سکا تو انہوں نے رخنہ اندازی کے لیے کلام اکابر میں بہت جگہ الحاق کر دیا' بلکہ کلام اللہ وحدیث میں بعض آیات وجملے فرقہ ضالہ نے الحاق کئے ہیں۔ چنانچہ سب پر ظاہر ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ کلام الحاق نہیں' کیونکہ حضرت شیخ نے سبب ان کے مرجیہ ہونے کا یہ ہی لکھا ہے کہ یہ ایمان کو مثل مرجیہ غیر زاید وناقص کہتے ہیں' سخت حماقت ہے' ہم کہتے ہیں کہ یہ وجہ بھی الحاق ہے۔" انتہٰی

آپ کے اس کلام میں دو جھوٹ ہیں۔ اول یہ کہ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حنفیہ کو مرجیہ میں شمار کیا ہے' حالانکہ بعض کا لفظ شیخ کے کلام میں نہیں ہے۔ بغیر کسی حرف کل یا بعض کے مطلقاً فرقہ حنفیہ کو مرجیہ قرار دیا ہے۔ سو اصول کا یہ قاعدہ ہے کہ المطلق یطلق علی اطلاقہ۔ پھر بعض کو مرجیہ میں شمار کرنا' تسلیم کرنا اور بعض کو نہ کرنا یہ مولانا کا گمان باطل ہے۔ شیخ صاحب کے نزدیک جو حنفیہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں' وہ مرجیہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین ذکر فرق ہائے ضالہ)

دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ اس کلام کو معاندین کا الحاق قرار دیا ہے اور اس الحاق پر ثبوت پیش کیا ہے۔ جب یہ کلام غنیۃ الطالبین کے نئے اور پرانے نسخوں میں موجود ہے' تو پھر اس کو اپنے منہ سے الحاق کہنا دعویٰ بلا ثبوت ہے' جو مردود ہے۔ اس طرح تو ہر شخص ہی ایسی

کلام کو الحاق کہہ دے گا' جو اس کے خیال کے مخالف ہو گی' یا اس کے جرم کے ثبوت میں ہو گی' خواہ آیت ہو یا حدیث' قول امام ہو یا قول شیخ' سو یہ گمان فاسد ہے۔ غنیتہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ اہلسنت اور دیگر کتب محدثین پر غور کرنے سے یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ مرجیہ اور حنفیہ کا عقیدہ ایمان کی حقیقت اور اس کے کم وبیش ہونے کے متعلق ایک ہی ہے' لیکن ہم یہاں ان مسئلوں پر بحث کرنے کے لیے خامہ فرسائی نہیں کر رہے' ہم تے تو مولانا موصوف کی دیانت وامانت کا نمونہ دکھانا ہے۔ پس سنئے :

مولانا موصوف نے ایک یہ سچی بات کہی ہے کہ "مخالفین سے جب کچھ اور نہ ہو سکا تو انہوں نے رخنہ اندازی کے لیے کلام اکابر میں بہت جگہ الحاق کر دیا ہے' بلکہ کلام اللہ اور احادیث میں بعض آیات وجملے فرقہ ضالہ نے الحاق کئے ہیں۔" یہ فرمان مولانا کا واجب الایقان ہے۔ فی الواقع گمراہ فرقوں کے علماء سے جب مسائل باطلہ ثابت نہ ہو سکے اور وہ دلائل سے عاجز آگئے' تو انہوں نے اکابر کی کلام بلکہ اکبر کے کلام قرآن مجید میں بھی الحاق کر دیا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی الحاق کر دیا' اس پر ہمارا صاد ہے۔ (حدیثوں کے الحاق کا ثبوت مذہب حنفیہ میں دیکھنا ہو تو ہدایہ تخریج ہدایہ ملاحظہ ہو) بیشک وہ معاند ومخالف حق ہی نہیں' بلکہ بدترین مخلوق ہے' بلکہ وہ یہود خصلت غضب خدا کا مستحق ہے' لیکن آؤ دیکھیں کہ وہ ایسا گمراہ' معاند' دشمن خدا' عدو رسول ہے کون؟ جس نے قرآن وحدیث میں تصرف کیا۔

مولوی محمود حسن نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ مخالفین سے جب کچھ نہیں ہو سکتا' تو وہ رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ کلام اللہ اور حدیث میں بعض آیات وجملے فرقہ ضالہ نے الحاق کئے ہیں۔ پہلا اصول ہے اور دوسری واقعہ کی شہادت ہے کہ ایسا کام گمراہ فرقہ کے لوگوں نے کیا ہے۔ سو اب آیئے غور کریں کہ وہ فرقہ کون ہے اور وہ عالم کون ہے۔ جب ہم نے ایضاح الادلتہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ فرقہ حنفیہ ہے اور وہ عالم مولوی محمودالحسن صاحب ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غالباً ناظرین کرام تعجب کریں گے کہ یہ کیا بات ہے؟ وہ تو بڑے عالم ہیں' مطاع الفضلاء ہیں' مطلع انوار ہیں' منبع اسرار ہیں' ذریعہ ہدایت اہل اسلام ہیں' مقتدائے خاص وعام ہیں' جامع البرکات بھی وہی ہیں اور قاسم الخیرات بھی وہی ہیں۔ جب تمام حنفی دنیا کا ان پر ایمان اور ایقان ہے' تو پھر وہ کیسے قرآن میں تحریف کر سکتے ہیں' کیسے کوئی جملہ بڑھا سکتے ہیں' کیسے

کوئی آیت بنا سکتے ہیں؟ لیکن اس کا ثبوت ہمارا ذمہ ہے۔ ہاں! شرط یہ ہے کہ آپ چند منٹ کے لیے اس حسن عقیدت کو دور کر دیجئے' جو دور کی آواز سن کر یا ظاہری الفاظ دیکھ کر آپ کے دل میں سمائی ہوئی ہے اور اس خیال کو نکال دیجئے جس کی بنا پر حنفی دنیا نے ان کو قبلہ تصور کیا ہوا ہے' پھر انشاء اللہ حق ضرور ظاہر ہو جائے گا اور حقیقت اصلیہ آپ پر واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ ذیل میں ہم ثبوت پیش کرتے ہیں' آپ انصاف سے ملاحظہ فرمائیں۔

مولوی محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں : "یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا' فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللّٰہ والرسول والی اولی الامر منکم۔ اور ظاہر ہے اولوالامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی نہیں' سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء وجملہ اولی الامر واجب اتباع ہیں۔ آپ نے آیت فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تومنون باللّٰہ والیوم الاخر تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تلک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔ عجب نہیں آپ دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک ناسخ اور دوسری کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگیں۔" انتھی (ایضاح الادلہ ص۔۱۰۳ مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی' شائع کردہ ارکان تجارتی کتب خانہ فخریہ امروہی مراد آباد)

یہ آیت قرآن مجید میں پارہ محصنات کے رکوع چہارم میں یوں وارد ہے : یایھا الذین اٰمنوا اطیعو اللّٰہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تومنون باللّٰہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا۔ یعنی "اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور صاحب امر کی اطاعت کرو' جو تمہارے میں سے ہیں' پس اگر تمہارا جھگڑا ہو جائے کسی چیز میں تو اس وقت صرف اللہ اور رسول ہی کی طرف لوٹاؤ' اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان ہے' تو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے نہایت اچھی ہے۔"

اس آیت سے تقلید شخصی کا رد ہوتا ہے' کیونکہ تنازع کے وقت صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے کا اور ان دونوں کی پیروی کا حکم ہے۔ ائمہ دین اور علماء کی اطاعت کو بھی اسی حد تک حکم ہے' جس حد تک وہ قرآن وحدیث کے احکام بتلاتے رہیں' اگر وہ کوئی حکم اپنے قیاس اور فہم سے کہیں اور اس پر لوگوں کا نزاع ہو جائے' تو اس وقت

صرف قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا پڑے گا' غیر کی طرف جانے کا حکم نہیں ہے۔ چونکہ یہ آیت تقلید شخصی کے رد میں ہے' اس لئے مولوی محمودالحسن صاحب نے ایک آیت قرآن کی جدا تجویز کرلی اور اس میں یہ الفاظ مفید مدعیٰ داخل کئے : والی اولی الامر منکم اصلی قرآن مجید میں فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول کے آگے یہ الفاظ نہیں ہیں۔ پس یہ عین تحریف ہے' جس سے مولوی محمود الحسن اپنے اصول کے مطابق رخنہ انداز' مخالف حق' معاند ثابت ہوئے اور ان کا فرقہ فرقہ ضالہ ثابت ہوا' کیونکہ فرقہ ضالہ کے علماء کا یہی خاصہ قرار دیا گیا ہے۔

شاید کوئی حنفی یہ خیال کرے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے' تو یہ خیال باطل ہے' کیونکہ ایک تو مولوی محمودالحسن اپنی عبارت میں ان کو دو آیتیں قرار دے رہے ہیں۔ دوم یہ کہ کتاب عرصہ سے کتب خانہ احناف سے نکل کر دنیا میں شائع ہو رہی ہے اور مختلف مطابع میں چھپی ہے' جس کو آج تک کسی نے نہیں بتلایا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ سوم اس کا نیا ایڈیشن جو اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے یہ تصحیح حنفیہ کے مولانا سید فخرالدین احمد صاحب شیخ الحدیث شائع ہوئی ہے' جو اس آیت کا ترجمہ کتاب کے حاشیہ پر یوں لکھتے ہیں : "اگر تم کسی چیز میں جھگڑو' تو اس کو اللہ اور اپنے اولی الامر کے پاس لے جاؤ' اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔" اب اس ترجمہ سے ظاہر ہو گیا کہ علماء احناف دیوبند اور مراد آباد نے مولوی محمودالحسن کی تجویز کردہ آیت کو صحیح رکھا ہے' بلکہ اس کا ترجمہ کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے' تاکہ عام اور خاص اس محرفہ آیت سے آگاہ ہو جائیں۔

کم فہم بمذہبے کہ مفتی باشد

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

مولوی محمودالحسن دیوبندی کا ایک عجیب فتویٰ

(دوسرا نمونہ)

ہم نے گزشتہ قسط میں وعدہ کیا تھا کہ حنفیوں کے قبلہ صاحب کی علمی یادگار سے ہم چند نمونے پیش کریں گے' ایک نمونہ تو گزشتہ قسط میں پیش کر چکے ہیں' جس میں مولوی محمودالحسن صاحب کی تحریف قرآنی کا ذکر ہے۔ آج دوسرا نمونہ پیش کرتے ہیں' ناظرین کو

چاہیے کہ انصاف سے ملاحظہ فرمائیں۔

ایضاح الادلہ کے مختلف صفحوں پر مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں : "جب یہ محقق ہو چکا کہ نکاح محارم میں جملہ ارکان عقد موجود ہیں' تو باطل کہنا تو باطل ہو گا' ناچار صحیح کہنا پڑے گا۔" (ص-۲۹۱) "اختلاف تو اسی میں ہے کہ نکاح محارم کو آپ زنا شمار کرتے ہیں اور ہم بوجہ اجتماع جملہ ارکان نکاح حقیقی کہتے ہیں۔" (ص-۲۹۹) "نکاح محارم میں ثبوت نسب ووجوب مہر بعد وطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔" (ص-۳۰۲) "بعض علماء نے اگرچہ مہر ونسب کی عند الامام ثابت ہونے میں کلام کی ہے' مگر اولیٰ اور راجح قول اول ہی ہے۔" (ص-۳۰۲) "ہمارا مطلب آیت نساء کم حرث لکم سے فقط یہ ہے کہ اصل مقصود نکاح تو تولد اولاد ہے اور اس بات میں جملہ نساء عالم برابر ہیں' اس لئے سب عورتیں محل نکاح ہیں اور ان سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے۔" (ص-۳۰۳) "سو محارم بعد نکاح ازواج ہو ہی جاتی ہیں' ہاں زوجہ سے زوجہ کا نکاح صحیح یعنی حلال مراد لینا آپ کی دھینگا دھینگی ہے' ص-۳۰۴ اور نکاح محارم میں چونکہ جمیع ارکان نکاح موجود ہیں' تو بالضرور نکاح حقیقی ہو گا اور اب اس میں جو خرابی اور فساد آئے گا' تو اصل نکاح باطل نہ ہو گا۔" (ص-۳۰۷) "آپ کا یہ کہنا کہ ناکح محرمات ابدیہ دو فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے' ایک نکاح محرمات' دوم وطی محرمات بعد غور درست نہیں معلوم ہوتا' کیونکہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ فی الحقیقت نکاح حرام ہے' نفس وطی میں خرابی نہیں' کیونکہ متفرع علی النکاح الحقیقی ہے۔" (ص-۳۴۳)

ناظرین! اصل قصہ یوں شروع ہے کہ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم نے ایک اشتہار دیا تھا' جس میں حنفیہ سے دس سوال کئے تھے اور فرمایا تھا کہ ان کے جواب میں کوئی آیت یا کوئی حدیث پیش کر کے فی آیت اور فی حدیث دس روپیہ انعام حاصل کرو۔ ان سوالوں کے جوابات مولانا محمود الحسن صاحب نے دیئے تھے' جو بجائے فقہ کے مردودہ مسائل کے ثبوت دینے کے ان سوالوں کا پختہ ہونا ظاہر کر دیا اور کوئی صریح آیت یا حدیث پیش نہ کر سکے' تاہم اس رسالہ کا نام "ادلہ کاملہ" رکھا' پھر اس رسالہ کی تردید ایک بزرگ عالم نے جن کا نام نامی سید محمد احسن صاحب امروہوی ہے۔ جزاہ اللّٰہ عنا وعن سائر المسلمین۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم کا ایک سوال یہ بھی تھا کہ محرمات ابدیہ جیسے ماں' بہن سے کوئی شخص نکاح کر کے اس سے صحبت کرے' تو اس پر حد شرعی جو قرآن یا حدیث

میں وارد ہے نہ لگائی۔ اس کا جواب مولوی محمودالحسن صاحب نے بہت اینچ پینچ سے دیا اور آخر میں فخریہ طور پر یہ فرمایا کہ بدلالت عقل و نقل نکاح محرمات کا نکاح ہونا اور اس وجہ سے اس کا از قسم زنا نہ ہونا ثابت کر دیا۔ (ادلہ کاملہ ص ۱۹)

ماشاء اللہ بہت کمال کر دیا کہ محرمات ابدیہ ماں' بہن سے نکاح ہونا ثابت کر دیا اور زنا کا نہ ہونا ثابت کر دکھایا۔ جب مولانا سید احمد حسن صاحب امروہوی نے اس مردود مسئلہ کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ نکاح شرعی حقیقی نہیں ہے۔ نکاح شرعی اس عقد بین الزوجین کا نام ہے' جو سبب حلت وطی ہو سکے' محرمات سے جو عقد ہو گا' وہ سبب حلت وطی نہیں ہو سکتا۔ اس پر مولوی محمودالحسن نے بہت دلچسپ بحث کی اور اپنی کتاب ایضاح الادلہ میں وہ باتیں لکھیں' جن کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔

اب ناظرین! ان عبارتوں پر غور کر کے حنفیہ کے قبلہ وکعبہ کے تبحر علمی کی داد دیں اور اہل دیوبند کو مبارک باد پیش کریں کہ انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ "محرمات سے نکاح کرنا' نکاح حقیقی شرعی ہے اور اولاد پیدا کرنے میں سب عورتیں برابر ہیں۔ نکاح محارم سے ثبوت نسب اور وجوب مہر بھی تسلیم ہے اور نفس وطی میں خرابی نہیں' کیونکہ متفرع علی النکاح الحقیقی ہے۔"

ان حنفیہ دیوبندیہ کے ان مجرد شخصوں کو آسانی ہو چکی ہے' جن کو سوا محارم ابدیہ کے کوئی اور عورت میسر نہ ہو اور اس کی جائداد ومال ومتاع ضائع ہو جاتا ہو اور جوان شخص ہو' اپنے نفس پر قابو بھی نہ رکھ سکتا ہو' اور حنفیہ کا یہ نکاح حقیقی شرعی کر کے اولاد پیدا کرے۔ نسب بھی ثابت ہو جائے گا اور مہر بھی واجب ہو جائے گا' زنا بھی نہ ہو گا اور حد شرعی بھی نہ لگے گی' اگر کوئی سزا ہے بھی تو وہ امام کی رائے پر ہے۔ سو اول تو امام ہے ہی نہیں' اگر ہوا بھی تو اس سے سمجھوتہ کر لیا جائے گا' جیسے ہارون الرشید نے قاضی ابویوسف سے کر لیا تھا۔

ہے کوئی ایسا دیوث مرد جو اپنی محرمات کی عصمت فروشی کرے؟ ہے کوئی بے غیرت مرد جو اپنی محارم میں سے کسی کو اولاد پیدا کرنے کی خاطر کھنگالے؟ کیا شرافت انسانی اور عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس نکاح شدہ محرمہ سے جو اولاد ہو گی وہ صحیح النسب ہو گی؟ کون ایسا مفتی ہے جو اس نکاح پر مہر بھی واجب ہونے کا فتویٰ دے اور اولاد کو بھی حلال کی کہے؟ شرم شرم

شرم۔ کیسا غیرت کا مقام ہے، جس چیز کو اللہ اور اس کا رسول حرام کہیں اور اس کے ارتکاب کرنے والے کو قتل کا حکم دیں، یہ زمانہ کے مقلدین اپنی کتابوں میں عقلی و نقلی دلائل سے بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالیں کہ محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے وطی کرنے سے اولاد بھی حلال اور مہر بھی واجب ہے اور یہ زنا بھی نہیں ہے، بلکہ اس پر حد شرعی بھی نہیں ہے اور یہ نکاح حقیقی شرعی ہے، اس میں نفس وطی سے کوئی خرابی نہیں ہے۔ (تف)

پس اس سے حنفیہ کے "قبلہ" کے تبحر علمی کا اندازہ کر لیجئے۔ ہمارے نزدیک ایسی صورتیں اور مسائل اور ان سے نکالے ہوئے نتیجے سب مردود اور گھناؤنے ہیں، جن کو پڑھ، سن کر ہی شرم آتی ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

عبدالقادر عارف حصاری

تنظیم اہلحدیث روپڑ، جلد۔۸، شمارہ۔ ۳۴، ۳۵، ۳۷ مورخہ ۱۴، ۲۱ جولائی، ۴ اگست سنہ۔۱۹۳۹ء

اعتراف و اصرار

(جناب مولانا افضل احمد صاحب غزنوی حیدر آباد سندھ)

موقر جریدہ فریدہ "صحیفہ اہلحدیث" مورخہ یکم جماوی الثانی سنہ ۱۳۷۹ھ میں "تعاقب بر مضمون غزنوی" کے زیر عنوان جناب مولانا الحاج عبدالقادر صاحب حصاری نے جو تحریر فرمایا ہے اس کی ایک شق کا تو میں بصد شکریہ اعتراف کرتا ہوں۔ آپ نے میری غلطی پر مجھے آگاہ کر کے مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ وہ غلطی میری کتاب "صحیح مقام حدیث" سے پکڑی ہے جسے آپ نے صرف "مقام حدیث" تحریر فرمایا ہے۔ یا غالباً سبقت قلمی یا نظری ہو گئی ہو گی، کیونکہ دراصل حدیث کے منکر اعظم مسٹر پرویز صاحب کی کتاب "مقام حدیث" کے جواب میں ہے جو "صحیح مقام حدیث" کے نام سے ۱۳/ جنوری سنہ ۱۹۵۵ء میں لکھ کر شائع کی تھی جس کا جواب آج تک منکرین حدیث کے محاذ سے نہیں بن پایا۔

بہرحال میری اس کتاب کے جلد اول صفحہ ۹۴ پر واقعی یہ غلطی مجھ سے سرزد ہو گئی ہے کہ میں نے سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیٹا لکھ دیا ہے۔ ہونا یوں چاہیے تھا کہ "ایک جلیل القدر صحابی کا پوتا۔"

(امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑدادے ابو عامر کے صحابی ہونے میں بھی مؤرخین کا اختلاف ہے)

بہرحال میں اپنی اس غلطی کا بصد تشکر و امتنان اعتراف کرتا ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث کے فہم و تفہم اور تفہیم میں غلطی نہیں ہوئی، ایک تاریخی سنہ کی ایک شخصیت کے بارے میں ہو گئی ہے سو وہ بھی حافظہ کی وجہ سے۔

اس اعتراف غلطی کے بعد میرا اصرار حقیقت الامر پر باقی ہے: اس اصرار حقیقت سے پہلے جناب مولانا ممدوح سے ایک خاص گذارش یہ کروں گا کہ میری "تفسیر بالرائے" کے متعلق مہربانی فرما کر جلد از جلد مجھے میری خطا و غلطی پر متنبہ فرمائیں تاکہ اگر واقعی میں نے قرآن عظیم میں "تفسیر بالرائے" کا گناہ کفر کیا ہو تو میں جلد از جلد اس سے بھی تائب ہو جاؤں اور مرنے سے پہلے مجھ جیسا حقیر پر تقصیر ہیچ مدار جس کا یہ خاکی جسم پہلے ہی گناہوں سے چور ہے، کم از کم قرآن و حدیث کی تحریف یا غلط تفسیر و تعبیر کا گناہ تو اپنے اوپر نہ لے جائے۔

کیونکہ میں نے تو اپنی زندگی کا مقصد وحید صرف یہی بنایا ہے کہ قرآن وحدیث کو ان کی اصلی صحیح نورانی صورت میں پیش کروں، جو رب القرآن وصاحب القرآن کا منشاء ہے۔ اگر میں نے "تفسیر بالرائے" کر دی تو میں نے تحریف قرآن کا جرم عظیم کیا۔

مگر کیا ایک چھوٹی سی میری نازش عنایت ربی سنیں گے: میں جتنے بھی مضامین یا کتب لکھتا ہوں حافظہ سے لکھتا ہوں۔ چنانچہ منکرین حدیث کے رد میں، میں نے نہ صرف "صحیح مقام حدیث" ہی لکھی ہے بلکہ "صحیح قرآنی فیصلے" یہ کتاب پرویز صاحب کی کتاب "قرآنی فیصلے" کے رد میں ہے۔ "ایک اسلام ایک قرآن" یہ کتاب برق جیلانی کی تین کتب "دو اسلام دو قرآن" اور "ایک اسلام" کے رد میں ہے اور "جہان کہن" یہ کتاب برق جیلانی کی کتاب "جہان نو" کے رد میں ہے۔ میں نے یہ تمام کتب حافظہ سے لکھی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میری کتاب "صحیح مقام حدیث" جلد اول کے ص۔۹۴ پر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ کا فرزند لکھ گیا ہوں۔ اب آپ کے تعاقب کے بعد کتب دیکھیں تو اپنے حافظہ کو غلط پایا اور رجوع کر لیا، فللّٰہ الحمد۔

مگر جہاں تک قرآن وحدیث کا تعلق ہے میں اپنے پاک پروردگار کی بے حد وبیشمار دینی وعلوم دینی کی نعمتوں بالخصوص قرآن وحدیث کے ضارف ومطالب وغوامض جو مجھ حقیر پر تقصیر پر اللہ تعالیٰ نے ارزانی فرمائے ہیں، میں اسی کی توفیق سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ان شاء اللہ میری کسی بھی تحریر سے تفسیر بالرائے کے گناہ کفر کا مجھے مرتکب ثابت نہ کر سکیں گے کیونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق میں تو تفسیر بالرائے کو خود کفر سمجھتا ہوں تو پھر میں بھلا کیوں خود ہی اپنا ایمان کھونے لگا۔ البتہ اتنا تو ہو سکتا ہے کہ غالباً میں کہیں غلطی کر بیٹھا ہوں گا تو آپ کے مطلع فرمانے سے ایک طرف تو گناہ کفر سے بچ جاؤں گا، ضرور تائب ہوں گا اور دوسری طرف آپ کو عنداللہ ثواب ملے گا۔

مگر میں اپنے رب کی عنایات کے پیش نظر اس امر پر مطمئن ہوں کہ میرے پاک پروردگار نے مجھ سے قرآن وحدیث کے بارے میں میرے قلم کو غلط روی پر نہیں چلنے دیا، فللّٰہ الحمد۔ چنانچہ میری تفسیر جو میں نے تیس سالوں میں مدون کی ہے یکم دسمبر سنہ۱۹۵۸ء میں مکمل ہو چکی ہے، عنقریب ہی شائع ہو رہی ہے، آپ اسے ان شاء اللہ العزیز مجمع البحرین پائیں گے۔

دوسرا انکارِ غزنوی: آپ نے فرمایا ہے کہ "بلکہ نہایت تعلی سے فرمایا کہ ہرگز نہیں قطعاً نہیں"۔ اعنی بہ رسول اللہ ﷺ نے سراویل ہرگز نہیں پہنی۔

میں اب بھی اس پر مصر ہوں' آپ نے بھلا اسے تعلی کیسے فرما دیا۔ کیا آپ نے میرا قلب جھانک لیا تھا؟ حضرت! یہ تو تاکید تھی' تعلی ہرگز نہیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے شلوار پہننے کے بارے میں جتنی بھی عبارات تحریر فرمائی ہیں' ان سب میں "ہو گا ہو گا" تحریر فرمایا ہے تو کیا میں آپ سے بصد احترام سوال کر سکتا ہوں کہ کبھی شریعت کے احکام "ہو گا ہو گا" سے بھی ثابت و مستنبط ہوا کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں' اصلاً نہیں!! قطعاً نہیں!!! آپ اسے بھی تعلی فرما دیں گے؟ شریعت کے احکام تو نص قطعی یا حدیث صحیحہ سے ثابت ہوا کرتے ہیں۔ اتنا تو صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شلوار خریدی مگر پہننے کی تو آپ نے کوئی ایک بھی "حدیث صحیح" پیش نہیں فرمائی۔ بسا اوقات مرد چیزیں خریدتا ہے اور گھر والوں کے لیے خریدتا ہے۔ آپ کی پیش کردہ تمام احادیث شلوار پہننے کی بابت صحیح نہیں ہیں۔ بندہ ایمان صرف اللہ (قرآن) پر لایا ہے اور محمد ﷺ (حدیث) پر لایا ہے۔ مجھے قائل کرنا ہے تو قرآن وحدیث صحیح سے قائل فرمائیں' صحیح حدیث لائیں۔ بندہ ایمان نہ تو ابن حزم پر لایا ہے' نہ زاد المعاد پر اور نہ ہی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ پر اور نہ ہی نیل الاوطار پر۔ (منعم علیہم لوگوں کے راستہ پر جو کتاب وسنت کی روشنی میں ہو' چلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ نیز قرآن مجید میں ایک مقام پر فرمایا ہے: واتبع سبیل من اناب اِلَیَّ)

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی دو حیثیتوں کا تعلق ہے' میں اب بھی اس پر مصر ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ایک حصہ تو "تشریعی" ہے دوسرا غیر تشریعی۔ میں نے اپنے مضمون میں اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ دیکھئے نا! عرب کا گرم ملک ہے' اس کا لباس سرد ممالک میں کیسے راس آسکتا ہے۔ میں آپ کو صحیح بخاری کی حدیث پیش کرتا ہوں: کل ما شئت والبس ما شئت ما اخطأتك اثنتان سرف او مخیلة (بخاری جلد۔۴' ص۔۱۷) لہٰذا اگر منکرین حدیث کوئی بات صحیح کہہ دیں تو اس کا انکار کیوں کیا جائے۔

مجھ پر بہتانِ عظیم: "آپ فرماتے ہیں کہ آپ (فضل احمد) ان کی (منکرین حدیث کی) تردید تو ضرور کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کے تاثرات بھی لے رہے ہیں۔"

میں نہایت ادب سے عرض کروں گا ھذا بھتان عظیم عَلَیَّ۔ میں نے تو بفضل اللہ تعالیٰ

منکرین حدیث کا ناطقہ بند کر دیا ہے‘ میں تو اللہ (قرآن) اور رسول (حدیث) کے بعد کسی کا تاثر نہیں لیتا۔ بھلا ان جاہل مطلق منکرین حدیث کا تاثر کب لینے لگا! ابھی ابھی میں نے اوپر ابن حزم‘ زاد المعاد‘ شوکانی ونیل الاوطار کا تاثر لینے سے انکار کر دیا ہے جو صحیح معنی میں حامل قرآن وحدیث اور ماہر عربیت قرآن وحدیث ہیں تو بھلا منکرین حدیث جو قطعاً جاہل مطلق ہیں‘ ان کا تاثر کیسے لے سکتا ہوں۔ ہاں اگر ان جاہلوں سے کوئی بات بھولے بھٹکے حق کی نکل آتی ہے تو اسے ضرور ماننا چاہیے۔ چنانچہ اسی کتاب میں ایک مقام پر مسٹر پرویز نے ایک غلط بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی تھی۔ پہلے تو میں نے اس کی غلطی پکڑی اور آخر میں لکھا ہے‘ بفرض محال اگر کوئی بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی قرآن وحدیث کے خلاف کہتے تو فضل احمد اس کا بھی انکار کر دیتا تو جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسوں سے قرآن وحدیث کے مقابلہ میں تاثر نہیں لیتا تو دوسرا ہے ہی کون؟

لاریب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں رسول تھے مگر ہر حالت میں تشریعی احکام ہی صادر نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس کی سیر حاصل بحث کیلئے میری کتاب ”مکمل دستور اسلام“ ملاحظہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی تھے‘ آپ کی جو احادیث بربناء بشریت ہیں وہ احکام شریعت قطعاً نہیں۔ امثلہ میرے مضمون میں موجود ہیں۔ المختصر میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ والی غلطی سے رجوع کرتے ہوئے باقی پر مصر ہوں‘ مجھے قرآن و صحیح حدیث سے قائل فرمائیں‘ فقط

فضل احمد غزنوی (حیدر آباد سندھ)

صحیفہ اہلحدیث ۱۶ صفر سنہ ۱۳۸۰ھ

غلطی معاف اِصرار بیکار

صحیفہ اہلحدیث مطبوعہ ۲۶ صفر سنہ ۱۳۸۰ھ جلد ۴۱، شمارہ نمبر ۴ میں ایک مضمون بعنوان "اعتراف واصرار" جناب مولانا فضل احمد صاحب غزنوی مدظلہ العالی کی طرف سے شائع ہوا ہے، جس کو بندہ نے نہایت غور سے پڑھا' کیونکہ اس میں بندہ احقر العباد سے خطاب تھا۔ اس مضمون میں آنجناب نے اپنی ایک غلطی کا اعتراف کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ اس بارے میں بندہ مولانا موصوف کا بہت شکریہ ادا کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آنجناب میں ضد وعناد نہیں ہے' بلکہ مادہ تسلیم وامتیاز ہے' لیکن یہ اطلاعاً واصلاحاً عرض کرتا ہوں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہنوز آپ کا ایک غلط خیال موجود ہے' جو تحقیق عمیق پر مبنی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ "ہونا یوں چاہیے تھا کہ ایک جلیل القدر صحابی کا پوتا" حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ بستان المحدثین اردو کے ص ۱۰ میں یہ لکھا ہے کہ امام صاحب کا مبارک نسب یہ ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو (عین کے زبر کے ساتھ) بن الحارث بن غیمان (غین معجمہ کا زبر اس کے بعد یائے تحتانی ساکنہ) بن خثیل۔ چنانچہ اصابہ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابی عامر بن عمرو کے ذکر میں ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ذہبی بھی تجرید الصحابہ میں ابوعامر رضی اللہ عنہ کا ذکر لائے ہیں اور کہا ہے کہ میں نے صحابہ میں ان کا ذکر نہیں پایا۔

کتاب صحیح مقام حدیث حصہ اول ص ۹۴ میں آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو انس صحابی کے فرزند دلبند قرار دیا تھا' جو صحیح نہیں تھا۔ اب صحابی کا پوتا ٹھہرایا ہے۔ یہ بھی غلط ہے' کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مالک بن ابی عامر ہیں اور وہ صحابی نہیں ہیں' بلکہ اکابر تابعین سے ہیں۔ تقریب التہذیب میں ہے : مالک بن ابی عامر الاصبحی سمع من عمر ثقة من الثانیة۔ یعنی "مالک بن ابوعامر اصبحی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ ثقہ ہیں اور دوسرے طبقہ میں سے جو اکابر تابعین کا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ مالک بن ابی عامر کے تین لڑکے تھے۔ انس' ربیع' ابوسہیل۔ امام مالک کے چچا ابوسہیل بھی ثقات تابعین سے ہیں' بلکہ ابوعامر کا صحابی ہونا بھی مخدوش ہے' جو امام مالک کے پڑدادا (جدالجد) ہیں' پھر دادا کس طرح صحابی ہوئے؟ پس یہ کہنا کہ امام مالک صحابی کے پوتے ہیں غلط ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی اس غلطی سے بھی رجوع فرمائیں گے۔ اس

اعتراف کے بعد آپ نے یہ فرمایا کہ آپ انشاء اللہ میری کسی بھی تحریر سے تفسیر بالرائے کے گناہ کفر کا مجھے مرتکب ثابت نہ کر سکیں گے۔

آپ کا یہ اصرار بے کار ہے' کیونکہ حقیقت کے خلاف ہے۔ مخفی نہ رہے کہ بندہ نے آپ کی تفسیر بالرائے پر محدثانہ تبصرہ کر کے مضمون اخبار الاعتصام لاہور میں بھیج دیا تھا' وہاں قریباً ایک سال مضمون پڑا رہا تو انھوں نے کسی مصلحت سے غزنوی فاضل کے خلاف مضمون شائع کرنا پسند نہ کیا' تو آخر وہ مضمون واپس لیا گیا اور دفتر تنظیم اہلحدیث کو ارسال کر دیا گیا' وہاں یہ حادثہ ہوا کہ حضرت مدیر تنظیم میرے مضامین کو ہینڈ بیگ میں ڈال کر بدوملی سے لاہور تشریف لائے تو دفتر سے ان کا ہینڈ بیگ چوری ہو گیا' جس میں میرے متعدد مضامین جو مختلف مسائل پر بڑی محنت سے لکھے ہوئے تھے' رکھے تھے وہ سب ضائع ہو گئے' جس میں تفسیر بالرائے کا متعلقہ مضمون بھی تھا جو چوری کے سیلاب میں بہہ گیا' جس کا مجھے بہت افسوس ہوا' پھر سکوت کیا گیا۔ اب آپ نے خود فرمائش کی ہے' تو اس کے متعلق کچھ مختصر عرض کرتا ہوں امید ہے کہ آپ دلی اخلاص سے غور فرما کر اپنے نظریہ پر دوبارہ تحقیقی نظر فرمائیں گے۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا۔

<u>تفسیر بالرائے حرام ہے:</u> یہ بات اہل علم خصوصاً اہلسنت علمائے کرام میں مسلم ہے کہ تفسیر بالرائے حرام ہے: لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام من قال فی القرأن برایہ فقد اخطا۔ یعنی "جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کچھ کہا اس نے خطا کی۔" چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان میں اس کی پوری تفسیر موجود ہے' مگر افسوس کہ اس دور میں تفسیر قرآن کرتے ہوئے علماء نہایت غلو اور جفا سے کام لے رہے ہیں۔ نیچریوں' چکڑالویوں' پرویزیوں' قادیانیوں کا تو کیا کہنا ان کے مذہب کی بنیاد ہی تفسیر بالرائے پر ہے' لیکن افسوس بلکہ صد افسوس تو اہلحدیث علماء پر ہے کہ وہ احادیث اور اتباع آثار سلف کا دم بھرتے ہیں' پھر کثرت سے تفسیر بالرائے کا شکار ہو رہے ہیں۔ مثلاً مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب وزیر آبادی جو آج کل گجرات میں مقیم ہیں' وہ اس مرض کا شکار ہیں کہ وہ کتاب وسنت کی تفسیر ومطلب اپنی رائے اور اجتہاد سے کرتے ہیں اور خود مجتہد مستقل بنے بیٹھے ہیں اور ان کو اپنے فہم واجتہاد پر بڑا ناز ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے: الحمد للّٰہ فاطر السمٰوت والارض جاعل الملٰئکۃ رسلا

اولی اجنحۃ۔ یعنی "حمد وثنا اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے' جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے' جو پروں والے ہیں' دو دو' تین تین' چار چار پر رکھتے ہیں۔" اس بارے میں ایک دو حدیثیں وارد ہیں' جو اس آیت کی واضح تفسیر ہیں کہ فرشتوں کے پر موجود ہیں۔ چنانچہ بخاری کتاب التفسیر میں موجود ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رای جبرائیل له ست مائة جناح۔ یعنی "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔" اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کو فرشتوں نے پروں سے سایہ کیا ہوا تھا۔ (بخاری)

مگر حافظ عنایت اللہ صاحب اس کا مطلب اپنی رائے سے یہ کرتے ہیں کہ "آیت کریمہ اور حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ کوئی پیام رساں فرشتہ دو فرشتوں پر اور کوئی تین پر اور کوئی چار پر افسر ہوتا ہے اور بعض فرشتوں کی قیادت میں چار تو کیا کافی طور پر زیادہ مخلوق ہوتی ہے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ چھ صد کی قیادت کر رہے تھے۔" (البیان المختار ص۔۳) اور مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ دو بازو سے دو رکعت اور تین بازو سے تین رکعت اور چار بازو سے چار رکعتیں مراد ہیں۔ بس اسی طرح تمام قرآن میں گمراہ علماء تفسیر بالرائے سے کام لے رہیں اور انہوں نے اسلام میں ایک فتنہ قائم کر رکھا ہے' جو سراسر گمراہی اور کفر ہے۔ نظام آباد ضلع گوجرانوالہ کے ایک آہنگر کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے' ان کا باپ تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا۔ یعنی وہ شخص جو صحیح سالم آدمی کی شکل میں بن کر آیا تھا وہ حضرت عیسیٰ کا باپ تھا' اس نے کہا تھا میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا دیتا ہوں۔ یعنی بطریق معروف ملاپ کرتا ہوں' جس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو گا۔ نعوذ باللہ منہ۔ اسی طرح پرویز قرآن پر حملے کر رہا ہے۔

قرآن میں جا بجا ملائکہ کا ذکر ہے' مگر وہ "طلوع اسلام" بابت فروری سنہ۔۵۲ء ص۔۴۰ میں لکھتا ہے۔ "ملائکہ یعنی فرشتے کائناتی قوتیں ہیں۔" قرآن مجید میں جنت اور دوزخ کا صاف ذکر ہے' مگر وہ طلوع اسلام بابت نومبر سنہ۔۵۱ء' ص۔۲۵ میں لکھتا ہے کہ سلسلہ ارتقاء میں آگے بڑھ جانا جنت کی زندگی ہے اور نشوونما کی صلاحیت کے سلب کر چکنے کے بعد سلسلہ ارتقاء میں رک جانے کا نام جہنم کا عذاب ہے۔ اس لئے جنت یا جہنم کسی خاص مقام

کا نام نہیں، کیفیات زندگی کی تعبیر ہے۔ یہی علامہ مشرقی کا عقیدہ ہے۔ بہرکیف یہ چند مثالیں تفسیر بالرائے کی ہیں، جو سراسر باطل اور گمراہ کن ہیں۔

علامہ غزنوی کی تفسیر بالرائے: ہمارے علامہ مولانا فضل احمد صاحب غزنوی مدظلہ بھی مشہور علماء کرام میں سے ہیں، جنہوں نے منکرین حدیث کی تردید کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور دن، رات اس فتنہ کے سر کچلنے میں منہمک ہیں۔ آپ کے اکثر مضامین اسلامی اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں، جو اہل علم کو بہت پسند ہیں۔ آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تفسیر بالرائے حرام بلکہ کفر ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ "رحمت عالم ﷺ کے حکم کے مطابق میں تو تفسیر بالرائے کو خود کفر سمجھتا ہوں۔" پھر ساتھ آپ کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ "میں اپنے رب کی عنایات کے پیش نظر اس امر پر مطمئن ہوں کہ میرے پاک پروردگار نے مجھ سے قرآن وحدیث کے بارے میں میرے قلم کو غلط روی پر نہیں جانے دیا۔ فللّٰہ الحمد۔

یہ دعویٰ بہت بلند ہے جو بغیر معصوم ہستی کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس سے پہلے آپ کا یہ فرمان درج ہے۔ "البتہ اتنا تو ہو سکتا ہے کہ غالباً میں کہیں غلطی کر بیٹھا ہوں گا، تو آپ کے مطلع فرمانے سے ایک طرف تو گناہ کفر سے بچ جاؤں گا، ضرور تائب ہوں گا اور دوسری طرف آپ کو عنداللہ ثواب ملے گا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی تفسیر اور مضامین میں کہیں غلطی کا امکان بھی ہے اور آپ معصوم نہیں ہیں کہ آپ کا غلطی پر استقرار بالکل نہیں ہوا، یہ خاصہ نبوت رسالت کا ہے۔ لہٰذا آپ کو اپنے فہم پر کلی اعتماد اور اطمینان نہ رکھ لینا چاہیے کہ یہ غلطی کی طرف نہیں کیا گیا اور نہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں جانے دیا، کیونکہ اس کا علم بغیر وحی کے نہیں ہو سکتا۔ جب وحی کا دعویٰ نہیں ہے، تو غلطی ہو جانے کا احتمال ہے۔ اب اس کا ثبوت سنیے! آپ نے صحیح مقام حدیث، حصہ اول، ص-۱۱۸ میں سورہ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات لکھ کر یہ تفسیر کی ہے۔ "مسجد کے معنی سجدہ گاہ اور اقصیٰ بالکل منتہی کی طرح سب سے آخری حد کو کہتے ہیں، یعنی سجدہ ایزدی کا جو انتہائی نقطہ ہو جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔" نیز فرماتے ہیں۔ "اقصیٰ سے مراد صرف دور پرے بعید ترین مراد لیا گیا ہے یہ کہ مسجد اقصیٰ سے مراد عرش عظیم ہے، اس کی تفصیل ہم اپنی کتاب صحیح قرآنی فیصلے میں کر

آئے ہیں۔"

اب ذرا قرآنی فیصلے' کا فیصلہ بھی سنیے! "اقصیٰ معنی پرے' دور' انتہا۔ اس میں اقصیٰ اسم تفضیل ہے' جس کے معنی نہایت ہی انتہا' یا انتہا کی وہ حد جس کے بعد کچھ ہو ہی نہ۔" پھر لکھتے ہیں : "مسجد اقصیٰ سے مراد وہ حد سجدہ ایزدی' وہ انتہا اور وہ نقطہ جہاں پہنچ کر یہ ہمارے زمانی اور زمینی قیود سب کے سب معطل ہو جاتے ہیں' یعنی اس کو کون ومکان' زمین وزمان' حال ومستقبل اور وقت وٹائم سے بھی پرے' دور' ہاں بہت دور' یعنی پاک پروردگار کے اس حظیرۃ القدس میں جہاں محمد ﷺ میں اور اللہ تعالیٰ میں صرف کمان کے دو چلوں میں جتنا فرق رہ گیا۔"

ان تمام عبارتوں میں آپ نے نہایت تکلف سے کام لیا اور بار بار یعنی لکھ کر اپنے ما فی الضمیر کو ثابت کرنے کی ناجائز کوشش کی ہے اور مطلب آپ کا دو حرفوں میں آجاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ سے مراد عرش عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو مسجد حرام سے عرش عظیم تک سیر کرائی اور بس' سو یہ تفسیر بالرائے ہے۔ مسجد اقصیٰ کے معنی عرش عظیم نہ لغت سے ثابت ہے اور نہ یہ تفسیر' حدیث اور اقوال سلف صالحین میں وارد ہے' اگر ثابت ہے تو اس کا ثبوت تفاسیر متقدمین سے پیش کریں اور لغت سے مسجد اقصیٰ کا معنی عرش عظیم دکھائیں۔ تمام تفاسیر اور کتب لغت میں مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس کی وہ مسجد ہے' جو مسجد حرام سے چالیس سال بعد تیار ہوئی ہے۔ جس کی تجدید وتعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے کرائی تھی' جو انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہی ہے' جس کی طرف آنحضرت ﷺ سترہ ماہ نماز پڑھتے رہے ہیں اور وہ مسجد حرام ومسجد نبوی کے بعد وہ مسجد ہے جس کی طرف شد رحال مشروع ہے۔ پس آپ ﷺ نے معراج واسراء میں شد رحال بذریعہ براق برفاقت جبرائیل علیہ السلام اسی مسجد کی طرف فرمایا کہ حسب روایت ابن ماجہ اس میں ایک نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے۔

تفسیر جامع البیان میں ہے کہ من المسجدالحرام مسجد مکة الی المسجدالاقصٰی الذی ببیت المقدس ببدنه الاشرف۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ان کے جسم اشرف کے ساتھ مسجد مکہ سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی' جو بیت المقدس ہے۔" یہ تفسیر احادیث صحیحہ کے مطابق ہے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا : اتیت بالبراق

فرکبتہٗ حتیٰ اتیت بیت المقدس فربطتہٗ بالحلقة التی یربط بھا الانبیاء قال ثم دخلت المسجد فصلیت فیه رکعتین۔ (الحدیث) یعنی "میرے لئے براق لایا گیا' جس پر میں سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا' وہاں براق کو اس حلقہ سے باندھا جس سے انبیاء کرام اپنی سواریاں باندھتے رہے ہیں' پھر مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔" (پھر اس سے آگے آسمانی معراج کا ذکر ہے۔)

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اسراء ہے اور بیت المقدس سے آسمانوں تک اور اس سے آگے سدرۃ المنتہیٰ اور مقام مستوی تک معراج ہے' اگر مسجد اقصیٰ سے عرش معلیٰ مراد لیا جائے تو مسجد حرام سے بیت المقدس کا اسراء نبوی قرآن مجید سے خارج ہو جاتا ہے' حالانکہ یہ بالاتفاق ثابت ہے۔ پس آپ کا واقعہ اسراء میں مسجد اقصیٰ سے عرش الٰہی مراد لینا سراسر باطل ہے اور یہ تفسیر بالرائے ہے' جس کا حرام ہونا آپ کو مسلم ہے۔

تفسیر تنویر المقباس تفسیر ابن عباس کے ص۔ ۱۷۶ میں ہے : من المسجد الحرام من بیت ام ھانی بنت ابی طالب الی المسجد الاقصٰی ابعد من الارض واقرب الی السماء یعنی مسجد بیت المقدس۔ یعنی "سیر کرائی مسجد الحرام کے حرم ام ہانی دختر ابوطالب کے گھر سے مسجد اقصیٰ تک جو بیت المقدس میں مسجد ہے اور وہ زمین سے دور اور آسمان کی طرف قریب ہے۔"

آپ نے القصٰی سے اقصٰی اسم تفضیل بتایا ہے' حالانکہ اصل مادہ قصاء ہے' فتفکر۔

مشکوٰۃ کے حاشیہ میں مرقاۃ سے منقول ہے کہ وسمی به لبعد المسافة بینه وبین الکعبة وقیل اقصٰے بالنسبة الٰی مسجد المدینة لانه بعید من مکة وبیت المقدس ابعد منه وقیل لانه لم یکن وراہ موضع عبادة یرحل الیه وقیل لبعده عن الاقذار والخبائث۔ یعنی "اقصیٰ کے معنی بہت دور ہے۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ مکہ سے بہت دور مسافت پر واقع ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اقصیٰ مسجد نبوی کے لحاظ سے ہے کہ مسجد نبوی مکہ سے دور ہے اور مسجد اقصیٰ مکہ سے مسجد نبوی کی نسبت بہت دور ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انتہاء عبادت کی جگہ ہے کہ اس کے وراء کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جس کی طرف سفر کیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مقام ہر قسم کی پلیدیوں اور خبائث سے بہت دور اور انتہائی پاکیزہ ہے۔" لیکن کسی محدث نے اقصیٰ سے مراد عرش نہیں لیا ہے' اگر

لیا ہے تو آپ حوالہ دیں اور اس کی تصدیق اور تائید حدیث مرفوع یا موقوف سے کرائیں۔ ودونہ خرط القتاد۔

سدرۃ المنتہی کی تفسیر بالرائے : علامہ غزنوی نے منکرین حدیث کا بیڑا غرق کرنے کو سمندر میں جہاز تردیدی ڈالا تو وہ ان کو غرق کرتا ہوا خود طوفان تفسیر بالرائے کے تھپیڑوں میں آگیا۔ ہم کتاب وسنت کی امداد سے اس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قرآن فہمی کا اصل اصول مخاطب اول کا فہم ہے۔ چنانچہ رئیس المعتزلہ علامہ زمخشری نے بھی یہ اصول تسلیم کر لیا ہے' حالانکہ ان کو عربیت کا بڑا دعویٰ ہے۔ کشف الظنون باب بالکاف ص-۱۰ میں ہے : لیس الزمخشری للانحصار تلقی التفسیر من الاحادیث والاثار بجاحد۔ یعنی "علامہ زمخشری اس بات کا انکاری نہیں ہے کہ قرآن کی تفسیر حاصل کرنے کا ذریعہ صرف احادیث و آثار صحابہ ہی ہیں۔" یہ اصول آپ کو بھی مسلم ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ "مجھے قرآن وحدیث صحیح سے قائل فرمائیں۔"

اب سنئے! آپ نے صحیح مقام حدیث حصہ اول کے ص-۱۹ پر یہ لکھا ہے کہ "سدرۃ المنتہٰی کے معنی ہوا کہ ایسی جگہ جو حواسوں' ادراکوں سے پرے ہو اور جہاں کسی کا گزر روک دیا گیا ہو سوائے اس کے کہ اجازت انتہا مل جائے' پھر منتہٰی کو التعریف کے ساتھ لایا گیا ہے' جو عہد ذہنی کے لیے آیا ہے' لہذا اس سے مراد عرش باری تعالیٰ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ عرش عظیم جو اس کائنات وحواسات کائنات سے بالا' بلند' پرے دور' ہاں بہت دور ہے جہاں کسی کا گزر تک نہیں' وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد ﷺ کو بلوا کر وحی کی راز داریوں سے سرفراز فرمایا۔" اسی طرح قرآنی فیصلے کے ص-۸۸ پر آپ نے منتہٰی اور اقصٰی کا ایک معنی کر کے اس سے عرش عظیم ہی مراد رکھا ہے' یہ تفسیر بالرائے ہے اور حدیث صحیح کے خلاف ہے اور لغت بھی اس کی مساعدت نہیں کرتی اور یہ سلف صالحین کے بھی خلاف ہے' کسی صحابی یا تابعی یا محدث نے سدرۃ المنتہٰی سے عرش مراد نہیں لیا بلکہ عرش اور سدرۃ المنتہٰی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ عرش عظیم سے مراد تو اللہ تعالیٰ کا تخت ہے' جس کے قوائم ہیں' جن کو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں' آج وہ چار فرشتوں کے کندھوں پر ہے بروز قیامت اس کو آٹھ فرشتے اٹھا کر لائیں گے' اس عرش پر اللہ تعالیٰ بلذات مستوی ہے اور سدرۃ المنتہٰی سے مراد بیری کا درخت ہے جو ساتویں آسمان پر ہے اور اس کی جڑ

چھٹے آسمان پر ہے' اس سے چار نہریں نکلتی ہیں' اس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں اور اس کے بیر حجر کے مٹکوں کے برابر ہیں۔ پس اس کو عرش قرار دینا بالکل غلط ہے۔ آپ نے سدرۃ المنتھٰی کی تفسیر میں بے جا تکلف کیا ہے اور خواہ مخواہ "ال" عہد ذہنی بنایا ہے' حالانکہ علماء نحویہ جانتے ہیں کہ "الف لام" تعریف چار معنوں میں مستعمل ہے۔

(ا) عہد خارجی جس کا مدخول متکلم و مخاطب کو معلوم ہو' جیسے جاء الامیر۔ "کہ حاکم آیا" یہ وہ خاص حاکم مراد ہے جو متکلم اور مخاطب کے درمیان مقرر و معروف ہے۔

(۲) عہد ذہنی جو متکلم کے ذہن میں ایک فرد غیر معین مراد ہے' جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا : اخاف ان یاکلہ الذئب۔ یعنی "مجھے خطرہ ہے کہ یوسف کو کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے۔"

(۳) جنسی' جس سے مراد جنس ہو' جیسے الرجل خیر من المراۃ۔ "جنس مرد بہتر ہے' جنس عورت سے۔"

(۴) استغراقی' جو اپنے مدخول کے تمام افراد کو شامل ہو' جیسے ان الانسان لفی خسر۔

جب آپ کی مراد المنتھٰی سے خاص عرش ہے' تو پھر اس پر "الف لام" عہد ذہنی کس طرح ہوا؟ وہ تو غیر معین فرد ہوتا ہے۔ ہاں! البتہ عہد خارجی کہتے تو بات قاعدہ نحو کے مطابق ہوتی' مگر یہاں یہ کہنا ہی فضول ہے' کیونکہ سدرۃ المنتھٰی کلمہ مرکب ہے' جو خاص بیری معروف کا نام ہے اور دراصل یہ مرکب توصیفی ہے' کیونکہ سدرۃ عربی میں بیری کو کہتے ہیں' اس کی صفت المنتھٰی ہے تو یہاں موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت ہے' یا مرکب اضافی ہے کہ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "پرلے حد کی بیری۔" یعنی انسانی فہم وادراک کی اخیر سرحد پر ایک عظیم الشان درخت بیری کا ہے' جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فیوض ربانی اور نعمائے صمدانی سے مخصوص فرمایا گیا تھا۔

تفسیر جامع البیان میں ہے : ھی شجرۃ نبق فی السمآء السابعۃ عن یمین العرش الیھا ینتھی علم الخلائق لا یعلم احد ما ورآء ھا۔ یعنی "وہ بیری کا درخت ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے دائیں جانب واقع ہے' تمام خلائق کا علم وہاں تک منتھی ہے اس کے وراء کا کسی کو علم نہیں ہے۔"

مشکوۃ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک مالک بن صعصعہ سے ہے' جس میں "سدرہ" کے

متعلق یہ الفاظ وارد ہیں : ثم رفعت الی سدرة المنتھٰی فاذا نبقھا مثل قلال ھجر واذا ورقھا مثل اذان الفیلة قال ھذا سدرة المنتھٰی۔ یعنی "پھر مجھے سدرة المنتھٰی کی طرف اوپر لے جایا گیا اور کہا کہ یہ سدرة المنتھٰی ہے' اس کے پھل ہجر کے مٹکوں کے برابر تھے اور پتے ہاتھیوں کے کانوں کی مثل تھے۔"

دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں : ثم ذھب بی الی السدرة المنتھٰی فاذا ورقھا کاذان الفیلة واذا ثمرھا کالقلال۔ اس عبارت کا مطلب بھی وہی ہے' جو اوپر گزرا ہے' یہ روایت مسلم کی ہے اور پہلی متفق علیہ ہے' جس میں سدرة بغیر الف ولام کے اور منتھٰی کی طرف مضاف ہے اور دوسری روایت مسلم میں الف ولام تعریف کے ساتھ لفظ سدرہ واقع ہے۔ پس اس مرکب کی بابت ہمارے دونوں خیال توصیفی اور اضافی کے صحیح ظاہر ہوتے ہیں۔ اب اس کی وجہ تسمیہ سنئے! مشکوٰۃ میں بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسلم کی حدیث میں یہ وارد ہے : قال لما اسری برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انتھی بہٖ الٰی سدرة المنتھٰی وھی فی السمآء السادسة الیھا ینتھی ما یعرج بہٖ من الارض فیقبض منھا والیھا ینتھی ما یھبط بہٖ من فوقھا فیقبض منھا۔ یعنی "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں لے جایا گیا' تو آپ کو سدرة المنتھٰی کی طرف پہنچایا گیا' جو چھٹے آسمان میں ہے۔ (یعنی اس کی جڑ' کما قال النووی) یہاں سدرہ کے پاس پہنچتی ہے' وہ چیز جو چڑھائی جاتی ہے زمین سے (اعمال وارواح) پس لے لی جاتی ہے' اس سے اور سدرہ کی طرف منتھٰی ہے وہ چیز جو اوپر سے اتاری جاتی ہے' پس لے لی جاتی ہے اس سے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ سدرہ علوم خلق اور عروج ملائکہ کا منتھٰی ہے' اس لئے اس کو سدرة المنتھٰی کہتے ہیں۔ اس واقعہ کی تمام تفاصیل سے مضمون دراز ہو جائے گا۔ آپ نے آیات کی تفسیر جو کی ہے' وہ ٹھیک نہیں' اگر سب پر بحث کروں تو ایک رسالہ بن جائے گا جس کی اشاعت کا صحیفہ اہلحدیث متحمل نہ ہو گا۔ میری غرض صرف تفسیر بالرائے کا نمونہ دکھلانے کی ہے کہ آپ نے مسجد اقصیٰ اور سدرة المنتھٰی سے جو عرش الٰہی مراد لیا ہے' یہ غلط ہے۔ مسجد اقصیٰ اور چیز ہے' سدرة المنتھٰی اور چیز ہے اور عرش عظیم اور چیز ہے۔ مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں ہے جس کی طرف اسراء ہوا اور کفار نے اس کا انکار کیا' تو بیت

المقدس آپ کے سامنے ظاہر کیا گیا جس کو دیکھ کر آپ نے نشانات بیان کئے اور کفار پر حجت تام ہوئی' مگر عرش پر جانا آنحضور ﷺ کا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ من ادعی فعلیه البیان۔

اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے نور کے ہیں' اگر وہ نہ ہوں تو تمام کائنات نظر الٰہی کے شعلوں اور جلووں سے جل کر خاکستر ہو جائے۔ ذات الٰہی عرش پر ہے جہاں کوئی نہیں جا سکتا اور نہ گیا ہے۔ آنحضور ﷺ بھی مقام مستویٰ (ہموار مقام) تک پہنچے ہیں' جہاں قلموں کی آواز سنائی دیتی ہے' جس طرح کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور من وراء حجاب گفتگو ہوتی رہی' اسی طرح آنحضور ﷺ سے ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے دل کی آنکھوں سے ملاقات کے وقت اللہ کو دیکھا ہے' ظاہری آنکھوں سے صرف نور دیکھا ہے جو حجاب مابین خلق ہے' ذات الٰہی کا نظر نے ادراک نہیں کیا۔

قاب قوسین سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جمہور سلف کا اس پر اتفاق ہے۔ والتفصیل فی المطولات۔ یہ چند سطور پیش خدمت ہیں' بنظر انصاف ان کو ملاحظہ فرما کر اپنی تفسیر کی اصلاح فرمائیں۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللّٰہ۔ فقط والسلام۔

عبدالقادر عارف الحصاری غفرلہ الباری

صحیفہ اہلحدیث' جلد۔۴۱' شمارہ۔۸' ۹' ۱۰ مورخہ ۲۶ ربیع الثانی وکیم و ۲۶ جمادی الاول سنہ۔۱۳۸۰ھ

اصلاحات مسائل

حضرت مولانا فضل احمد صاحب غزنوی بی اے، مولوی فاضل منشی فاضل حیدر آباد سندھ جماعت اہلحدیث کے قابل قدر بزرگ ہیں، تحریر و تقریر کے ذریعہ جو انہوں نے حفاظت حدیث میں جانثاری دکھائی ہے اور فتنہ انکار حدیث کا سدباب کیا ہے، وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، خدا ان کو جزائے خیر دے، چونکہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، اس لئے آپ کی تحریرات میں کئی جگہ بندہ کو راہ حق سے ازلال نظر آیا ہے، چونکہ متلاشی حق اپنی گم گشتگی پر راہ راست بتلانے والے سے ناراض نہیں ہوا کرتا، اس لئے میں اپنے قابل صد احترام موصوف کی تحریروں سے چند ایک اغلاط کی نشاندہی کر کے ان مسائل کی اصلاح کروں گا، جس میں انہوں نے ٹھوکر کھائی، اس لئے حق مسئلہ واضح کرنے کے لیے میں یہ جرات کر رہا ہوں، تاکہ عنداللہ ماخوذ نہ ہو سکوں۔ (خاکسار عبدالقادر حصاری)

اصلاح نمبر۱ : آپ نے اپنے مضمون مطبوعہ ۱۵ جولائی سنہ ۶۱ء میں حدیث ترکت فیکم امرین کا حوالہ بریکٹ میں یہ دیا ہے۔ (او کما قال صحاح ستہ) یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے، پھر جریدہ اہلحدیث مطبوعہ یکم مارچ سنہ ۶۲ء کے ص ۶ میں یہی حدیث کو لکھ کر بخاری کا حوالہ دیا ہے، یہ بھی غلط ہے کہ بخاری میں یہ حدیث نہیں ہے، یہ حدیث مشکوۃ میں ہے، موطا امام مالک میں ہے اور مستدرک حاکم میں ہے، صحاح ستہ میں نہیں ہے۔

اصلاح نمبر۲ : صحیح مقام حدیث حصہ اول ص ۹۴ میں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرزند دلبند ہیں، یعنی ایک صحابی کے لڑکے جنہوں نے خود اپنے والد ماجد سے لکھی ہوئی حدیثیں سن کر اپنی کتاب موطا میں جمع کی ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرزند نہیں اور نہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث سنی ہے۔

اصلاح نمبر۳ : صحیفہ ۱۰ اگست سنہ ۶۰ء کے ص ۱۷ پر آپ نے فرمایا ہے، میں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیٹا لکھ دیا ہے، ہونا یوں چاہیے تھا۔ "ایک جلیل القدر صحابی کا پوتا" یہ بھی غلط ہے، کیونکہ امام مالک، انس صحابی کے پوتے بھی نہیں ہیں، امام مالک کے دادا مالک بن ابو عامر ہیں، جو صحابی نہیں، تابعی ہیں، جس کی تفصیل صحیفہ ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء میں کر دی گئی ہے، یہاں ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہمارے علوم ان

محدثین کے مقابلہ میں ہیچ ہیں' جن کے مقابلہ میں آپ یہ کہتے ہیں : ھم رجال ونحن رجال۔ یعنی "وہ بھی مرد انسان تھے' ویسے ہم بھی مرد میدان ہیں۔" یہ گستاخی ہے۔

اصلاح نمبر۴ : موطا امام مالک' بخاری' مسلم' جو پہلی ہی صدی اور دوسری صدی کی ہیں۔ (صحیح مقام حدیث حصہ اول ص۔۸۹' ۹۰ میں لکھا ہے۔) حضرت امام بخاری دوسری صدی جنہوں نے" یہ تاریخی غلطی ہے' صحیح بات یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پہلی صدی ہجری میں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے دوسری صدی میں حدیثیں جمع کر کے لکھی ہیں اور امام بخاری دوسری صدی میں پیدا ہوئے اور انہوں نے احادیث کو تیسری صدی میں جمع کیا ہے' اسی طرح امام مسلم تیسری صدی میں پیدا ہوئے اور تیسری صدی میں انہوں نے مسلم شریف میں حدیثوں کو جمع کیا تھا' پہلی صدی میں ان محدثین میں سے کسی محدث نے کوئی کتاب حدیث کی نہیں لکھی ہے اور امام مالک کے بغیر دوسرے کسی نے ان میں سے دوسری صدی میں کتاب حدیث کی نہیں لکھی۔

اصلاح نمبر۵ : آپ کی کتاب صحیح مقام حدیث کے ص۔۱۰ میں ہے کہ صحیح بخاری کا اوپر حوالہ دے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان لکھا ہے۔ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہو' میں قریب ہوتا چلا گیا' میرے اور میرے پروردگار کے درمیان نوے ہزار الفاظ پر مشتمل باتیں ہوئیں۔" یہ نوے ہزار تعین صحیح نہیں ہے' اس کو کسی صحیح حدیث سے ثابت کریں۔

اصلاح نمبر۶ : صحیح مقام حدیث ص۔۱۱۸ میں ہے اور آپ معراج کی بحث میں فرماتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ سے مراد عرش عظیم ہے' یہ بالکل باطل تفسیر ہے' مسجد اقصیٰ سے مراد وہ مسجد سلیمانی ہے' جو بیت المقدس ملک شام میں ہے' معراج سے پہلے وہاں گئے تھے اور عرش معلٰی ہرگز مراد نہیں' یہ تفسیر حدیث اور اقوال سلف صالحین اور لغت کے سراسر خلاف محض رائے پر مبنی ہے۔

اصلاح نمبر۷ : صحیح مقام حدیث کے ص۔۱۲۶ میں سدرۃ المنتھٰی سے مراد عرش باری تعالیٰ لیا ہے' یہ تفسیر بالکل باطل اور بالرائے ہے' جو حدیث سلف صالحین اور لغت کے سراسر خلاف ہے اور اس میں حدیث وقرآن کی تحریف معنوی پائی جاتی ہے۔

اصلاح نمبر۸ : صحیح مقام حدیث ص۔۲۱۱ میں ہے کہ اول ما خلق اللّٰہ نوری۔ (حدیث) ترجمہ "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا"' یاد رہے کہ یہ احادیث بالکل

قرآن کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سراسر باطل عقیدہ ہے' حدیث مذکورہ بالا بالکل موضوع ہے' جس کی سند نہ حسن' نہ صحیح' نہ ضعیف ہے اور قرآن اور صحیح حدیثوں کے بالکل خلاف ہے' آنحضور ﷺ کی پیدائش نور سے ہرگز نہیں ہے' بلکہ دیگر انسانوں کی طرح انسان میں سے ہے' میں نے اپنے رسالہ "ظل رسول" میں اس پر مفصل بحث کر کے مدعیان نور کے دلائل مزعومہ کا قلع قمع کر دیا ہے۔

اصلاح نمبر۸ : صحیح مقام حدیث ص۔۲۲۰ میں لکھا ہے کہ اس آیت شریفہ کا مضمون تازہ کر لو' جس میں صاف اور واضح طور پر آنحضرت ﷺ کو نور کہا گیا ہے : جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین۔ اس آیت شریفہ میں رسول اللہ ﷺ کو بلا شک وبلاریب نور کہا گیا ہے۔ نور سے بلاشک ذات رسول مراد ہونا بالکل غلط ہے' بلکہ یہاں نور سے مراد قرآن ہے' جیسے دوسری آیت میں اس کی تشریح کی ہے کہ فامنوا باللّٰہ ورسولہ والنور الذی انزلنا یعنی "اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور اس نور کے ساتھ جو ہم نے اتارا ہے' ایمان لاؤ' قرآن میں قرآن اور اسلام کو صاف نور سے تعبیر کیا گیا ہے' اس آیت میں عطف تفسیری ہے' آنجناب نے اخبار اہلحدیث یکم و ۱۵ اکتوبر سنہ۔۱۹۶۱ء کے ص۔۷ میں یہ لکھا ہے۔ "عربی کا ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ عربیت میں واؤ عاطفہ کا ماقبل مابعد سے بالکل جداگانہ ہوتا ہے۔ مثلاً جاء زید وبکر کہ زید بکر آیا' زید بکر جدا شخصیتیں متعین کر دی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ٹھیک ہے' لیکن مغائرت دو قسم ہے' ایک ذاتی دوم وصفی' جب صفت کا عطف صفت پر ہو اور ذات ایک ہو تو یہ عطف وصفی ہے' جیسے غافر الذنب وقابل التوب۔ یہ عطف صفتی ہے' یہاں دو شخصیتیں آپ مانیں گے تو شرک لازم آئے گا۔ اسی طرح قرآن میں ہے : ولقد اتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم۔ یہاں واؤ عاطفہ اور سبع مثانی اور قرآن مجید ایک ہی چیز کی دو صفتیں ہیں اور وہ سورہ فاتحہ ہے۔ مجمع البحار میں اس کو من عطف الصفة علی الصفة بتایا ہے' پس اسی طرح نور و کتاب مبین میں سمجھ لیں کہ یہ دونوں صفتیں قرآن کی ہیں' ان میں مغائرت لفظی ہے' معنوی نہیں' قرآن نور ہے' جیسے صاف ارشاد ہے : انزلنا الیکم نورا مبینا۔ یعنی "ہم نے تمہاری طرف نور واضح نازل کیا۔" سیاق وسباق سے یہی بات ٹھیک ہے کہ آیت مذکورہ سے پہلے آیت ہے' جس میں ہے : قد جاء کم رسولنا۔ پھر دوسری میں رسول مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے

کہ یہ تکرار کو مستلزم ہے جو بے جا ہے اور آیت نور کے بعد یھدی بہ اللّٰہ وارد ہے' اس میں ضمیر بہٖ نور کی طرف راجع ہے' جو وہی کتاب مبین ہے' اگر نور سے مراد ذات رسول ہوتی تو یھدی بھما ہوتا اذ لیس فلیس پھر اس نور کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں' قرآن' اسلام' محمد ﷺ۔ جب تین احتمل ہیں تو بروئے قاعدہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال آپ کا بلاشک' بلاریب نور سے مراد ذات رسول لینا باطل ہے' مبہم لفظ ہو تو اس کو مفسر کی طرف راجع کریں اور وہ قرآن ہے۔

اصلاح نمبر۱۰ : کتاب صحیح مقام حدیث ص-۱۴۶ میں ہے' پھر منتھٰی کو "ال" تعریف کے ساتھ لایا گیا ہے' جو عہد ذہنی کے لیے آیا ہے' لہٰذا اس سے مراد عرش باری تعالیٰ ہے' یہ کس قدر ڈبل غلطی ہے' جو طالب علم منتھی نہیں کر سکتا' "ال" عہد ذہنی وہ ہوتا ہے جو متکلم کے ذہن میں ایک فرد غیر متعین ہو' جیسے قرآن میں اخاف ان یاکلہ الذئب۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ یوسف کو کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے' لفظ الذئب پر ال عہد ذہنی ہے جب آپ کے نزدیک المنتھی میں ال عہد ذہنی ہے' تو پھر آپ نے اس سے خاص عرش الٰہی کیسے مراد لے لیا؟ ہاں آپ ال عہد خارجی کہہ دیتے تو درست تھا' مگر یہاں اس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ سدرۃ المنتھٰی میں سدرہ مضاف ہے اور لفظ المنتھٰی مضاف الیہ ہے' یہ اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے کہ سدرہ سے وہ بیری مراد ہے جو کائنات ارض وسما کے آخری مقام پر ہے' اس کے پرے کسی کو جانے کا حکم نہیں اور سوائے ہمارے نبی اکرم ﷺ کے کوئی اس سے آگے نہیں بڑھ سکا' اس سے عرش مراد نہیں ہے' وہ تو اس سے بھی مافوق ہے' جس پر اللہ تعالیٰ بلذات مستوی ہے' جس سے فلسفی و منطقی انکار کرتے ہیں۔

اصلاح نمبر۱۱ : اخبار اہلحدیث ۱۵ دسمبر سنہ-۱۹۶۱ء کے ص-۶ پر عربیت کا یہ خاص نقطہ بیان فرمایا ہے کہ مضارع کا صیغہ استمرار کے لیے آتا ہے' یہ قاعدہ دوامی نہیں ہے' حدیث اذان میں ہے : کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر اس پر مرقاۃ میں لکھا ہے : الاستمرار مستفاد من کان لا من المضارعۃ۔ یعنی "حدیث میں استمرار لفظ "کان" سے مستفاد ہے صیغہ مضارع سے نہیں۔"

اچھا اگر آپ کا یہ قاعدہ صحیح ہے' تو پھر سنئے حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے' وہ فرماتے ہیں : ان

النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ اذا دخل فی الصلوۃ واذا رکع واذا رفع راسہٗ من الرکوع۔ (اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ) یعنی ''آنحضور ﷺ نماز میں داخل ہونے کے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہمیشہ رفع یدین کیا کرتے تھے۔'' اس حدیث میں صیغہ مضارع کے علاوہ لفظ کان بھی مضارع پر داخل ہے' جو مفید استمرار ہے' لیکن آپ اس طریقہ نبویہ کے خلاف بھی نماز پڑھنا جائز لکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی کتاب ''ایک اسلام ایک قرآن'' کے ص۔۲۳۲ میں ہے' رفع یدین کرنا' یا نہ کرنا دونوں جائز ہیں' یہ کس قدر ڈبل غلطی ہے کہ آنحضور ﷺ ہمیشہ رفع یدین سے نماز پڑھتے رہے' حتی لقی اللّٰہ۔ اور یہ سنت کتب حدیث درجہ اول کی احادیث سے ثابت شدہ ہے جو قطعی الثبوت ہیں' جن پر ایمان لانا آپ نے واجب لکھا ہے' چونکہ ان کتابوں سے آپ ترک رفع یدین کی ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکتے' تو ہمیشہ نماز آپ کی رفع یدین سے رہی' پس بحکم صلوا کما رایتمونی اصلی رفع یدین سے نماز پڑھنی واجب ہے' ترک روا نہیں ہے کہ یہ احادیث متواترہ قطعیہ کے خلاف ہے۔

اصلاح نمبر۱۲ : آپ کی کتاب ''ایک اسلام ایک قرآن'' ص۔۳۳۲ میں ہے' امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا یا نہ پڑھنا دونوں جائز ہیں۔ ''یہ نئی روشنی کا انگریزی مسلک ہو گا'' ورنہ احادیث نبویہ ﷺ متواترہ صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ ہر نمازی پر فاتحہ فرض قطعی ہے' جس کے بغیر کوئی نماز صحیح اور قبول نہیں' بلکہ مردود ہے اور صاف مردہ ہے' آپ مستطیع فاتحہ کے لیے کسی صحیح حدیث مرفوع سے کسی نمازی اور کسی نماز کے لیے بغیر فاتحہ کے پڑھنا جائز نہیں دکھا سکتے' پھر یہ بین بین مذہب اختیار کرنا آزادی ہوگی' شرع نہیں۔

اصلاح نمبر۔۱۳ : اخبار اہلحدیث مطبوعہ یکم مارچ سنہ۔۶۱ء ص۔۷ میں ہے' آپ خطاب کرتے ہوئے کسی بزرگ کو یہ لکھتے ہیں' غائبانہ طور پر بصد عزت واحترام دونوں ہاتھ باندھ کر اور معافی مانگ کر گزارش کرتا ہوں' یہ آپ کی ڈبل غلطی ہے جو موحد اہل عرفان کی شان کے سراسر خلاف ہے' دونوں ہاتھ باندھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جاتی ہے اور اس طرح اس کی عبادت کرنا مشروع ہے اور غیر کے لیے یہ صورت تعظیمیہ شرک یا شبہ شرک ہے' جس سے بچنا واجب ہے۔ آپ اپنے زمانہ طالب علمی میں کٹر موحد تھے' جبکہ امام ابن سعود مرحوم کے بیعت ہوئے تھے' اب آپ کو کس کا اثر ہوا ہے کہ ایسے عامیانہ کلمے بولتے ہیں' جو فاضلانہ شان سے

دور ہیں، آپ خود اس شخص کو جس کے سامنے ہاتھ باندھے گزارش کر رہے ہیں، یہ نصیحت فرماتے ہیں : "خواب گاہ سرکار دو عالم ﷺ کو روضہ نبوی نہیں لکھنا چاہیے" یہ گو اصل معنی کے لحاظ سے صحیح ہے اور موحدوں کو اس سے دھوکہ نہیں ہوتا، مگر اہل بدعت، قبر پرست روضہ کے معنی قبہ بر قبر مراد لیتے ہیں، لہٰذا اہل توحید کو ایسے الفاظ ہی سے پرہیز لازم ہے، جو جہلا قبر پرستوں کو ایک ہتھیار تھمادے، یہاں آپ نے ایک لفظ پر جو اصل کی رو سے صحیح ہے، کس قدر ہاتھ باندھ کر تاکید کی ہے، جس کا شرک ہونا یا کلمہ عبادت ہونا کچھ بھی ثابت نہیں، لیکن "دیگر را نصیحت و خود در فضیحت" خود غیر موحدانہ عمل کر رہے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر احترام کے ساتھ معافی مانگ رہے ہیں، یہ ہیئت عابدین کی ہے اور آپ اہل بدعت کو خود ہتھیار تھما رہے ہیں کہ وہ قبروں پر اور پیروں کے سامنے اور قرآن خوان اپنے استادوں اور قاریوں کے سامنے اور ملزم حاکم کے سامنے اس طرح ہاتھ باندھتے ہیں اور کھڑے ہو کر دست بستہ معافی مانگتے یا عذر داری کرتے یا حاجت طلب کرتے اور درخواست کرتے ہیں، جو بالکل ناجائز ہے، پہلے یہ مشرکین کیا کرتے تھے، اب یہ اہلحدیث بھی ایسا کرنے لگے، جو ان کو لائق نہ تھا کہ اہل توحید کو ایسے شبہ شرک سے پرہیز لازم ہے۔

اصلاح نمبر ۱۴ : جریدہ اہلحدیث مطبوعہ یکم مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کے ص ۷ پر آپ نے راقم الحروف سے خطاب کرتے ہوئے لفظ "قبلہ" استعمال کیا ہے، اس طرح اور جگہ بھی آپ کا یہ لفظ غیراللہ کے سامنے بولا گیا ہے، یہ لفظ بھی لکھنا اور بولنا جائز نہیں ہے، بلکہ شرک اور شبہ شرک میں کوئی شبہ نہیں ہے، بقول آپ کے بحر توحید میں غرقاب و سرشار بزرگوں کے نازک جذبات ان الفاظ کے وزن اٹھانے کے متحمل نہیں ہیں، کیونکہ قبلہ سے مراد عرف شرع اور اہل شرع میں وہ مکان ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے اور عبادت کی جاتی ہے، بنی اسرائیل نے اپنے گھروں کو نماز کے لیے رخ کرنا ٹھہرایا تو قرآن میں ان کو بھی قبلہ کہا گیا، فرشتوں کا قبلہ بیت المعمور ہے، تو مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ ہے اور اہل کتاب کا بیت المقدس ہے، اہل بدعت نے بغداد کو قبلہ بنا رکھا ہے اور بعض اپنے پیروں کو، خانقاہوں اور مقبروں کو قبلہ بناتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ

سوال مجھ پر محشر میں پوچھیں گے، تو کہہ دوں گا
میں زائر ہوں علی پور کا علی پور والیا شلہا

مشرکین ہند اپنے بتوں اور مندروں کو قبلہ سمجھتے ہیں۔ پس یہ سب قبلے جو غیر مشروع ہیں' مردود ہیں۔ اب روئے زمین پر ایک ہی قبلہ ہے' جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ پس یہ شرعاً بدیہی بات ہے کہ سوائے بیت اللہ کے کسی غیر چیز کو قبلہ بنانا شرک ہے' تو پھر کہنا بھی شرک ہو گا۔ اہل بدعت اپنے بزرگوں کو تعظیماً قبلہ وکعبہ دارین لکھتے ہیں' اس میں شائبہ شرک ہے' ایک شخص نے مجھے کہا' قبلہ مولانا' میں نے اس کو الزاماً کہا' جناب مسجد صاحب' وہ کھسیانہ ہو کر کہتا ہے یہ کیا؟ میں نے کہا کہ میں کیسے قبلہ؟ کیا آپ نے میری طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں' میں نے کہا کہ میں آپ کا قبلہ نہیں ہمارا تمہارا سب کا قبلہ بیت اللہ ہے۔

اصلاح نمبر۱۵ : اخبار اہلحدیث یکم مارچ سنہ۔۱۹۴۲ء کے ص۔۷ میں آپ اس بندہ حصاری سے خطاب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میری توجیہہ سیماھم التحلیق پر تعاقب فرمایا ہے' مگر دلیل کوئی نہیں دی' حضرت! میں قرآن وحدیث کے ماسوا باغی ہوں' یہ آپ کی کتنی ڈبل غلطی ہے کہ آپ کو عصبیت پرویزیوں کی طرح کھینچ رہی ہے کہ آپ صاف دن کو رات کہہ کر اس پر اڑ رہے ہیں اور میں نے دو حدیثیں پیش کی ہیں' ان سے روگردانی کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی دلیل نہیں دی اور خود ہی یہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ البتہ آپ جو ایک روایت عاصم کی لائے ہیں اس کی تحقیق آئندہ مجلس میں کروں گا' اس سے ظاہر ہے کہ ہم نے دلیل پیش کر دی ہے' اب آپ اس کے جواب کی فکر میں ہیں' پرویزیوں کی طرح اس میں کوئی نقص تلاش کر رہے ہیں' پھر یہ حدیث مسلم کی بھی ہے اور بروایت عاصم ابوسعید صحابیؓ سے فتح الباری کی بھی ہے' آپ اس کو محض روایت کہہ کر ٹال گئے' حالانکہ وہ حدیث مرفوع ہے۔ آپ نے اپنے ایک مضمون بجواب منکرین حدیث روایات اور احادیث کو دو جداگانہ چیزیں ٹھہرایا ہے' جو آپ مخالفین کو سمجھاتے ہوئے کوئی قاعدہ' دلیل' الزام دیتے ہیں' پھر اسی کا خود خلاف کرتے ہیں۔

اب یہاں غور کر لیں کہ بندہ نے مرفوع حدیث ایک نہیں' بلکہ دو پیش کی ہیں' ایک براویت عاصم ابوسعید کی جس میں لام نفی کا غلط طبع ہو گیا' صحیح الفاظ یوں ہیں : فقال رجل یانبی اللہ ھل فی ھولاء القوم علامۃ؟ قال یحلقون روسھم۔ یعنی "ان خارجیوں کی علامت سر منڈانا ہے۔" اور مسلم شریف کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں : محلقۃ روسھم۔

اب یہاں آپ کا امتحان ہو رہا ہے کہ آپ پرویز کو منکر حدیث قرار دے کر کافر لکھتے ہیں' جس پر تمام علماء عرب وعجم کا صاد ہے' حق ذہی قبول کر سکتا ہے' جس کا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ایمان ہو کہ خطبہ میں غلطی کھا کر ایک عورت کے تعاقب کرنے پر فوراً مسئلہ مان کر اصلاحی اعلان کر دیا تھا' آپ ایسا کریں تو ٹھیک ہے' میں نے آپ کو صحیفہ اہلحدیث میں بتایا ہے کہ منکرین حدیث کا پہلا زینہ یہ ہے کہ وہ اپنے علم وفہم پر ناز کر کے علمائے محدثین اور مجتہدین' حاملین کتاب وسنت وماہرین فنون سے روگردانی کرتے ہیں' دوسرا زینہ ان کا یہ ہے کہ تبع تابعین وتابعین سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں' تیسرا زینہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال وافعال وتفسیر سے انکار کر جاتے ہیں' چوتھا زینہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے معانی وتفسیر اپنی رائے سے کرنے لگ جاتے ہیں۔

آپ نے منکرین حدیث کو خطاب کیا ہے' کہ قرون ماضیہ کے علماء تو موجودہ علماء سے ہزارہا درجہ زیادہ عالم' متقی' پرہیزگار اور شیدائے رسول تھے۔ (ایک اسلام ایک قرآن ص۔۱۴۴) اب بتائیے جب وہ اس طرح کے اوصاف سے موصوف تھے' تو ہم سب علم وتقویٰ میں ان سے بڑھ کر کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں' جو شخص عباداللہ صالحین ومحدثین کا شکرگزار نہیں بلکہ ان سے آزاد ہونا چاہتا ہے' وہ اپنے آپ کو ان محافظان سنت سے بڑھ کر کیسے مسلمان سمجھتا ہے۔ سنن نسائی جلد۔۲' ص۔۳۰۲ میں ایک عنوان ہے : الحکم باتفاق اهل العلم۔ یعنی "اہل علم کے اجماع سے فیصلہ دینا" پھر اس کے ثبوت میں حضرت ابن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا متفقہ حکم ہے : فان لم یکن فی کتاب الله ولا فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم فاقض بما قضی به الصالحون۔ یعنی "اگر تم کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی صریح حکم نہ ملے تو صالحین کے اقوال پر فیصلہ دینا ہو گا۔" مثلاً بندہ نے تحلق کا معنی احادیث سے بھی تحلیق راس ثابت کر دیا ہے اور صالحین سے بھی فیصلہ ظاہر کر دیا تھا' جسے آپ نے قبول نہ فرمایا۔

مسلم شریف میں اسی مضمون کی حدیث وارد ہے : عن سهل بن حنیف عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یقید قوم قبل المشرق محلقة روسهم۔ یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طریق حق سے دور ہو کر جو قوم مشرق سے نکلے گی' ان کے سر منڈے ہوں گے۔" محدثین نے بعض حدیثوں کو بعض کی تفسیر بنا کر یہ کہا ہے کہ المراد بالتحالق

حلق الراس۔ "کہ جہاں مطلق تحلیق اور تحالق آیا ہے اس سے مراد سر منڈانا ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہے۔" اب آپ کا انکار بے جا ہے۔

آپ نے اخبار اہلحدیث یکم و ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۶۱ء میں پرویز کو یوں خطاب فرمایا ہے : پرویز صاحب! قرآن وسنت کے لیے حجت صرف قرآن وسنت ہی ہیں' یا پھر تابعین وتبع تابعین ان کے بعد علماء اہل سنت یعنی علماء اہلحدیث ہی حجت ہو سکتے ہیں' بالخصوص ائمہ دین' ابن تیمیہ' ابن جوزی' ابن قیم' ابن حزم اور سرزمین ہند میں ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لاشک کہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد بھی حجت ہیں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ سب علماء محض پرویز کے لیے حجت ہیں یا تمام مسلمانوں کے لیے بھی؟ اگر پرویز کی تخصیص ہے' تو اس کی دلیل لائیے' اگر سب کے لیے حجت ہیں تو ماسواء کتاب وسنت کے آزاد کیوں ہوئے؟

اصلاح نمبر ۱۷ : آپ فرماتے ہیں' جب اللہ ورسول کے سوا فلاں آئے گا تو میرا ایک ہی جواب ہے : ھم رجال ونحن رجال۔ یعنی "وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں۔" یہ بھی درست نہیں ہے' اللہ ورسول کے سوا سب کو آپ مساوی سمجھتے ہیں' علماء متقدمین میں سے بعض نے اپنے ہم عصروں کے لیے یہ کلمہ بولا تھا' آپ نے سب کے مقابلہ میں یہ کلمہ کہہ دیا' جو ٹھیک نہیں' پھر مبالغہ غلو کرتے ہوئے اہل بدعت کی طرح گرے تو یوں گرے کہ جریدہ اہلحدیث مطبوعہ ۱۵ جون سنہ ۱۹۶۱ء ص ۶ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں یہ لکھتے ہیں' آپ کے متفرق جملے نقل کرتا ہوں۔ (ا) میں حضرت امام بخاری کی خاکپا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے میں اپنے لئے نجات ابدی سمجھتا ہوں۔ (ب) بخاری وغزنوی کی اصل نسبت وہی ہے' چہ نسبت خاک (غزنوی) را بعالم پاک (بہ بخاری)۔ (ج) کہاں بخاری دامن نچوڑیں تو فرشتے وضو کریں۔ (د) اس دور رحمت کے بخاری پر جو مجسمہ پاک دامنی وعفت تھا اس پر کیا کیا راز خداوندی نہ کھلے ہوں گے۔ (ر) اگر خاکپائے بخاری غزنوی کی آنکھوں کا سرمہ بن جائے' تو قسم بخدا غزنوی بخشا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب مبتدعین کی مثل محض زبانی غلو ہے' جو کٹر موحد کی شان سے کوسوں دور ہے' کوئی اہل بدعت مشائخ اور بزرگوں کے شہروں سے خاک لاتا ہے اور کوئی ان کی قبروں' گلیوں' کوچوں سے' یہ شرعاً ناجائز ہے۔ جس کا ثبوت قرآن وسنت میں نہیں' ہاں دارومدار نجات کا اتباع پر ہے اور یہ بوجھ ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہم محدثین کے مقلد

نہیں، آپ مقلد یعنی بے دلیل پیروی کرنے والے بیشک نہ بنیں، لیکن بحکم واتبع سبیل من اناب الی کہ ان لوگوں کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کرتے رہے، اس لئے آپ منطقی ہیں، صغریٰ کبریٰ بتالیں کہ محدثین کرام منیبنین الی اللّٰہ تھے اور ہر منیب الی اللّٰہ کی اتباع واجب ہے، نتیجہ صاف ہے کہ محدثین کی اتباع واجب ہے۔

اہل بدعت ویسے تو شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے دیگر پیروں پر زبان سے فدا ہوتے رہیں گے، ان کی قبروں کو چومیں گے اور خاک کو آنکھوں پر ملیں گے، لیکن جب غنیہ وغیرہ ان کی کتابوں سے مسائل پیش کئے جاتے ہیں، تو ان سے منکر ہو جاتے ہیں، آنحضور ﷺ کا اسم گرامی سن کر ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگائیں گے، لیکن حدیثوں سے روگردانی کریں گے، خدارا ایسا طریقہ نہ اختیار کرنا چاہیے اور حد اعتدال پر رہ کر خاک سے نجات طلب نہ کرنا چاہیے۔

آپ نے سلف صالحین اور محدثین کے مقابلہ میں تو ھم رجال ونحن رجال حدیث کی طرح پیش کر دیا، اگر کوئی اس اصول پر انما انا بشر مثلکم آیت پڑھ کر حدیث نبوی سے انکار کر دے گا اور کہے گا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے، جیسے منکرین حدیث کہہ رہے ہیں، تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ اللہ کے بندو نہ خدا کی بغاوت کرو، نہ رسول کی، نہ سلف صالحین کی اور نہ خلف اہل حق کی کہ سب کی اپنی اپنی جگہ پر اطاعت واجب ہے اور سب کی اطاعت، اطاعت رسول کی طرف رجوع کرتی ہے اور یہی مقصود ہے، اللہ تعالیٰ نے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ فرما دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے من یطع الامیر فقد اطاعنی فرمایا ہے، آپ کس کس سے بغاوت کریں گے۔

اصلاح نمبر۱۸ : آپ نے اپنے استدراک میں یہ لکھا ہے کہ حدیث جو پیش کی گئی ہے، یہ عہد نبوی میں نہیں بنائی گئی ہے، آپ اس بارہ میں کسی محدث کامل کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ آپ نے اخبار اہلحدیث یکم جنوری سنہ۱۹۴۳ء کے صفحہ۵ پر لکھا ہے کہ اسی دور کے علماء اہلحدیث نے ان کو خوب چھان بین کر کے تمام موضوعات کے دفتر علیحدہ جمع کر دیئے ہیں، جو آج ہمارے ہاں من وعن موجود ہیں، یہ بات سولہ آنے ٹھیک ہے، پس آپ میری پیش کردہ حدیث کو علیحدہ دفتر سے نکال کر دکھائیں کہ یہ عہد نبوی میں نہیں بنی بلکہ بعد میں کسی نے بنائی ہے، اس حدیث کے تین طریق ہیں۔ طبرانی میں عبداللہ بن عمرو سے

یہ قصہ نقل کیا ہے' ابن عدی نے کامل میں بریدہ سے نقل کیا ہے' نیز طبرانی نے احمد بن محمد حنفیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے' آپ یہ بتائیں کہ ان تینوں طریقوں میں اسے کونسا طریق موضوع بناتا ہے یا تمام طریق موضوع ہیں؟ بغیر ثبوت کے یہ بات قابل تسلیم نہ ہو گی۔
بندہ محدثین کے نقش پر چلنا پسند کرتا ہے اور ان کی کتابوں سے نقل کر کے لکھتا ہے' بندہ سلفی اہلحدیث ہے' آزاد قسم کا اہلحدیث نہیں ہے۔

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللّٰہ یرزقنی صلاحا

اصلاح نمبر۱۹ : آپ نے استدراک میں لکھا ہے' اس عہد میں اجلہ صحابہ' تابعین ودیگر بزرگان دین کی غیر قرآنی معلومات چونکہ اسرائیلیات تک محدود تھیں' اس لئے انہوں نے وہی مطالب بتائے' اب جب کہ سائنس نے ان روایات اسرائیلیات کو بدیہ البطلان ثابت کر دیا ہے تو یہ خیال علی الاطلاق صحابہ وتابعین کے متعلق سراسر غلط ہے' یہ فیصلہ بھی اکابر محدثین کر چکے ہیں کہ کون سے صحابہ وتابعین اسرائیلی روایات لیتے ہیں اور کون سے نہیں لیتے اور ان کی کون سی روایات اسرائیلی خلاف اصول یا حقیقت کے ہیں' ابن کثیر اور فتح الباری وغیرہ کا مطالعہ کیجئے' حدیث شریف میں بھی اہل کتاب کی روایات کو علی الاطلاق روایت کرنے کی ممانعت ہے۔ ولا تکذبوھم "کہ ان کی تکذیب نہ کرو۔" پھر اسرائیلی روایات کی تصدیق وتکذیب کا معیار شرعی لیا جائے گا' جو علم اصول میں بیان ہے' آپ نے صحابہ اور تابعین اور بزرگان دین کی تکذیب کا معیار سائنس کو مقرر کیا ہے' جو گمراہی کا بڑا سبب ہے اور انگریزی تہذیب کے لوگ اسی معیار کی بناء پر ضلالت کا شکار ہوئے ہیں۔
اب آپ کو یہ بتانا ہو گا کہ جس سائنس کی رو سے معجزات وکرامات بلکہ صفات الٰہی کا انکار کیا گیا ہے اور وہ خود بھی ایک دوسرے کی تکذیب کر رہے ہیں' اس سائنس کے مجتہدین کون ہیں؟ ان کا مذہب کیا ہے؟ جن پر آپ نے صحابہ کے مقابلہ میں ایسا اعتماد کر لیا ہے' جیسا وحی الٰہی پر ہوتا ہے' حالانکہ خود یہ کہہ چکے ہیں کہ کتاب وسنت کے سوا سب سے باغی ہوں' اب سائنس پر یقین کر بیٹھے ہیں' مگر بالآخر سائنس کو بھی چھوڑنا پڑے گا' جبکہ منکرین حدیث گروہ کے سائنس دان کھڑے ہوں گے' تو ہماری جماعت اہلسنت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ کتاب "ایک اسلام ایک قرآن" کے ص۔۳۲ پر آپ کا یہ بیان

ہے کہ ”جناب برق صاحب کا عجب العجائب یہ امر ہے کہ اس کو سائنس کی کتابوں پر تو ایمان ہے جن کے نظریات ہر لحظہ' ہر گھنٹہ' ہر دور اور ہر زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں' آج ایک سائنس دان ایک بات کا دعویٰ کرتا ہے' تو کل کو دوسرا اس کی تردید کرتا ہے۔

دیکھا حضرت غزنوی صاحب! جب برق نے یکاد البرق یخطف ابصارھم بن کر سائنس کی بجلی سے حملہ کیا تو آپ سائنس ہی چھوڑ گئے اور جب ہمارے مقابلہ میں آئے تو اس سائنس کی رو سے اجلہ صحابہ کرام کی تکذیب کرنے لگے' کہیں تو آپ صحابہ اور تابعین وغیرہم کو حجت بتلاتے ہیں' لیکن یہ منکرین حدیث کے مقابلہ میں ہے اور کہیں ان پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ وہ اسرائیلی روایات باطلہ واہی تباہی کے پیچھے پڑے رہے' جن کا سائنس نے بطلان ظاہر کیا' تو اب آپ صحابہ کو چھوڑ کر سائنس پر ایمان لے آئے' ہمارا مسلک اہلسنت والجماعت ہے' لیکن جماعت میں سے کسی کا قول سنت ثابتہ کے معارض ہوا' تو پھر ہم اس قول کو ترک کر کے سنت نبویہ کو ترجیح دیں گے' ہاں کتاب وسنت کے علاوہ منطق' فلسفہ' علم' کلام اور سائنس کے مقابلہ میں ہم اتباع سلف کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔

اصلاح نمبر۲۰ : آپ نے استدراک میں یہ گل افشانی فرمائی ہے کہ ”آپ یعنی (بندہ حصاری) التحلیق سے بہ تقلید بعض بزرگان سر منڈانا مراد لیتے ہیں' یہ کسی طرح صحیح نہیں اور خود قرآن کے مخالف ہے۔ قرآن حکیم نے جبکہ سر منڈانے کا حکم اختیاری دے رکھا ہے' پھر صاحب قرآن' قرآن ہی کے خلاف کیسے سر منڈانے کو علامت زندقہ مراد لے سکتے ہیں۔“ یہ ناممکن ہے' ہم محدثین کے اس باب میں مقلد نہیں۔ آپ کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے' جس کی دلیل یہ ہے کہ بہ تقلید بزرگان تحلیق سے سر منڈانا مراد لیا ہے' حالانکہ بندہ نے محدثین کی کلام مدلل بدو حدیث لکھی ہے' آپ تحلیق کے معنی داڑھی منڈانا کرتے ہیں' جس کا ثبوت کسی طرح بھی نہ مل سکے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تحلیق کا معنی سر منڈانا قرآن کے خلاف ہے۔ آپ اول سے لے کر آخر تک قرآن پر نظر کر کے سوائے حج کے ایک جملہ ایسا پیش کر دیں' جو حدیث محلقة روسھم کے خلاف ہو' میں تسلیم کر لوں گا' حج کو میں نے خود مستثنیٰ کر دیا ہے کیونکہ حج کا موقع شاذ ونادر ہوتا ہے کہ وہ علامت نہیں بن سکتا' لہٰذا قرآن وحدیث کو باہم معارض نہ بنانا چاہیے کہ ہر ایک اپنے محل پر ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ نے خود پرویز اور برق کو قرآن وحدیث کے تعارضات کی بحث میں یہ اصول

سمجھلیا ہے۔ آپ قرآن اور حدیث صحیح مسلم بوضاحت فتح الباری میں تطبیق دیں' بہرحال قرآن وحدیث دونوں کی مراد لفظ تحلیق سے سر منڈانا ہے' داڑھی منڈانا نہیں ہے۔

اصلاح نمبر۲۱ : کتاب ایک اسلام ایک قرآن کے ص۱۲۱ میں آپ نے لکھا ہے کہ "یہ حقیقت خود قرآن شریف سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو ہر حمل میں تواَمین یعنی دو جوڑے بچے نر ومادہ ہر سال ہوتے تھے۔" نفس حقیقت سے ہم کو انکار نہیں ہے' کیونکہ اس کا ثبوت کسی حدیث یا آثار سے ہو سکتا ہے' مگر قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے' اس لئے آپ قرآن سے حسب الارشاد اس کا ثبوت پیش کریں۔

اصلاح نمبر۲۲ : اخبار اہلحدیث ۱۵ ستمبر سنہ۱۹۶۱ء میں سیدالمرسلین کی رحلت سے تین دن پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم یہ بڑی غلط فہمی ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ذکر ہے کہ یہود کے کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیرالمومنین اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم یوم نزول کو عید بنا لیتے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ آیت کس دن میں نازل ہوئی ہے' یہ عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے' اس دن جمعہ بھی تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے ان کو بھی ایسا ہی کہا' تو حبرالامہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا' جو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے دیا تھا کہ جس دن یہ آیت آئی ہے اس دن ہماری پہلے ہی دو عیدیں تھیں۔

معالم میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اس روز پانچ عیدیں جمع تھیں۔ جمعہ اور عرفہ یہ دو عیدیں ہماری' عیدالیہود' عیدالنصاریٰ' عیدالمجوس بھی اسی دن واقع ہوئیں۔ ولم یجتمع اعیاد اھل الملل فی یوم قبله ولا بعده۔ پانچ ادیان سے پانچ عیدیں ایک دن میں جمع ہونا کسی زمانہ میں نہیں پایا گیا' یہ اسی دن اتفاق حسنہ ہوا' جس دن اکمل دین کی بشارت دی گئی' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا دن تھا' اس سے فارغ ہو کر آپ مدینہ منورہ واپس آئے' تو پھر دو ماہ سے زائد تک زندہ رہے' موضح القرآن میں تین ماہ لکھے ہیں' لیکن تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن جریر اس آیت کے بعد اکیاسی دن تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے' بہرحال تین دن کا سلف میں کسی کا قول نہیں ہے۔

اصلاح نمبر۲۳ : اخبار ۱۵ فروری سنہ۱۹۶۲ء کے ص۷ میں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں انزال وتنزیل خواہ وحی کے الفاظ سے ہی آیا ہے' وہاں مراد قرآن حکیم

کا نزول ہے اور جہاں ان الفاظ کا صلہ الی آیا ہے' وہاں احادیث انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ یہ قاعدہ کسی محقق نے نہیں لکھا اور نہ ہی یہ کتابی ہے۔ چنانچہ اخبار یکم جنوری سنہ۔۱۹۶۲ء میں آپ نے آیت ما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان پیش کی ہے' جس میں انزال کا صلہ "علی" ہے' آپ نے اس میں قرآن مراد نہیں لیا' بلکہ احادیث خیرالانام مراد لے کر خود اپنے قاعدہ کو توڑ دیا ہے۔ آیت انزلنا الیک آیات بینات فقط انزال ہے۔ صلہ "الی" ہے۔ اس میں آیت کا صریح ذکر ہے' احادیث خیرالانام مراد نہیں ہو سکتی ہیں اور نہ کوئی مراد لے گا۔ اسی طرح آیت ھوالذی انزل الیکم الکتاب مفصلا۔ اس آیت میں لفظ انزال اور "صلہ الی" ہے' لیکن احادیث انبیاء مراد نہیں' بلکہ صاف لفظ کتاب مذکور ہے' اسی طرح کتاب انزل الیک بھی وارد ہے۔

پھر آپ نے یکم فروری سنہ۔۱۹۶۲ء کے پرچہ میں یہ لکھا ہے کہ قرآنی اصلاح میں انزال وتنزیل کے الفاظ سے سیدالمرسلین پر قرآن (الکتاب) نازل ہوا اور وحی کے الفاظ سے سنت وحدیث نازل ہوا کرتی تھی' یہ قاعدہ بھی درست نہیں ہے' بہرحال ان جملہ معروضات پر غور فرما کر اصلاح کر لینی چاہیے۔

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری سلمہ الباری

اہلحدیث سوہدرہ' جلد۔۱۵' شمارہ۔۱۲' ۱۳' ۱۴' ۱۵' ۱۶ مورخہ یکم و ۱۵ جولائی و ۱۵ اگست سنہ ۱۹۶۲ء

مکتوب حصاری

فرقہ ناجیہ

مکرمی جناب اخی المحترم مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی ادام اللہ فیوضہ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج شریف بخیر' امابعد! پس عرض آں کہ مکتوب گرامی بصورت کارڈ موصول ہوا اور قبل ازیں ایک ملفوف بھی آیا تھا۔ آپ نے میرا مضمون مرسلہ صحیفہ اہلحدیث دہلی میں پہنچا دیا ہے۔ شکریہ۔ آپ نے مضمون کی اشاعت میں معذرت کرتے ہوئے صرف یہ ارشاد فرما دیتے کہ دور حاضرہ کے حالات کے پیش نظر اس مضمون کی اشاعت مناسب نہیں' لہٰذا واپس ہے یا ملتوی ہے' تو کچھ رنج اور افسوس نہ ہوتا' لیکن آپ نے کئی خطرات ظاہر کئے اور مصلحت کے خلاف بتا کر پھر بعض باتیں ایسی لکھ دیں' جن سے میری حسن ظنی کو جو آپ سے متعلق تھی سخت نقصان پہنچا۔ خطرات کے متعلق تو آپ کو یہ آیت بتا دینی کافی ہے :

انما ذالکم الشیطان یخوف اولیائہ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مومنین۔

باقی یہ جو آپ نے لکھا ہے فرقہ ناجیہ اہلحدیث ضرور ہے' مگر دوسرے اسلامی فرقے کو جہنم کا سرٹیفکیٹ دینا ہمارا کام نہیں اور مکتوب ملفوف میں یہ فرمایا ہے کہ نجات صرف ہمارے لیے ہے' باقی سب جہنمی ہیں۔ اس پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں' کیوں کہ یہ باتیں آپ کے عقیدہ اور مسلک کی مظہر ہیں۔ سابقہ بات متعلقہ عذر داری کی تو آپ نے خود ہی لکھ دی ہے کہ ہمارے عزم وحوصلہ میں پستی ہے۔ جب عزم اور حوصلہ میں پستی ہے تو آپ مقابلہ کا مضمون کیسے شائع کر سکتے ہیں' اس کے لئے تو عزم اور حوصلہ درکار ہے۔ اس پستی اور بزدلی کا تقاضا یہ ہے کہ صلح کل ہو کر رہیں۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص وعام
بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

نیز ملک ہند دارالحرب میں آپ کی سکونت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ ساکت عن الحق ہو کر بسر اوقات کریں' گرونانک کا بھی یہی مسلک تھا۔ اس لئے ان کے فوت ہونے کے بعد

لوگوں کے دو گروہ ہو گئے' بعض نے کہا کہ وہ ہندو کافر تھا' بعض نے کہا کہ وہ مسلمان تھا' چونکہ ان کے چولے میں آیت کریمہ' آیت الکرسی' کلمے وغیرہ پائے گئے۔

لیکن موجب افسوس یہ بات ہے کہ آپ نے مکتوب ملفوف میں تو یہ لکھا ہے۔ نجات صرف ہمارے لئے ہے' باقی سب جہنمی اور کارڈ میں یہ لکھا ہے۔ "فرقہ ناجیہ اہلحدیث ضرور ہے' مگر دوسرے اسلامی فرقوں کو جہنم کا سرٹیفکیٹ دینا ہمارا کام نہیں۔ آپ کے کلام کے سیاق سے یہ ظاہر ہے کہ پہلی بات آپ نے طنزاً کہی ہے اور اسی بات سے نفرت ظاہر کی ہے کہ اہلحدیث فرقہ ناجیہ ہے' باقی تمام فرقے جہنمی ہیں' حالانکہ ہمارے اکابر اہلحدیث اپنی کتابوں' رسالوں' اخباروں میں یہی لکھتے چلے آئے ہیں اور اب بھی لکھ رہے ہیں اور جلسوں میں بڑے زور سے اہلحدیث کی صداقت اور دیگر فرقوں کی بطالت ثابت کرتے ہیں' لیکن آج آپ اس پر طنز کرتے ہیں کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کی خرابی عقیدہ اور عزم وحوصلہ کی پستی پر دال ہے' فتدکروا۔

اچھا مولانا! آپ نے اس بات پر تو طنز کیا کہ نجات صرف ہمارے لئے ہے اور پھر خود ہی یہ لکھ مارا کہ فرقہ ناجیہ اہلحدیث ضرور ہے' یہ آپ کو سرٹیفکیٹ کس نے دیا کہ فرقہ اہلحدیث ناجیہ ہے' اگر آپ کے پاس کوئی اسٹامپ لکھا ہوا موجود ہے' جس میں صاف یہ لکھا ہو کہ اہلحدیث فرقہ ناجیہ ہے' تو وہ اخبار اہلحدیث میں پیش کر دیں' کیونکہ آپ کے اسلامی بھائی تمام گمراہ فرقے یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہم ناجیہ ہیں' باقی سب ناری ہیں۔ مقلدین ہو یا مرزائی' رافضی ہوں یا خارجی' دیوبندی ہوں یا بریلوی خصوصاً آپ کے دیوبندی بھائی صاف یہ لکھتے ہیں کہ حق چار فرقوں میں منحصر ہے' جو ان چار سے باہر ہے' وہ ناری ہے' کیونکہ آپ اہلحدیث ہیں اور اہلحدیث مذہب خاص ہے' جو مذاہب اربعہ سے من حیث المذہب خارج ہے۔ یہاں میں ایک مسئلہ پیش کر کے آپ کا امتحان کرتا ہوں کہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب شامی میں یہ لکھا ہے' زیادی نے بیان کیا ہے کہ جب کسی آدمی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا اس کو واپس دلا دے' تو ایک بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب آنحضور نبی کریم ﷺ کو ہدیہ کر کے سید احمد بن علوان کو پہنچائے اور پھر یہ کہے اے سید احمد بن علوان میری گم شدہ فلاں چیز واپس دلا دے' اگر دلا دی تو فبہا ورنہ تمہارا نام دفتر اولیاء سے کٹوا دوں گا۔ اس عمل سے بہ برکت ان ولی کے اللہ تعالیٰ وہ گم شدہ چیز واپس

ولا دے گا۔ كذا في حاشية شرح المنهج للداودي رحمه الله یہ فقہ کی معتبر اور متداول کتب کی تعلیم ہے۔ (ردالمختار جلد۔۳ ص۔۳۲۴)

اب آپ یہ بتائیں کہ ایسا عمل کرنے والا ناجی ہو کر جنتی ہے یا ناری، اگر شق اول ہے، تو آپ اخبار اہلحدیث کی ادارت چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے اور اہلحدیث بن کر جماعت اہلحدیث کو دھوکہ نہ دیجئے اور اگر شق ثانی ہے، تو پھر آپ ان لوگوں میں شامل ہو گئے جو اہلحدیث کے ماسوا دیگر فرقوں کو جہنم کا سرٹیفکیٹ دے رہے ہیں، اگر آپ کہیں کہ میں تو مصلحت پرست ہوں، کوئی شق اختیار نہیں کرتا صرف خاموش رہوں گا، تو پھر کوئی شخص آپ پر یہ آیت پڑھے گا : ان الذين يكتمون (الٰى قوله تعالٰى) اولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللعنون۔ اور کوئی کہے گا : الساکت عن الحق شیطان اخرس۔ پھر آپ کس کس کو جواب دیں گے؟

ایسے ہی اعتقادی، اصولی، فروعی مسائل کتب فقہ میں ہیں جن کی بنا پر بندہ نے وہ مضمون لکھا تھا کہ اہل رائے کی کتب فقہ پڑھنا پڑھانا حرام ہے، تب آپ نے یہ جواب دیا کہ اہلحدیث اراۃ الطریق کے طور پر درس گاہوں میں پڑھاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اراۃ الطریق کسی دلیل شرعی اور تعامل صحابہ سے ثابت ہے تو پیش فرمایا جائے، ورنہ ان دلائل کے مقابلہ میں جو بندہ نے حرمت تعلیم کتب اہل رائے کے ثبوت کے لئے پیش کئے ہیں، آپ کا قول مردود ہے۔

اچھا اگر اراۃ الطریق کے طور پر کتب فقہ مروجہ پڑھانا جائز ہے، تو آپ ہندوستان میں مقیم ہیں، وہاں ان سے بھی مذہبی واسطے اور معاملے پڑتے ہیں، تو آپ نے درسگاہوں میں، وید، شاستر، گرنتھ، ہندی، پوتھیاں بھی اراۃ الطریق کے طور پر نصاب تعلیم میں داخل کی ہیں یا نہیں؟ اگر کی ہیں تو وہ نصاب تعلیم اور اس درس گاہ کا نام جس میں یہ نصاب جاری ہو ظاہر فرما دیا جائے، اگر جواب نفی میں ہو تو پھر اس کی وجہ بیان کی جائے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار۔

اگر آپ گم شدہ چیز کی تلاش والے مسئلہ پر یہ کہیں کہ گم شدہ چیز کی تلاش ضروری ہے، جیسے جنگ کے ایک موقعہ پر آنحضور ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی تھی، تو اس کی تلاش مشکل ہوئی، تب آنحضور ﷺ نے وحی سے خبر پا کر بتا دی کہ فلاں جگہ ہے، ایسے ہی کوئی

عمل ہو کہ کسی حدیث سے ثابت ہو ورنہ کتب فقہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ دین کامل اور مکمل ہو چکا ہے' اہل رائے کی آراء کا دین محتاج نہیں رہا' اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے' تو وہ یہ عمل کرے جو فتاویٰ نذیریہ ج-۱' ص-۲۸ میں بحوالہ حدیث موجود ہے' فرمایا : اذا اضاع شیئی اوابق اللهم راد الضالة وهادی الضلالة انت تهدی من الضلالة اردد علی ضالتی بقدرتک وسلطانک فانها من عطائک وفضلک۔ رواه الطبرانی وهکذا رواه ابن ابی شیبة (حصن حصین) یعنی "جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا بھاگ جائے تو وہ درگاہ الٰہی میں یوں دعا کرے کہ اے اللہ! گم شدہ چیز کے لٹانے والے اور گمراہی میں ہدایت کرنے والے' تو ہی گمراہی میں ہدایت کرتا ہے' تو ہی اپنی قدرت کاملہ اور غلبہ سے میری گم شدہ چیز کو لٹا دے' کیونکہ وہ تیری ہی مہربانی اور فضل وکرم سے چیز عطا ہوئی تھی۔"

اس دعا اور طریقہ تلاش میں توحید ہی توحید ہے۔ پس موحد اہلحدیث اپنی مصیبت اور نقصان میں اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتا ہے اور یہی چیز باعث نجات اور جنت میں جانے کی موجب ہے اور یہی طریقہ فرقہ ناجیہ کا ہے' جس پر اس موحد کو جنت کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے اور اس کے برخلاف آپ کے بھائیوں کی کتب فقہ میں کتاب وسنت کے خلاف رائے وقیاس سے وہ تعلیم و تلقین ہے' جو موجب نار جہنم ہے۔

عمل ہی سے بنتی ہے زندگی جنت بھی' جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے' نہ ناری ہے

اچھا مولانا! آپ علماء دیوبند کے چند علمی کارناموں سے مرعوب اور متاثر ہو کر ان کو ناجی تصور کر رہے ہیں' لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ ان کے عقائد کیا ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ تقلید شخصی کو اسلام کا بہت بڑا رکن سمجھتے ہیں' چنانچہ دیوبند کی مذہبی درس گاہ کا آرگن "القاسم" مطبوعہ جمادی الثانی' سنہ-۳۸ھ کے ص-۳ پر لکھا ہے کہ "تقلید شخصی اسلام کا عظیم الشان اصول ہے' جس کے لئے اہل اسلام اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے مامور ہیں۔" اور سبیل الرشاد کے ص-۲۳ پر دیوبند کے بہت بڑے مسلم عالم مولانا گنگوھی نے یہ لکھا ہے کہ قرآن بھی منزل من اللہ ہے اور حدیث بھی منزل من اللہ ہے اور استنباطات

مجتہدین رحمۃ اللہ علیہ کے بھی منزل من اللہ ہیں۔ پس جو کچھ مجتہد نے فرما دیا وہ عین حکم حق تعالیٰ کا ہے' پھر تقلید شخصی کو فرض قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ تقلید شخصی کہتے ہیں کہ ایک شخص واحد کا مقلد ہو کر سب ضروریات دین اسی ہی سے حل کرے' پھر اس طرح کی پابندی لگا کر اس طرح کا شعر کہہ دیا۔

فلعنة ربنا اعداد رمل

علی من رد قول ابی حنیفة

اب آپ بتائیں کہ آپ اس طرح کے مسلمان مقلد ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو آپ مذہب اہلحدیث کا دعویٰ ترک کر کے علماء دیوبند میں شامل ہو جائیے اور کتب فقہ شوق سے پڑھیے اور پڑھائیے اور اگر جواب نفی میں ہے اور آپ غیر مقلد اہلحدیث ہیں' تو پھر اقوال ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو خلاف قرآن ہیں ان کو رد کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرتے ہیں' تو آپ ان کے نزدیک ملعون ہوئے اور اگر نہیں کرتے' تو پھر آپ حق وباطل کو ملاتے ہوئے خاموش بیٹھے ہیں۔ احقاق حق وابطال باطل نہیں کرتے یہ قرآن کے صریح خلاف ہے کہ قرآن میں حق وباطل ملانے اور ملائے رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ نیز جب آپ اہلحدیث ہیں تو دیوبند کے حکیم الامت کا حکم اور فیصلہ سن لیں' وہ التکمیل کے ص۔۱۷۰ میں لکھتے ہیں : واما المذاھب فاھل الحق منھم اھل السنة والجماعة المنحصرون باجماع من یعتد بھم فی الحنفیة والشافعیة والمالکیة والحنابلة واھل الاھواء منھم غیر المقلدین الذین یدعون اتباع الحدیث انی لھم ذالک۔ یعنی "تمام مذہبوں میں سے اہل حق وہ لوگ ہیں جو اہل سنت والجماعت ہیں اور بروئے معتبر لوگوں کے اجماع کے چار فرقوں میں منحصر ہیں اور وہ چار یہ ہیں۔ حنفیہ' شافعیہ' مالکیہ' حنبلیہ اور باطل فرقے اہل ہویٰ ہیں' ان میں سے ایک گروہ غیر مقلدین کا ہے' جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حدیث نبی کے متبع ہیں' مگر یہ ان کو کہاں نصیب ہے۔"

لو مولانا! آپ اپنے دیوبندی حنفی بھائیوں کو جہنم کا سرٹیفکیٹ نہ دیں اور مداہنت سے کام لے کر مصلحت پرستی کرتے ہوئے خاموش رہیں' مگر انہوں نے آپ کو اہل سنت سے خارج قرار دے کر اہل ہویٰ میں شمار کر کے ملعون ٹھہرا دیا۔

اچھا مولانا! یہ تو ایک معنی کی رو سے صحیح ہے کہ کسی فرقہ کو جہنمی ہونے کا سرٹیفکیٹ

دینے کا ہمارا حق نہیں ہے، لیکن جناب رسول اللہ ﷺ کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گمراہ فرقوں کو جہنم کی سند دے دیں، کیونکہ وہ مبلغ وحی ہیں اور ان کی زبان پر وحی الٰہی ناطق ہے، تو اب ان کا فرمان سنئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی، ایک فرقہ کے سوا دیگر سب دوزخ میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جو اس طریقہ پر ہو گا، جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں۔ حجتہ اللہ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے : هم حجة الله فى الارض۔ کہ "وہ فرقہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی حجت ہو گا۔" مولانا آپ نے یہ پسند کر لیا کہ اہلحدیث فرقہ ناجیہ ضرور ہے، تو پھر آپ یہ بھی تسلیم کر لیجئے کہ باقیوں کا حال اس کے برعکس ہے، اگر تسلیم نہ کریں گے تو میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گا کہ آپ نے اس حدیث کے آخری حصہ کی تصدیق اور پہلے حصہ کی تکذیب کر دی ہے۔ یہ اہلحدیث کی شان تو نہیں ہے۔

مقلدین کی یہ شان ہے کہ ایک حدیث کا وہ حصہ جو قول امام کے مطابق ہو، ان کو لیتے ہیں اور جو حصہ مخالف ہو اس کی تکذیب کر دیتے ہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ فرقہ ناجیہ کی تعریف جو حق وباطل کا معیار ہے، اہلحدیث پر صادق آتی ہے، مگر یہ کیسے معلوم ہو کہ دیگر مذاہب فرقہ ناجیہ میں داخل نہیں اور ان پر یہ تعریف صادق نہیں آتی اور وہ کلھم فی النار کے سرٹیفکیٹ میں درج ہیں، تو ان کا جواب یہ ہے کہ فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۔ ۲۴، ۲۵ میں حدیث ستفترق امتی علٰی ثلاثة وسبعين فرقة كلهم فى النار الا واحدة لکھ کر سوال کیا ہے کہ جمیع فرقوں کے فی النار ہونے سے کیا مراد ہے؟ خلود اور غیر خلود اور ناجیہ کے ناجی ہونے سے کیا مراد ہے؟ کیا مطلقاً ہی جہنم میں نہ جائیں گے یا بعض گنہگار جائیں گے اور بعض نہیں؟ تو اس کا جواب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم نے کئی طرح سے دیا ہے اور علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ تمام تفصیل درج کرنے کی گنجائش نہیں، اس لئے مختصر عرض کرتا ہوں۔

اول یہ کہ مراد دخول من حیث الاعتقاد ہے کہ فرقہ ناجیہ کو اعتقاد کی جہت سے دخول نار بالکل نہ ہو گا، لیکن ان میں سے کسی کو اس کی تقصیرات اور ذاتی بدعملی کی وجہ سے نار میں دخول ہو جائے گا۔ (پھر سزا پوری کر کے یا شفاعت سے نقل آئے گا)

دوسرا جواب جس کو امام غزالی نے مختار اور محققین اور محدثین نے پسند کیا ہے یہ ہے

کہ فرقہ ناجیہ سے مراد وہ لوگ ہیں کہ ان کو دخول نار مطلق نہ ہو گا' نہ اعتقاد کی حیثیت سے اور نہ اعمال کی حیثیت سے۔ یعنی وہ بغیر عذاب کے بہشت میں جائیں گے' کیونکہ تفسیر فرقہ ناجیہ کی یہ ہے : الذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی۔ یعنی فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس طریقہ پر قائم ہیں' جس پر میں اور میرے صحابہ تھے' یہ توجیہہ بہت چسپاں ہے' کیونکہ عہد نبوی ﷺ میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے عقائد واعمال میں کوئی بدعت نہ تھی۔

تیسرے جواب کا خلاصہ آخر تقریر میں یہ لکھا ہے : کل الفرق علی الباطل ولو بحسب عقیدۃ او عقیدتین اوعمل او عملین۔ یعنی "سب فرقے باطل اور ناری ہیں' اگرچہ ایک عقیدہ کی رو سے ہوں یا دو یا زیادہ کی رو سے ہوں' ایک عمل میں خلاف ہوں یا دو عملوں یا زیادہ میں۔" والفرقۃ الناجیۃ لا بطلان فی عقیدتھم وعملھم الجواب الاول۔ جواب اول ہماں است ارجح واقویٰ یعنی فرقہ ناجیہ کے عقیدہ وعمل میں کوئی بطلان نہیں ہوتا' مگر یہ کہ فرقہ ناجیہ کے لیے یہ شرط کی جائے کہ صرف ان کے عقائد میں گمراہی بالکل نہ ہو' تو یہ بلت جواب ثانی کا خلاصہ ہے یا یہ کہ ان کے اعتقادات میں صرف غلطی اور بطلان نہ ہو' یہ جواب اول کا خلاصہ ہے۔ پھر اس کے ضمن میں یہ لکھا ہے کہ تعریف فرقہ ناجیہ کی بایں عبارت : الذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی۔ دلالت مے کند برآں کہ چیزے واحد بعینہٖ' مشترک است درمیان ایں فرقہ ورسول وجمیع صحابہ او صلی اللہ علیہ وسلم ہمچوں مشترک غیراز عقائد نیست۔" یعنی یہ تعریف کہ ناجیہ وہ لوگ ہیں' جو اس طریقہ پر ہیں' جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ یہ دلالت کرتی ہے کہ فرقہ ناجیہ اور رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کرام کے درمیان مشترک چیز عقائد کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اب ذرا دیوبندی امت کے حکیم صاحب کی تشریح بھی سن لیں کہ وہ اپنی کتاب دنیا اور آخرت کے ص۔ ۳۵۲ سے ص۔ ۳۵۴ تک اس حدیث افتراق کے آخری جملہ ما انا علیہ واصحابی پر مفصل لکھتے ہیں۔ جس کا ضروری اقتباس یہ ہے' بعض لوگوں نے اس ما انا علیہ کو صرف اعتقادات کے اندر منحصر کر رکھا ہے' یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ محض اعتقادات میں بھی مطابقت ہو گئی تو فرقہ ناجیہ میں داخل ہونے کے واسطے یہی کافی ہے' حالانکہ یہ ان کی سخت غلطی ہے کہ انہوں نے مطابقت کو صرف

اعتقادات میں منحصر کر دیا ہے اور ما کو خاص کر دیا ہے' علوم یقینیہ کے ساتھ' حالانکہ یہ مطابقت عام ہے' جمیع افعال واعمال کو جس کی بقایہ ہے کہ ما انا علیہ لفظ ما عام ہے' اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں۔ پس جس طرح یہ اعتقادات کو شامل ہے' اسی طرح عادات' اخلاق' افعال' اعمال کو بھی شامل ہے' مگر آج کل اکثر لوگ اس قسم کے پائے جاتے ہیں جو محض تصحیح عقائد کے بعد اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ما انا علیہ کے زمرہ میں داخل کرتے ہیں' حالانکہ افعال واعمال ان کے ایسے ہیں جن کو حضور ﷺ اور صحابہ کے اعمال سے کچھ بھی مناسبت نہیں (تا آخر) اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ بدوں عمل کے یہ تصحیح اعتقاد بھی محض زبانی جمع خرچ ہے۔

اب یہ مسئلہ خوب واضح ہو گیا کہ مقلدین نے جو حدیث کے معیار نجات کی تشریح کی ہے' اس کی رو سے دیگر مذاہب فرقہ ناجیہ اہلسنّت والجماعت سے خارج اور کلھم فی النار میں داخل ہیں' کیونکہ تقلید کے لئے چار امام اور چاروں میں خاص ایک مقرر کر کے اس کی تقلید فرض جاننا اور اس کے نام کا مذہب بنانا اور اس کے اقوال جمع کر کے تقلید ہمیشہ کرتے رہنا بدعت اور شرک فی الرسالت ہے' نہ ایسی تقلید آنحضور ﷺ نے کی اور نہ صحابہ کرام نے کی اور نہ کوئی مذہب مقرر کیا اور نہ کسی نے اپنے امام کے اقوال جمع کر کے ان کو منزل من اللہ سمجھ کر ان کی عملی پابندی کی۔ پس یہ اعتقادی اور عملی بدعت ہے' جو دیگر مذاہب اور اہلحدیث میں حد فاصل ہے' تو پھر کیسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر اہلحدیث فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں اور ان کو جہنم کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا جا سکتا' یا تو حدیث کے آخری جملہ کو صداقت ونجات کا معیار نہ ٹھہرا دیا جائے' یہ نص حدیث کے خلاف ہے یا آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام کو کسی امام کا مقلد کہہ کر اس کی طرف منسوب کر دیا جائے' یہ سراسر واقعہ کے خلاف ہے' یا پھر غیر اہلحدیثوں کو اس معیار پر جانچ کر اصولاً فرقہ ناجیہ سے خارج ٹھہرا کر کلھم فی النار میں داخل سمجھا جائے' یہ درست اور حق ہے۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ فرقہ اہلحدیث ناجیہ ضرور ہے مگر دوسرے اسلامی فرقے کو جہنم کا سرٹیفکیٹ دینا ہمارا کام نہیں' مسلک اہلحدیث کے سراسر خلاف ہے۔

غنیہ میں پیر جیلانی عالم ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث افتراق کو ذکر کر کے فرقہ اہلحدیث کو ناجیہ قرار دیا ہے اور باقی دیگر فرقوں کو کلھم فی النار شمار کیا ہے' حقیقت اصلیہ بھی یہی ہے۔

پس آپ نرمی سے کام لیتے ہیں' ادھر اہلحدیثوں کے ساتھ مل کر فرقہ ناجیہ میں بھی داخل ہیں اور دوسروں کو بھی اپنا اسلامی بھائی تصور کر کے انا معکم بھی کہتے ہیں' یہ دو رنگی چال جو گرونانک کا مسلک ہے' ہم کو پسند نہیں ہے۔

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو' یا سنگ ہو جا

اچھا مولانا! آپ نے رسالہ عقائد دیوبند پڑھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کو پڑھئے اور پھر ان کی بابت کوئی رائے قائم کیجئے' اگر پڑھا ہے تو پھر آپ ان کے عقائد کے ساتھ موافق ہیں یا مخالف؟ اگر موافق ہیں تو مذہب اہلحدیث فرقہ ناجیہ سے ہم آپ کو خارج سمجھیں گے' اگر ان کے عقائد کے آپ خلاف ہیں' تو پھر سوال یہ ہے کہ وہ عقائد ما انا علیہ واصحابی کے مطابق ہیں یا مخالف؟ اگر مخالف ہیں تو آپ کے اسلامی بھائیوں کا فرقہ ناجیہ سے خارج ہونا ثابت ہو گیا' اگر مطابق ہیں تو ان نصوص سے ان عقائد کو ثابت کریں جو ما انا علیہ واصحابی سے منقول ہیں۔ اب وہ عقائد سنئے! یہ عقائد رسالہ عقائد دیوبند میں درج ہیں۔

(عقیدہ نمبر۔۱) رسالہ عقائد دیوبند کے ص۔۳۳ پر یہ لکھا ہے۔

وہابیہ کا یہ کہنا کہ مدینہ منورہ کی جانب سفر کرنے والے کو صرف مسجد نبوی ﷺ کی نیت کرنی چاہیئے اور اس قول پر حدیث کو دلیل لانا کہ کجاوے نہ کسے جائیں' مگر تین مسجدوں کی جانب سو یہ قول مردود ہے۔ اسی بحث پر ہمارے شیخ المشائخ مفتی صدرالدین دہلوی قدس سرہ کا ایک رسالہ تصنیف کیا ہوا ہے' جس میں مولائے وہابیہ اور ان کے موافقین پر قیامت ڈھا دی اور بیخ کن دلائل ذکر فرمائے اور ص۔۲۴ پر یہ دعویٰ کیا ہے۔ "ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین ﷺ واجب کے قریب ہے۔

علماء دیوبند کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت خاتم المحدثین مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حنفی تھے' وہ اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں اس حدیث شد حال کو تحریر فرما کر یہ لکھتے ہیں: والحق عندی ان القبر ومحل عبادۃ ولی من اولیاء اللّٰہ والطور کل ذالک سواء فی النھی۔ یعنی "میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں کسی کی عبادت گاہ اور کوہ طور سب کے سب سفر کے منع ہونے میں برابر ہیں۔" نیز مصفیٰ میں فرماتے ہیں: "تحقیق دریں جا آنست کہ در جاہلیت سفرے کردند بمواضع متبرکہ بزعم خویش پس آنحضرت ﷺ سد

باب تحریف فرمود و سفر را برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد. بقصد خصوصیت تبرک بآں مواضع منع فرمود تا امر جاہلیت رواج نگیرد آیا نمے بینی کہ بصرہ غفاری نہی را شامل طور داشت وابو ہریرہ را از طور منع کردہ۔"

علماء اہلحدیث کا یہی مذہب ہے۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کس طرف ہیں' علماء اہلحدیث کی طرف یا دوسری جانب؟

اگر شق اول ہے' تو آپ پر آپ کے بھائیوں نے قیامت ڈھا دی اور بیخ کنی کر دی' تو کیا اب بھی آپ اپنی بات پر مصر رہیں گے کہ وہ قول اہلحدیث کو مردود بنا رہے ہیں اور اگر آپ ان کی طرف ہیں تو مذہب اہلحدیث کا دعویٰ چھوڑیئے۔

(عقیدہ نمبر۔۲) ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول اور فروع میں امام المسلمین ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ کے مقلد ہیں' خدا کرے کہ اسی پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو۔ پھر آئے دن ہندوستان کے غیر مقلدوں سے ہماری جماعت کے اہل علم برابر مناظرہ کرتے رہتے ہیں اور ان کی تردید میں تحریراً اور تقریراً مصروف ہیں۔

اب مولانا! بتلایئے کہ جو لوگ ایک امام کے مقلد ہو کر غیر مقلدوں کے ساتھ مناظرہ کریں اور ان کی تردید میں دن رات مصروف ہوں' ان کا شمار کہاں ہو گا۔

اس فرقہ بندی اور تقلیدی جمود کا انجام ملاحظہ کرلیں کہ فتاویٰ حمادیہ اور تاتار خانیہ میں ہے کہ کسی شخص نے مذہب حنفی ترک کر کے مسلک اہلحدیث اختیار کیا کہ فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین کرنے لگا۔ شیخ ابو حفص کو خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے اور حاکم شہر سے شکایت کی۔ حاکم نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو سربازار کوڑے لگائے' کچھ لوگوں کو اس پر رحم آگیا' تو اسے ساتھ لے کر شیخ کے پاس گئے اور اس کی سفارش کی' آخر اس سے توبہ کرائی گئی' تب اسے رہائی نصیب ہوئی۔ (الارشاد ص۔۱۸۵) لیکن اس دور کے اہلحدیث ایسے ہیں کہ ان سے کچھ نفرت نہیں کرتے' بلکہ ان کو اپنا بھائی اور جنتی تصور کرتے ہیں۔ ان کو غیور بن کر متقدمین اہلحدیث کے حالات پر غور کرنا چاہئے کہ وہ ان سے کیسے متنفر تھے' جو شخص اقوال امام کو منزل من اللہ تصور کر کے واجب العمل جانتا ہو' وہ مشرک فی الرسالت ہے۔

حجتہ اللہ میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے کہ ہم کسی فقیہ پر یہ ایمان نہیں رکھتے کہ خدا تعالیٰ نے فقہ کو بطور وحی اس پر نازل کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کی

اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے اور وہ بالکل معصوم ہے' جب معصوم نہیں تو خطا کا امکان اس سے ہوا' تو پھر تمام اصول اور فروغ میں اس کی ہمیشہ تقلید کرنا حرام ہوا' چہ جائیکہ واجب ہو۔ پس تقلید شخصی کو واجب کہنا شرع جدید ہے۔

(عقیدہ نمبر۔۳) ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء' صلحاء' اولیاء' صدیقین کا توسل جائز ہے' ان کی حیات میں ہو یا بعد از وفات۔ بایں طور کہے یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآری چاہتا ہوں۔

صدقہ اپنی عزت وجلال کا
صدقہ پیغمبر کا ان کی آل کا
اپنے پیغمبر کا صدقہ اے خدا
نام جن کا ہے محمد مصطفیٰ
حضرت موسیٰ کا صدقہ اے کریم
جو ہیں پیغمبر تیرے اور ہیں کریم

یہ عقیدہ و عمل خلاف کتاب وسنت وخلاف ادعیہ ماثورہ وخلاف طریقہ صحابہ ہے۔ جس کی تفصیل قاعدہ جلیلہ بابت توسل ووسیلہ میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کی ہے۔ یہ عقیدہ اور عمل باتفاق ائمہ اربعہ غیر مشروع ہے۔ یہ موہم شرک ہے اور بدعت سیئہ ہے۔ اس کی بحث میرے رسالہ "فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ وسیلہ" میں ہے' جو عقائد کے عنوان میں ہے۔

(عقیدہ نمبر۔۴) استواء علی العرش کی بابت یہ لکھا ہے۔ "ممکن ہے اس سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت ہو' تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے۔ البتہ جہت ومکان اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت اور مکانیت اور جملہ علامات حدوث سے منزہ وعالی ہے۔"

اس عقیدہ سے بھی ظاہر ہوا کہ یہ عقیدہ رکھنے والے صاف گمراہ ہیں' کیونکہ طائفہ اہل حق جو فرقہ ناجیہ ہے' استواء علی العرش کا قائل ہے اور یہ استواء ذات کا عرش پر ہے' جو بلا کیف ہے اور ید کی تاویل قدرت سے کرنا باطل ہے اور جہت فوق اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے' کتاب وسنت اس پر ناطق ہیں۔ آپ کے بھائی اس عقیدہ میں معتزلہ اور جہمیہ کے ساتھ

شامل ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن القیم اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی اور دیگر محدثین نے اس مسئلہ پر کتابیں لکھی ہیں اور منکرین استواء کو گمراہ قرار دیا ہے۔

(عقیدہ نمبر۔۵) عمل ایمان میں داخل نہیں ہے۔ یہ عقیدہ ان کا مشہور ہے اور فقہ اکبر اور شرح عقائد نسفی میں درج ہے اور کہتے ہیں کہ ایمان اہل سماء اور اہل ارض کا مساوی ہے' یہ عقیدہ مرجیہ کا ہے۔ اہلحدیث اور تمام محدثین کا یہ عقیدہ ہے کہ اعمال ایمان کے جز ہیں اور ایمان کم وبیش ہوتا ہے۔ اس پر بھی رسالے لکھے جا چکے ہیں' جس کی ان میں تفصیل ہے اور امام الدنیا فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح بخاری میں مرجیہ وغیرہ کی سخت تردید کی ہے۔ اس عقیدہ کے لوگ سراسر گمراہ ہیں۔ حق یہ بات ہے کہ عمل ایمان کا جز ہے اور ایمان حسب تصدیق ویقین واعمال کم وبیش ہوتا ہے۔ یہ چند عقائد بطور نمونہ ہیں' ورنہ عقائد باطلہ ان کے اور بھی ہیں اور دیگر اصول اور فروع ان کے وضو' نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ عبادات اور معاملات اول سے لے کر آخر تک اکثر اہلحدیث کے خلاف ہیں۔ ایک طرف بخاری شریف رکھئے اور دوسری طرف ہدایہ' تو مسائل میں بعد المشرقین ہے۔ پس ان کے مذہب کی ہیئت کذائیہ مذہب اہلحدیث کی ہیئت کذائیہ کے سخت خلاف ہے۔

پھر ان لوگوں کے ظاہری' علمی کارناموں سے دھوکہ کھانا اور ان کو فرقہ ناجیہ میں شمار کرنا مسلک اہلحدیث کو باطل اور ناری کہنے کے مترادف ہے۔ ہمارے اکابر اہلحدیث نے مسئلہ تقلید میں ان کی سخت تردید کی ہے اور دیگر عقائد باطلہ کا بھی رد کیا ہے اور ہمیشہ ان کے ساتھ مقابلہ اور مناظرہ چلا آرہا ہے۔ مولانا محی الدین مرحوم لاہوری نے ظفر المبین لکھ کر ان کے اکثر مسائل اصولی اور فروعی کو خلاف کتاب وسنت ثابت کیا ہے اور مولانا محدث رحمۃ اللہ علیہ جوناگڑھی نے اپنی تصنیفات میں ان کے تمام مذہب کے ڈھول کا پول کھول کر رکھ دیا ہے اور کتب فقہ کے مسائل کو اختراعی ظاہر کر دیا ہے اور ایسی قیامت ڈھا دی کہ ان کی دنیا میں کھلبلی مچ گئی اور آخر انجام یہ ہوا کہ بہت لوگ اس تقلیدی مذہب کو ترک کر کے اہلحدیث ہو گئے اور حضرت مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ.امام جماعت غرباء اہلحدیث نے اپنی تقریروں اور تدریس کے ذریعہ ان کے مذہب کی بیخ کنی کر دی اور حضرت مولانا جوناگڑھی مرحوم نے بھی انہی کی تعلیم سے تاثرات لے کر تقلیدی مذہب کے قلعے مسمار کیے تھے۔ جب تک ایسے علماء زندہ رہے اور بلا لومتہ لائم احقاق حق وابطال باطل کرتے رہے' تو مذہب اہلحدیث کا

غلبہ رہا اور ترقی ہوتی رہی۔ جب وہ علماء چلے گئے تو مصلحت پرستی شروع ہو گئی' مداہنت پائی گئی۔ حق وباطل میں عوام الناس کو فرق معلوم ہونے لگا۔ اہلحدیث میں کچھ ملکی طور پر انقلاب آگیا اور کچھ اکابر علماء کی موت سے تنزل ہو گیا اور کچھ آپ ایسے علماؤں کے عزم وحوصلہ میں پستی سے ترقی رک گئی۔ آپ اپنے مذہب پر نظر ثانی فرمائیں اور بندہ کے ایسے مضامین کو جن میں احقاق حق وابطال باطل کیا گیا ہو' واپس نہ کیا کریں' آپ ان علمی مباحث کو جدلی قرار دیتے ہیں۔ گویا آپ کے نزدیک ہمارے علماء اکابر جو عقائد ومسائل تقلیدیہ کی تردید کرتے ہیں' کیا وہ سب مجاولہ ہی کرتے رہے اور جدلی مباحث میں ہی عمریں بسر کر گئے۔ یہ خیال نہایت باطل ہے اور ہمارے اکابر کے احسانات کی ناشکری اور بے قدری ہے۔

نہ ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے ہی زمانہ میں دستور نکلا

یہ آپ کا کہنا کسی حد تک ٹھیک ہے کہ چمن کی بلبلوں اور عندلیبوں وغیرہ نے ہم کو لوٹ لیا۔ میں کہتا ہوں کہ بحکم قوا انفسکم واھلیکم نارا "کہ اپنے نفسوں اور گھر والوں کو آگ جہنم سے بچاؤ۔" ہم یہ بھی کوشش کرتے رہتے ہیں' لیکن اگر زیادہ جدوجہد کریں تو آپ ایسے لوگ خانہ جنگی کہہ کر مخالفت کرتے ہیں' تو نہ آپ لوگ اپنی جماعت کی اصلاح کرنے دیتے ہیں اور نہ باہر کے باطل کو دفع کرنے دیتے ہیں۔ ہمیں سخت مشکل کا سامنا ہے۔ آپ کو گندے مسائل کے لکھنے سے نفرت ہے' سو یہ اس ضرورت کے پیش نظر ہے کہ جس دوکان سے لوگ سودا خرید رہے ہیں' اس کا مال خراب ہے' تو خراب مال کا طلب گاروں کو نمونہ اور ثبوت دکھانا ضروری ہے۔ نیز مذہب والوں کو ان مسائل کے بنانے اور لکھنے اور مذہب قرار دینے سے نفرت نہ ہوئی تو آپ کو تردید سے نفرت کیوں ہوتی ہے' بہرحال آپ کا مسلک توجہ طلب ہے۔

از عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث کراچی

جلد ۴۸' شمارہ ۱۵' ۱۶' ۱۹ بمطابق یکم شعبان ویکم شوال سنہ ۱۳۸۷ھ

علمائے خیر و شر کا تعارف

حضرات ناظرین! جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیثوں میں بطور پیشین گوئی جو حالات بیان فرمائے تھے' وہ اکثر ظہور میں آچکے ہیں اور آ رہے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا! کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے دعا کی کہ ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو کہ جس کے غلبہ سے عام طور پر ہلاکت چھا جائے اور قوم کی قوم تباہ ہو جائے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی و دیگر دعا یہ کی کہ

میری امت باہم متفق ہو کر رہے' تو یہ دعا قبول نہ ہوئی' ان میں اختلاف ضرور ہو گا' بلکہ خود ہی اپنے دشمن اور خود اپنے آپ کو دشمنوں کی طرح تباہ کریں گے اور مجھ کو بڑا خوف گمراہ کرنے والے پیشواؤں سے ہے۔ میری امت کے کئی گروہ مشرکوں سے جا ملیں گے اور کئی گروہ بتوں کو پوجیں گے اور جھوٹے نبی پیدا ہوں گے' حالانکہ میرے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ میری امت کے لوگ پہلی گمراہ امتوں کی گمراہیاں اختیار کریں گے۔ یہود اور نصاریٰ کے طریقے اور چال چلن پسند کریں گے' یعنی اس امت میں اہل کتاب اور عجمی اور رومی اقوام کے مہلک و گمراہ علوم و تمدن کی نقالی ہو گی۔ وضع قطع میں ان کی پوری پوری مشابہت اور ریس کریں گے۔ فتنے ایسے برپا ہوں گے جیسے اندھیری رات کی اندھیری صبح کو ایک آدمی مومن ہو گا' تو شام کو وہ کافر ہو گا' یعنی ایمان و یقین میں استقلال' ثبات' استقامت نہ رہے گی۔ ساعت بساعت حالت بدلتی جائے گی' اپنے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالیں گے۔ یہود و نصاریٰ ٹوٹ پھوٹ کر اکہتر' بہتر فرقے ہو گئے تھے' میری امت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں سے صرف ایک گروہ حق پر ہو گا' جن کو مخالفین مٹا نہ سکیں گے' بلکہ وہ غالب اور ظاہر رہے گا' اسلام غریب ہو جائے گا' جیسا کہ ابتدا میں تھا۔

ان ساری باتوں میں سے ایک ایک بات پوری ہو چکی ہے۔ دور غربت شروع ہے۔ نصاریٰ کی سی ضلالت' مشرکوں کی سی بت پرستی' گمراہ پیروں اور پیشواؤں کی کثرت' جھوٹے نبیوں کا ظہور' فرقہ بندی' مدعیان اسلام کے باہم اختلافات اور لڑائیاں جھگڑے وغیرہ وغیرہ فتنے برپا ہیں۔ ایسی کوئی گمراہی نہیں ہے' جو پورے سے پورے عروج اور سخت سے سخت درجہ

تک نہ پہنچ چکی ہو۔ سابقہ گمراہ امتوں نے گمراہی کے جتنے قدم اٹھائے تھے' اس زمانہ کے مسلمانوں نے گن گن کر اتنے ہی قدم اٹھائے ہیں۔

صادق ومصدوق نبی آخر الزماں علیہ الصلٰوۃ والسلام پر قربان جایئے کہ آپ نے منجانب اللہ جو کچھ فرمایا تھا' ہو بہو وہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ رات دن ہم ان فتنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں' جن سے غریب مسلمان موحد کی زندگی تلخ ہوتی جا رہی ہے۔ زمین کے کیڑوں کے لئے تو عیش مل سکتا ہے' لیکن ایک خاص موحد مسلمان کے لئے روئے زمین پر کوئی عیش باقی نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ دنیوی ذلتوں کا بوجھ اٹھائے اور اس کے نیچے چلا جائے۔ آہ سچ ہے ؎

بے ہنر مسند نشیں اہل ہنر در در خراب
عقل انسان سے خدا کا کارخانہ دور ہے

غم گساران دین کی حالت زار نالاں وگریاں ہو کر یہ کہہ رہی ہے کہ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔ عوام تو عوام خواص کی حالت نہایت ناگفتہ بہ اور خراب ہے اور خواص میں سے اخص الخواص علماء دین اور رہبران قوم اور ہادیان امت ہیں۔ جو حالت اسلامیہ اور ہیئت شرعیہ' عملیہ' نبویہ وسلفیہ کو بگاڑنے والے ہیں۔ مورومگس' چینوٹیوں اور مکھیوں سے بھی زیادہ ہیں اور حقیقی مصلحین نہایت ہی قلیل ہیں۔ یہ زمانہ ہدایت وسنت سے بیگانہ' خود رائے وہوا پرستی کا کارخانہ ہے۔ سلف امت کی روش بدل کے مسائل عجیبہ وعقائد غریب تراشنے کا تماشاخانہ ہے۔

علماء دین شریعت کو آڑ بنا کر رسم ورواج اور خواہشات نفسانیہ کے ذریعہ دنیا کما رہے ہیں : کما قال اللہ تعالٰی ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل۔ "فرمایا اللہ تعالٰی نے کہ بہت ملاں' مولوی' پیر' درویش لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھا رہے ہیں اور لوگوں کو راہ حق سے روک رہے ہیں۔" کسی عربی شاعر نے کیا سچ کہا ہے۔

وما افسد الدین الا الملوک
واحبار سوء و رھبانھا

یعنی "دین حق کو علماء سوء اور زاہد' عابد پیروں اور ظالم بادشاہوں ہی نے خراب کیا ہے۔"

احادیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے جناب رسول مقبول ﷺ سے شر کے متعلق سوال کیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا' کہ الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء۔ (مشکوٰۃ) یعنی "بدترین شر شریر علماء ہیں اور بہترین خیر بہترین علماء ہیں۔" اس حدیث سے علماء کی دو قسمیں ظاہر ہو گئیں۔ ایک شرارالعلماء اور دوم خیارالعلماء یعنی علماء ربانی اور علماء نفسانی۔ گویا عالم کی حیات اور ہدایت سے تمام جہاں کی حیات اور ہدایت ہے اور عالم کی موت اور گمراہی سے تمام جہاں کی موت اور گمراہی ہے۔ خیر ہوں تو تمام دنیا میں خیر ہو گی اور اگر علماء شریر ہوئے تو تمام جہاں میں شر ہی شر ہو گا۔ تمام امور دینی اور دنیوی کا ابتداء وانتہا انہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

پیشین گوئی نبوی ﷺ کا ظہور: مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقٰی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقٰی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی علماء ھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتن وفیھم تعود۔ (مشکوۃ) "کہ عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام ان میں برائے نام رہ جائے گا اور قرآن ان میں محض رسمی طور پر پڑھا جائے گا۔ (عمل نہ ہوگا) ان کی مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہوں گی' لیکن ان میں ہدایت نہ ہو گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے سب سے زیادہ برے ہوں گے۔ انہی میں سے فتنہ نکلے گا اور انہی میں لوٹے گا۔"

میں کہتا ہوں کہ صدق اللّٰہ وصدق الرسول بے شک یہ وہی وقت ہے کہ مسلمانوں میں اسلام برائے نام ہے اور قرآن مسجدوں اور درسگاہوں میں رسمی طور پر پڑھا جاتا ہے' لیکن حق شناسی اور دین پروری کوسوں دور چلی گئی' جو لوگ اپنے آپ کو دین کے پیشوا اور مرشد اور علماء کہلاتے ہیں' وہ سب بدعات کے طوفان اور طمع نفسانی میں غرق ہیں۔ حق پرستی وحق گوئی ہزار میں کسی ایک میں ہے' جو اعلائے کلمتہ الحق کرنے کی وجہ سے مختلف مصائب میں گرفتار ہیں۔ ایسے علماء ربانی کی تعداد بہت قلیل ہے۔ جن کی آواز طوطی کے نقار خانہ میں کوئی سنتا نہیں' جہاں آواز اٹھی وہاں ہی بدعت پسند' شکم پرست علماء شر نے شور بپا کر دیا کہ یہ مولوی وہابی ہے' غیر مقلد ہے' بے ایمان ہے' بزرگان دین اولیاء اللہ کا منکر ہے' انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے والا ہے' رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے۔ اس کی بات اور اس کا مسئلہ مت سنو اور نہ اس کے پاس جاؤ' یہ کافر ہے' بلکہ جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر

ہے' اس کو شہر یا گاؤں سے نکال دو' اس کی شکل بھی نہ دیکھو' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عالم ربانی طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور آواز حق دب جاتی ہے اور عام طور پر فساد پھیل جاتا ہے اور عوام الناس ان علماء شر سے شیر و شکر ہو جاتے ہیں' جو حق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے' بلکہ اپنے حلوے مانڈے سے کام رکھتے ہیں اور ایسی رسومات کی اشاعت کرتے ہیں۔ جن کا قرآن حدیث سے کوئی پتہ نہیں چلتا اور زمانہ رسالت اور عہد صحابہ کرام اور علماء تابعین وائمہ دین کے زمانہ کی پیدوار نہیں ہیں' بلکہ بعد کے زمانہ کی ایجاد واختراع ہیں۔ علماء سو انہی کو اصول دین ٹھہرا کر جاہلوں پر خوب رنگ چڑھاتے ہیں۔ عوام کو اہل حق سے متنفر کرتے ہوئے اپنا الو سیدھا کر لیتے ہیں۔ مثل مشہور ہے۔

رام رام جپنا اور پرایا مال اپنا

لہٰذا سب سے اول حق وباطل میں امتیاز کرتے وقت علماء کی ہر دو قسموں میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔

عوام کا فرض: بے چارے عوام مسلمانوں کا اتنا ہی فرض ہے کہ وہ علماء کی خدمت میں آکر دین سیکھیں' کیونکہ قرآن حکیم میں حکم ہے: فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ "کہ علم نہ ہو تو عالموں سے مسائل پوچھ لیا کرو۔" اور حدیث میں ہے: انما شفآء العیی السوال۔ "بیمار کی شفا پوچھ لینے میں ہے۔" لیکن میرے مسلمان بھائیو! اس تباہی خیز وفتنہ خیز دور میں ہر ایک مولوی عالم صاحب یہی دعویٰ کرے گا کہ میں بہت بڑا عالم ہوں' میرا مذہب حق ہے' میرا مسئلہ صحیح ہے' میں رسول اللہ ﷺ کا پورا پورا مطیع ہوں' لیکن ہر مولوی اور ہر عالم کا یہ کہنا صحیح نہ ہو گا' کیونکہ رسول کریم ﷺ نے علماء کی دو قسمیں بیان فرما دی ہیں۔ لہٰذا اب تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ تمام عالموں' پیروں' لیڈروں' ملاں مولویوں کی اعتقادی اور عملی حالتوں پر نظر دوڑا کر ان میں سے کھرے' کھوٹے' سچے' جھوٹے' اصلی' نقلی' علماء ربانی' علماء نفسانی کی تمیز کریں اور خوب غور سے پہچانیں۔

پس جو ان میں سے علماء ربانی ہوں' ان سے مسائل دریافت کریں اور ان کی صحبت میں رہ کر دینی فیض حاصل کریں اور علماء سو علماء نفسانی سے بچیں اور ان خناسوں کے وسواسوں سے اسی طرح پناہ مانگیں' جس طرح شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں' کیونکہ وہ گمراہ ہیں اور ان کا شر عظیم ہے۔

اب یہاں عام مسلمانوں کے لیے ایک معیار صداقت ذکر کیا جاتا ہے' جس کے ساتھ ہر عالم دینی اور مقتداء مذہبی کی پہچان آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔

معیار صداقت : جس عالم اور مولوی کا سینہ قرآن وحدیث کے نور سے منور ہو اور عملی طور پر وہ جناب سید المرسلین رسول اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے متبعین صادقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روش اور طرز عمل کو محبوب رکھتا ہو' وہ عالم ربانی ہے۔ جس کا شیوہ یہ ہو گا کہ وہ توحید الٰہی بکثرت بیان کرے گا اور شرک کی تردید کرے گا۔ عبادات الٰہی اور خدا پرستی کی تعلیم دے گا اور مخلوق پرستی اور ماسوائے اللہ کی پرستش سے روکے گا۔ ہر مسئلہ میں احادیث نبویہ' اقوال و افعال رسول اللہ ﷺ کے پیش کرے گا اور ہر عمل میں آنحضور ﷺ کا اسوہ حسنہ پیش کرتا ہوا اس پر صحابہ کرام کے واقعات بیان کرے گا' سنت نبوی اور اتباع سلف صالحین کی رغبت دے گا اور امور اختراعیہ اور رسومات بدعیہ سے روکے گا۔ طمع نفسانی اس میں نہ ہو گا اور نہ کسی ماسواء اللہ کا خوف کرے گا' بلکہ محض خوف الٰہی کرتا ہوا بلا خوف لومتہ لائم اعلاء کلمتہ الحق کرتا ہو گا اور فساد امت کے وقت احیاء سنت میں سرگرم ہو گا۔ مساوات تواضع وایثار کے اوصاف سے موصوف ہو گا' مصائب میں صبر کرنے والا ہو گا' عدالت و تقویٰ رکھتا ہو گا۔

اس کے برعکس جو عالم اور مولوی برائے نام کوئی آیت بطور تبرک پڑھ کر قصے' کہانیاں' غزل اور کافیاں (بمعنی راگنیاں)' اقوال الرجال' رائے وقیاس زیادہ بیان کرتا ہو' زمانہ ساز پیروں اور اہل بدعت مشائخوں کے حالات اور واقعات بہت ذکر کرتا ہو بزرگان دین کے وسائل اور توسل بالاموات کو بیان کرتا ہو' ان کے ناموں کے ورد' وظائف' نذر ونیاز دینا' سجدہ تعظیمی اور ان کا تصور بتلاتا ہو' رسومات کا پابند ہو' زرپرستی' مطلب پرستی اس سے مترشح ہو' انانیت اور تکبر اس میں پایا جاتا ہو' اظہار حق کرنے والوں سے تعصب رکھتا ہو اور ان کی برائی کرتا ہو۔ توحید الٰہی اور سنت نبوی کے بیان سے چڑتا ہو اور اس کو وہابیت کی علامت سمجھتا ہو اور ہر مسئلہ پر حدیث اور طرز عمل صحابہ طلب کرنے پر غضبناک ہو جاتا ہو اور کسی غیر نبی کی تقلید کا عادی ہو اور قرآن وحدیث کی مہارت نہ رکھتا ہو اور عقیدہ و عمل اسوہ حسنہ اور تعامل سلف صالحین صحابہ کرام کے خلاف ہو' تو وہ عالم نفسانی ہے اور علماء سو اور شرار العلماء میں داخل ہے۔ اس سے مسلمانوں کو بچنا اور اس کے دھوکہ وشر سے پناہ مانگنا

واجب ہے۔

شر العلماء کے متعدد گروہ: علماء سوء پر طائرانہ نظر کرتے ہوئے' جب ان کے حالات وعادات کا جائزہ لیا گیا' تو ان کے مختلف گروہ پائے گئے' جن کی تفصیل نمبروار حسب ذیل ہے' مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کو معلوم کر کے جانچ کرلیں۔

گروہ صوفیہ: ایک گروہ صوفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ تصوف کا دعویٰ رکھ کر اپنی الگ شریعت رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ان اسرار اور رموز کا علم ہے' جو سینہ بہ سینہ چلے آتے ہیں' جن کو علماء اہل ظاہر نہیں سمجھ سکتے۔ اگرچہ وہ ظاہر شریعت کے خلاف ہوں' ان پر اعتراض کرنا گمراہی ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے دنیا کماتے ہیں۔ ان کا لباس جوگیانہ رنگ کے کپڑے' وہ خواہشات نفسانی کے فنا ہونے اور لذتوں کو ترک کرنے کا اعلان کرتے ہیں' لیکن ان کے عقائد' اعمال وجذبات کا جائزہ لیا جائے' تو انکشاف حقیقت ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے بڑے دنیا داروں سے بڑھ کر حریص ہیں اور باطنی عیاش ہیں۔ اصل صوفیہ کرام سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ جعلی صوفی اور خانہ ساز فقیر ہیں' جو حقیقت میں مذہبی شریر ہیں۔ نہ ان کا مقصد دین الٰہی کی اشاعت ہے اور نہ توحید کی تبلیغ وسنت کا احیاء مقصود ہے۔ صرف ان کا کمال علمی وعملی جلب زر تک محدود ہے۔ مسلمانوں کا ایسے صوفیوں اور جعلی پیروں سے بچنا ضروری ہے۔

اصل صوفیائے ربانی اللہ تعالیٰ کے وہ مخلص بندے ہوتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہی لگے رہتے ہیں اور ذکر الٰہی اور عبادت خدائی میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ حسد' کینہ' انانیت' غرور' جاہ طلبی' زر پرستی کا جذبہ ان میں سے مفقود ہو جاتا ہے اور توحید وسنت کے وہ پورے عاشق ہو جاتے ہیں اور خلق خدا کو علوم ربانی سے فیض یاب کرتے ہیں۔

گروہ پیراں ومشائخ: علماء سوء کا ایک گروہ پیروں کے لباس میں ہے' جو عام مسلمانوں کو اپنا مرید بناتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جھوٹی کرامتیں بیان کر کے عوام الناس میں پیر پرستی' قبر پرستی' آثار پرستی کے جراثیم پیدا کرتے ہیں اور پیری مریدی کے سلسلہ میں دنیا کو لوٹ لوٹ کر کھا رہے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کو مرید کرتے ہیں' اور عورتوں سے پردہ ہٹا کر ان سے تعارف حاصل کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث سے جاہل ہوتے ہیں۔ ہیر وارث شاہ اور دیگر عشقیہ کتابوں اور غزلوں' کافیوں' قوالیوں میں اپنا شغل رکھتے ہیں۔ بدعات مروجہ کے علاوہ'

بلکہ کئی بدعات کے موجد ہیں اور اہل حق کے بدترین دشمن اور سخت مخالف ہیں۔ ان کو وہابی اور غیر مقلد، منکرین اولیاء اللہ کہہ کر بدنام کرتے ہیں اور اپنے زیر اثر لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں اور راہ حق سے روکتے ہیں اور اکثر جھوٹے افسانوں اور لا معنی حکایتوں اور موضوع حکایتوں سے کام لیتے ہیں۔ اکثر گدی نشین اور مجاوروں کی شکل میں ان کے ایجنٹ جا بجا بیٹھے ہیں۔ متلاشیان حق کو ان سے بچنا واجب ہے۔

رافضی گروہ : علماء سو کا ایک گروہ رافضی ہے، جو اپنے آپ کو شیعان علی کہتے ہیں۔ یہ اہل بیت کی محبت کا جھوٹا دم بھر کر کربلا کے جھوٹے افسانے سناتے ہیں اور لوگوں کو ماتم سرائی اور سینہ کوبی کا سبق دیتے ہیں۔ سلف صالحین پر لعنت بھیجنا اور بزرگان دین پر تبرا کرنا ان کا شیوہ ہے۔ یہ لوگ ظاہر میں اہل بیت کے عاشق اور باطن میں احکام الٰہیہ اور اہل بیت کے دشمن ہیں۔ ان کو اس بات سے غرض نہیں ہے کہ داعی اسلام کی زندگی کا کیا نقشہ تھا اور وہ کیا مقصد لے کر دنیا میں آئے تھے اور اسلام کا صحیح مفہوم کیا ہے، ان کو تو بس تعزیہ بنانا اور تعزیہ پرستی کرانا، لعنت اور تبرا سے کام ہے اور یہی ان کا مقصد زندگی ہے اور نفاق وتقیہ ان کا ایمان اور تقویٰ ہے۔ ماہ محرم کی جملہ بدعات کے یہ عامل ہیں، نہ ان کا ایمان قرآن پر ہے اور نہ حدیث نبوی پر، صرف امام غائب پر ہے۔ مسلمانوں کو ایسے بدترین گروہ سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

گروہ زمانہ ساز واعظین : علماء سو کا ایک گروہ واعظوں کی شکل میں ہے، جو سراسر بہروپئے ہیں۔ اوپر سے انسانوں کا لباس اور اندر سے بھیڑیئے ہیں۔ یہ وعظ کے ذریعے دنیا کو لوٹ لوٹ کر کھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنے کی بجائے قصے، کہانیاں سنا کر ہنسانے اور خوش کرنے اور کسی وقت رلانے کی عادت رکھتے ہیں اور اس کرتب میں خوب ماہر ہیں۔ بے سروپا داستانیں اور موضوع روایتیں سنا کر قبولیت عامہ پیدا کرتے ہیں۔ سامعین کا مذاق بگاڑ کر گویوں اور نقالوں کی طرح جو کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے کر لیتے ہیں۔ اپنے گلے کے جوہر اور خوش الحانی کا کمال دکھا کر سامعین کے کانوں میں ایسا رس ڈالتے ہیں کہ وہ دل وجان سے خوش ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو مسحور سمجھ کر منہ سے من مانی غذا اور خوراک مانگتے ہیں، کہتے ہیں کہ مکھن، بادام، دودھ، چائے، انڈے، مرغ کا گوشت، اور حلوہ فلاں وقت میں فلاں چیز اور فلاں وقت میں فلاں چیز مہیا کر کے رکھنی ہو گی۔ اپنی نازک

مزاجی اور دماغی محنت کا عذر کر کے اس قسم کی فرمائشات سے اپنی شکم پری کرتے ہیں۔

بہت لوگ بن کر ہواہ خواہ امت
سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
سدا گلوں در گلوں نوبت بنوبت
پڑے پھرتے ہیں کرنے تحصیل دولت

ایسے ہی لوگوں کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ من قرا القرآن ان یاکل به الناس جاء یوم القیامة ووجهه عظم لیس علیه لحم۔ (مشکوٰۃ) یعنی "جو لوگ قرآن پڑھ کر لوگوں کو کھاتے ہیں' وہ دن قیامت کے اس حالت میں آئیں گے کہ ان کا منہ ایک ہڈی ہو گا۔" آنحضور ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ سیکون اقوام یقراون القرآن یسالون الناس۔ "ایسی قومیں نمودار ہوں گی جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگیں گی۔" اگر ایسے واعظوں کی زندہ مثال دیکھنی ہو تو مولوی جلال آبادی کو دیکھ لیں' جو قوم کے مراثی ہیں اور نہایت خوش الحانی سے وعظ کرتے ہیں اور اپنی سحربیانی سے لوگوں کو کھا رہے ہیں۔ اگر کوئی ذرا سامنے بولے تو بندوق شانہ پر رکھ کر اس کو مرعوب کر لیتے ہیں۔ جو لوگ جلسوں میں چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں وہ ان کو فیس دے کر دعوت دیتے ہیں اور حاضرین جلسہ سے بہت سا چندہ اکٹھا کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی عالم مقرر محض قرآن وحدیث سے علمی تقریر کر رہا ہو اور عوام اس کی تقریر سن کر اکتا جائیں' تو مجمع جمانے کے لئے بھی مولوی مذکور کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ وہ ایک دو شعر پڑھ دیں تو جانے والے لوگ واپس آ جاتے ہیں اور اس کی آواز سے رس حاصل کرتے ہیں۔ اگر محلہ والے لوگ ان کو وعظ کی دعوت دیں' تو دس روپے فی تقریر علاوہ مخصوص کھانے کے اور دو سیر دودھ اور پاؤ سیر مکھن ان کی فیس ہے۔

ناظرین کو چاہئے کہ ایسے پیشہ ور واعظوں سے بچیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وهم مهتدون۔ "کہ ان مبلغوں کی پیروی اور اتباع کرو' جو اپنی تبلیغ اور وعظ کی اجرت نہیں مانگتے اور خود وہ ہدایت پر ہیں۔ ایسے واعظوں نے محض کسب وعظ سے محل قیصر کے' مکانات کسریٰ کے' کپڑے ٹیپ ٹاپ کے' موزے جالوت کے اور سواریاں قارون کی اور برتن فرعون کے تیار کر لئے ہیں۔ ان کا کوئی خاص مذہب نہیں ہوتا۔ جیسا دیس ویسا بھیس کر کے لوگوں کو دکھاتے ہیں۔

کس طرح پاویں خدا کی راہ بیچارے عوام
مولوی اور درویش ہر اک طالب زر ہو گیا

مسجدوں کے بے علم ملاں: ایک گروہ شرالعلماء یا علماء سو ملانوں کی شکل وصورت میں ہے۔ جن کا پیشہ مسجدوں میں امامت کرنا ہے اور یہی امامت ذریعہ معاش ہے۔ نکاح' جنازہ' بچہ کی پیدائش پر کانوں میں اذان کہنا' پانچوں وقت خلاف سنت نماز پڑھانا' جمعہ وعید کی نماز بھی اپنے مذہب کے مطابق پڑھانا' خلاف شرع دم جھاڑنا' میت کو نہلانا وغیرہ' اس کی اجرت مندی مندرجہ ذیل صورتوں سے وصول کی جائے گی۔

(۱) نکاح کی اُجرت ایک سے دس روپے تک حسب رواج قوم اور ایک روپیہ منگنی پر۔

(۲) فصلانہ پانچ سیر سے ایک من تک غلہ وغیرہ۔

(۳) عیدالفطر کا سب فطرانہ اور عید قربانی کی سب چرمہائے قربانی باوجود غیر مستحق ہونے کے خود ہی ہضم کر جانا۔

(۴) بچہ کی پیدائش پر اگر لڑکا ہو تو ایک روپیہ اور ایک سیر آٹا اور ایک سیر گڑ' اگر لڑکی ہو تو صرف کچھ آٹا اور کچھ قدر گڑ دیا جاتا ہے یا کم وبیش۔

(۵) جنازہ پر حسب رواج ایک روپیہ اسقاط کیا یا قرآن اور کچھ نقدی اور کچھ اناج دیا جاتا ہے' اگر میت کو غسل بھی دیا ہو تو پھر میت کے کپڑے بھی جمعرات کو دیئے جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے تیجہ' ساتا' چالیسواں' ختم' گیارہویں' جمعرات' شبرات' عاشورہ کے دنوں میں قسما قسم محرم کے رواجی کھانے کھانا اور گھر لے جانا۔

(۶) عید کے دن فطرانہ اور چرمہائے قربانی کے علاوہ ایک روپیہ سے چار آنے تک صاحب حیثیت لوگ دیتے ہیں۔

یہ امامت کی آمدنی ہے' جس کے لئے ملاں' مولوی بھٹکتے ہیں اور دیہات میں ایسی امامت تلاش کرتے ہیں' اگر مل جائے تو خوش ہوتے ہیں اور اس امامت میں جہلاء کی سب شرائط منظور کرواتے ہیں اور ان کے ماتحت ہو کر رہتے ہیں اور اگر نہ ملے تو بہت پریشان ہوتے ہیں' پھر اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔

بعض جگہ یہ امامت وراثت کے طور پر چلتی ہے کہ اگر کسی مسجد کا ملاں مرگیا' تو اس کا بیٹا خواہ کیسا ہی جاہل وفاسق وبے علم ہو' امام ہوتا ہے۔ وہ فوت ہوگیا تو اس کا رشتہ دار امام بن گیا۔

اس طرح کافی ملانوں میانوں میں پشت بہ پشت امامت چلی آتی ہے۔ اس سے بہتر کوئی دوسرا شخص عالم دیندار موجود ہو تو بھی اس کو امام نہیں بنایا جاتا۔ پس یہ امامت ایک پیشہ بن گئی ہے' جس میں عوام مسلمانوں کی ایک امام کو خوشلد رکھنی پڑے گی' اگر ذرا کوئی ناراض ہوا تو اس کو منت سماجت کر کے سیدھا کرنا پڑے گا۔ اگرچہ یہ امامت بنفسہ ایک سرداری اور ایک امارت تھی' جس کو انتخاب سے قائم کر کے لوگوں پر حکومت کی جاتی اور ان کو پیشوا ہونے کی حیثیت سے ہدایات اسلامی کا پابند کیا جاتا' لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اب تو دیگر کمپنیوں اور کام کرنے والوں کی طرح امام کو ایک لالچی شخص سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کسی نے موجودہ مسلمانوں کے حالات پر ایک پنجابی کتاب لکھی ہے' جس کا ایک شعر یہ ہے۔

قاضیاں دا دین تے ایمان روٹیاں
اُتوں اُتوں مسلماں اندروں نیتیاں کھوٹیاں

اب یہ لوگ احیاء سنت اور اعلاء کلمتہ اللہ کیا کر سکیں گے اور تبلیغ کا حق کیا ادا کریں گے۔

یہ دین خدا کی غیر کو دعوت کریں گے کیا؟
خود گم ہیں غیروں کو ہدایت کریں گے کیا؟
کمزور خود ہیں نصرت سنت کریں گے کیا؟
بے جان خود ہیں زندہ شریعت کریں گے کیا؟

نماز کی امامت ایسے جاہل لوگوں کے سپرد کرنا ناجائز ہے۔ اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ ایسے ملاں مولوی عالم جو پیشہ ور ہیں مسلمان کو اسلام کے بنیادی اصول کبھی نہیں بتا سکتے اور مقصد زندگی سمجھا کر حق بات نہیں بتا سکتے' بلکہ یہ مداھن احقاق حق اور ابطال باطل سے ہمیشہ خاموش رہیں گے اور صرف اپنی شکم پری سے کام رکھیں گے۔

<u>دنیا دار علماء:</u> یہ ایک قسم ایسے علماء کی ہے کہ علم میں تو کامل ہوتے ہیں لیکن عمل میں بالکل ناقص ہیں۔ قرآن وحدیث وفقہ پر پورا عبور رکھتے ہیں' مگر ان کی عملی حالت علماء یہود کی طرح ناقابل اقتدا ہے۔ یہ لوگ نفس پرستی اور راحت طلبی کے باعث قول کو فعل میں نہیں لا سکتے یہ عبد الدینار وعبد الدرھم ہوتے ہیں۔ متمولین کو اپنا پشت پناہ بنا کر ان کی ہر وقت خوشلد کرتے ہیں' ان کی دعوتوں' ضیافتوں میں بلدام مقشر' مصری' ربڑی' لکھنوی طرز کی چائے' کیک اور کشمش وغیرہ قسما قسم میوہ جات اور مٹھائیاں' حلوے' زردے' پلاؤ اور مرغن

گوشت و مرغ مسلم سے اپنا تنور شکم پر کرتے ہیں۔ حیلوں بہانوں سے دولت کما کر انداز رئیسانہ رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے رئیسوں' تاجروں' سوداگروں' چودھریوں' خان بہادروں کے ساتھ موٹروں اور اعلیٰ درجہ کی گاڑیوں میں بیٹھ کر تفریح کرنے کو جاتے ہیں اور خوب سیر کرتے ہیں۔ نمازیں ہضم وفوت ہو جائیں کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ سیر و تفریح کے لیے فرسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ لیتے ہیں۔ جماعت غربا بھوکی مرے ان کی بلا سے۔ جب شرعی مسئلہ آ جائے اور ان مال داروں کی نازک طبع کے خلاف ہو اور ان کے رسم و رواج کے برعکس ہو تو ان کی اقتداء سے مرعوب ہو کر یا ان کی لحاظ داری سمجھ کر یا اپنی آمدنی میں فرق آتا دیکھ کر دم دبا کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ کلمہ اظہار حق اور اعلان صداقت میں ایسے گونگے بن جاتے ہیں کہ گویا ان کو سانپ سونگھ گیا۔ الساکت عن الحق شیطان اخرس۔ کے صحیح مصداق ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی غریب عالم اہل حق میں سے آس پاس ہو اور وہ اظہار حق کر دے اور ان مال داروں کی بد عملی اور بد اعتقادی پر تنقیدی نظر ڈال دے' تو اس پر غرانے کے لئے شیر مردم در ہو جاتے ہیں اور بڑے زور سے اس عالم ربانی کی تردید کرتے ہیں' لیکن اگر کوئی رئیس دنیا دار سامنے آکر بھبکی دے دے تو دم کٹے گیدڑ کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ یہ دنیا دار علماء سوء سب سے زیادہ بزدل اور سب سے زیادہ اپنی جاہ و مال کے عاشق زار اور ہر خطرہ کے مقام سے کوسوں دور' یہی وہ علماء ہیں جو قوم پر گمراہیوں اور شقاوتوں کے دروازے کھول رہے ہیں اور علماء یہود کی طرح امراء اور احکام میں باب الحیل کھول کر غلط مسائل پھیلا رہے ہیں اور کتمان حق کر رہے ہیں۔ ایسے علماء رئیسوں' مال داروں کے رومال یا تو بڑی بڑی جامع مسجدوں کے خطیب ہوتے ہیں یا کسی مدرسہ کے مہتمم یا قوم کے لیڈر یا مفتی یا کسی مدرسہ کے صدر مدرس ہوتے ہیں' جو نظام شرعی کا تختہ الٹ کر مسلمانوں کی معاشرتی حالت اور ان کی ذہنیت کو منقلب کر ڈالتے ہیں۔ ان کو مال داروں کی طرف سے معقول تنخواہیں' مشاہرے' تحفے تحائف خوب ملتے ہیں اور مداہنت کی اجرت مال داروں کے ہاتھ سے بکثرت ملتی ہے' پھر ان کی طاقت کیا ہے کہ ان کے حضور میں دم نہ ہلائیں۔

سرکشوں پہ کس طرح ہو نصیحت کارگر
زنگ عصیاں سے دل ان کا سخت پتھر ہو گیا

کس طرح پائیں خدا کی راہ بیچاری عوام
مولوی درویش ہر اک طالب زر ہو گیا

پس ایسے علماء سوء سے بچنا چاہئے اور ان کی شہرت سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے' کیونکہ رب مشہور لا اصل لہ "کہ کئی مشہور ہستیاں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔"

شاہی علماء: علماء سوء کا ایک طبقہ شاہی علماء کا ہے' جو مختلف ممالک کے نوابوں اور دنیوی بادشاہوں کے زیر اثر اور ان کے مقرب ہیں' کوئی قاضی ہے اور کوئی قاضی القضات ہے اور کوئی مفتی اعظم ہے اور کوئی مشیر خاص یا وزیر اعظم ہے۔ یہ علماء قرآن وحدیث کا خاص علم نہیں رکھتے اور نہ کتاب وسنت سے ان کو شغف ہے۔ تقلیدی مذاہب کی ملاوٹ ان کے عقیدہ وعمل میں ہے۔ پھر یہ دنیوی حکومت کے ماتحت ہیں' اظہار حق نہیں کر سکتے اور نہ خالص کتاب وسنت کی دعوت دے سکتے ہیں اور نہ ان کو خلافت علی منہاج النبوت کی تلقین کر سکتے ہیں۔ یہ بھی باب الحیل کی تلاوت کرتے ہوئے مصلحت' مداہنت' کتمان حق سے زیادہ کام لیتے ہیں اور اپنی فقاہت اور اجتہادی قوت سے حسب موقعہ ومحل مسائل بیان کرتے ہیں۔ ملک کابل' ملک ترکستان' ملک عراق وغیرہ ممالک اسلامیہ وغیر اسلامیہ میں بعض علماء شاہی کا یہی حال ہے۔ اس واسطے امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ھل افسد الدین الا الملوک واحبار سوء رھبانھا۔

گمراہ فرقوں کے علماء: ایک طبقہ گمراہ فرقوں کے علماء کا ہے' جس میں مرزائی' چکڑالوی' نیچری' رافضی' خارجی' معتزلہ' جھمیہ' مرجیہ' قدریہ' متعصب مقلدین خصوصاً فرقہ اہل ہوئی بریلویہ وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان کو ٹھیٹھ اسلام اور کتاب وسنت کی صاف تعلیم سے کچھ تعلق نہیں ہے' یہ ہوائی قیاس آرائی' تقلید شخصی کے پابند ہیں' جو سب بہتر گمراہ فرقوں میں داخل ہونے کے باعث علماء سوء ہیں اور کلھم فی النار خالص مسلمانوں کو ان سے بھی بچنا چاہئے اور ہر ایک سے مسئلہ دریافت کر کے گمراہ نہیں ہونا چاہئے' کیونکہ حق مذہب اور فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے' جس کا نام اہلسنت اور اہلحدیث ہے' یہی سواد اعظم ہے' جس میں شامل رہنے کا حکم ہے اور یہی گروہ ہدایت پر ہے' باقی فرقے سب گمراہ ہیں' چنانچہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث افتراق امت ذکر کی ہے کہ میری امت کئی فرقے ہو جائے گی۔ کلھم علی الضلالۃ الا السواد الاعظم قالو یا رسول اللہ

من السواد الاعظم قال ما انا علیہ واصحابی۔ (الباعث الحثیث فی فضل علم الحدیث ص۔۲۳ مجمع الزوائد جلد۔۱) یعنی "آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ سب فرقے گمراہ ہیں' سوائے سواد اعظم کے' صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! سواد اعظم کون ہیں؟ آنجناب ﷺ نے فرمایا! کہ وہ لوگ ہیں' جو اس طریقہ پر ہوں جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔"

قرآن شہادت دے رہا ہے کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وحی الٰہی کی اتباع کرتے تھے۔ وحی دو قسم کی ہے۔ وحی جلی اور وحی خفی' وحی جلی قرآن مجید اور وحی خفی حدیث نبوی ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفےٰ برجاں مسلم داشتن

اب جو لوگ قرآن وحدیث کے عالم ہوں اور انہی پر اپنا عقیدہ اور عمل رکھتے ہوں اور مسائل دینی میں انہی سے استدلال کرتے ہوں' ان سے مسائل دریافت کرنے چاہئیں اور انہی سے فیض حاصل کرنا چاہئے۔ ابن ماجہ میں حدیث وارد ہے کہ اذا رایتم اختلافا فعلیکم باالسواد الاعظم۔ یعنی "جب تم لوگوں میں اختلاف اور تفرقہ دیکھو' تو سواد اعظم کو لازم پکڑلو۔" یعنی اس طریقہ کو جس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ پس سواد اعظم سے مراد رسول اللہ اور صحابہ کرام اور ان کے طریقہ پر چلنے والے ہیں' باقی فرقوں میں گمراہی کی ملاوٹ ہے' وہ خالص ہدایت پر نہیں ہیں۔

ما اہل حدیثم ودغارانہ شناسیم
باقول نبی چوں وچراء نہ کردیم

خاندانی علماء: یہ طبقہ علماء سوء کا ہے' جو خاندانی عزوشرف رکھتے ہیں اور اپنے بزرگان دین جن کی کرامتیں اور بزرگیاں مشہور ہو چکیں ہیں کی وجہ سے اکرام کیے جاتے ہیں۔ خود ان میں علم وتقویٰ بالکل مفقود ہے' یا برائے نام کچھ پایا جاتا ہے' لیکن وہ اپنے بزرگوں کی شہرت اور خاندانی شرافت سے یہ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں کہ اپنے معتقدین ومریدین کے پاس شہروں یا دیہاتوں میں چھ ماہ یا سال کے بعد جاتے ہیں اور ان سے نذرانے' تحفے' فی سبیل اللہ دی ہوئی چیزیں' چندے' زکوتیں' خیراتیں جمع کر کے لاتے ہیں اور اسی کو اپنا ذریعہ معاش

سمجھتے ہیں، جیسے مرید لوگ ہوتے ہیں، ویسے ان کی حالت کے مطابق مسائل بتلاتے ہیں۔ کوئی ان کو مقصد حیات بتلا کر ایسی اصلاحی تدبیر نہیں کرتے کہ جس سے مریدین کی دینی یا دنیوی خیر خواہی یا ترقی مقصود ہو، بلکہ ان کو اپنا ذاتی طمع ہوتا ہے۔ جب مراد پوری ہوئی تو ایک مقام سے دوسرے مقام کو دورہ پر روانہ ہو گئے۔ ہر جگہ اپنا اکرام کروا کر پھر رخصت ہو جاتے ہیں۔

بعض خاندانی مولوی برائے نام کوئی مدرسہ بھی جاری کر لیتے ہیں۔ بس پھر پانچوں انگلیاں گھی میں ہو جاتی ہیں۔ اس مدرسہ کی آڑ میں تمام علاقوں اور ملکوں سے چندے لا لا کر جائدادیں اور ملکیتیں قائم کر لیتے ہیں۔ بعض خاندانوں کے کئی کئی مولوی دوروں پر چندوں کے نام سے گداگری کرنے نکل جاتے ہیں۔

الغرض بزرگوں کی خاندانی شرافتیں زمانہ حاضرہ میں ایک ذریعہ معاش بن گئی ہیں، لوگ پشت در پشت لیتے دیتے آرہے ہیں۔ نہ دینے والے انفاق مال کے لئے مستحقین اور غیر مستحقین کا کچھ امتیاز سمجھتے ہیں اور نہ لینے والے نیک نیتی سے لیتے ہیں، بلکہ اپنی خود غرضی کا تخیل ہے، اسی پر کام کئے جاتے ہیں۔

ہمارے موحدین اہلحدیث لوگوں کو بھی خاندانوں کے نام سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، کیونکہ نہ وہ اب بزرگ رہے اور نہ ان کی بزرگیاں رہیں، صرف فضلہ باقی ہے۔ آہ سچ ہے۔

گل گئے گلشن گئے جنگلی دھتورے رہ گئے
چلے گئے عاقل جہاں سے بے شعورے رہ گئے

جدید تعلیم کے علماء: ایک طبقہ جدید تعلیم کے علماء کا ہے۔ یہ طبقہ نصاب تعلیم اسلام (قرآن وحدیث وغیرہ) کی بجائے نصاب تعلیم یورپ کا عالم ہے۔ تہذیب اسلام کی جگہ تہذیب یورپ کا دلدادہ ہے۔ تمدن اسلامی سے متنفر ہو کر تمدن یورپ کا فدائی ہے۔ ان کی وضع قطع، نشست وبرخاست، خورد ونوش، لباس وپوشاک میں طرز یورپ کا رنگ ہے۔ صرف ایک فرق ہے جس کو یہ مقلدین یورپ مٹا نہیں سکے اور وہ یہ ہے کہ یہ کالے ہیں اور یورپین گورے ہیں۔ باقی سیرت اور ظاہری صورت، اعتقاد اور عمل سب اہل یورپ کا ہے۔ صرف مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے زبانی دعویٰ اسلام کا رکھتے ہیں۔ لیکن اسلامی عقائد اور اعمال کو نئی روشنی اور تعلیم یورپ سے متاثر ہو کر صحیح نہیں جانتے، بلکہ قدیم

تعلیم اسلام کو دقیانوسی کہہ کر اپنے نفسانی اجتہاد سے احکام اسلامی کی تنقید کرتے ہیں اور نئے اختراعی عقائد و اعمال کو نجات کے لئے پیش کرتے ہیں۔ زمانہ تعلیم میں چونکہ اس طبقہ کو تعلیم اسلام (قرآن و حدیث) سے بے بہرہ رکھا گیا ہے' اس لئے وہ خصوصیات اسلامی جو اسلام کی تعلیم سے علماء میں پیدا ہوتی ہیں' اس طبقہ میں پیدا نہ ہو سکیں۔ مثلاً اعتقاد توحید' عبادت الٰہی' خوف خدا' فکر عاقبت' للہیت' خلوص' دیانت' امانت' کفایت شعاری' صورت اسلامی' جذبات اسلامی' غیرت اسلامی' حمیت اسلامی' حیا اسلامی غرضیکہ ہر خوبی اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ فنا فی المغربیت ہیں۔ یہ طبقہ علماء یورپین نما انگریزی تہذیب میں ہی عزت سمجھتا ہے۔ اس عہد میں جس قدر حکام اور لیڈر ہیں سب اس طبقہ میں شامل ہیں اور خالص شریعت اسلامیہ کو قانون بنانے سے مانع ہیں۔ اسی وجہ سے اب تک قانون اسلامی جاری نہ ہو سکا اور نہ آئندہ ہو سکے گا' کیونکہ حکومت کی باگ اسی طبقہ کے ہاتھ آ گئی ہے اور انگریز مرشد بن کر جاتے ہوئے اپنے بعض مریدوں اور شاگردوں کو حکومت سپرد کر گئے ہیں۔

لہٰذا خالص موحد مسلمانوں کو اس طبقہ کی گمراہی اور اس کے سیاسی فتنے اور ملحدانہ چالوں اور اختراعی قانونوں سے بچنا چاہئے' نہ حصول آزادی کے وقت ان کا مقصد اعلاء کلمۃ اللّٰہ تھا اور نہ اب ہے۔ ان کا مقصد حیات نفس پروری اور عیاشی ہے' سو وہ ان کو حاصل ہے۔ لیکن مالھم فی الاخرۃ من خلاق۔ "آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔" بہ نسبت دیگر طبقہ علماء کے یہ طبقہ زیادہ ترقی پکڑ رہا ہے' کیونکہ حکومت ان کی ہے اور سکول اور کالج ان کے ہیں۔ جس میں تعلیم دینے والے معلم ان کے ہیں۔ شفا خانے اور ہسپتال ان کے ہیں' پولیس اور تھانے ان کے ہیں' عدالتیں ان کی ہیں۔ اس لئے اکثر محکموں میں تعلیم جدید کا زہر پھیلا ہوا ہے اور مندرجہ ذیل قباحتوں میں مبتلا ہیں۔

خدا تعالیٰ سے نہ ڈرنا' مذہب کی پرواہ نہ کرنا' بلکہ مذہب پر مذاق اڑانا' حاملین مذہب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا' باوجود کلمہ گو ہونے کے رسول اللہ ﷺ کی سیرت' صورت' وضع قطع' طرز شریعت سے نفرت کرنا اور اس قسم کی ساری خرابیاں ان میں موجود ہیں' جو دراصل تعلیم جدید اور سکولوں بعض بے دین ماسٹروں اور کالجوں کے بے دین اور لامذہب پروفیسوں اور پرنسپلوں کی صحبت کا نتیجہ ہیں۔

اب سوائے اس کے مسلمانوں کی اور کوئی اصلاح نہیں ہے کہ اس جدید تعلیم ضلالت

آمیز سے اپنی اولاد کو بچائیں' اگر بالکل نہ بچا سکیں تو ساتھ ہی اس زہر کا تریاق (قرآن وحدیث) استعمال کرائیں کہ اس تعلیم جدید کے ساتھ تعلیم قدیم آسمانی بھی حاصل کراتے جائیں' تاکہ مندرجہ بالا خرابیاں پیدا نہ ہو سکیں۔ یہ تعلیم آسمانی اس تعلیم جدید گمراہ کن کا تریاق ہے۔

خطرناک تعلیم ہے ہوش کیجئے
سیاہ کاریوں کو یوں نہ مول لیجئے

اس طبقہ کے علماء کو قوم کے لیڈر کہا جاتا ہے اور قوم کے ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ عوام اور خواص میں انہی کا اقتدار قائم ہے' لیکن کتاب وسنت کی ان کو ایسی بے خبری ہے کہ مسجدوں کے عام نمازیوں سے بھی جاہل ہیں اور توحید وسنت کے مسائل کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

کیا دین پہ جان دے کے چلائیں گے دین کو
خود جیسے مٹ گئے' مٹائیں گے دین کو

تبلیغ حق کی ان سے کچھ توقع نہیں کی جا سکتی' ان کا مذہب صلح کلی ہے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص وعام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

یہ ایسے مداہن ہوتے ہیں کہ ہر ضال اور مضل' ہادی اور مہدی سب سے یکساں تعلق رکھتے ہیں۔ ہر دیگ کے چمچے' ہر منڈیر کے کوے' ہر چھکڑے کے بیل ہیں' لیکن علماء حق کے سخت ترین مخالف ہوتے ہیں۔ جاہلوں پر اپنا رنگ چڑھا کر ان کے دلوں میں اپنی توقیر اور علماء اہل حق کی تحقیر کا بیج بوتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کو باہم مخلوط کر کے پردہ شرعی انہوں نے اڑایا ہے اور مسلمانوں میں انگریزی طریق کی عیاشی انہوں نے پیدا کی ہے۔ ہر موحد' مسلمان کا فرض ہے کہ ان کے شر اور فتنہ سے محفوظ رہے۔

خلاصتہ المرام: علماء سوء علماء شر کے اس قدر گروہ ہیں کہ سب کا شمار بھی مشکل ہے' ان کی اکثریت ہے اور علماء ربانی کی اقلیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کو اسلامی ملک تو کہا جاتا ہے' لیکن وہ خلافت شرعیہ اور امارت اسلامیہ قائم کر کے اسلامی قانون نافذ نہیں کر سکتے' کیونکہ اکثریت گمراہوں کی ہے۔ جو سب مختلف الحیال' مختلف العقائد' مختلف الاعمال' مختلف الرائے ہیں۔ بدیں وجہ خالص کتاب وسنت کی اشاعت بذریعہ سیاست وتعلیم نہیں کر سکتے'

نہ اس پر عامل ہو سکتے ہیں۔

ہاں یہ سب مل کر کوئی ایسا طرز حکومت ایجاد واختراع کریں گے' جو کتاب وسنت کے خلاف ہو گی' یعنی گمراہی پر تو سب آسانی سے جمع ہو جائیں گے' لیکن ہدایت پر جمع ہونا ایک مشکل امر ہے۔

قانون بنائیں گے تو خلاف شریعت' عدالت کریں گے' تو خلاف شریعت' جنگ کریں گے تو خلاف شریعت' جملہ امور میں شریعت کا خلاف کرتے جائیں گے اور اپنی خواہشات نفسانیہ یا رواج ملکیہ یا دستور انگریزی کے مطابق کام کریں گے۔ جب حکومتیں کتاب وسنت کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئیں اور اکثر ملاں' مولوی' علماء شر بھی ان کے تابع ہو گئے' تو گمراہی عروج پر ہو گئی اور اسلام غریب ہو گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اب اس پر فتن وشر دور میں جو علماء ربانی اعلاء کلمتہ الحق کریں گے' وہ ضرور قسما قسم کی مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے اور جب قرآن وسنت کی اشاعت کرتے ہوئے دعوت الی الحق کریں گے اور اسلامی احکام کا خلاف کرنے والوں' حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے والوں کی اصلاح فرمائیں گے' تو ان کا یہ کام نفس پرست فاسقوں' مال دنیا کے عاشقوں' قیامت کے حساب وکتاب کے منکروں اور بے خوفوں' جاہ و زر کے غلاموں' رسم پرست ملانوں' بزدل شکم پرور مولویوں' نفسانی علماؤں' دنیادار جہلاؤں' ظالم حاکموں' دولت مند امیروں کو ضرور ناگوار گزرے گا اور وہ اہل حق کی سخت مخالفت کریں گے اور ہر ممکن طریق سے ان کو ایذا دے کر دبانے کی کوشش کریں گے اور کئی طرح کے فتنے اور فساد برپا کر کے ان کو مٹانے کی سعی کریں گے اور یہ آج ہی کوئی اہل حق اور اہل باطل کا نیا تصادم نہیں دیکھا گیا' بلکہ ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ منکرین' فاسقین' کافرین' منافقین' مبتدعین' مفسدین ہمیشہ مومنین' صالحین انبیاء راسخین' علماء متقین' اولیاء صادقین' داعین الی الحق سے عداوت اور مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔

چنانچہ اقوام اہل حق کی تاریخیں اس حقیقت سے لبریز ہیں کہ ہر زمانہ میں داعیان حق کو ضرور باطل کے فرزندوں سے دوچار ہونا پڑا اور وہ حق پر نہایت صبر واستقلال سے قائم رہ کر اپنی عزت اور جان کی قربانی دیتے رہے' چنانچہ چند بزرگان دین کی فہرست اہل حق کی عبرت کے لئے پیش کرتا ہوں' تاکہ علماء ربانی' داعیان حق خصوصاً اور دیگر حق پرست احباب عموماً

حق وباطل کے جنگ کے وقت اسی طرح ثابت قدم رہ کر قربانیاں دیتے رہیں۔

فہرست بزرگان دین صابرین داعیان حق: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں ہابیل اور قابیل کے درمیان حق وباطل کا مقابلہ ہوا' تو اس معرکہ میں ہابیل شہید ہوا اور قابیل دائمی جہنمی قرار پایا۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام نو سو سال سے زائد عرصہ تک باطل کا مقابلہ کرتے رہے اور ان کی قوم کافرین مارپیٹ اور ہر قسم کی ایذا ان کو پہنچاتی رہی۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم میں جو حق وباطل کے معرکے قائم ہوتے رہے' وہ شہرہ آفاق ہیں' ان کو چخہ میں ڈالا گیا' اس سے بچے تو ملک سے نکالا گیا۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف میں حق وباطل کا تصادم ہوا' تو حضرت یوسف علیہ السلام نے نہایت صبر سے ان کے مظالم کو برداشت کیا۔ پھر زلیخا سے دوچار ہونا پڑا' تو حق پر قائم رہنے کی ہی وجہ سے قید کی مشقت کو اٹھانا پڑا۔

(۵) حضرت زکریا علیہ السلام کو حق وباطل کی جنگ میں آرہ سے چیر دیا گیا۔

(۶) حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی ظالموں نے حق پہ استقامت رکھنے کی وجہ سے قتل کیا۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا فرعون کے ساتھ مقابلہ ہوا' تو آخر ان کو مصر سے نکلنا پڑا' فرعون نے پھر بھی تعاقب کیا۔ جب دریائے نیل پر حق وباطل کا معرکہ گرم ہوا' تو فرعون اور اس کی قوم کو غرق دریا کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ پھر ان کی قوم نے ایذائیں دیں' تو صبر کیا۔

(۸) حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کی قوم نے ستایا اور ملک سے نکالا' آخر ظالموں نے سولی دینے کا اردہ کیا' تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا۔

(۹) جناب سیدالانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو تبلیغ حق کی اور حق کی طرف دعوت دی' تو قوم نے مقابلہ کیا اور ظلم پر ظلم کرتی رہی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار مار کر زخمی کیا گیا' آخر وطن سے نکلا گیا' بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں کا پیچھا کیا گیا۔

(۱۰) اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی حق کی دعوت پر توہین اور بے عزتی کی گئی۔

(۱۱) علاوہ انبیاء عظام علیہم السلام کے ان کے متبعین صادقین سے بھی ایسے واقعات گزرے ہیں' چنانچہ رجل یسعی جس کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے' ان کا بھی یہی حال ہوا کہ

جب انہوں نے حق کی حمایت کی، تو اہل باطل نے ان کو بری طرح قتل کیا۔

(۱۲) صحابہ کرام سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے واقعات شہادت شہرہ آفاق ہیں اور حضرت بلال، صہیب، زید، خبیب، ابوذر، سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے اندوہناک واقعات بھی تاریخی دنیا میں مشہور ہیں۔ سب نے حق و باطل کی جنگ میں قربانیاں دیں اور اہل حق کے لیے نمونے قائم کیے۔

(۱۳) ابویزید بسطامی کو بسطام کے مولویوں نے سات مرتبہ شہر سے جلا وطن کیا۔

(۱۴) جنید بغدادی پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور بدنام کیا گیا۔

(۱۵) ذوالنون مصری کو مصر سے طوق زنجیر ڈال کر نکال دیا گیا۔

(۱۶) محمد بن فضیل کو اہلحدیث ہونے کی وجہ سے رسی ڈال کر بلخ سے نکالا گیا اور انہوں نے صبر سے برداشت کیا۔

(۱۷) حکیم ترمذی کو لوگوں نے ان کی کتابوں کا انکار کر کے شہر بدر کر دیا۔

(۱۸) ابوعثمان مغربی کو جو بڑے عابد اور عالم تھے، علویہ نے ایک اونٹ پر سوار کر کے مکہ کے بازاروں میں گشت کرا کر مکہ سے نکال دیا۔

(۱۹) علامہ سبکی کو جو متبع سنت تھے، کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔

(۲۰) امام ابوبکر نابلسی کو گرفتار کر کے مصر کی جانب روانہ کیا، ان پر بادشاہ کے سامنے گواہی دی، پھر زندہ کی کھال اتارنے لگے۔ وہ قرآن پڑھنے لگے، تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو مار کر کھال اتارو۔

(۲۱) ابوالقاسم نصیر آبادی کو جو صلاح و زہد و اتباع سنت میں ممتاز تھے، بصرہ سے نکالا گیا۔

(۲۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حق پر قائم رہنے کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے اور قید کر دیا گیا، حتیٰ کہ وہ قید خانہ میں ہی شہید ہوئے۔

(۲۴) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ خلیفہ ابوجعفر نے اس لئے توڑ دیا تھا کہ انہوں نے ایک فتویٰ خلیفہ کے خلاف دیا تھا۔

(۲۵) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ خلق قرآن پر سخت اذیتیں دی گئیں اور قید کیا گیا۔

(۲۶) امام المجاہدین امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کو جلا وطنی، تشہیر، قید، تعزیر کی سخت ترین مصیبتیں ابنائے زمانہ نے دیں اور انہوں نے نہایت

صبر و سکون سے ان کو برداشت کیا۔

(۲۷) امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور محدث گزرے ہیں' ان کو حق و باطل کے معرکہ کار زار میں اس قدر مارا گیا کہ وہ شہید ہو گئے۔

(۲۸) امام الدنیا فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو چھ لاکھ حدیث کے حافظ تھے' بخارا سے نکالا گیا' وہ ہجرت کر گئے اور خرتنک میں جا کر شہید ہوئے۔

(۲۹) شیخ احمد سرہندی کو جہانگیر بادشاہ نے سجدہ تعظیم نہ کرنے پر تین سال قلعہ گوالیار میں قید رکھا۔

(۳۰) حضرت مرزا جانجاناں کو مرزا نجف خاں کی جماعت سے شہادت ملی۔

(۳۱) حضرت مولانا عبداللہ صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو توحید و سنت کی تبلیغ کی وجہ سے افغانستانیوں نے باطل کی حمایت کرتے ہوئے طرح طرح کی تکلیفیں دے کر ملک کابل سے نکال دیا اور وہ ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔

(۳۲) امام المحدثین مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم محدث ملتانی کو توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید کے سبب سے دہلی میں کئی مسجدوں سے نکالا گیا اور مارا پیٹا گیا' جیل بھیجا گیا' زہر دیا گیا' لیکن آخر عمر تک وہ باطل کا قلع قمع کرتے رہے۔ شمس العلماء حضرت میاں صاحب مرحوم کو لامذہب و کافر کہا گیا۔ عارف باللہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بوجہ ترجمہ کرنے کلام اللہ کے کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور قتل کرنے کے لئے حملہ کیا گیا۔ نیز شاہ اسماعیل شہید کا دہلی میں وعظ بند کیا گیا اور بوجہ تقویۃ الایمان لکھنے کے فتویٰ کفر لگایا گیا۔

(۳۳) حال ہی میں مولانا حافظ عبدالستار صاحب محدث دہلوی کو جب کہ وہ بوجہ انقلاب ملک ہند سے پاکستان کراچی میں آ کر آباد ہوئے' باطل پرستوں نے مسجد چھین لی اور ان کی تعمیر کردہ عبادت گاہ سے ان کو نکال دیا گیا۔ بایں وجہ کہ وہ توحید و سنت کی تبلیغ میں سرگرم ہو کر شرک و بدعت کی بیخ کنی کرنے لگے۔

(۳۴) جناب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی کو اظہار صداقت کی وجہ سے حکومت پاکستان نے نظر بند کر دیا۔

(۳۵) مولانا ثناء اللہ صاحب کو حق و باطل کے مقابلہ میں ٹوکہ سے زخمی کیا گیا۔

(۳۶) مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوناگڑھی پر باطل کتابوں کی تردید کی وجہ سے مقدمہ چلایا گیا۔

شروع مضمون میں یہی عرض کیا گیا تھا کہ امت محمدیہ سابقہ اُمتوں کی گمراہیاں اختیار کر رہی ہے۔ چنانچہ بیت المقدس میں کلمہ گو اہل کتاب کفار نے تین سو نبیوں کو قتل کر دیا تھا۔ الغرض کسی کو قید کر دیا گیا اور کسی کو جلاوطن کیا گیا اور کسی کو قتل کیا گیا۔ یہی امت محمدیہ ﷺ کے گمراہ اور ظالم کرتے ہیں اور کر رہے ہیں اور کرتے رہے گے۔ موجودہ حکومتیں بھی ایسے مظالم میں ان سے کم نہ رہیں گی' علماء اہل حق کو ستائیں گی' انشاء اللہ۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا

عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث' جلد۔۳۱

شمارہ۔۴' ۶' ۷' ۸' ۹' ۱۰ مورخہ۔۱۵ صفر' ۱۵ ربیع الاول' یکم و۱۵ ربیع الثانی' یکم و۱۵ جمادی الثانی سنہ۔۷۰ ۱۳ھ

علماء کے دو طبقے

مسلمانوں کے حالات غلامی اور آزادی پر ایک مذہبی نظر

یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی ملک کو فتح کر کے اس کے باشندوں پر سیاسی غلبہ اور اقتدار پا لیتی ہے' تو فاتح قوم کا اثر صرف مفتوح اقوام کے جسموں تک محدود نہیں رہتا' بلکہ وہ ان کے دلوں اور دماغوں کو بھی مسخر کر لیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مفتوحہ اقوام اپنے قومی خصائص و روایات اور ملی شعائر و علامات کو نہ صرف نظر انداز کر دیتی ہیں' بلکہ ایک مدت کے بعد عمل تجاذب کے مسلسل جاری رہنے کے باعث آخرکار وہ ان سے نفرت کرنے لگتی ہیں اور پھر ان کے لیے فاتح قوم کی نقالی اور کورانہ تقلید ہی سرمایہ افتخار بن جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کو انگریزوں نے اپنی سیاسی قوت اور غلبہ سے فتح کیا اور وہ فاتح کہلائے۔ ہندوستانی قوم مغلوب ہو گئی' تو وہ مفتوحہ کہلائی۔ پس مسلم قوم مغلوب نے عرصہ بعید تک انگریزوں کے محکوم رہنے سے اپنی قومی روایات و مذہبی خصائص و ملی شعائر و علامات کو نظر انداز کر دیا اور فاتح قوم کی نقالی اور کورانہ تقلید اختیار کر لی' جن میں سے ایک طائفہ قبیلہ ارباب فکر و علم بچا' جنہوں نے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم (کتاب و سنت) میں اپنا شغل رکھا اور مساجد اور مدارس اسلامیہ کو لازم پکڑے رہے اور اس تعلیم کے اثر سے متاثر رہنے کی وجہ سے فاتح قوم انگریز کی تقلید اور نقالی سے محفوظ رہے اور ان کی تعلیم اور سیرت سے متاثر نہ ہوئے۔ باقی لوگ انگریزی تعلیم و تربیت میں داخل ہو کر مذہب اور سیرت کی رو سے مسخ ہو گئے۔

اس طرح مسلم قوم دو طبقوں میں منقسم ہو گئی' ایک وہ طبقہ جنہوں نے عربی مدارس قائم کیے اور ان کے ذریعے دینیات' قرآن و حدیث وغیرہ کی تعلیم کا ذوق رکھتے رہے اور اسی کو اپنا شغل بنا لیا' یہ تو قدیم تعلیم یافتہ طبقہ کہلائے' جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ طبقہ علم و عمل' وضع اور سیرت کے لحاظ سے قدیم ہے' کیونکہ ان کا دین اور مذہب قدیم ہے۔ دوسرا وہ طبقہ جو انگریزوں سے تعلیم اور تربیت لیتا رہا' وہ طبقہ جدید تعلیم یافتہ کہلایا۔ انہوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی اسی میں سمجھی کہ مسلمان انگریزوں کی زبان سیکھیں' ان علوم اور فنون میں

مہارت حاصل کریں، حتیٰ کہ تہذیبی وتمدنی ومعاشی لحاظ سے بھی انہی کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اب یہ دونوں گروہ باہم علم وعمل، وضع وسیرت کے لحاظ سے مخالف ہو گئے۔ چال ڈھال، وضع قطع، فکر ودماغ کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد بن گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعلیم کی بھی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک قدیم دوسری جدید، دونوں تعلیموں کی درسگاہیں بھی جدا جدا ہو گئیں۔ قدیم تعلیم کی درسگاہ کو علم قدیمہ کی طرف نسبت کر کے ان کا وہی نام رکھا گیا۔ مثلاً دارالعلوم عربیہ، مدرسہ دارالکتاب والسنہ، مدرسہ اسلامیہ، مدرسہ محمدیہ، مدرسہ مظاہرالعلوم، مدرسہ احیاء الاسلام وغیرہ وغیرہ اور جدید تعلیم کی درس گاہ کو سکول، کالج، پرائمری سکول، ہائی سکول وغیرہ وغیرہ ناموں سے موسوم کیا گیا۔

ان دو قسموں کی درس گاہوں کی حالت اور کیفیت علمی، تعلیمی، عملی جدا تھی۔ اسلامی درسگاہوں میں صرف علمائے دین اور خالص مسلمان طلباء ہوتے تھے اور سکولوں، کالجوں میں مخلوط قومیں ہوتی تھیں۔ مثلاً عیسائی، یہودی، ہندو، آریہ، دہریہ، مسلمان وغیرہ۔ جدید تعلیم سرکاری نظام کے ماتحت ہونے کے باعث ترقی کر گئی اور قدیم تعلیم مغلوب ومحکوم لوگوں کے ہاتھ میں رہ جانے سے مغلوب ہو گئی۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ سکولوں، کالجوں میں رہنے والے مسلمان اپنی قومی روایات اور ملی شعائر اور مذہبی تہذیب کو نظرانداز کر گئے اور غیر قوموں کی تہذیب وتمدن، وضع قطع سے متاثر ہو کر ان میں جذب ہو گئے اور مندرجہ ذیل نتائج کاان میں ظہور ہوا۔

(۱) خدا تعالیٰ سے بے خوفی۔

(۲) مذہب کی پرواہ نہ کرنا، بلکہ مذاق اڑانا۔

(۳) اہل مذہب کو حقارت سے دیکھنا۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ، صورت وسیرت، وضع قطع، آپ کے طرز معاشرت سے نفرت کرنا۔

(۵) علمائے دین کو چھوڑ کر بے دین ماسٹروں اور لامذہب پروفیسروں کی اطاعت کرنا۔

(۶) مردوں اور عورتوں کی یکجا تعلیم کر کے ان کو ایک کلاس میں بٹھانا۔

(۷) ارکان اسلام کو چھوڑ دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسی واسطے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے فرمایا تھا۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں آئے صدا لا الہ الا اللہ
چشم بینا سے ہی جاری ہوئے خوں
علم حاضر سے ہے دین زار وزبوں

(بال جبرائیل)

صرف دینی درس گاہوں کے مسلمان اپنی مذہبی تعلیم سے متاثر رہے اور اعتقاداً وعملاً اسلام پر قائم چلے آئے اور وہ انگریزی داں مسلمانوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے' حتیٰ کہ ان دو طبقہ کے لوگوں میں کسی طرح کی رقابت اور چشمک زنی پیدا ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم تعلیم کے علماء جدید تعلیم کے عالموں سے مخالف رہے اور جدید تعلیم کے گروہ' قدیم تعلیم کے علماء کی شکل دیکھنے کے روادار نہ ہوئے' حتیٰ کہ ہندوستان میں سیاسی تحریک شروع ہوئی اور سب لوگ آزادی کے خواہاں ہو گئے۔ اس تحریک آزادی نے رفتہ رفتہ دونوں طبقوں کو غرض مشترک ہونے کی وجہ سے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا' جس سے دونوں قریباً متفق ہو گئے اور ہر دو طبقوں کی باہمی کش مکش کم ہو گئی اور سب باہم مل بیٹھنے لگے۔ اس آپس کے میل جول' باہمی تبادلہ خیالات' وطنی حالات' ملکی ومذہبی سیاسیات' بین الاقوامی صورت حالات سے واقفیت پیدا ہو گئی اور ہر طبقہ کو اپنی اپنی کوتاہیوں اور نقائص کا احساس ہوا اور ہر دو طبقہ کے حل وعقد نے قوم کے مرض کی تشخیص کرلی اور اس تشخیص پر متفق ہو گئے کہ مسلمانوں کو مغربی تعلیم اور مغربیوں کی کورانہ تقلید نے ایک خطرناک راستہ پر ڈال دیا ہے' اب اس کا تدارک ہونا چاہیئے' ورنہ مسلم قوم مٹ جائے گی اور انگریز کا تسلط رفتہ رفتہ مذہب پر بھی ہو جائے گا۔ تب دونوں طبقوں نے باہمی غور وفکر کے بعد اصلاح کی یہ تجویز کی کہ مدارس عربیہ میں علوم عصریہ داخل نصاب کئے جائیں اور تعلیم مغربی میں علوم دینی شامل کئے جائیں' چنانچہ اس کی کوشش شروع ہوئی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی درسگاہیں جدا جدا بھی برابر چلتی رہیں۔ حتیٰ کہ آزادی کی سیاسی تحریک زور پکڑ گئی اور مسلمانوں کے دونوں طبقے حصول آزادی پر کمربستہ ہو گئے' لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے دونوں طبقہ کے بعض لوگ کانگریس پارٹی میں شامل ہو کر کام کرنے لگے اور بعض مسلم لیگ سے مل کر آزادی کے خواہاں ہوئے۔ آخر جب سب آزادی لینے

میں کامیاب ہو گئے' تو ملک کی تقسیم کا نزاع پیدا ہو گیا' کانگریس پارٹی تقسیم ملک کے مخالف تھی اور مسلم لیگ تقسیم ملک کی حامی اور محرک تھی۔ اس نزاع نے ایسا زور پکڑا کہ ان دونوں پارٹیوں کی درسگاہیں اسی غرض کو پورا کرنے کے لیے قائم کی گئیں' لیکن پھر بھی خالص دینی درسگاہیں اور جدید تعلیم میں عرصہ تک سیاسی جنگ رہی' جس میں دونوں طبقوں کے علماء بھی شامل ہو کر باہم لڑتے رہے۔ آخرکار مسلم لیگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی اور اس کامیابی کی وجہ یہ ہوئی کہ قدیم تعلیم کے علماء نے جدید تعلیم کے گروہ کو یوں برسراقتدار کیا کہ انتخاب ارکان اسمبلی کے وقت جب سیاسی جنگ شروع ہوئی' تو اکثر علمائے اسلام نے اس کو جنگ اور کفرواسلام کا مقابلہ قرار دے کر عوام الناس کو اس بات پر ابھارا کہ سب لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں اور کسی پارٹی کو نہ دیں۔ اگر مسلم لیگ کے مقابلہ میں کانگرس یا یونینسٹ پارٹی کو ووٹ دیا گیا' تو یہ عین کفر کی حمایت ہو گی' جس سے کفر لازم آئے گا اور ووٹ دینے والا حامی کفر ہونے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ چنانچہ جلسے ہوئے' اخباروں اور اشتہاروں' ٹریکٹوں کے ذریعہ اس کی عام اشاعت ہوئی' جس سے عوام بہت متاثر ہوئے اور ساتھ ہی جدید تعلیم کے لیڈروں نے حلف اٹھائے اور قرآن ہاتھ میں لے کر عہد کیے کہ ہم اسلامی حکومت قائم اور اسلامی قانون نافذ کریں گے' جس کا انجام یہ ہوا کہ مسلم لیگ کے لیڈر کامیاب ہو گئے اور ملک تقسیم ہو گیا اور مسلمانوں کو ایک علیحدہ خطہ مل گیا' جو پاکستان کے نام سے شہرہ آفاق ہوا۔ اس سیاسی انقلاب اور ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں ہندو' مسلمانوں کی بڑی جنگ ہوئی' جس میں مسلمانوں کو جان' مال' عزت کی قربانی دینی پڑی۔ آخر مسلمان امن قائم کرنے میں غالب آئے اور اپنے ملک کی حفاظت میں کامیاب ہو گئے۔ پھر پاکستان میں نئی حکومت قائم کرنے کی تحریک شروع ہوئی' اس پر پھر وہ دونوں طبقے جن کا ذکر پہلے ہوا تھا' قدیم تعلیم کے شرعی علماء اور جدید تعلیم کے مغرب زدہ علماء حکومت کی نوعیت میں باہم مختلف ہو گئے۔ دونوں طبقہ کے علماء میں اپنی اپنی تعلیم کا اثر ظاہر ہونے لگا' چنانچہ جدید تعلیم کے علماء جن کو مسلمانوں نے اپنی کوشش سے برسراقتدار کیا تھا اور ملک کے لیے قربانیاں دے کر ان کو امانت سپرد کی تھی' وہ تو انگریزی طرز حکومت قائم کرنے پر آمادہ ہوئے' کیونکہ وہ اسی علم کے عالم تھے اور اسی تہذیب کے دلدادہ تھے اور اسی تربیت کا ان پر اثر تھا اور انگریز اپنی روحانی وراثت ان میں چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اس امر کی

کوشش میں وہ انگریزوں سے اور ملک یورپ کے ماہرین تجربہ کاروں سے مشورے کرتے تھے اور آئین حکومت میں ان سے امداد لیتے تھے اور اس پر مسلمانوں کو ابھارتے تھے اور اسلامی قانون اور علماء اسلام کی مذمت کرتے تھے اور قدیم تعلیم کے علماء حکومت اسلامیہ شرعیہ قائم کرنے کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حکومت بطور خلافت اسلامیہ قائم ہونا ضروری ہے۔ جس کے قائم کرنے کا اللہ ورسول نے حکم دیا ہے اور جس صورت سے بانی اسلام حضرت محمد ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے قائم کی تھی' کیونکہ ملک اللہ کا ہے' تو اس میں قانون بھی اللہ تعالیٰ کا ہی نافذ ہونا چاہیئے۔ ہمارے پاس تو ملک الٰہی صرف امانت ہے' جس میں اپنی اپنی طرف سے قانون بنا کر خیانت کرنا جائز نہیں ہے۔ تمام لیڈران قوم کا یہ عہد بھی تھا کہ جب آزادی حاصل ہو گئی اور پاکستان بن گیا' تو آئین شرعی نافذ کیا جائے گا۔ اب اس عہد کا ایفاء کرنا لازم ہے۔ غرضیکہ اس آسمانی تعلیم کے علماء نے اس تعلیم کا اثر ظاہر کیا' اس سے دونوں طبقہ کے علماء کی مخالفت شروع ہو گئی اور عرصہ تک نزاع جاری ہی رہا۔ آخرکار قرارداد مقاصد کے ذریعہ مغربی علماء نے تسلیم کر لیا کہ کتاب وسنت کی رو سے اسلامی حکومت قائم کی جائے گی اور اب کہا جا رہا ہے کہ آئین شرعی کی تشکیل تیار ہو رہی ہے۔ اب آئندہ دیکھنا چاہیئے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟ دونوں متفقہ طور پر آئین اسلامی نافذ کرتے ہیں یا اور اختراعی قوانین کی تشکیل تیار کر کے باہم سیاسی جنگ کے لیے میدان تیار کرتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے' آمین۔

عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث' جلد۔۳۳' شمارہ۱ مورخہ یکم محرم الحرام سنہ۔۷۲ھ

فرضی مناظرے

ایک اصلاح طلب مسئلہ

بعض مدارس اسلامیہ میں طلباء کو غیر مذاہب اور گمراہ فرقوں سے مناظرہ کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے' جو زمانہ حاضرہ میں نہایت ضروری ہے' لیکن اس کی تعلیم کا یہ طریقہ غیر مشروعہ جو اختیار کیا گیا ہے کہ ایک طالب العلم کو اہل حق کی طرف سے کھڑا کیا جاتا ہے اور دوسرے طالب العلم کو اہل باطل کی طرف سے تجویز کر کے کھڑا کیا جاتا ہے اور پھر دونوں کا مناظرہ کرایا جاتا ہے۔ یہ طرز اور طریق تعلیم شرعی نکتہ نگاہ سے میری تحقیق میں ناجائز ہے اور بعض مدرسوں میں جو یہ عمل درآمد ہو رہا ہے' یہ قابل اصلاح ہے۔ چنانچہ اخبار الاعتصام مطبوعہ ۱۱ جمادی الاول سنہ ۱۳۷۰ھ جلد ۳۱' ص ۲۸' کالم نمبر ۳ میں بعنوان "اوکاڑہ میں مناظرہ" مدرسہ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے طلباء کا ایک مناظرہ شائع ہوا ہے' جس کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے۔ "طلباء نے آپس میں مناظرہ کیا۔ زیر بحث علم الغیب تھا۔ اہلحدیث کی طرف سے مولانا عبدالعزیز صاحب مناظر تھے اور مخالفوں کی طرف سے مولانا محمد ابراہیم صاحب' دونوں حضرات ایک دوسرے کو خوب خوب جواب دیتے رہے اور دونوں حضرات مساوی رہے۔"

اب اس فرضی مناظرہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ اہل باطل کی طرف سے جو مولانا صاحب مناظرہ کے لیے کھڑے ہوئے تھے' وہ فی الواقعہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ یا جناب نبی کریم ﷺ کے حق میں علم غیب کلی کا عقیدہ رکھتے تھے' یا نہیں؟ اگر عقیدہ رکھتے تھے اور محض تحقیق حق کے لیے انہوں نے مناظرہ کیا تو پھر بلاشبہ یہ جائز ہے' جیسے عام طور پر حقیقتاً مناظرے ہوتے ہیں اور وہ جائز ہیں' اگر اس فرضی اور مصنوعی مناظرہ میں مخالفین کی طرف سے کھڑے ہونے والے مولانا صاحب کا باطن میں یہ عقیدہ تو نہیں تھا' صرف مناظرہ کی مشق کرنے کے لیے انہوں نے اہل بدعت والشرک کا روپ دھارا تھا اور وہ محمد عمر بریلوی بن کر مناظر بنے تھے' تو ضروری ہے کہ انہوں نے اسی کفری دعویٰ کو اسی طرز سے پیش کیا ہو گا جس طرح کہ وہ بدعتی و مشرک کرتے ہیں اور اسی طرح اس دعویٰ پر آیات قرآنیہ اور

احادیث نبویہ پیش کی ہوں گی' جیسے کہ اہل بدعت کا عام طور پر مناظرہ میں طرز استدلال ہے کہ وہ بے باک ہو کر آیات اور احادیث کو بے محل پیش کرتے ہیں اور اپنی رائے سے اس کا ترجمہ اور مطلب بیان کرتے ہیں' جو صریح کفر اور جدال بالباطل ہوتا ہے۔

تو اب اس تشبہ بالکفار کی صورت میں شریعت الٰہیہ کی رو سے غور کرنا ضروری ہے کہ یہ جائز ہے' یا نہیں؟ فرضی اور مصنوعی طور پر کفری اور شرکی عقیدہ کا اظہار کرنا اور فرضی طور پر کافر بننا اور فرضی طور پر کافرانہ طریق سے آیات واحادیث کا کفری عقیدہ سے چسپاں کرنا اور اس کفر کو ثابت کرنا اور اس کے معارضہ میں اہل حق کے مناظر کے دلائل حقہ کی تاویل کرنا اور ان کی تکذیب کرنا' جیسا کہ علماء مشرکین کا یہ طریق مناظروں میں جاری ہے' کیا شریعت الٰہی اس کو جائز رکھتی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کرنے کرانے اور بننے بنانے کی اجازت دی ہے؟ کیا قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر میں اس پر تعامل پایا گیا ہے؟ کیا سلف صالحین میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ کیا محدثین' متقدمین نے اس طرح مناظرے سیکھے تھے؟ کیا ہمارے بزرگان دین نے مدارس غزنویہ' دلکھویہ ودہلویہ میں مناظرہ کا یہ طریق تعلیم اختیار کیا تھا؟ اب مدارس اہلحدیث جامعہ محمدیہ اوکاڑہ وتقویۃ الاسلام وغیرہ کے اساتذہ کو جو ماشاء اللہ خود علماء فضلاء میں سے ہیں اور جماعت اہلحدیث کے ذمہ دار معلم ومدرس ہیں۔

اس مسئلہ پر غور کر کے جواب دینا چاہیے اور ہر پہلو سے اس کو ثابت کرنا چاہیے' ورنہ اس طریق کار اور صورت تعلیم میں اصلاح فرمانی ہو گی' اگر معاذاللہ اس طرح ظاہراً وصورتاً کافر بن کر مشرکانہ دعویٰ کرتے ہوئے قرآن وحدیث کو باطل طریقہ سے پیش کرنا جائز ہے' تو پھر عیسائیوں کی طرف سے عیسائی بن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا اور اس پر قرآن مجید اور انجیل شریف سے دلائل پیش کرنا بھی جائز ہو گا۔ اسی طرح یہودی بن کر حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی ابن اللہ کہنا درست ہو گا۔ اسی طرح مرزائی بن کر مرزا کو بھی نبی کہنا روا ہو گا۔ پھر اس پر مناظرہ میں ترقی کرتے ہوئے نبی بننا اور نبوت کا دعویٰ کرنا بھی مشروع ہو گا' بلکہ نمرود اور فرعون کا روپ دھار کر خدائی دعویٰ کر کے اس پر ثبوت پیش کرنا بھی جائز ہو گا' کیونکہ اہل باطل کی شکل میں منتقل ہو کر فرضی طور پر مناظرہ کرنا ایک عام اصول ہو جائے گا۔ جس کے متعدد فروع پیدا ہو سکیں گے اور اس کلی کے متعدد جزئیات نمودار ہوں

گے اور اس عام کے بہت سے افراد پیدا ہو جائیں گے۔ سب کو بلا ترجیح آپ حضرات کو جائز کہنا پڑے گا۔ جس کو کوئی موحد' اہلحدیث' متقی' متشرع شخص جائز نہیں کہہ سکتا۔ دیگر علماء محققین اہلحدیث بھی شرعی نقطہ نگاہ سے اس طریقہ تعلیم پر غور فرمائیں کہ یہ جائز ہے' یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر میری تائید فرما کر اپنے مذہبی مدارس میں اس کی اصلاح فرمائیں' اگر جائز ہے تو پھر مجھے دلائل اور تعامل سلف سے سمجھا دیں کہ میں اس طریقہ کو ناجائز سمجھتا ہوں اور اس کے ناجائز ہونے کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) یہ کہ جیسے حقیقتاً کفری عقیدہ رکھنا اور اس پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنا حرام اور گناہ ہے' اسی طرح اس کی مشابہت اختیار کرنا اور اس کا فرضی طور پر روپ دھارنا بھی گناہ ہے۔ بروئے حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم وجہ تشبیہ موجود ہے' تو حکم مشبہ اور مشبہ بہ کا ایک ہی ہوتا ہے۔ کما لا یخفی علی اھل العلم بالکتاب والسنۃ۔

(۲) حدیث شریف میں ہے: لعن اللّٰہ المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء یعنی الاتی یتشبھن بالرجال فی لبسھم وحدیثھم وفی حدیث اخرلعن اللہ المراۃ تلبس لبسۃ الرجل والرجل یلبس لبسۃ المراۃ۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت بننے والے مرد اور مرد بننے والی عورت پر لعنت کی ہے' یعنی اگر وہ ایک دوسرے کی ہیئت لباس میں' صورت میں' سیرت میں اختیار کریں کہ ایک سے دوسرے کی مشابہت ہو تو یہ گناہ ہے' ایسا کرنے والوں پر لعنت آئی ہے۔ اسی واسطے سینما اور تھیٹروں میں جو فرضی صورتیں اختیار کر کے کھیل دکھائے جاتے ہیں' ان کی نیتیں خواہ کچھ ہوں' وہ سب حرام کے مرتکب ہیں اور شرعاً مجرم ہیں۔ اسی طرح دعویٰ میں' دلائل میں' قول سے' زبان سے کافروں اور مشرکوں کی مشابہت اختیار کرنی نیت خواہ کچھ ہو' حرام ہے۔ اسی واسطے قرآن میں اہل ایمان کو راعنا کہنے سے روکا گیا ہے' خواہ نیت ان کی کچھ ہو' کیونکہ اس سے مشابہت بالیہود قول میں لازم آتی ہے۔ بس اسی طرح یہ صورت مناظرہ ناجائز ہے' کیونکہ اس میں دعویٰ اور زبان سے' طریق استدلال سے ایک موحد شخص مشرک اور بدعتی بن جاتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منھم۔ خواہ نیت ان کی کچھ ہو۔ فتذکروا

(۳) علم غیب پر آیات پیش کرنا اور اس پر اپنے خصم سے جھگڑنا کفر ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ما یجادل فی آیات اللّٰہ الا الذین کفروا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں کفار ہی

مجادلہ کرتے ہیں۔ پس فرضی بریلوی بن کر علم غیب کا دعویٰ پیش کرنے والا مناظر جو آیات قرآنیہ ثبوت میں پیش کرے گا اور ان سے غلط مطلب نکل کر اپنے مقابل سے جھگڑے گا' تو یہ صریح کفر ہے' اگر حقیقی طور پر جائز نہیں تو فرضی طور پر ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ من ادعی خلاف ذالک فعلیه البیان بالبرهان۔

(۴) عن ابی امامة رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال ما ضل قوم بعد هدی کانوا علیه الا اوتوا الجدل ثم تلاما ضربوه لک الا جدلا الایة (رواہ ترمذی) یعنی "آنحضور ﷺ نے فرمایا ہدایت پانے کے بعد کوئی فرد گمراہ نہیں ہوتا' مگر جب کہ وہ جھگڑے میں پڑے۔ پھر آپ نے آیت ما ضربوہ لک الا جدلا پڑھی۔" پس موحد ہو کر کفری دعویٰ اختیار کرنا اور اس پر جھگڑنا اس آیت اور حدیث کا مصداق بنتا ہے۔ موحدین اہلحدیث کو ایسے فرضی جھگڑوں سے احتراز کرنا چاہیے۔

(۵) حدیث میں ہے کہ لا تماروا فی القرآن فان المراء فی القرآن کفر کہ "قرآن میں باہم جدال نہ کرو' کیونکہ قرآن مجید میں جدال کرنا کفر ہے۔" جو مولانا مخالفین کے وکیل بن کر مناظرہ کرتے رہے' وہ قرآن میں جدال بالباطل کرتے رہے' وہ کفر تھا اگرچہ اعتقاداً نہ تھا' لیکن زبان سے تو تھا۔ والمراء لا یکون الا اعتراضا هذا کلام الغزالی۔

(۶) حدیث شریف میں ہے کہ من کان یومن باللّٰه والیوم الاخر فلیقل خیرا او لیصمت۔ مومن کو چاہیے کہ نیکی کی بات کرے یا خاموش رہے۔ پس مخالفین کی طرف سے کھڑے ہونے والے مناظر کلمہ خیر نہیں کہتے رہے' کلمہ شر کہتے رہے' جو اس حدیث کے خلاف ہے۔

(۷) جو لوگ عہد نبوی میں نئے مسلمان ہوئے تھے' وہ گفتگو میں سبقت لسانی سے واللات والعزٰی کہہ جاتے تھے' کہ لات اور عزیٰ کی قسم ہے۔ تب آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من حلف فقال فی حلفه واللات والعزیٰ فلیقل لا اله الا اللّٰه کہ جو لات' عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے' اس کو لا اله الا اللّٰه کہنا چاہیے' تاکہ اس غلطی کا کفارہ ادا ہو جائے۔ غیراللہ کے لیے علم غیب کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور اس کے ثبوت کے لیے قرآن اور حدیث پیش کرنا دوسرا کفر ہے۔ جب دو کفر فرضی کافر بن کر کئے گئے ہیں تو اب اس شخص پر کلمہ توحید کا پڑھنا واجب ہوا۔

(۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ کذبات ثلاثہ احادیث میں مشہور ہے' جو حقیقتاً نہ تھے صرف ظاہراً تھے اس پر بھی امام الملتہ الحنیفیہ کو ندامت ہوئی' فتذکر۔

(۹) جو صرف ہنسی مخول سے جھوٹ کہے کہ لوگ خوش ہوں اور ہنسیں تو اس کے حق میں فرمایا : ویل له ویل له ویل له کہ اس کے لیے ویل ہے' ویل ہے' ویل ہے۔ نقل لوگ عموماً ایسے ہی کرتے ہیں اور لوگوں کو تماشا دکھاتے ہیں۔ مصنوعی مناظرہ میں بھی جھوٹ موٹ ایک بریلوی یا مرزائی بن جاتا ہے اور وہ جھوٹی کاروائی کرتا ہے' میرے نزدیک وہ بھی اس وعید میں آسکتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۱۰) جو شخص یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ غیب کلی رکھتے تھے' یا یہ کہے کہ انبیاء' اولیاء غیب جانتے ہیں' وہ جھوٹا ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں آیت یا فلاں حدیث سے ان کے لیے علم غیب ثابت ہوتا ہے' تو یہ اللہ تعالیٰ کے کسی نبی یا ولی کی بابت کرے گا اور پھر اس پر آیت یا حدیث پیش کرے گا' تو وہ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ ہو گا' اگرچہ وہ یہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ چنانچہ وہ جو ایک گھنٹہ یا کم و بیش اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولے گا اس سے یہ سب کچھ سن کر کہنے والا یہ کہے گا کہ یہ جھوٹ ہے اور اس کا دعویٰ جھوٹا ہے' تو وہ اس وعید میں داخل ہو گا : من كذب علي بنى له بيت في جهنم "کہ جو مجھ پر جھوٹ بولے' اس کے لیے جہنم میں گھر بنایا جائے گا۔" تلك عشرة كاملة۔

اب جو شخص ایسے فرضی اور مصنوعی مناظرہ کو جائز کہتا ہے' اس کو چاہیے کہ اس کے جواز کے لیے کم از کم دو تین دلائل پیش کرے اور سلف صالحین کا تعامل ظاہر کرے' تاکہ جملہ مدارس میں یہ طریقہ رائج کیا جائے' کیونکہ بعض علماء اس کو منع سمجھتے ہیں اور اپنے مدارس میں اس صورت سے مناظرہ کرنے اور کرانے سے روکتے ہیں۔ ہاں مرزائی سکولوں اور مدرسوں میں ایسی تعلیم دی جاتی ہے اور عیسائی پادری ایسا کرتے ہیں' لیکن وہ گمراہ ہیں ان کی اتباع کرنی گمراہی ہے۔ گمراہ شخص تو پہلے ہی گمراہ ہے وہ اگر اپنے مخالف کی طرف سے کھڑا ہو گا اور جھوٹ موٹ کاروائی کرے گا تو وہ جھوٹا اور گمراہ ہی رہے گا' لیکن موحد مسلمان متقی شخص ایسا کرے گا تو یہ اس کے لیے موزوں ہے اور نہ جائز ہے۔ میرا ایمان یہ نہیں چاہتا کہ ایک مولوی صاحب جو مومن ہیں خود ہی رام چند بن کر کھڑے ہو جائیں اور مناظرانہ صورت میں اسلام پر یا قرآن پر اعتراض کرنے شروع کر دیں یا سوامی دیانند کی

نیابت میں مناظرہ کرتے ہوئے قرآن وحدیث پر سوال کرنے شروع کردیں یا رافضی بن کر خلفاء راشدین کو ظالم قرار دینے لگیں۔ اگر ہمارے علماء اہلحدیث نے کسی آیت یا حدیث سے اس کا استنباط کیا ہے تو وہ معرض تحقیق میں آنا چاہیے' تاکہ اس پر مجھ جیسے قلیل البضاعت بھی غور کر سکیں اور دیگر اہل علم کو بھی اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع مل سکے۔ انا ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم۔

العبد عبدالقادر عارف الحصاری

اہلحدیث سوہدرہ جلد۔۴' شمارہ۔۱۳ مورخہ یکم اپریل سنہ۔۱۹۵۲ء

صالح اور طالح کا معیار

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان عالیشان واجب الایقان میری نظر سے گزرا جو آب زر سے لکھوا کر ہر گھر میں آویزاں کرنے کے قابل ہے۔ آنجناب ہدایت مآب نے فرمایا ہے :
لا تنظروا الٰی صلوٰۃ احد ولا الٰی صیامہٖ ولا کن انظروا الٰی ورعہٖ اذا اشفٰی۔ یعنی "اے مسلمانو! تم کسی کی نماز پر فریفتہ نہ ہو جاؤ اور اس کے روزہ وغیرہ عبادت پر نظر نہ کرو کہ اس کو نیک یقین کرلو بلکہ اس کی پرہیزگاری کا اس وقت امتحان کرو جب وہ مالدار ہو کر دولت کو پہنچ جائے۔ یعنی جب کوئی غریب اور مفلس ہو کر نماز روزہ کرے تو یہ اس کی عبادات کا امتحان ہے' پھر جب وہ دوسری منزل دولت مندی پر پہنچے اور دنیا کا مال اور سامان اس کو مل جائے' اس وقت اگر وہ خوف خدا رکھ کر لوگوں سے معاملات صاف رکھے' حرام مال اور بے ایمانی' جھوٹ' فریب کاری' امانت میں خیانت سے پرہیز کرے اور صدق وصفائی سے کام کرے اور حق خدائی زکوٰۃ وغیرہ بھی بجا لائے اور نفسانی عیاشی سے بھی بچے اور جذبات شہوانیہ کو بھی روک لے تو پھر اس کو نیک اور صالح سمجھ لو اور یہ جان لو کہ وہ شخص غربت وافلاس کی کلاس اور دولت مندی ومالداری کے درجہ میں پاس ہو گیا ہے اور درس گاہ شریعت سے سند حاصل کرنے کے قابل ہے۔

سبحان اللہ! حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کس قدر دور اندیش اور عمیق نظر رکھنے والے تھے کہ کیا عمدہ ومعقول اور اعلیٰ درجہ کی کسوٹی بیان فرما گئے۔ اس کسوٹی کو سامنے رکھ کر اب ہم اس عہد کے مسلمانوں کو اس پر جانچیں تو اکثر معاشرہ ایسا خراب ہے کہ رونا آتا ہے کہ بڑے بڑے نمازی' تہجد گزار' لمبی داڑھی والے' وظیفچی' حافظ قرآن اور قاری' ملا' مولوی' حاجی' صوفی عمامہ برسر چوغہ دربر' تسبیح ہاتھ میں کھٹا کھٹ' مگر دل میں صفائی نہیں' مکر وفریب کی آرزوئیں ہیں۔

ہاتھ وچہ تسبیح کاٹھ دی تاگے لئی پرو
من میں گھنڈی پاپ دی اللہ کہیا کی ہو

جس کا مال ملا اس کے اڑا لینے پر مستعد ہے۔ حرام حلال کی کچھ پرواہ نہیں۔ ناجائز بیع وتجارت' جھوٹ ودغابازی پر کمربستہ ہے' ادھر مصلے پر تسبیح' دوکان کی تکیہ گاہ پر تسبیح۔

دل دا ٹھاکر ٹھیک نہ کیتا ہتھ وچ پھڑی تسبیح ہے
لوکاں دے وکھاون کارن بن گیا پورا کسبی ہے

آخرت کا ڈر نہیں، اللہ کی طرف دل حاضر نہیں، قرض لیا تو ادا نہ کیا ادھر ادھر کے حساب میں مار لیا، تھوڑی سی منفعت پر ایمان جیسی کثیر دولت جس کی قیمت جنت الفردوس ہے، ضائع کر دی۔ اس عہد کے پیر مشائخ کیا اور عالم وفاضل کیا، حاکم کیا، رعایا کیا اکثر اپنا پیٹ بھرنا قومی خیرخواہی اور ملک وملت کی بہبودی اور ترقی پر مقدم کرتے ہیں۔ پس ایسی حالت کے روزہ، نماز، شب بیداری، ورد ووظیفہ کیا کام آئے گا، وبال جان ہو گا، اگر صرف فرائض الٰہی ادا کریں اور معاشرہ درست رکھیں تو یہ افضل عبادت ہے۔ فقط

عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم شوال سنہ۔۱۳۸۰ھ تا محرم سنہ۔۱۳۸۱ھ

تبلیغ کی اہمیت اور اس میں ہمت و استقلال

کتاب وسنت سے حق کی بہار
اس کے ہر قصے سے حق ہے آشکار

اسلام تمام ادیان کے مقابلہ میں ایک ایسا صادق دین ہے، جس نے تبلیغ احکام ودعوت الی الحق کی سخت تاکید اور اہمیت بیان کی ہے اور اس داعی کا اصلی کام تمام زندگی میں یہی رہا ہے۔ وہ بغیر کسی تیغ و خنجر، فوج و عسکر دعوت حق کی صدا دنیا میں بلند کرتے رہے اور ہر قسم اسباب اور جائز وسائل سے تمام جہاں کو حلقہ اسلام میں لانے اور حق کو قبول کرانے کی جدوجہد فرماتے رہے۔ اگرچہ اعداء اسلام طرح طرح کے روڑے اٹکا کر ان کے سدراہ ہوئے، لیکن وہ صدائے الٰہی کو تمام اقوام میں پہنچانے اور حق کی وصیت اور صداقت کے نور سے دوسروں کو ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت سے منور کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آنجناب نے مستقل عزم سے متوکل علی اللہ ہو کر اس فریضہ کو ایسی کوشش سے سرانجام دیا کہ تمام موانع اور مشکلات کی دیواروں کو ایک ایک کر کے توڑ دیا اور اسلام اور اس کے جملہ احکام کو تمام ممالک میں پہنچایا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ خلق کثیر حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور باوجود قومی اور خاندانی مخالفتوں کے حق کو آگے بڑھانے اور اسلام کو چہار طرف پھیلانے میں دیر نہ لگی۔ آپ کو قلیل عمر میں اللہ نے کامل کامیابی بخشی، اسی طرح آپ کے جانشین اور دیگر فرزندان اسلام اس میدان کارزار میں نکل کر آپ ہی کے اصولوں پر اس فریضہ وتبلیغ کو سرانجام دے کر نمایاں کامیابی حاصل کر گئے۔

حق کی دعوت کے تین اصول: کتاب وسنت پر غور وفکر کرنے سے دعوت الی الحق کے تین اصول ظاہر ہوتے ہیں، جو داعی اسلام کو سکھائے گئے اور ان پر عامل ہو کر آنجناب نے کامیابی حاصل کی ہے۔ ایک حکمت ودانش، دوم موعظت حسنہ، سوم مناظرہ۔ اصل اول حکیمانہ طریق سے اپنے دعویٰ اور دعوت کو دلائل نقلیہ وعقلیہ سے صحیح اور درست ثابت کرنا ہے۔

اصل دوسرا یہ ہے کہ موثر انداز سے مخلصانہ نصیحت کرنا اور مخالف کے غلط طریقہ کار کو نرمی اور خیر خواہی سے واضح کرنا ہے۔

اصل تیسرا یہ ہے کہ جب مقابلہ ہو تو مسلمہ دلائل اور دلپذیر اقوال سے استدلال کر کے اپنے مقصود کو ثابت کرنا ہے اور سختی اور شدت سے کام نہ لینا ہے۔

آنحضرت ﷺ داعی اول اور آپ کے خلفاء اور جملہ مبلغین اہل صلاح نے انہی تین اصولوں سے کام لے کر مخالفوں' مجرموں اور بڑے سرکشوں کے سامنے ہدایت پھیلائی جس سے دعوت بڑی مفید ہوئی اور نصیحت کا اثر عظیم ہوا۔

درخشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا' آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

دور حاضرہ کی نزاکت:

خزاں کے ہاتھ سے گلشن میں خار تک نہ رہا
بہار کیسی نشان بہار تک نہ رہا

زمانہ حاضرہ بڑا نازک ہے۔ اصل صراط مستقیم سے بھٹک کر عوام بلکہ خواص بھی صحرائے ضلالت پر اور دشمنان قرآن' قرآن پر طرح طرح کے حملے کر رہے ہیں۔ منکرین حدیث' حدیث نبوی کی تکذیب میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔ مدعیان اسلام شرک کے علمبردار ہو کر توحید کی بیخ کنی میں مصروف ہیں اور اعداء سنت اہل سنت کہلا کر بدعات میں مبتلا ہیں اور سنت سے استہزا کر رہے ہیں' دشمنان ختم نبوت رسالت صادقہ سے اعراض کر کے نبوت باطلہ سے رشتہ جوڑ رہے ہیں اور اسلام کے عقائد قدیمہ کو بگاڑنے میں مشغول ہیں۔ خواہش پرستی کا نہایت زور ہے' دنیا کے چاروں طرف رنگا رنگ کی گمراہیاں چھا رہی ہیں۔ دریں حالات خیر کی طرف دعوت دینا' امر بالمعروف نہی عن المنکر' تواصی بالحق کرنا اور لوگوں کو ضلالت کی تاریکی سے نکالنا جملہ اہل حق علماء کتاب وسنت کا فرض منصبی ہے کہ سب منظم ہو کر اجتماعی طریقہ سے تبلیغ کا کام سرانجام دیں اور حق کی اشاعت کریں اور انہی تین اصولوں سے کام لے کر جہاد فی سبیل اللہ کریں جو اوپر ذکر ہو چکے ہیں۔ گمراہ فرقوں کی باطل سرگرمیوں سے عبرت حاصل کریں' غفلت اور جمود' خوشامد اور مداہنت خوف اور ملامت سے نکل کر دعوت الی الحق اور ابطال باطل کے میدان میں اتریں اور ہر قسم کے خطرات سے

بے پرواہ ہو کر احکام الٰہی اور پیغام خدائی لوگوں کو پہنچائیں' شرک کی جگہ توحید اور کفر کی بجائے اسلام اور بدعت کی جگہ سنت پھیلائیں اور مرد میدان اور مجاہد بن کر محرمات اور نواہی کے کثیف بادلوں کو تیز وتند ہوا سے چھن بھن کر کے مسلمانوں کے قلوب پر آفتاب ہدایت کے انوار ڈال دیں اور اس تبلیغی کام کو اپنا فرض اولیں تصور کریں۔

ہوشیار ہو اے اسلام کے محافظ
کس کام میں مصروف ہے باطل کی ہوا دیکھ

مولوی محمد رفیق پسروری کا تبلیغی کارنامہ: راقم الحروف خادم المسلمین پسرور ضلع سیالکوٹ میں جماعت اہلحدیث کے سالانہ جلسوں کے موقعوں پر دو بار گیا ہے۔ جو تاثرات حاصل کئے وہ یہ ہیں کہ ضلع کرنال کے علماء مہاجرین میں سے ایک عالم مولوی محمد رفیق صاحب سلمہ ربہ' مبلغ اسلام ہیں' جو مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی کے تربیت یافتہ ہیں دہلی جماعت غرباء اہلحدیث کی طرف سے مبلغ رہ چکے ہیں' اب انقلاب عظیم کے بعد پسرور میں اقامت پذیر ہیں۔ عامل بالقرآن والحدیث ہیں اور عالم ہیں مسلک محدثین پر نہایت مضبوطی سے قائم ہیں۔ توحید وسنت کے بڑے حامی اور شرک وبدعت کے قاطع اور حق کے عظیم الشان داعی ہیں' ہر وقت ہر جگہ احکام شرعیہ کی تبلیغ واشاعت میں نہایت سرگرمی سے مصروف رہتے ہیں۔ باوجود وسائل وذرائع محدود ہونے اور قسما قسم مشکلات پیش آنے کے تن تنہا تبلیغی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اور تحریراً تقریراً احقاق حق اور ابطال باطل میں سرگرم ہیں اور باوجود مخالفین کی اکثریت کے نہایت شجاعت اور جسارت سے یہ مذہبی فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ مخالفین جب مخالفت میں آکر مقابلہ کے لیے ابھرتے ہیں اور ان کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں تو مولوی صاحب ذرا بھر ہمت نہیں ہارتے' بلکہ وہ اپنی تبلیغی مشین کو اور زیادہ تیز چلانے لگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔

یہ ہے وہ کیف جس کا اثر پائیدار ہے
ہم کو شراب حب رسول کا خمار ہے
جتنا وہ چاہتے ہیں دبانا ہمارا جوش
اتنا ہی ولولوں کا دلوں میں ابھار ہے
ممکن نہیں یہ رہرو ہمت کو ہار دے
یہ نشہ وہ نہیں کہ ترشی اتار دے

مولوی صاحب موصوف اس وقت پورے مجاہد فی سبیل اللہ اور غازی ہیں، اگر ان کو جماعت اہلحدیث میں زندہ شہید کہا جائے تو یہ بے جا نہ ہو گا کیونکہ مولوی صاحب موصوف پر تین دفعہ قاتلانہ حملے ہوئے ہیں۔ ایک حملہ تو خونی انقلاب کے دوران میں ہندی کفار نے کیا تھا، جس سے آپ کا ایک بازو کٹ گیا اور چہرا پر بڑا گہرا زخم آیا جس کا نشان نمایاں ہے، لیکن ابھی زندگی باقی تھی، اس لئے موت سے بچ گئے۔

صابروں پر جب کہ ہوتا ہے مصیبت کا نزول
انا للہ کہہ کر اس کو کر لیتے ہیں قبول

دوسرا حملہ کسی بریلوی مشرک نے کیا تھا جو آپ کی تبلیغ، توحید وسنت، تردید شرک وبدعت سے تنگ آیا ہوا تھا۔ وہ شخص خنجر لے کر مولوی صاحب کے مکان پر پہنچا اور دروازے پر کھڑا ہو کر آپ کو آواز دے کر بلایا، جب مولوی صاحب گھر سے باہر دروازے پر آئے تو اس نے خنجر کا آپ پر وار کر دیا، لیکن اللہ حافظ تھا اس نے توفیق دی ایک ہی ہاتھ سے دشمن کا خنجر پکڑ لیا اور بہت طعن وملامت کی اور تھانہ میں لے جانے لگے تو اس نے عاجز اور شرمسار ہو کر معافی مانگ لی اور مولوی صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر منت سماجت کرنے لگا۔ مولوی صاحب نے اس کو معاف کر دیا اور صراط مستقیم کی ہدایت کی۔

در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست

مولوی صاحب کی رحمدلی اور شفقت سے متاثر ہو کر اس نے مولوی صاحب کا مسلک اختیار کر لیا اور دعوت حق کو قبول کر کے موحد ہو گیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ

تمنائے دل مدحت توحید وسنت ہے
یہی ہے دین اور ایمان یہی مقصود ملت ہے

تیسرا حملہ مسجد کے اندر نماز کے وقت ہوا۔ حملہ آور ایک بریلوی مشرک تھا۔ اس نے اپنے گمان میں یہ سمجھا کہ مولوی محمد رفیق وہابی نماز پڑھا رہا ہے۔ اب اس وقت اس پر حملہ کرنا چاہیے۔ حسن اتفاق یہ ہوا کہ اس وقت مولوی صاحب کچھ تاخیر سے آکر جماعت میں ملے اور امامت کوئی دوسرا مولوی کر رہا تھا، جس کا لباس مولوی محمد رفیق سے مشابہ تھا۔ حدیث میں ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم حملہ آور نے مشابہ مولوی امام الصلوٰۃ پر حملہ کیا، جس سے وہ غریب زخمی ہو گیا، لیکن مقتدی لوگوں نے فوراً اس کو پکڑ لیا اور پولیس کے حوالے کر دیا، جس پر مقدمہ

قائم ہوا اور مجرم نے سزا پائی' لیکن اس نے مولوی صاحب اور جماعت سے معافی مانگ لی اور آخر انجام اس کو اپیل میں رہا کرا لیا گیا۔ جس سے وہ مولوی صاحب کا معتقد ہو گیا۔ اس بنا پر اس وقت جماعت اہلحدیث پسرور میں مولوی محمد رفیق صاحب زندہ شہید ہیں' جو بڑے زور و شور سے حق کی تبلیغ کر رہے ہیں اور مخالفین بدستور مخالفت پر لگے ہوئے ہیں۔

اپنے منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

پسرور میں ایک قدیم مسجد اہلحدیث ہے جس میں مولانا جمعہ کی خطابت اور صبح کو درس قرآن دیتے ہیں' لیکن جب انہوں نے رسومات مروجہ کی تردید کی اور بے نمازوں کی تکفیر کر کے ان کی نماز جنازہ پڑھنا پڑھانا ممنوع قرار دیا تو رسمی اہلحدیث ان کی بے لاگ تبلیغ حق کی تاب نہ لا سکے اور ان سے بگڑ کر سخت مخالف ہو گئے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ مولوی صاحب کو جمعہ کی خطابت اور درس قرآن سے روک دیا گیا۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضراز آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

چونکہ مولوی صاحب آراضی مزروعہ کے مالک اور راجپوت زمیندار ہیں' اس لئے کسی کی پرواہ نہیں کرتے' طبیعت میں استغنا ہے' محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بلا معاوضہ فی سبیل اللہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے ان کی مسجد کو چھوڑ کر شہر اور دیہات میں عام طور پر تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا اور نام کے اہلسنت اور اہلحدیث لوگوں کو یہ کہا کہ اگر تم صحیح معنوں میں اہلسنت' اہلحدیث بننا چاہتے ہو تو رسومات اور خواہشات کو ترک کر کے احادیث نبوی کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دو اور ضد اور تعصب کو اپنے دلوں سے نکال دو۔

پردہ تم اپنے تعصب کا اٹھا دو دل سے
اگر ہے تمہیں منظور جلوہ جانان حدیث

مولوی صاحب موصوف نے اپنی تبلیغی خدمات کا اظہار کر کے جب من انصاری الی اللہ کی صدا بلند کی تو پسرور کے ایک مشہور رئیس میاں ابراہیم صاحب ادام اللہ فیوضہٗ نے ندا بلند کی اور کتاب و سنت کی تبلیغ اور اشاعت کرانے کا ذمہ لے لیا اور مالی ایثار اور قربانی کا وعدہ کیا۔ چنانچہ مبلغ ۳۵ ہزار روپے اپنی جیب خاص سے صرف کر کے ایک عالیشان جامع

مسجد تعمیر کر دی اور اس کے ساتھ ایک بلند مینارہ بنا دیا اور مسجد کے پاس ہی ایک کنواں کھدوا دیا اور شہر میں کتاب وسنت کی آواز پہنچانے کے لیے ایک لاؤڈ اسپیکر نصب کروا دیا' جس سے مسجد مذکورہ قرآن وحدیث کی اشاعت کا ایک مرکز بن گئی۔ اب جمعہ کی تقریر اور صبح کا درس قرآن تمام شہر میں پہنچتا ہے۔ مولوی محمد رفیق صاحب بڑی کوشش سے عذرا و نذرا توحید وسنت کی آواز شہر میں پہنچا رہے ہیں اور اس صدقہ جاریہ کا ثواب میاں ابراہیم صاحب بارک اللہ فی مالہ کو مل رہا ہے' اس طرح جب تک یہ مسجد قائم رہے گی اور کتاب وسنت کے احکام مسلسل سنائے جائیں گے اور جلسے ہوں گے اور ان پر توحید وسنت کی بارش ہو گی اور شرک وبدعت کا ستیاناس کیا جائے گا اس جہاد فی سبیل اللہ کا اجر ان کو ملتا رہے گا۔

پسرور میں اہل حق کی تعداد بہت قلیل ہے۔ ہاں رسمی اہلحدیث کافی ہیں' لیکن گمراہ فرقوں کی اکثریت ہے۔ چنانچہ عیسائی' مرزائی' حنفی بریلوی' حنفی دیوبندی وغیرہ بہت فرقے پائے جاتے ہیں۔ جب وہ حق کے خلاف آواز نکالتے ہیں تو مولوی مجاہد صاحب فوراً ان کو منہ توڑ جواب دے کر خاموش کر دیتے ہیں۔ توحید وسنت کی تائید اور شرک وبدعت کی تردید میں انہوں نے متعدد رسالے لکھ کر شائع کئے ہیں' جن سے گمراہ فرقوں کا ناطقہ بند ہو رہا ہے۔ گردونواح کے دیہات میں مولوی صاحب تبلیغی دورہ کرتے ہیں' جس سے ماحول کے لوگ ان سے بہت متاثر اور مانوس ہیں' تمام جماعت اہلحدیث اور علماء کرام کو مولوی محمد رفیق صاحب کے مخلصانہ تبلیغی کارنامے سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور جماعت کے مالداروں اور رئیسوں کو میاں ابراہیم صاحب موصوف کی طرح درد دل سے مالی ایثار کرنا چاہیے اور فاروق اعظم بن کر اپنے اپنے مبلغوں کا جانی ومالی تعاون کرنا چاہئے' تاکہ شرک وکفر کی تاریکیاں دور ہو جائیں اور توحید وسنت کی روشنی چاروں طرف پھیل جائے۔

آخر میں بندہ خلوص دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد رفیق صاحب اور جناب چوہدری محمد ابراہیم صاحب کی اس اسلامی جدوجہد اور مذہبی سعی بلیغ کو قبول فرمائے' آمین۔

جزاهم الله عنا اذ جزیٰ

جنات عدن فی السمٰوٰت العُلیٰ

کتبہ عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد۔ ۳۲' شمارہ۔ ۱۸' ۱۹' ۲۰ مورخہ ۱۵ رمضان' یکم و ۱۵ شوال سنہ۔ ۷۵ھ

ضرورت تبلیغ

پانی میں ہے آگ کا لگانا دشوار
بہتے ہوئے دریا کا پھیر لانا دشوار
دشوار تو ہے مگر نہ اتنا جتنا
بگڑی ہوئی قوم کا بنانا دشوار

جریدہ اہلحدیث جلد سوم' ص ۲۶ مطبوعہ رجب سن رواں میں عنوان "تبلیغی سرگرمیاں" کے تحت ایک مفید مشورہ جناب محترم المقام اخی فی الدین مولوی عبدالکریم صاحب ادام اللہ کرمہ نے جماعت اہلحدیث کے سامنے پیش کیا ہے' جو بہت ہی مبارک اور نہایت ہی مفید ہونے کی وجہ سے قابل عمل ہے۔ یہ خاکسار اس اہم مشورہ سے حرف بحرف متفق ہے اور ہر عالم بالقرآن والحدیث کو اس سے اتفاق کرنا لازم ہے' کیونکہ یہ اس کار خیر کی طرف دعوت ہے' جس کا اجر کامل حج مبرور کے برابر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من غدا الی المسجد لا یرید الا ان یعلم خیرا اویطعمه کان له کاجر حاج تاما حجتہ۔ (رواہ الطبرانی باسناد لا باس بہ) یعنی "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علی الصباح مسجد میں (قرآن یا حدیث) سیکھنے سکھلانے کے لیے جائے اور کوئی ارادہ نہ ہو تو اس کو اس حاجی کے برابر ثواب حاصل ہو گا' جس نے حج پورے طور پر ادا کیا ہو۔"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ وہ بمنزلہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے ہے۔ پس قرآن وحدیث کے معلم و متعلم مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں اور میں تمام افراد اہلحدیث کی خدمت میں پرزور اپیل کرتا ہوں کہ اگر زمانہ حاضرہ اور آئندہ زمانوں کے فتنوں سے بچنا ہے' تو قرآن وحدیث کی تعلیم میں مشغول ہوں' وہ اس علم کی برکت سے تمام مصائب اور گمراہ کن فرقوں سے محفوظ رہیں گے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "عنقریب کئی فتنے ظاہر ہوں گے' جن میں صبح کے وقت ایک شخص مومن ہو گا اور شام کو کافر ہو گا' مگر وہ شخص ان فتنوں سے محفوظ رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے علم شریعت کے ساتھ روحانی زندگی بخشی ہو۔"

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لیس منی الا عالم او متعلم "کہ میری امت میں صرف دو شخص داخل ہیں' ایک عالم اور دوسرا متعلم اور وہ علم جس کو محفوظ پکڑنے سے انسان گمراہ نہیں ہوتا اور فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔" وہ کتاب وسنت کا علم ہے کما ھو مصرح فی القرآن والحدیث۔

پس لازم یہ تھا کہ علماء اہلحدیث ایک جم غفیر کی صورت میں نہایت مستعدی اور عجلت کے ساتھ اس میدان کارزار میں نکل پڑتے اور اس لادینی اور الحاد کے دور میں سادہ لوح ہستیوں کے دلوں میں بذریعہ تبلیغ قرآن وحدیث عزت ووقار پیدا کر کے ان کو تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کر دیتے۔ اس پر آشوب زمانہ میں جو نیچریت اور چکڑالویت کے فتنے برپا ہو رہے ہیں اور منکرین حدیث جو حدیث نبوی پر رذیلانہ حملے کر رہے ہیں' ان پر اپنے علمی اوزار سے مسلح ہو کر یکبارگی پل پڑتے اور ان عناصر خبیثہ کے لیے جو اسلام کے نام پر نشوونما پا رہے ہیں' تازیانہ عبرت بن جاتے' لیکن افسوس صد افسوس ہے کہ جماعت اہلحدیث ایسی سست رفتار ہے کہ کسی مفید سے مفید کام میں بھی سبقت نہیں کرتی اور جو کچھ کرتی ہے وہ موجب ترقی نہیں ہے۔ نہ تو ہمارے بھائی مرزائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر کچھ احساس کرتے ہیں کہ وہ باوجود باطل ہونے کے کس طرح منظم ہو کر اپنے کام میں جدوجہد کر رہے ہیں اور نہ جماعت اسلامی کو ہی دیکھ کر سبق لیتے ہیں کہ انہوں نے چند روز میں کس طرح منظم ہو کر قدم اٹھایا ہے کہ جمعہ جمعہ آٹھ روز میں نمایاں ترقی حاصل کر لی ہے اور حکومت کے سامنے تبلیغی زور سے ایک چٹان بن کر کھڑے ہو گئے ہیں' حالانکہ جماعت اہلحدیث کا یہ اولیں فرض تھا کہ وہ قرآن وحدیث کی اشاعت اور تبلیغ میں ایسے سرگرم ہوتے کہ سب فرقوں پر گوئے سبقت لے جا کر اولئک المقربون کا خطاب حاصل کرتے' مگر چنیں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند۔ یہ ہمارے بھائی سب جانتے ہیں کہ بد اعتقادی اور الحاد کا قلع قمع کرنے اور انجانوں کو ہوشیار اور بے خبروں کو آگاہ کرنے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ تبلیغ ہے' خواہ بطور دعوت الی الحق ہو' یا بصورت تعلیم ہو' خواہ بطور وعظ وتذکیر وانذار ہو۔

چنانچہ انبیاء کے تبلیغی کارناموں کے جاننے والوں پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ انہوں نے عام مخالفوں' مجرموں' سرکشوں کے مقابلہ میں ان کی بدسلیقگی' بدتہذیبی اور درشتی سے درگزر کرتے ہوئے نہایت رفق اور ملاطفت سے تبلیغ کی' جس سے وہ ایسی موثر ثابت ہوئی کہ

منکرین اسلام قائلین اسلام ہو گئے اور اسلام ان کے دلوں میں ایسا گھر کر گیا کہ انہوں نے اسلام پر اپنی جانیں اور مال قربان کر دیئے۔ ان مبلغین صادقین کی تبلیغ مجاہدانہ سے سخت سے سخت مخالفین بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ ہمارے پیارے نبی اکرم الاولین والآخرین ﷺ نے جب تن تنہا مکہ معظمہ اور اس کے ماحول میں تبلیغ کی اور دعوت بالقران کا فرض انجام دیا تو اس کا یہ اثر ہوا کہ حق پسند لوگوں نے اسلام قبول کرتے ہی مبلغین کی جماعت میں اپنا نام دے دیا اور یہ اس لئے ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ کامیابی حاصل کر لینے کے بعد اپنے ماتحتوں کو فی الفور منظم کر لیا تھا اور پھر اسی تنظیمی قوت ہی سے پورے عرب اور عرب سے باہر دیگر ممالک میں اسلام کا پیغام پہنچا دیا تھا۔

اب بھی داعیان الی الحق کا یہ فرض ہے کہ اس کارخیر کو شروع کرنے سے پہلے اپنی تنظیم قائم کر لیں اور یہ اہم کام انفرادی صورت میں سرانجام نہ دیں' بلکہ جماعتی صورت میں سرانجام دیں' تاکہ ید اللّٰہ علی الجماعۃ کی رو سے اللہ کی توفیق شامل حال رہے اور جماعت دن بدن ترقی کرتی چلی جائے۔ جب ملک کے مختلف گوشوں میں قرآن وحدیث کی تبلیغ ایک منظم طریق سے شروع ہو گی اور ہر شہر اور ہر گاؤں کی مسجد کا حلقہ تبلیغ سے پر ہو گا اور مبلغین اصحاب صفہ کی طرح مخلصانہ طریق سے تبلیغ کا فرض منصبی ادا کریں گے تو قرآن وحدیث کی روشنی تمام جہالت کی تاریکیوں پر دن دگنی اور رات چوگنی ہو کر پھیل جائے گی۔ پس جملہ اہلحدیث کو چاہیے کہ جمعیتہ التبلیغ اہلحدیث کی رکنیت قبول کر کے تبلیغی سرگرمیوں میں پورا پورا حصہ لیں۔

عبدالقادر عارف الحصاری

اہلحدیث سوہدرہ جلد۔۳' شمارہ۔۴۱' مورخہ یکم جون سنہ۔۱۹۵۱ء

تبلیغ کی ضرورت

حضرات! جریدہ اہلحدیث میں عرصہ سے اشاعت اسلام و تبلیغ احکام' امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ترغیب دی جا رہی ہے اور بعض اہل علم اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اپنے اپنے نام پیش کر رہے ہیں' جن کو جماعت مبلغین کے نام سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ یہ امر فی نفسہ مسلم ہے کہ تبلیغ کا کام نہایت اچھا اور اعلیٰ درجہ کا ہے۔ عامتہ الناس کو اچھے کاموں کی دعوت دینا اور برے کاموں سے روکنا انبیاء کرام کی سنت قدیمہ ہے۔ جو شخص اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیکی کرے اور اسلام کا پابند ہو اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں' اس سے زیادہ اچھی بات اور کس کی ہو گی؟

قرآن کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مومن کا کام تبلیغ ہے۔ خصوصاً جس دور میں ہم گزر رہے ہیں یہ ایک نہایت خطرناک دور ہے۔ جس میں اعدائے اسلام ہر وقت تیغ بکف ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے اور ہر ممکن طریقہ سے کوشاں ہیں کہ ان کو نیست و نابود کر دیا جائے اور دوسری طرف خود مدعیان اسلام کو معاندانہ و متخاصمانہ تبرالحاد سے کاٹ رہے ہیں اور تیسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ بن کر بداخلاقیوں اور تعیش نفسانی اور جسمانی کی بنا پر بداعمالیوں کا شکار ہو رہا ہے اور اہل حق کی مخالفت کر رہا ہے۔ چوتھی طرف اہل حکومت جن کے ہم زیر سایہ ہیں' ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اصول اور نظام غلط میں مبتلا ہیں اور اس نے سیاست و تمدن' معشیت و معاشرت کی باگ ڈور نہایت گھٹیا کریکٹر کے انسانوں کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے۔ اللہ کی ہدایت' اللہ کے قانون اور مسلمانوں کی قیادت نااہل ترین لوگوں کو تفویض کر چھوڑی ہے۔

پس ایسے وقت میں اہل علم پر حق کی تبلیغ کرنا فرض عین ہے اور یہ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس میں سو شہید کا ثواب ہے۔ یہ زمانہ بڑی آزادی کا ہے' چاروں طرف آزادی' آزادی کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے اور کہا جا رہا کہ ہم آزاد ہو گئے ہیں' انگریزوں کی غلامی سے بھی آزاد ہو گئے ہیں' دین اسلام اور اس کے احکام سے بھی آزاد ہو گئے ہیں۔ آزاد ہونے کا یہ مطلب سمجھا گیا ہے کہ اپنی نفسانی خواہشات سے جو کچھ چاہیں کریں اور جو چاہیں کھیلیں اور

کسی ہدایت اور قانون الٰہی کے پابند نہیں ہیں' بلکہ اسلام کی یہ پابندی جو علماء بتلا رہے ہیں کہ دل کی پابندی کرو' زبانوں کی پابندی کرو' آنکھوں کی پابندی کرو' ہاتھوں کی پابندی کرو' پاؤں کی پابندی کرو' شرمگاہ کی پابندی کرو' شکم کی پابندی کرو' عقل ودماغ کی پابندی کرو' اولاد کی پابندی کرو' یہ تنگ خیالی اور نظری دقیانوسی اسلام ہے۔

اصل اسلام وہ ہے' جس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ سب انسان مردوں اور عورتوں کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایحسب الانسان ان یترک سدیٰ "کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے" ایسے انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا : افرایت من اتخذ الٰهه هواه۔ اے ہمارے رسول! "کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔" پس ایسے مشرکوں کو تبلیغ کرنا اور ان سے جہاد کرنا علماء دین پر فرض ہے۔

سو یہ کام ایک دو شخصوں کا نہیں ہے اور نہ دس بیس کا ہے' بلکہ تمام علماء اہل حق کا کام ہے' کیونکہ خواہش پرستی کا کفر آج زوروں پر ہے' لا دینیت اور لا مذہبیت کا سیلاب طوفان برپا کر رہا ہے۔ اتنا مذہبی انقلاب پیدا ہو چکا ہے کہ کفر کو اسلام' بدعت کو سنت' ضلالت کو ہدایت' جہالت کو علم' شرک کو توحید' بدی کو نیکی' ناجائز کو جائز' باطل کو حق' ظلم کو عدل قرار دیا جا رہا ہے۔ عوام الناس کو اسلام کا نام لے کر کفر کی طرف دھکیلا جا رہا ہے اور مذہب کے پیاسوں کو شراب کی بوتل پر کسی روح افزاء کا لیبل لگا کر اسے پلایا جا رہا ہے۔ اس وقت نہ کہ عوام بہت خراب ہو چکی ہے' بلکہ خواص کی روحانیت بھی مسخ ہو چکی ہے۔ اگر کرہ ارضی کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں کی حالت پر طائرانہ نظر کی جائے تو گمراہی ہی گمراہی دکھائی دے رہی ہے اور ایک صادق مسلمان بزبان حال یہ دریافت کر رہا ہے کہ الیس منکم رجل رشید؟ "کیا تم میں ایک بھی اچھا نہیں ہے؟" احکام اسلام کے سراسر خلاف چل رہے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ چنانچہ

(۱) شعار اسلام کی تحقیر و تذلیل کرنے اور کرانے والے کون ہیں؟ مسلمان۔

(۲) رشتہ اتحاد و اتفاق کو توڑ کر کینہ و بغض پیدا کرنے والے کون؟ مسلمان۔

(۳) اپنے مسلمان بھائیوں کی بے عزتی اور آبرو ریزی کرنے والا کون؟ مسلمان۔

(۴) مسلمانوں کو تباہ کر کے گھر بار لوٹنے والا کون؟ مسلمان۔

(۵) ارکان اسلام توحید' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ ضائع کرنے والا کون؟ مسلمان۔

(۶) اللہ حی قیوم کو چھوڑ کر طاغوت کے آگے سربسجود ہونے والا کون؟ مسلمان

(۷) امر الٰہی کی تعمیل چھوڑ کر عصیان وطغیان میں غرق ہونے والا کون؟ مسلمان

(۸) صراط مستقیم سے منحرف ہو کر فرقہ بندی میں مبتلا ہونے والا کون؟ مسلمان

(۹) اسلام کے ان مقدس اصولوں کو چھوڑ کر جن کی تعمیل سے نعمت خلافت عطا ہوئی' تقلید یورپ میں پھنس کر اپنے اغراض کی کمیٹیاں اور حکومت قائم کرنے والا کون؟ مسلمان

(۱۰) خلافت شرعیہ چھوڑ کر اپنی جمہوری حکومت بنانے والا کون؟ مسلمان۔

آنحضرت ﷺ نے پیشتر ہی ایسے لوگوں کے حال سے اطلاع دے دی ہے اور فرمایا ہے کہ لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر ذراعا بذراع حتّٰی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قیل یارسول اللّٰہ الیھود والنصاریٰ قال فمن؟ (متفق علیه من حدیث ابی سعید) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ البتہ تم ان لوگوں کے طریقہ کی پیروی کرو گے جو تم سے پہلے تھے۔ بالشت کے ساتھ بالشت' ہاتھ کے ساتھ ہاتھ کے یہاں تک کہ اگر وہ لوگ گوہ کی بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی چلو گے۔ کہا گیا یا رسول اللہ! پچھلوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ فرمایا ان کے سوا اور کون ہیں؟ موجودہ مسلمانوں نے سو سال تک نصاریٰ کی غلامی میں رہ کر صورت' سیرت' سیاست' تمدن' معاشرت نصاریٰ کی اختیار کر لی۔ خواص نے حالت بدلی' تو عوام بھی ان کے زیر اثر ہو گئے۔ نتیجہ اس تغیر کا یہ ہوا کہ سو اونٹوں میں ایک بھی لائق سواری کے نہ رہا۔ اچھے لوگ چلے گئے اور جو رہے وہ بھوسی جو کی مثل ہیں' جن کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں۔

عبدالقادر عارف الحصاری

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱' شمارہ ۱۸' مورخہ ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۴۹ء

حلوے مانڈے

حضرات ناظرین! اگر آپ صاحبان اہل بدعت کے مذہب کا تجزیہ کرتے ہوئے غوروفکر سے کام لیں گے' تو اس حقیقت پر پہنچ جائیں کہ ان کے مذہب کا اکثر دارومدار حلوے مانڈے پر ہے۔ چنانچہ ان کا جھگڑا اہل سنت سے جن مسائل پر اکثر ہوتا رہتا ہے' وہ یہ ہے۔

تیجہ' ساتواں' دسواں' بیسواں' چالیسواں' برسی شبرات کا حلوہ' رمضان کی شب قدر کا حلوہ' میلاد النبی ﷺ کی شیرنی' قبروں کی نذر نیاز' لکھداتے کا روٹ پکانا' امیر حمزہ کی نیاز کرنا' شیخ عباس کے کونڈے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کڑاھی کرنا' شیخ سدو کا بکرا کرنا' مارکنڈہ اور کوئیں پر دلیا اور چاول چڑھانا' عرس کرنا' گیارہویں کرنا' عاشورہ کے دن اماموں کے نام سے قسماقسم کے کھانے پکانا' ختنہ' بیاہ کے دن کھانے کھلانا' سید پیروں کا صدقات' زکوٰۃ کے مال کھانا' خلاف شرع تعویذوں' نقشوں کو ذریعہ معاش بنا کر نذریں لینا' پیروں کا مراقبے کر کے اور درویشی صورت بنا کر ششماہی اور سالانہ نذرانے وصول کرنا' فالنامے اور علم نجوم' علم رمل کے ذریعہ لوگوں سے روپے کمانا وغیرہ رسومات ہیں۔

اہل سنت ان کو اختراعی رسومات قرار دے کر بدعات کہتے ہیں اور اہل بدعت ان رسومات مروجہ کو اپنی شکم پری کرنے کے لیے امور مشروعہ' موجب ثواب سمجھتے ہیں اور قیود متعارضہ کے ساتھ ان کا ایسا التزام کیا ہے کہ جو لوگ ان رسومات کو نہ کریں ان کو ملامت کرتے ہیں' حالانکہ نہ ان رسومات اختراعیہ کا ثبوت کسی دلیل شرعیہ سے ہے اور نہ ان پر عہد نبوت اور قرون ثلاثہ میں کوئی تعامل پایا گیا ہے۔ صرف جہلاء نے ہنود اور عیسائی اور یہود لوگوں کی دیکھا دیکھی یہ رسمیں ایجاد کر لی ہیں اور موضوع دلائل سے یا ذوقی اور وجدانی دلیلوں سے یا شرعی دلائل میں تحریف اور ہیر پھیر سے کام لے کر ان کو جائز قرار دے دیا ہے اور اس کا موجب شکم پرستی اور نفسانیت ہے کہ ان رسومات کے وقت خوب دعوتیں اور ضیافتیں ہوتی ہیں' بلکہ ختم وغیرہ اور دعائیں پڑھوا کر انہی کے ذریعہ یہ رسومات سرانجام دی جاتی ہیں اور وہ قسماقسم کھانوں سے مانوس ہو کر طمع اور لالچ میں پڑ گئے ہیں اور لذیذ کھانوں نے ان کی مذہبی وعلمی دیانت داری کو تباہ کر دیا ہے' اس لئے وہ اپنی شکم پری کرنے کے لیے ہر طرح فریب کاری سے کام لے کر ان رسومات کو جائز کر لیتے ہیں' سچ ہے :الدنیا

زور لا یحصل الا بالزور۔ یعنی "دنیا جھوٹ اور فریب ہے اور یہ جھوٹ اور فریب کاری سے ہی حاصل ہوتی ہے۔"

کس طرح پائیں خدا کی راہ بیچارے عوام
مولوی درویش ہر اک طالب زر ہو گیا

الدنیا جیفة وطالبها کلاب۔ "دنیا مردار ہے اور اس کے طلب گار کتے ہیں۔" انہی علماء سوء کا ایک گروہ پیروں کے لباس میں خضر صورت بنا کر پھرتا ہے' جو عوام کو اپنا مرید بنا کر پیر پرستی کے جراثیم پیدا کرتا ہے۔

لباس خضر میں یہاں سینکڑوں رہزن پھرتے ہیں
اگر ایمان بچانا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

یہ لوگ پیری مریدی کے سلسلہ میں دنیا کو لوٹ لوٹ کر کھاتے ہیں۔ ان کا مشغلہ عشقیہ کتابوں' غزلوں' کافیوں' قوالیوں سے ہے۔ اکثر جھوٹے افسانے اور موضوع حکایتیں سنا کر جہلاء کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے اڈے خانقاہوں پر بنے ہوئے ہیں اور قبروں کے مجاوران ان کے ایجنٹ ہیں' جو قبروں کے زائرین سے نذریں اور نیازیں لے کر ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور یہ سب بدعات کے ذریعہ دنیا کما رہے ہیں۔

اسی فرقہ بدعیہ کا دوسرا گروہ ملانوں کا ہے جن کا پیشہ مسجدوں کی امامت ہے اور وہ مندرجہ ذیل صورتوں سے دنیا کماتے ہیں۔

(۱) منگنی کا روپیہ (۲) نکاح خوانی کی اجرت (۳) فصلانہ (۴) رسول واہی (۵) روحوں کے ملانے پر سات کھانے (۶) بچہ کی پیدائش پر اذان کہہ کر روپیہ' آٹا اور گڑ لینا (۷) جنازہ پر روپیہ' کپڑا اسقاط کا (۸) جمعرات' شبرات' محرم' تیا' ساتا' چہلم وغیرہ رسومات کے کھانے' حلوہ' کھیر وغیرہ (۹) دم جھاڑے تعویذ گنڈے کے نذرانے (۱۰) قل' ختم پڑھ کر کھانا' گھر لانا ان کا کام ہے۔

تیسرا گروہ ان کے علماء واعظین ومفتیان ومناظرین کا ہے کہ وہ ان کے وکلاء ہیں۔ جب ان رسومات پر تنازعات ہوں تو وہ میدانوں' جلسوں اور اجلاسوں میں پیش ہو کر ان اختراعی رسومات کو عقلی نقلی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سب لوگوں سے فیس لیتے ہیں۔ پیروں اور ملانوں کے یہ علماء پشتیبان ہیں اور عوام کے پناہ دہندہ ہیں۔

الغرض ان تمام کا مذہب کھانا پینا ہے اور مرتے وقت بھی ان کھانوں کو نہیں بھولتے۔

عالم برزخ میں بھی انہیں لذیذ کھانوں کے طلب گار ہیں۔ چنانچہ ان کے اعلیٰ حضرت مرنے سے دو گھنٹے سترہ منٹ پیشتر وصایا قلمبند کراتے ہوئے یہ وصیت کرتے ہیں۔ "اعزا سے اگر بطیتب خاطر ممکن ہو تو ہفتہ میں دو' تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ (۱) دودھ کا برف خانہ اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو (۲) مرغ کی بریانی (۳) مرغ پلاؤ خواہ بکری کا ہو (۴) شامی کباب (۵) پراٹھے (۶) بلائی یعنی ملائی (۷) فیرنی (۸) ارد کی پھریری دال مع ادرک (۹) گوشت بھری کچوریاں (۱۰) سیب کا پانی (۱۱) انار کا پانی (۱۲) سوڈا کی بوتل" (وصایا شریف ص-۱۲)
چونکہ ایک درجن کھانوں کا ہضم کرنا مشکل تھا اور قبر میں ڈاکٹر داخل نہ ہو سکتا تھا' اس لئے ہضم کا انتظام ساتھ ہی کر گئے کہ سوڈے کی بوتل بھی ساتھ بھیج دیں' تاکہ یہ سب کھانے ہضم ہو جائیں۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا عقیدہ باطل یہ ہے کہ مردوں کے وارث جو چیزیں بھیجتے ہیں ان کا اثر مردگان کو پہنچتا ہے' فتفکر۔
اسی طرح یہ بدعتی لوگ اپنے پیروں کی کرامتیں بیان کرتے ہوئے ایک کرامت پیر "پتہ" کی یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرید نے آپ کی دعوت کی تو اس کی دعوت منظور کرلی' پھر دوسرے نے اسی دن اور اسی وقت دعوت کر دی' تو اس کی بھی منظور کرلی۔ یوں ہی کئی مریدوں نے آپ کی اسی وقت دعوت کی اور آپ نے سب کی دعوت منظور کرلی اور پھر سب کے گھر کھائی۔ جب سب مرید آپ کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگے تو ایک نے کہا کہ فلاں وقت پیر صاحب نے میرے گھر میں دعوت کھائی' دوسرے نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو آپ نے تو میرے گھر میں کھانا کھایا تھا' تیسرے نے کہا تم دونوں جھوٹ بکتے ہو' پیر صاحب تو میری دعوت میں تشریف فرما تھے' چوتھے نے کہا کہ تم تینوں غلط کہتے ہو' پیر صاحب نے میرے ہاں دعوت کھائی ہے۔ اسی طرح پانچواں' چھٹا کہتا گیا' آخر جھگڑا ہونے پر پیر صاحب سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم سب سچے ہو' میں نے تم سب کے گھر میں دعوت کھائی ہے اور ایک ہی وقت میں سب کے پاس دعوتوں میں موجود تھا۔ دیکھو سامنے درخت کس چیز کا ہے؟ سب نے کہا کہ املی کا ہے' تب فرمایا کہ تم سب آنکھیں بند کر لو' سب نے آنکھیں بند کرلیں۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ اب کھول دو اور اس درخت کی طرف دیکھو۔ اب جو دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہر پتہ پر پیر صاحب بیٹھے ہیں۔ اس پر سب مریدوں کو یقین ہو گیا کہ پیر صاحب ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور وہ تمام کے گھروں سے ایک ہی وقت میں

دعوت کھا سکتے ہیں۔

ایسی بے پر کی اور جھوٹی کہانی بنا کر اور جہلاء مریدوں کو سنا کر سب کے گھروں سے ایک ہی دن اور ایک وقت میں کھانے کھلانا اور گھر لے آنا جائز کر لیا اور اپنے شکم تنور کو خوب بھر لیا۔ مسلمان قوم کے مساکین اور یتیموں اور بیواؤں کو بھیک مانگنے ٹکڑا مشکل ہے اور یہ حضرات دعوتوں کے حلوے اڑا رہے ہیں اور قبروں کی مٹھائیاں اور ریوڑیاں چبا رہے ہیں اور ہٹے کٹے مشٹنڈے پیر' ملا' مجاور' مولوی' صوفی گلچھرے اڑا رہے ہیں اور قوم کے غریب لوگ بھوک سے دم توڑ رہے ہیں' ان کو ذرا شرم نہیں آتی۔ واللہ ہمارا تو کلیجہ جل جاتا ہے' جب یہ لوگ ایک تو بے ثبوت رسومات کے ذریعہ سے لوگوں کو کھاتے ہیں اور دوسرا سبز باغ دکھا کر خود کھانے پینے کے مستحق بنتے ہیں اور قوم کے فقراء اور مساکین کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مریدنی پیر صاحب کے پاس آئی' دیکھا تو پیر صاحب مرغ کھا رہے ہیں اور مریدنی کے غریب لڑکے کو سبزی کھانے کو دے رکھی ہے۔ مریدنی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ کیسی بے انصافی ہے' ایک مسکین مستحق کو سبزی دی گئی اور ہٹے کٹے پیر کو سالم مرغ بھونا ہوا دیا گیا ہے۔ پیر صاحب نے اپنی روشن ضمیری سے تاڑ لیا اور فوراً اس مرغ کو حکم دیا کہ جلد زندہ ہو جا۔ چنانچہ مرغ اسی وقت رکابی سے زندہ ہو کر پھڑپھڑانے لگا اور ککڑوں کہہ کر میدان میں پھرنے لگا۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ اے مائی دیکھ! جب تیرا بچہ اس درجہ کو پہنچ جائے گا تو مرغ کھانے کے قابل ہو جائے گا ورنہ سبزی ہی ہمارے مقابلے میں کھائے گا۔"

بس اس ٹائپ کی حکایتیں' افسانے' کہانیاں جھوٹی سنا سنا کر عوام کالانعام کے ایمانوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں اور ان کو مرید بنا کر ان کے گھروں سے کھانے کھاتے ہیں۔ چنانچہ شب برات کو حلوہ پکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔ (اصلاح الرسوم ص-۸۵) کس قدر افسوسناک ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ اول تو قصہ حلوہ کھانے کا غلط اور موضوع ہے اور اگر صرف قیافہ سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ دہان مبارک میں تکلیف تھی کہ سخت غذا روٹی وغیرہ نہ کھا سکتے تھے' آپ کو کوئی نرم غذا از قسم دلیا یا حلوہ دی گئی ہو تو پھر کہاں شب برات کا حلوہ جو بطور تہوار کیا جاتا ہے اور کہاں یہ افسوسناک منظر کہ حضور ﷺ کو ماہ شوال میں دانت شہید ہونے پر منہ میں

تکلیف ہو اور آپ معذوری میں نرم غذا کھائیں جس کو یہ لوگ رسم تہوار بنا لیں۔

مقام غور ہے' اگر سچے عاشق ہوتے تو دانت شہید کروا کر حلوے کھاتے یا مارے شرم کے افسوس کرتے اور اس روز کچھ نہ کھاتے' مگر یہاں تو کھانا پینا مذہب ہے' ہم کو ذات نبوی ﷺ کا درد ہی کیا ہے؟ "بعض لوگ بدعتی اس حلوہ پکانے کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ان دنوں شہید ہوئے تھے' یہ ان کی فاتحہ ہے۔" (اصلاح الرسوم ص۔۸۵) یہ بھی باطل خیال پر دلیل ہے اور تاریخی طور پر بھی غلط ہے اور پہلے سے بھی زیادہ افسوسناک ہے کہ حضور ﷺ کے چچا شہید ہوئے' کفار نے ان کی بے حرمتی کی اور یہ گستاخ گروہ حلوے کھائے۔ "بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ شب برات کو مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کس نے ہمارے لئے کیا کچھ پکایا ہے۔" (اصلاح الرسوم ص۔۸۵)

اس لئے ہم حلوہ پکاتے اور ان کو ایصال ثواب کرتے ہیں' حالانکہ یہ عقیدہ رافضیوں کا ہے۔ چنانچہ حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیہ ص۔۲۱۸ میں رافضیوں کے متعلق فرماتے ہیں : ان الاموات یرجعون الی الدنیا قبل یوم الحساب۔ یعنی رافضی یہ کہتے ہیں کہ "مردوں کی روحیں قیامت سے پہلے دنیا میں آتی ہیں۔" حالانکہ یہ خیال باطل ہے۔ بعض بدعتیوں کا یہ خیال ہے کہ جب شب برات سے پہلے کوئی مر جائے تو جب تک اس کے لیے فاتحہ حلوہ پر نہ دی جائے' تو وہ دیگر مردوں کی روحوں میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ بالکل لغو اور محض حلوہ خوروں نے حلوہ کھانے کے لیے بات گھڑی ہے۔ اور بعض بدعتی کسی شخص کے مرنے پر جمعرات کو حلوہ پکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میت کو ٹکور ہوتی ہے۔ یہ خیال بھی بالکل خام ہے' اگر بالفرض صحیح ہے تو اس کی توجیہ ہو گی کہ مردوں کو فرشتے گرزوں سے مارتے ہیں اور یہ درد مند حلوے سے ان کی ٹکور کرانا چاہتے ہیں۔ بہرکیف کسی نے کسی بہانے اور حیلے سے شب برات کو حلوہ پکانا ہے اور ملانوں کو کھلانا ہے اور ملانوں نے اس کو جائز قرار دے کر اپنا الو سیدھا رکھنا ہے۔ مردہ جنت میں جائے یا جہنم میں ان کے شکم میں تو حلوہ بالیقین پہنچ جائے گا۔

کچھ ایسے بھی شکم پرور ہیں اور ٹکر گدا ملا
جو کھا کر نعمتیں اثر ان کا مردوں کو پہنچائیں

کوٹلی لوہاران سے ان کا ایک رسالہ ماہ طیبہ کے نام سے نکلتا ہے جو بدعات اور شرکیات سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس کے ایک پرچہ میں شب قدر کے حلوہ کا تذکرہ ان لفظوں میں رسالہ کے مدیر صاحب فرماتے ہیں اور کیا ہی عمدہ فرماتے ہیں۔ "بھائیو! شب قدر آرہی ہے اور سب سے زیادہ جلن اور دکھ ان کو شب قدر کے حلوہ کا ہے اور اللہ گواہ ہے کہ شب قدر ہیں ہمارے گھروں میں ان کے دل بھنے جاتے ہوں گے۔ ہمارے حلوہ کی سوجی بعد میں بھنے گی' مگر یہ پہلے جل بھن جائیں گے' مگر اس میں کیا ہو سکتا ہے کہ مقدر اپنا اپنا نصیب اپنا اپنا۔" (ماہ طیبہ۔ جون سنہ۔ ۱۹۵۶ء)

میں کہتا ہوں کہ بھائیو! شب قدر آتی ہے تو اس میں عبادت کی جاتی ہے' جو ہزاروں مہینوں سے بہتر ہے۔ دن کو روزہ رکھا جاتا ہے اور یہ شب قدر رمضان میں ہر سال تبدیل ہو کر آتی ہے' کوئی ایک رات مقرر نہیں ہے۔ حسب معمول جو رمضان میں کھانا کھلایا جاتا ہے' کوئی مخصوص کھانا حلوہ یا کھیر اس رات معین ستائیسویں میں شارع نے مشروع نہیں کیا' حلوہ بالخصوص شب قدر کو پکا کر کھانا اور وہ بھی سوجی کا یہ کسی عبدالطعام ملا کی ایجاد ہے۔ جس کی اندھی تقلید فرقہ بدعیہ کر رہا ہے' جو سراسر گمراہی ہے۔ ہمیں یہ رنج اور صدمہ ضرور ہے کہ اہل بدعت مسلمانوں میں بدعات کی ایجاد کیوں کرتے ہیں' دین کے پردہ میں کیوں کماتے ہیں اور یہ ملا لوگوں کے حلوے ناحق اور بے جا طور پر کیوں کھاتے ہیں۔

مفت خوروں نے سمجھ رکھا ہے دل میں یہ ضرور
دوسروں کی چیز کھانے سے بنتی ہے آبرو

جب کوئی شخص شرک وبدعت اور حرام کام کر لے تو ہر مسلمان کا یہ شیوہ ہے اور ہونا چاہیے کہ وہ کم از کم اس فعل اور اس کے فاعل کو برا سمجھے اور دل میں اس پر رنج کرے اور زبان سے اس کا اظہار کرے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا! کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں (میرے بھی ہیں) جو سنت کو لیتے ہیں اور اپنے نبی کے حکم کی اقتدا کرتے ہیں' پھر ان کے بعد ایسے نالائق لوگ پیدا ہوتے ہیں جو منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جن پر عمل نہیں کرتے اور ایسے کام کرتے ہیں جن کے کرنے کا حکم نہیں کیا گیا۔ پس جو لوگ ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کریں گے وہ مومن ہیں اور زبان سے جہاد کریں گے' وہ بھی مومن ہیں اور جو دل سے جہاد کریں گے' وہ بھی مومن ہیں اور جو ان کے سوا ہیں

اور کچھ بھی نہیں کریں گے' ان کے دلوں میں رائی کے برابر بھی ایمان نہ ہو گا۔ (مشکوٰۃ)

پس اس حدیث کی بنا پر ہم اہلحدیث' اہلسنت اہل بدعت کی حلوہ خوری پر زبان اور دل سے جہاد کرتے ہیں' لیکن یہ اہل بدعت' یہ حلوہ خور ایسے ہیں کہ دن بدن حلوہ کھائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ حرام خوروں' سود خوروں' بے نمازوں' بے زکوٰتوں کے بھی حلوے کھائے جاتے ہیں اور کنجروں' بھانڈوں کو مرید بنا کر ان کے حلووں کو بھی چٹ کئے جاتے ہیں' پھر اس پر دعوئ اسلام اور اسلام کی پیشوائی کا کرتے ہیں' جو حق پرست مسلمانوں کے لیے موجب رنج والم ہے۔ فقط

حررہ ابو عبدالشکور عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد ۳۸' شمارہ ۶' ۷ مورخہ ۱۵ ربیع الاول وکیم ربیع الثانی سنہ ۷۷ھ

مرد کی فقاہت اور عورت کی ذہانت کا مقابلہ

واضح ہو کہ ایک کتاب بنام لطائف علمیہ ترجمہ اردو کتاب الاذکیاء مولفہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ علماء دیوبند کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب دو حصہ میں ہے۔ حصہ اول میرے پاس ہے' دوسرا زیر طبع تھا' شاید شائع ہو گیا ہو تو کوئی دوست اطلاع دے کر ممنون فرمائیں۔

حصہ اول سے ایک لطیفہ نقل کرتا ہوں' جس سے امام اہل الرائے کی فقاہت ظاہر ہوتی ہے' اسی وجہ سے وہ امام اہل رائے مشہور ہو گئے۔ کتاب لطائف علمیہ کے ص۔۱۴۴ میں یہ لطیفہ درج ہے کہ احمد بن الدقاق سے مروی ہے کہ اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک شخص نے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ عورت کے متعلقین نے کہا کہ ہم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کریں گے۔ اس نے اس کی اطلاع آپ کو دی آپ نے کہا جب تم میرے پاس آؤ تو اپنا ہاتھ اپنے ذکر پر رکھ کر آنا' اس نے ایسا ہی کیا' جب ان لوگوں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس سے کہہ دیا کہ میں نے اس کے ہاتھ میں ایسی شے دیکھی ہے جس کی قیمت دس ہزار روپیہ ہے۔ اس طرح وہ لوگ مائل ہو گئے۔ یعنی لڑکی والے اس شخص کی مالی حالت معلوم کرنا چاہتے تھے اور وہ شخص محض غریب اور مفلس تھا۔

امام صاحب سے ان کی مالی حالت معلوم کرنا چاہتے تھے' تب یہ حیلہ کیا گیا۔ اس سے اس کی شرم گاہ کی قیمت لگانے کے لیے اس کو کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی شرم گاہ پر ہاتھ رکھ کر آئے' وہ اس طرح امام صاحب کے سامنے آیا کہ شرم گاہ پر ہاتھ رکھ لیا' تب امام صاحب نے اس کی شرم گاہ کا خریدار بن کر دس ہزار درہم اس کی قیمت لگا دی۔ اس نے اتنے درہم پر شرمگاہ کا انکار کر دیا۔ تب امام صاحب نے اس کی مالی حالت ظاہر کرنے کے لیے لڑکی والوں سے کہہ دیا کہ اس کے پاس میں نے ایک شے دیکھی ہے جس کی قیمت میں نے دس ہزار درہم لگا دی' تو اس نے وہ شے دس ہزار درہم میں نہ دی۔ پس اس سے تم اس کی مالی حالت کا موازنہ کر سکتے ہو کہ یہ شخص کس حد تک مالدار ہے۔ تب وہ لوگ اس شخص کو بڑا مال دار سمجھنے لگے اور اپنی لڑکی کا رشتہ اس سے کر دیا' لیکن لڑکی جب اس کے گھر گئی تو مالی حالت صفا تھی' پھر لڑکی اور لڑکی والے بہت پچھتائے' لیکن اب کیا ہو سکتا تھا نکاح تو ہو گیا۔

اس واقعہ سے امام صاحب کی فقاہت ظاہر کی گئی کہ انہوں نے ایک غریب شخص کو مال

دار ظاہر کر دیا' اس حیلہ سے اس شخص کی شادی ہو گئی۔ ایسا حیلہ کوئی دیگر عالم محدث فقیہہ نہیں کر سکتا' یہ امام صاحب کا ہی کمال ہے کہ وہ ساریہ کو سونا ثابت کر سکتے تھے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے امام ابوحنیفہ کا حال دریافت کیا تو یہ فرمایا : لو کلمته فی هذه الساریة ان یجعلها ذهبا لقام بحجته۔ (حقیقۃ الفقه ص۔۹۳) یعنی "ابوحنیفہ ایسا شخص تھا کہ اگر تو اس سے اس ستون کو سونا کہلوائے تو وہ اس کی دلیل قائم کر دیتے۔"

بعض حنفیہ امام مالک کے اس قول کو ان کے مناقب میں شمار کرتے ہیں' لیکن بندہ راقم الحروف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مثالب میں شمار کرتا ہے' کیونکہ ساریہ سونا نہیں ہے پھر اس کو اپنی رائے دوڑا کر سونا ثابت کرنا خلاف واقع ہے۔ پس یہی حال اس لطیفہ میں ہے کہ شرم گاہ کی قیمت لگا کر اس شخص کو مال دار کر دیا جو بالکل واقع کے خلاف ہے۔ مقلدین اس کو فقاہت قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ فقاہت نہیں ہے' کیونکہ اول تو شرم گاہ کی قیمت لگانا ناجائز ہے اور دوسرا فریب کاری ہے کہ صرف یہ کہہ دیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک چیز تھی جس کا میں نے دس ہزار درہم کہہ دیا اور اس نے نہ دی' اگر یہ کہہ دیتے کہ میں نے اس کی شرمگاہ دس ہزار درہم سے لینی چاہی تو وہ اس نے نہ دی' اس سے لوگ اس کو کبھی مال دار نہ سمجھتے' کیونکہ شرمگاہ تو غریب مفلس شخص بھی اتنی قیمت میں نہیں دیتا کہ شرم گاہ کاٹ کر دینا اپنی زندگی بیکار کر دینا ہے۔ شادی کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ بہرحال اس بات کو تو کوئی علمدار فقاہت نہیں قرار دے گا۔

ایسا ہی امام صاحب کی فقاہت اور ذہانت ثابت کرنے کو دوسرا لطیفہ ص۔۴۵۴ لکھا ہے' جو اس سے بھی عجیب ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہم کو یہ حکایت پہنچی ہے کہ ایک شخص ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہو گیا' اس نے امام ابوحنیفہ کے پاس آکر عرض کیا کہ میرے پاس تھوڑی سی پونجی ہے اور وہ لوگ محض دنیا پرست ہیں' اگر ان کو اس کا علم ہو گیا تو وہ نکاح نہ کریں گے' یہ سن کر ابوحنیفہ اس کی امداد کے لیے آمادہ ہو گئے اور اس سے انہوں نے کہا کہ تم میرے ہاتھ اپنا حشفہ بارہ ہزار درہم میں فروخت پر تیار ہو' اس نے کہا کہ نہیں' انہوں نے فرمایا کہ اب جس وقت تم ان لوگوں کو پیغام بھیجو تو ان سے کہہ دینا کہ ابوحنیفہ میرے حالات سے واقف ہے' اس شخص نے جا کر رشتہ پہنچا دیا' ان لوگوں نے کہا کہ تم سے کون واقف ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ابوحنیفہ' پھر ان لوگوں کے بارے میں ابوحنیفہ سے سوال

کیا تو انہوں نے کہا میں اس کو اس سے زیادہ نہیں پہچانتا کہ وہ ایک دن میرے پاس آیا تو اس نے ایک شے کا جو اس کے پاس تھی بارہ ہزار درہم پر معاملہ کیا' مگر اس نے نہیں بیچی' تو انہوں نے کہا کہ یہ بات دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وہ مال دار شخص ہے تو اس سے نکاح کر دیا۔ اس کے بعد جب عورت کو اس کا حال پورے طور پر معلوم ہو گیا تو اس نے شوہر سے کہا تمہیں مال نہ ہونے سے تنگدل نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ سب مال تیرے اختیار میں ہے۔

عورت کی ذہانت: پھر وہ عورت اپنا زیور اور خاص جوڑا پہن کر ابو حنیفہ کے پاس پہنچی اور ظاہر کیا کہ ایک فتویٰ لینے کی وجہ سے آئی ہے اور گھر میں داخل ہو گئی اور جا کر چہرہ کھول دیا۔ امام صاحب نے کہا پردہ کر لو' اس نے کہا ممکن نہیں ہے' کیونکہ میں ایک ایسی بات میں مبتلا ہو گئی ہوں کہ اس سے خلاصی صرف آپ ہی دلا سکتے ہیں۔ میں اس بقال کی بیٹی ہوں جس کی دوکان اس گلی کے سرے پر ہے اور میری خاص اچھی عمر ہو گئی ہے مجھے شوہر کی ضرورت ہے اور وہ میرا نکاح نہیں کرتا اور جو شخص رشتہ لے کر آتا ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ میری بیٹی کانی ہے' گنجی ہے اور لنجی ہے' پھر اس نے اپنا منہ اور ہاتھوں سے کپڑا ہٹا کر دکھلایا اور یہ بھی کہتا ہے کہ میری بیٹی لنگڑی ہے اور اس نے یہ کہہ کر پنڈلی سے کپڑا ہٹا دیا اور کہا کہ اب میں چاہتی ہوں کہ آپ کوئی تدبیر میرے لئے کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ تو میری زوجہ بننے پر رضامند ہے تو اس نے ان کے قدم چوم لئے اور کہا کہ میں تو آپ کے غلام کے قابل بھی نہیں۔ آپ نے کہا کہ اب تو چلی جا' اب تم جاؤ فی امان اللہ۔

وہ چلی گئی' پھر ابو حنیفہ نے بقال کو بلایا اور پچاس دینار دیئے اور کہا کہ تو مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے اور سو دینار کا نامہ لکھ دیا۔ اس نے کہا اے میرے سردار آپ کو اس کی پردہ پوشی کرنی ہو گی جس کی اللہ نے کی۔ میری ایک ہی بیٹی ہے جس کا نکاح آپ سے کر رہا ہوں' انہوں نے کہا کہ اس بات کو چھوڑو میں تمہاری بیٹی سے جو گنجی ہے اور لنجی اور لنگڑی ہے راضی ہوں۔ اب اس نے ڈیڑھ سو دینار مہر پر نکاح کر دیا اور چلا گیا اور اپنی بیوی کو سب قصہ سنایا' اس نے کہا کہ واللہ خوب ہوا۔ سوائے ابو حنیفہ کے ہاتھ کے اور کسی پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ پھر جب عشاء کا وقت ہوا تو اس کے باپ نے اس لڑکی کو ایک ٹوکری میں بٹھلایا اور وہ اور اس کا غلام لگوا کر لائے۔ جب اس کو ابو حنیفہ نے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا

معلمہ ہے اور لڑکی کے آنے کا قصہ سنایا' تو بقال نے کہا کہ اس کی ماں پر طلاق ہے' اگر اس کے سوا میری کوئی بیٹی ہو' تو ابوحنیفہ نے کہا کہ میں اس کو تین طلاق دیتا ہوں تم میری وہ تحریر واپس کر دو اور وہ پچاس دینار میں نے تم کو واپس کر دیے۔ اس بارے میں امام ابوحنیفہ ایک مہینہ تک سوچتے رہے یہ کیا راز تھا' پھر وہ عورت ان کی طرف آئی تو انہوں نے اس سے کہا کہ کس بات نے تجھے اس بات پر اکسایا جو تو نے ہمارے ساتھ کیا۔ اس نے کہا کہ آپ کو کس نے اس امر پر اکسایا جو تو نے ایک فقیر شخص کے بارے میں ہم کو دھوکے میں ڈالا۔ (پس عوض معاوضہ گلہ ندارد) میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کی فقاہت پر لڑکی کی ذہانت غالب آگئی۔ فریب کاری تو امام صاحب نے بھی کی' لیکن عورت کی فریب کاری غالب آگئی۔ بے شک یہ سچ ہے۔ ان کیدکن عظیم۔ امام صاحب نے دو لڑکیوں سے فریب کاری کی ایک توبہ کر گئی اور دوسری نے بدلا لے لیا۔

میں کہتا ہوں کہ امام صاحب نے اس واقعہ میں کئی غلطیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ جب عہد کر لیا تھا اور لنگڑی' لنجی اور گنجی کو بخوشی منظور کر لیا تھا تو پھر اس سے نبھاؤ کرنا چاہیے تھا' اتنی جلدی طلاق کیوں دے دی۔

دوسرا یہ کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا حرام اور گناہ اور بدعت ہے صرف ایک طلاق دے دیتے تو قبل از مساس وہ خود ہی بائن ہو جاتی۔ یہاں اس مقام پر یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ کسی عورت سے دھوکہ فریب سے نکاح ہو جائے تو اس کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا تو وہ حبلی من الزنا نکلی۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات ظاہر ہوئی تو آنجناب نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ تفریق کرنے سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ نکاح شرعاً صحیح نہیں تھا ورنہ طلاق کا حکم ہوتا۔ ایسا ہی منتقی الاخبار میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اس کے پہلو میں سفید داغ ظاہر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا اور رخصت کر دیا اور جو کچھ دیا تھا وہ اس سے واپس نہ لیا۔

امام صاحب نے تیسری غلطی یہ کی کہ اس کو نصف مہر بھی نہ دیا' حالانکہ قرآن صاف ناطق ہے: وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم۔ اس آیت کی رو سے پچہتر دینار لنگڑی عورت کو دینے چاہئے تھے۔ بنوعباس اور

نبوامیہ نے اپنے لڑکے لڑکیوں کا آپس میں نکاح بٹہ کرلیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ جاہلیت کے شغار میں آپس میں محض عورتوں کا تبادلہ ہوتا تھا درمیان میں ملی مہر نہ ہوتا تھا' اس لئے اس کو منع کردیا تھا' ہم ملی مہر مقرر کرکے آپس میں نکاح بٹہ کرلیتے ہیں۔ چنانچہ فریقین میں مناکحت ہوگئی۔ حضرت امیرالمومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے مدینہ کے گورنر کے نام حکم نامہ لکھا کہ اس مناکحت کو مسترد کرکے فریقین میں تفریق کردی جائے' کیونکہ یہ وہی شغار ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

ان دلائل سے واضح ہوا کہ اگر نکاح میں شرعی قباحت پیدا ہو جائے تو اس کو فسخ کیا جاتا ہے' طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نکاحوں میں تفریق کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نکاح صحیح نہ ہوا تھا۔ لطائف علمیہ کے مترجم مولانا اشیاق صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے امام صاحب کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس قصہ کا انتساب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے متقی امام پر کیسے عقل قبول کرسکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کے دیگر مسائل فقہیہ جو کتب فقہ میں درج ہیں اور حنفیہ کو مسلم ہیں' ان پر غور کیا جائے تو عقل اس واقعہ کو قبول کرلیتی ہے۔ محلّٰی میں ہے امام ابن حزم نقل کرتے ہیں کہ قال ابوحنیفہ اذا امر المسلم نصرانیا بان یشتری لہ خمرا جاز ذالک وھذہ من شنعہ التی نعوذ باللہ من مثلھا۔ یعنی "امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی عیسائی کو کہہ دے تم میرے لئے شراب خرید کرلاؤ تو یہ جائز ہے ان کے ایسے برے حیلے سے ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔"

کیا ایسے حرام حیلے کو کسی متقی کی عقل قبول کرسکتی ہے۔ کتاب الحیل میں امام الدنیا فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل الرائے کے حیلوں کی بہت تردید سدید کی ہے۔ ہدایہ جلد دوم ص۔۵۱۶ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص محرمات ابدیہ مثل ماں' بہن' بیٹی اور ان کے سوا جن کو اللہ نے حرام کیا ہے ان سے دانستہ نکاح کرے اور ان سے صحبت کرے تو بھی ان پر حد نہیں آتی' اس لئے کہ محل شبہ ہے' کیونکہ آدم کی تمام بیٹیاں اولاد کے موضوع ہیں اور وہ مقصود اس جگہ بھی حاصل ہے۔ اس فحش مسئلہ کو مولانا محمودالحسن نے خوب اچھالا ہے۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے ایک اشتہار کے سوال نہم کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ مورد تحریم آیت حرمت نکاح ہے' جماع نہیں اور چونکہ نہی فعل

اعتباریہ پر واقع ہوا کرتی ہے تو نکاح کا محرمات ابدیہ سے منعقد ہو سکنا ممکن الوقوع ہو گا ورنہ پھر نہی کس مصرف کے لیے اور کس مرض کی دوا ہو گی' علاوہ بریں نکاح کی علت فاعلہ موجود علت قابلہ موجود تراضی ممکن پھر نکاح نہ ہو سکنے کے کیا معنی۔ علت فاعلہ کا ثبوت تو اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ مرد قادر علی الجماع ہے اور علت فاعلہ کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ عورت محل پیدوار غرض جو باتیں اور عورتوں سے متصور ہیں اور مردوں سے متصور ہیں وہی باتیں مردوں کو اپنے محارم سے مقصود ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل مقصود بدلالت نساء کم حرث لکم اولاد ہے۔ بایں وجہ کہ اتنی ہی بات پر موقوف ہے۔ محارم سے بھی متوقع پھر ممانعت ہو گی' تو اصل نکاح ہی کی ہو گی' اس لئے لا تنکحوا فرمایا لا تجامعوا یا تقربوا نہ فرمایا' اس کے بعد بحث کرتے ہوئے بالآخر یہ لکھا کہ اب عرض خدمت مبارک میں یہ ہے کہ ہم نے بدلالت عقل ونقل نکاح محرمات کا نکاح ہونا اور اس وجہ سے از قسم زنا نہ ہونا ثابت کر دیا۔ اب آپ کسی ضعیف یا قوی دلیل عقلی ونقلی سے اس کا نکاح نہ ہونا اور اس سبب سے اس جماع کا زنا ہونا جو بعد اس نکاح کے واقع ہو ثابت کیجئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان متقیوں کا یہ راسخ عقیدہ ہے کہ محرمات ابدیہ ماں' بہن' بیٹی وغیرہا آدم کی بیٹیاں اولاد کے لیے موضوع ہیں۔ ان سے نکاح ممکن اور نکاح کے بعد زنا نہیں رہتا' اس لئے ان پر حد نہیں اور حدیث میں حد قتل کی وارد ہے تو یہ فلسفی مذہب علت فاعلہ قابلہ نکالنے والے آنحضور ﷺ سے زیادہ علم وعقل رکھتے تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں جو قرآن وحدیث کے علاوہ علوم رکھ چھوڑے ہیں یہ آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھے' اس لئے فقہ اہل رائے کوفیہ کتاب وسنت سے موافقت نہیں رکھتی' بعدالمشرقین ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ کہانی بے سند ہے' اس کی کوئی سند نہیں۔ سند تو ساری کتاب کے لطائف کی نہیں ہے' پھر ان کہانیوں کو شائع کیوں کیا اس کا جرم آپ لوگوں پر قائم ہو گا اور میں کہتا ہوں کہ جس قدر کتب فقہ حنفیہ میں امام ابوحنیفہ کے نام سے مسائل لکھے ہیں : قال ابوحنیفہ کذا عند ابی حنیفہ۔ کسی کی بھی سند امام تک نہیں پہنچتی۔ عوام کی عادت ہے کہ جو شخص مشہور ہو اس کے نام سے مسائل لکھ دیتے ہیں' تاکہ لوگوں کا اعتماد جم جائے۔ کوفہ اور ماحول کوفہ میں بیس ابوحنیفہ کے نام کے لوگ گزرے ہیں جو اکثر گمراہ تھے۔

کسی سند سے یہ ثابت نہیں کہ یہ مسئلہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کا ہے۔ یہی حال لطائف علمیہ کا ہے جس میں امام ابوحنیفہ کے نام سے لطائف علمیہ ان کی فقاہت اور ذہانت کا ثبوت دینے کو لکھے ہیں۔

چنانچہ کتاب مذکور کے ص۔۱۴۲ میں لطیفہ نمبر۔۱۴۰ میں ایک نوجوان کا ذکر ہے جو امام ابوحنیفہ کا پڑوسی تھا اس کی شادی ہونی مشکل تھی اس کو ایک ایسا حیلہ سکھلایا کہ اس کی شادی ہو گئی اور مہر وغیرہ جو کچھ عورت کو دیا تھا وہ بھی واپس مل گیا اور عورت مفت نکاح میں رہ گئی۔ مقلدین ایسے حیلوں سے امام ابوحنیفہ کی فقاہت ثابت کرتے ہیں اور علماء محدثین ان کی قباحت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ دیانت کے خلاف واقعات ہیں۔ ہاں یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان کو رائے قیاس چلانے میں خوب مہارت تھی' اس لئے ان کو امام اہل الرائے کہا گیا۔

درمختار مصری جلد اول ص۔۴۱۴ میں لکھا ہے : ثم الاکبر راسا والاصغر عضوا۔ یعنی "اگر امامت کی تمام شرائط میں برابری ہو تو پھر اس شخص کو امام بنایا جائے جس کا سر بڑا ہو اور ذکر چھوٹا ہو۔" یہ اہل رائے کی رائے کا نمونہ ہے کہ بڑے سر والا عقلمند ہوتا ہے اور بڑے ذکر والا شہوت رانی کا احتمال رکھتا ہے اور چھوٹے ذکر والے میں یہ احتمال نہیں ہوتا۔

شرح مراقی الفلاح مصری جلد اول ص۔۱۷۵ میں ہے : لان کبرہ الفاحش یدل غالبا علی دنائۃ الاصل۔ یعنی "عضو مخصوص کے چھوٹے ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بہت بڑا ہونا عموماً ذلیل ہونے کی علامت ہے اور فقہ کی مشہور کتاب طحطاوی جلد اول ص۔۱۷۵ میں ہے : فسر بعض المشائخ الاصغر ذکرا۔ یعنی "بعض مشائخ حنفیہ نے عضو کی تفسیر ذکر کے ساتھ کی ہے۔"

اب غور کرو کہ امام ابن الجوزی کے ابوحنیفہ سے منقول لطیفہ علمیہ کو اس لئے ٹھکرا دیا کہ اسے عقل قبول نہیں کر سکتی کہ ابوحنیفہ کا یہ مسئلہ اور حیلہ ہو تو پھر کتب فقہ درمختار اور مراقی الفلاح طحطاوی وغیرہ کے ایسے مسائل کو کیسے قبول کر گئی کہ بڑے ذکر والے کے مقابلہ میں چھوٹے ذکر والا امامت کا مستحق ہوا۔ اسی طرح بعض شرمگاہ کے متعلقہ مسائل کتب فقہ حنفیہ سے جمع کئے جائیں تو ایک مستقل رسالہ بن جاتا ہے' پھر شرمگاہ کی بیع کا مسئلہ اگر بیان کیا جائے تو اس کو خلاف عقل وحیا کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہاں کتاب وسنت

میں ایسے بے ہودہ مسائل کا ذکر نہیں کہ وہ وحی آسمانی ہے اور کتب اہل رائے کی وحی زمینی ہے۔

فتاویٰ افریقیہ کے ص-۱۷۱ میں سوال وجواب یوں لکھا ہے کہ زید اگر ایام حیض میں عورت کی ران یا شکم پر آلت کو مس کر کے انزال کر لے تو جائز ہے' یا نہیں؟ جواب : "پیٹ پر جائز ہے' ران پر ناجائز۔"

احکام شریعت بریلویہ حصہ سوم ص-۳۴۴ میں ہے کہ زن وشوہر کا باہم ایک دوسرے کو چھونا مطلقاً جائز ہے۔ حتیٰ کہ فرج وذکر کو بہ نیت صالحہ موجب ثواب واجر ہے۔ پھر اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس دیوبندی اور بریلوی ہر دو گروہ ذکر فرج دونوں شرمگاہوں کے مسئلہ مستخرجہ ومستنبطہ کو تسلیم کرتے ہیں' تو لطائف علمیہ کے مسائل کو خلاف عقل وحیا کیوں قرار دیتے ہیں۔

درمختار میں ہے جس کی بابت یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب باذن نبوی تیار کی گئی ہے : واما فی دبر نفسہ فرجح فی النصر عدم الوجوب الا بالانزال۔ یعنی "اگر کسی شخص نے اپنے کو اپنی دبر میں داخل کیا تو راجح مذہب یہ ہے کہ اگر انزال ہو گیا تو غسل واجب ہوا' اگر انزال نہ ہوا تو غسل واجب نہیں۔ یہ مسئلہ تو لطائف علمیہ سے بھی دوگنے بڑھ گیا ہے جو بدیہی طور خلاف عقل وحیا ہے۔

اول تو بغیر انتشار کے دبر میں انزال نہیں ہو سکتا اور اگر انتشار ہوا تو دبر میں دخول ممکن نہیں۔ اگر مسئلہ لکھنے کے زمانہ میں کسی حنفی نے ایسا عمل کیا اور فتویٰ دینے کی نوبت آئی تو پھر لطائف علمیہ کے لطیفہ ذکر کی بیع کا بھی خلاف عقل وحیا نہیں ہو سکتا۔ ایسی ٹائپ کے اور مسائل بھی کتب فقہ میں موجود ہیں اور اکثر ایسے ہیں کہ ان کی صورتوں کا وقوع ہی نہیں ہوا' فرضی طور پر تیار کر کے لکھے گئے ہیں اور یہ شرعاً ناجائز ہے۔

ترجمان السنۃ جلد اول ص-۲۶ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر سے تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ جو واقعہ اب تک پیش نہ آیا ہو اس کے متعلق مجھ سے فرضی سوالات کرو' کیونکہ جو واقعات اب تک پیش آچکے ہیں ہمیں ان کے غور وخوض میں ہی کافی مصروفیت رہتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جب فرضی سوالات کئے جاتے تو آپ دریافت فرماتے کہ کیا یہ واقعہ پیش آچکا ہے' اگر کہا جاتا نہیں تو

فرماتے جب تک پیش نہ آجائے اسے رہنے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استلام حجراسود کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر سائل نے یہ فرضی سوالات شروع کر دیئے کہ اگر بھیڑ ہو جائے اور میں نہ کر سکوں' تو جواب دیا : اجعل ارایت بالیمن۔ "کہ اپنے ان فرضی سوالات کو یمن میں ڈال۔"

ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام معاذ بن جبل و عمار رضی اللہ عنہما اور دیگر تابعین و علماء سے بھی بکثرت ایسے آثار مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محض دماغی تفریحات میں پڑے رہنا انسان کی عملی جدوجہد کے لیے مضرت رساں ہے' لیکن امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا جس پر مقلدین حنفیہ نے کتب فقہ تیار کیں کہ حادثہ پیش آنے سے پہلے اس کے لیے مسائل کی تیاری کرو' تاکہ واقعہ پیش آجائے تو اس سے راہ نجات معلوم رہے۔ چنانچہ اسی بنا پر ابواب فقیہہ کی اونچی اونچی تعمیریں کھڑی کی گئیں جن کو پڑھ سن کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ کتاب وسنت اور آثار سلف میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا' اس لئے ایسے فقیہہ مسائل پڑھنے اور سننے سے احتراز کرنا لازم ہے۔ والسلام

عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد ۵۹' شمارہ ۱۷ مورخہ یکم رمضان سنہ ۱۳۹۸ھ

گھر میں کتا رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال : ایک کتا جب اذان ہوتی ہے تو اذان کے ساتھ ہی رونا چلانا شروع کر دیتا ہے۔ پانچوں وقت اذان کے ساتھ اسی طرح کرتا ہے۔ کئی لوگ کہتے ہیں کہ اسے فرشتہ یا شیطان نظر آتا ہے' آپ اس کا جواب دیں کہ اس کو مار دیا جائے یا نہیں؟ کیا وجہ روتا کیوں ہے۔ کتا گھر میں رکھا ہوا ہے مار دیا جائے؟ (سائل عبدالغنی مسکین ضلع لائل پور)

جواب (۱۷۶) : کتا گھر میں رکھنا جائز' مگر شکاری کہ اس سے شکار کیا جائے' یا بھیڑوں بکریوں کے ریوڑ کی حفاظت کے لیے' جب کہ ریوڑ کے پاس رکھا جائے یا باہر' یا کھیت کی حفاظت کے لیے رکھا جائے۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کتا گھر میں رکھنا ناجائز ہے' اگر کوئی رکھے گا تو اس کے اعمال سے ایک قیراط ہمیشہ کم کیا جائے گا اور رحمت کا فرشتہ اس کے گھر میں داخل نہ ہو گا۔ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب ذکر الکلب۔

حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے کتوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا' لیکن یہ فرمایا کہ شکاری کتے اور بکریوں وغیرہ حیوانوں کے محافظ کتوں کے بغیر سب کتوں کو قتل کر دو۔ خاص کر سیاہ کتے کو آپ نے شیطان فرمایا ہے۔ اس کو ضرور قتل کیا جائے۔ دیگر یہ حدیث ہے کہ گدھے اور کتے کی آواز سنو تو یہ دعا پڑھو : اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کو شیطان نظر آتا ہے اور حدیث میں ہے کہ مرغ کی آواز پر یہ دعا پڑھو : اللھم انی اسئلک من فضلک کیونکہ یہ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے' والسلام۔

کتبہ عبدالقادر حصاری

فتاویٰ ستاریہ جلد چہارم ص۔۱۴۹

ہیجڑوں کی مردم شماری

(ایک مزاحیہ مضمون)

سنہ ۵۸۔۱۳۵۷ھ کا ذکر ہے کہ دہلی میں ہیجڑوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ جب ان کا اجلاس ہوا اور صدر المخنثین نے تقریر شروع کی تو اپنے سامعین کو "بہن بھائیو" کے متضاد الفاظ سے تخاطب کیا۔

اس پر ہمارے محترم حضرت مدیر صاحب صحیفہ اہلحدیث مدظلہ العالی نے اپنے قابل قدر مضمون معنون باشارات میں عربی طلباء کی تفریح طبع کے لیے مزاحیہ طور پر ایک علمی سوال کیا تھا کہ بتاؤ ہیجڑا مذکر ہے یا مؤنث؟ اس کا جواب کمترین نے قہقہانہ طریق سے بہت مفصل دیا تھا جو کہ "صحیفہ" میں قسط وار دو تین ماہ تک درج ہوتا رہا' اس میں ہیجڑے کے متعلق اس کی مختلف حالتوں پر غور و فکر کرتے ہوئے مختلف احکام درج کئے گئے۔ کسی حالت میں ہیجڑا مذکروں میں داخل ہو جاتا تھا اور کسی حالت میں مونثوں میں داخل ہو جاتا تھا اور کسی میں خنثیٰ مشکل کے مصداق ہو کر بین بین رہ جاتا تھا' لیکن یہ جواب اس وقت دیا گیا تھا جب دور غلامی تھا اور حکومت طاغوتی تمام ملک پر چھائی ہوئی تھی اور پھر جواب بھی ایک معمولی شخص کا تھا' جو نہ حاکم تھا اور نہ کسی حاکم اعلیٰ کا ملازم تھا' بلکہ ایک دیہاتی شخص تھا۔ جس کی اس وقت بھی اور اب بھی کوئی وقعت نہیں۔ (یہ آپ کی کسر نفسی ہے ورنہ شرعی نقطہ نگاہ سے تو حملة القرآن ہی وقیع اور شریف ہیں' مدیر) اس لئے مدیر "صحیفہ" مدظلہ العالی اور دیگر حکام و علیا نے ہمارے اس جواب کو مستند نہیں سمجھا۔ (مستند نہ ہوتا تو صحیفہ میں شائع کیوں ہوتا۔) بایں درجہ مدیر صاحب کا یہ علمی سوال داخل دفتر ہو کر کسی مستند جواب کا انتظار کرتا رہا۔

اب جب کہ تمام اہل اسلام مذکر اور مونث اور مخنث طاغوتی حکومت سے آزاد ہو کر برسر اقتدار ہو گئے ہیں' تو اب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہیجڑوں کو کسی پارٹی میں شمار کیا جائے۔ چنانچہ پاکستان کے نظم و نسق کو مستحکم کرتے ہوئے جاری حکومت نے خانہ شماری' مردم شماری' انتخاب وغیرہ امور کو سرانجام دینا چاہا' تو ہیجڑوں کا مسئلہ یہی درپیش ہوا اور ہمارے مدیر "صحیفہ" کا وہی سوال ان کو اطلاع دیئے بغیر ان کے دفتر سے نکل کر حکومت کے

دفتر میں چلا گیا اور وہاں سے بعد از تحقیقات جو مستند جواب لایا ہے' وہ جریدہ "اہلحدیث" مطبوعہ ۵ صفر سنہ ۱۳۷۰ھ ص ۲۱ میں شائع ہو چکا ہے۔ جس کا یہ کمترین مجیب اول جناب مدیر صحیفہ عم فیضہ سائل مذکور کے دفتر میں اخبار مرقومتہ الصدر سے نقل کر کے ارسال کر رہا ہے اور وہ یہ ہے۔ "پاکستان کے کمشنر مردم شماری نے اعلان کیا ہے کہ مخنشوں یعنی ہیجڑوں کا شمار مردوں میں ہو گا' جو کئی ہزار نہیں بلکہ لاکھوں تک ہیں۔" یہ جواب نہایت مستند ہے' کیونکہ حکومت کی طرف سے بعداز تحقیقات شائع ہوا۔ حکومت کے نافذ کردہ حکم کو اگرچہ وہ کتاب وسنت اور فقہ کے خلاف ہو کوئی شخص مسترد نہیں کر سکتا۔

اب تو مدیر "صحیفہ" اور دیگر ہر مذہب کے شخص کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا' خواہ ہیجڑہ مشابہہ مذکر ہو' یا مشابہہ مونث ہو یا خنثیٰ مشکل ہو۔ سب کے سب ہیجڑے مذکر کے حکم میں ماننے پڑیں گے اور ان پر تمام احکام مذکروں کے جاری کرنے ہوں گے۔ مثلاً امامت نماز' جنازہ' نکاح' وراثت وغیرہ۔ اب جو بغاوت کرے گا' اس کو سیفٹی ایکٹ کے ماتحت گرفتار کر کے نظر بند کیا جائے گا۔ لہٰذا ہر پاکستانی کو بلاچون وچرا یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ تمام ہیجڑے مردوں میں شمار ہیں۔

کل کو جب حسب قرارداد مقاصد جب کتاب وسنت پر قوانین اسلامیہ کی بنیاد رکھی جائے گی' تو ہیجڑوں کے لیے مردم شماری کا یہ حکم نہایت مفید ثابت ہو گا اور وہ اس مستند حکم کو جو پاکستان میں بالاجماع جاری کیا جائے گا' بطور سند حکومت کے سامنے پیش کر کے مردوں کے تمام حقوق کا مطالبہ کریں گے' اگر مدیر صحیفہ یا دیگر کسی اہل علم کو کچھ عذر ہے تو وہ مردم شماری سے پہلے مرکزی دفتر کراچی میں درخواست دے کر مناسب کاروائی کر لیں۔ خصوصاً حنفی صاحبان جو علم فقہ پر حکومت کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں' وہ تو ضرور ہی اپیل کر لیں ورنہ کتب فقہ میں کتاب الخنثیٰ بالکل بیکار ہو جائے گی' باقی اہلحدیث کو بھی یہ اختیار ہے کہ چارہ جوئی کر لیں' مگر ان کی اقلیت ہے' کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی۔ خصوصاً ہمارے محترم فاضل جناب حکیم مولانا محمد صادق صاحب علامہ سیالکوٹی تو کچھ عذر ہی نہیں کر سکتے' کیونکہ انہوں نے تو موجودہ حکام کی وفاداری اور اطاعت کا حکم فرما دیا ہے۔ (رسالہ فتنہ مودودیہ ملاحظہ ہو) اور ان کو اولی الامر منکم کا مصداق ٹھہرا کر ان کی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہوئے نافرمانوں کو غداروں کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے اور موجودہ حکام کی اطاعت کو عین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قرار دے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ "حکاموں کی کوتاہیوں اور عیبوں پر صبر کرو

اور مخالفت نہ کرو' کیونکہ جو کوئی حاکم اعلیٰ کی جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہوا اور اس علیحدگی میں بلا توبہ مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

پس حکم ہیجڑوں میں علیحدگی کرنے والا ایک بالشت ضرور علیحدہ ہو جائے گا' تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا' اس لئے مولانا المحترم محمد صادق صاحب مدظلہ العالی نہ تو حکمت کی رو سے اس نافذ شدہ حکم پر کوئی مخالفانہ کاروائی کرسکتے ہیں اور نہ شرعی حیثیت سے اس پر چون وچرا کرسکتے ہیں۔ وہ تو صبر سے خاموشی اختیار کریں گے۔ باقی رہے جماعت اسلامیہ کے علماء اور دیگر اہلحدیث فضلاء جو سفارشی کمیٹی کی سفارشات پر تنقید کر رہے ہیں' وہ اگر تنقید کرنا چاہیں تو کرلیں' شاید کوئی اصلاح کرسکیں' مگر ان کا یہ فرض تو ہے کہ ہیجڑوں کے متعلق کتاب وسنت یا فقہ سے کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت حکم نکال کر حکومت کے سامنے پیش کریں کہ ہیجڑے عورتوں میں شمار ہیں' یا بین بین ہیں۔ ان کو مذکر اور مونث میں تیسرا فرد قرار دیا جائے' کیونکہ شریعت اسلامیہ نے ان کا نام تیسرا رکھا ہے' اگر یہ مذکر یا مونث نہ ہوتے تو ان کو مخنث نہ کہا جاتا' فتذکر۔

بہرکیف ہمارے مدیر "صحیفہ" دام اقبالہ اپنے قدیمی سوال کو اور پاکستانی جواب کو ملا کر اس کی تائید یا تنقید سے ناظرین کو فیض بخشیں گے۔ والسلام

صحیفہ اہلحدیث : ہیجڑا مذکر ہے' یا مونث اور اس کی مردم شماری مردوں میں کی جائے' یا عورتوں میں؟ اس کا فیصلہ تو ارباب حکومت یا آنجناب جیسے ذی فراست ہی کرسکتے ہیں۔ ہم تو صرف اتنا مشورہ دینے کی جرات کرسکتے ہیں کہ ان کا نام "شترمرغ" کی طرح کوئی ایسا تجویز کیا جائے' جو مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ان کے لئے دستور بھی ایسا بنایا جائے جو دونوں کے حقوق کا تحفظ کرسکے اور یہ بات حکومت یا آپ جیسے مدبرین کے لیے کوئی دشوار نہیں ہے۔ بات پر بات یاد آتی ہے۔ ایک بنئے کی دکان پر ایک ہیجڑا چڑھ آیا' بنیا اس پریشانی میں پڑگیا کہ آیا وہ ہیجڑے کو کن الفاظ میں کہے کہ وہ پیچھے ہٹ جائے' بالآخر بہت سوچ وبچار کے بعد غیظ وغضب کے عالم میں آکر کہا' حرام کی ڈھ ...... کا پیچھے ہٹ جا۔ بس "العاقل تکفیہ الاشارہ" پر اکتفا ہے۔ فقط

عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث مورخہ ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۷۰ھ

مولانا حصاری کا مزاحی ظلم

موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی!

خونم بریخت و زغم ہجرم خلاص داد
منت پذیرٌ غمزہ خنجر گزار مت

مکرم و محترم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب حصاری نے ہیجڑوں کی تذکیرو تانیث کی پکڑ دھکڑ کے اندھیرے میں راقم الحروف کے مسلک کے سویرے کا ذکر چھیڑ کر بعض قارئین "صحیفہ" کے لئے تشکیک و تخمین کی ایک صورت پیدا کر دی ہے۔ کہاں ہیجڑوں کی مردم شماری ---- ان کی تذکیرو تانیث ---- حکومت کا انہیں مذکر قرار دینا ---- حنفیوں کو اپیل کے لئے کہنا ---- اہلحدیثوں سے چارہ جوئی کرانا ---- اور کہاں اس ہیچمیدان خاکسار کو حکومت پاکستان کا مفتی بنانا۔

مجھ تک کب اس کی بزم میں آیا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

مخنثوں کے نر پن اور مادہ پن کے تذبذب کے گیسو تو ہمیشہ منت پذیر شانہ رہیں گے۔ حضرت مولانا محترم کے مذاکرہ فکاہیہ کے ترشح سے زنخوں کی تذکیرو تانیث کی ملی جلی مٹی سے کھمبیں (MUSHROOM) بھی اگتی رہیں گی۔ جنہیں تذکیر کے گلہائے رنگا رنگ کا حسن رعنا اور تانیث کی یاسمینوں کا اندازہ دلبری پامال کرتا رہے گا۔ ہیجڑوں کے اس "چیستانی مسئلہ" سے قطع نظر مجھے اپنی پوزیشن کی وضاحت ایک حد تک ضروری ہے۔

فاضل محترم مولانا حصاری نے میرے گرد یوں حصار کھینچا ہے۔ یعنی ۱۵ ربیع الثانی ۷۰ ۱۳ھ کے "صحیفہ" میں آپ نے "فتنہ مودودیہ" کے حوالہ سے عبارت ذیل میرے ذمہ لگائی ہے۔ حالانکہ "فتنہ مودودیہ" میں یہ عبارت بعینہ ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ وھو ھذا۔

"حکاموں کی کوتاہیوں اور عیبوں پر صبر کرو اور مخالفت نہ کرو۔ کیونکہ جو کوئی حاکم اعلیٰ کی جماعت سے ایک بالشت علیحدگی میں بلا توبہ مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

معزز ناظرین یہ عبارت من اولہ الیٰ آخرہ بالکل ان الفاظ کے ساتھ رسالہ "فتنہ مودودیہ" میں ہرگز نہیں ہے۔ مثلاً اس تحریر کے شروع میں لفظ "حکاموں" میں ہے سارے رسالہ میں یہ لفظ کہیں بھی موجود نہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ شاید مولانا موصوف نے حکام سے "حکاموں" کسی نوع کا خنثیٰ بنایا ہے۔ جس سے مؤلف رسالہ کو کوئی سروکار نہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ میں نے "فتنہ مودودیہ" ص۹۶ پر ایک متفق علیہ حدیث لکھی ہے۔ اور حدیث کے متن کا ترجمہ اور ترجمہ کی وضاحت کے لئے قوسین میں اپنی طرف سے تشریحی الفاظ تحریر کئے ہیں۔ حضرت مولانا ممدوح نے میرے ساتھ یہ ہاتھ کیا ہے۔ کہ حدیث شریف کی بغلی سرخی' اس کے ترجمے اور قوسین کے میرے الفاظ کے انتخاب سے خود ایک آپ عبارت بنالی۔ اور نبی (ﷺ) اور امتی (راقم الحروف) کے الفاظ کی ایک مخلوط عبارت تیار کر کے میرے نام سے شائع کر دی ہے۔ اب کوئی شخص یہ تمیز نہیں کر سکتا۔ کہ عبارت مذکور میں حدیث کے الفاظ کون سے ہیں۔ اور راقم الحروف کے تشریحی الفاظ کتنے ہیں؟

سادگی و پرکاری بے خودی نہ ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرات آزما پایا

اب ہم قارئین کرام کی نگاہ منتظر سے پردہ اٹھاتے ہوئے تمام حدیث اول سے آخر تک یہاں تحریر کرتے ہیں تاکہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجائے۔ حدیث مع سرخی حسب ذیل ہے۔

حکام کے عیبوں اور کوتاہیوں پر صبر کا حکم: وعن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من رای من امیرہ شیئا یکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرًا فیموت الامات میتتہ جاھلیۃ۔ (بخاری۔ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص دیکھے اپنے حاکم سے کوئی چیز۔ کہ مکروہ اور ناپسند جانے اس کو (شرعاً یا طبعاً) پس چاہیئے کہ صبر کرے۔ (یعنی مخالف اور غادر بن کر اس کی اطاعت نہ چھوڑ دے) کیونکہ جو کوئی (سلطان یا حاکم اعلیٰ کی) جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہوا اور علیحدگی میں بلا توبہ) مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (فتنہ مودودیہ ص۹۴)

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں

ایھا الناظرین! اب منقول اور منقول عنہا دونوں چیزیں آپ کے سامنے آگئی ہیں۔ کیا دونوں میں فرق ہوا یا نہیں؟ عالم نبیل فاضل جلیل حضرت مولانا حصاری کے "کلمہ حصر" اور منقول عنہا یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ میں اس زاویہ نظر سے بعد المشرقین ہے کہ ناظرین یہ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ "کلمہ حصر" (عبارت بالا) حکومت کے حق میں بلا دلیل شرعی راقم الحروف کا فتویٰ ہے۔ حالانکہ نہ وہ میرا قول ہے نہ فتویٰ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اُولی الْاَمْر یعنی خلیفہ' والی' سلطان اہل ریاست و سیاست سے متعلق حدیث ہے۔ جس کی رو سے حکومت پاکستان کی اطاعت معروف میں ضرور کرنی چاہئے اور منکر میں ہرگز نہیں۔ جیسا کہ اسی رسالہ "فتنہ مودودیہ" کے ص ۸۳ سطر ۹ کے اخیر اطاعت امیر کے لئے "معروف میں" کے الفاظ موجود ہیں۔

اور حکومت سے وفاداری کے متعلق جو میرا ایک مضمون اخبار "زمیندار" لاہور مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں بھی یہی لکھا تھا کہ

"اطاعت صرف معروف میں ہے"

لیکن حضرت مولانا نے "کلمہ حصر" کو میرے قول یا فتوے کی حیثیت سے شائع کرتے وقت یہ ہرگز نہیں لکھا۔ کہ دراصل یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ جس کے راوی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور جو صحیح بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ "کلمہ حصر" کو زینت قرطاس فرما کر خود ہی صغریٰ کبریٰ اور حد اوسط قائم کر کے نتیجہ بھی آپ ہی نکال لیا ہے۔

پس حکم ہیجڑوں میں علیحدگی کرنے والا ایک بالشت ضرور علیحدہ ہو جائے گا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

سادگی پر اس کے مر جانے کی حسرت دل میں ہی
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

اب آپ غور فرمائیں کہ فکاہیہ مضمون کے بین السطور کو پڑھنے والے قارئین "صحیفہ" میں تھوڑے ہیں۔ اگر یہ سطور میری طرف سے زینت "صحیفہ" نہ بن سکتیں تو تقریباً سب ناظرین نے یہ سمجھ لینا تھا۔ کہ عبارت مذکور راقم الحروف کی طرف سے ایک شرعی فتویٰ ہے۔ جس کی رو سے حکومت کے ہر قسم کے حکم (جیسے ہیجڑوں کی تذکیر) سے ذرا

بھی چون و چرا کرنے والا جاہلیت کی موت مرے گا۔

صاف دردی کش پیمانہ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں

کتب لغت میں ظلم کی تعریف ہی وَضْعُ الشَّیْئِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا ـــــــ پس حدیث رسول اللہ ﷺ کو اس کے اصل محل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہٹا کر اس میں کانٹ چھانٹ کر کے اسے راقم الحروف کے نام سے ایسے پیرایہ میں شائع کرنا جس سے اس کا اصل مفہوم اور منطوق مستور ہو جائے میرے محترم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب حصاری سلمہ الباری کے مزاج کا مجھ پر ظلم ہے اور اس "ظلم کے حادثہ" میں "صحیفہ" (کثر اللہ اشاعتہ) برابر کا شریک ہے۔

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرض ستمہائے جدائی کا

ادارہ مکرمی! صحیفہ اہلحدیث مولانا المحترم حصاری اور آنجناب کا یکساں خادم ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ دن نہ لائے کہ خادم اپنے مخدوموں پر ظلم کرے یا شریک ظلم ہو۔ رسالہ فتنہ مودودیہ کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا صاحب حصاری نے جو کچھ ارقام فرمایا۔ اس کو من و عن خادم نے اپنے مخدوم تک پہنچا دیا۔ جس سے مخدوم کو اپنے خیالات کی وضاحت کا موقعہ مل گیا۔ اس پر مخدوم اپنے خادم کو شریک ظلم سمجھے۔ تو کیا یہ خادم پر ظلم نہ ہو گا؟ فقط والسلام

از حکیم محمد صادق سیالکوٹی

صحیفہ اہلحدیث جلد ۳۱، شمارہ ۱۰، مورخہ ۱۵ جمادی الاول سنہ ۷۰ ۱۳ھ

ظلم کا غلط تصور

بلے مرد آں کس است ازروئے تحقیق
کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید!

حضرات اس خادم القوم نے صحیفہ مطبوعہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ میں ایک مزاحیہ مضمون لکھا تھا۔ جو بالکل صداقت پر مبنی تھا۔ کیونکہ جھوٹ بولنا مزاحاً بھی جائز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِيْ وَسْطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَاِنْ كَانَ مَازِحًا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔ "یعنی میں جنت کے وسط میں گھر دلانے کا اس شخص کے لئے ضامن ہوں جو جھوٹ کو بالکل چھوڑ دے اگرچہ مزاح کرنے والا ہو۔"

اس ہیچمداں نے جناب فاضل محترم مولانا حکیم محمد صادق صاحب دَامَ فَیْضُہٗ کی حکومت اسلامیہ کا یہ فیصلہ لکھا تھا کہ "مردم شماری میں ہیجڑوں کا شمار مردوں میں ہو گا۔"

اس مضمون میں جناب حکیم روحانی و جسمانی موصوف الصدر کا بھی یہ ذکر خیر آگیا تھا کہ ان کو اپنے اولی الامر کا یہ فیصلہ ماننا پڑے گا کیونکہ موجودہ حکام کی اطاعت کو وہ فرض سمجھتے ہیں۔ اور ان کی اطاعت عین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قرار دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

چنانچہ راقم مضمون نے انہی کی خاص تصنیف سے ان کی اس رائے قبیحانہ کو ثابت کر دیا تھا۔ اس پر ہمارے فاضل حکیم صاحب رنجیدہ خاطر ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے میری صحیح بات پر حرف گیری فرمائی ہے۔ اور میری اس اظہار حقیقت کو ظلم قرار دیا ہے۔ اَعوذ باللہ من الظلم۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ فتنہ مودودیہ میں یہ عبارت بعینہ ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں ہے۔

پھر حکیم صاحب نے نہایت حکیمانہ انداز سے اس پر بحث کر کے اس مضمون کے مفہوم سے اپنی بریئت کا اظہار کیا ہے۔ اور اپنی طرف سے صفائی پیش فرمائی ہے۔ جس کے

جواب میں یہ چند معروضات خدمت عدلیہ میں درپیش ہیں۔

جناب حکیم صاحب میری سابقہ تحریر اور اپنے تنقیدی جواب اور میرے جواب الجواب کو اپنے استاد مکرم حضرت علامہ مولانا میر صاحب سیالکوٹی مدظلہ کی خدمت میں پیش فرما کر فیصلہ کرالیں کہ میری کلام فی الواقع عدل ہے یا ظلم ہے؟

میرا دعویٰ یہ تھا کہ مولانا صاحب موصوف موجودہ حکام کو جو حکومت پاکستان کے علمبردار ہیں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کا مصداق ٹھہرا کر ان کی اطاعت کو عین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قرار دیتے ہیں اور نافرمانوں کو غداروں کا سرٹیفکیٹ عنایت فرماتے ہیں۔

اس پر جو میں نے ثبوت پیش کیا تھا اس کو آپ نے بھی نقل فرما کر میری تصدیق کر دی ہے۔ خفگی صرف اس بات پر ہے کہ میری منقولہ عبارت میں لفظ "حکاموں" ہے۔ میری عبارت میں حکیم صاحب کی بغلی سرخی اور ترجمہ حدیث اور قوسین کے الفاظ مخلوط ہیں۔ اور حکیم صاحب کی پیش کردہ عبارت میں سب کچھ جدا جدا ہے بس یہ فرق ہے۔

گویا میری عبارت اور حکیم صاحب کی منقولہ عبارت کا مفہوم تو ایک ہے۔ اور مسئلہ بھی ایک ہے صرف الفاظ کا تغیرو تبدل ہے۔

سو عرض ہے کہ میں نے آنجناب کے عندیہ کو آپ کی عبارت سے ثابت کیا ہے۔ اور عبارت آپ کی روایت بالمعنی کے طریق سے بطور خلاصہ پیش کی ہے میں نے اپنے مضمون میں کہاں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ عبارت یا الفاظ بعینہٖ حکیم صاحب کے ہیں۔ آپ کی سرخی اور آپ کے الفاظ خط و حدانی میں اور حدیث کا ترجمہ سب آپ کو مسلم ہیں۔ اور آپ کے عقیدہ کا اظہار کر رہی ہیں۔ پھر آپ ظلم کیوں قرار دیتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حکام کے کارنامے اسلامی دنیا پر روشن ہو چکے ہیں۔ اور اسلامی حکومت کی وہ تعریف جو کتاب و سنت کی رو سے علماء دین فرما رہے ہیں وہ حکومت موجودہ پر صادق نہیں آتی۔ (کیونکہ اس میں اقامتہ الدین کی شرط ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط مسلمہ قاعدہ ہے) اور نظام حکومت تین چار سال سے اس کا فرانہ بنیاد پر چل رہا ہے جس کو انگریز کافر نے بنایا تھا۔ اور تمام عدالتوں میں طاغوتی قانون پر خصومات کے فیصلے ہو رہے ہیں نہ حکومت کا نظام اسلامی ہے۔ اور نہ طریقہ کار اسلامی ہے اور نہ عدالت اسلامی ہے اور نہ قانون اسلامی ہے تو پھر یہ کتاب و سنت کی رو سے اولی الامر شرعی کے

مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اور ان کی اطاعت عین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور ان کی نافرمانی عین رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کس طرح قرار دی جا سکتی ہے۔

یہ حقیقت ہے جس سے حکیم صاحب متفق ہو کر اب اس کی لفظی بحث سے ٹالنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں بھی راز ہے۔ جس کی علماء اہل حق سے پردہ داری کر رہے ہیں۔

بنتی نہیں بات بناوٹ کی بال بھر
کھل جاتی ہے اخیر کو رنگت خضاب

آپ نے میری عبارت کو جو میں نے بطور خلاصہ کے لکھی ہے۔ اس لئے مسترد کر دیا ہے۔ کہ اس میں کچھ حرفوں کا تبدل تغیر ہو گیا ہے۔ اگرچہ مفہوم ایک ہے۔

سو یہ وجہ استرداد صحیح نہیں ہے آپ نے اپنی کتاب "فتنہ مودودیہ" میں خود یہ طرز عمل اختیار کیا ہوا ہے۔ (حکیم صاحب' ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند)

"لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالاَ تَفْعَلُوْنَ۝"

آپ ذرا غور سے ملاحظہ فرما کر انصاف کریں کہ آپ نے جو فتنہ مودودیہ کے ص۲۵ پر یہ لکھا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے مشکوٰۃ شریف میں فرمایا ہے کہ جو امیر شریعت کی شرائط کے مطابق اور اس کو مسلمان امیر بنا لیں اس کے ہوتے ہوئے اگر کوئی اور امیر کھڑا ہو تو امیر برحق کا فرض ہے کہ وہ دوسرے باطل امیر کو قتل کر دے۔"

اب آپ مہربانی فرما کر اول تو یہ ثابت کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشکوٰۃ کب لکھی ہے اور کب اس میں فرمایا ہے۔ اور پھر الفاظ منقولہ جن پر خط دیا گیا ہے حدیث کے الفاظ میں دکھلا دیں اور پھر اس اردو کلام کو رسول اللہ ﷺ کی کلام ثابت کریں۔ اور اس حدیث سے ڈریں جو نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی تھی کہ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (او کما قال)

ترجمہ اس کا ماشاء اللہ آپ جانتے ہی ہیں۔

صحیح ترمذی "کتاب العلل" ملاحظہ فرمائیں کہ محدثین ابو ذرعہ رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ایک ایک لفظ کی حدیث نبوی ﷺ میں پابندی کرتے تھے۔

اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں نے حدیث کے مطلب اور لازم معنیٰ کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس سے اصل حقیقت میں فرق نہیں پیدا ہوتا۔ تو یہی میرا جواب آپ کی کلام

کے متعلق ہے۔ "ما ھو جوابکم فھو جوابنا"

اگر یہ میری نقل آپ کو ظلم تصور ہے۔ تو پھر آپ بھی اپنا یہ ظلم تسلیم کریں۔ اور ان دونوں ظلموں میں جو فرق ہے اس کا بھی حکیمانہ نکتہ سے خیال فرمالیں۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اچھا حکیم صاحب اور سنئے! ص۲۶ میں ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ علماء کو سجدے وغیرہ سے عبادت نہیں کرتے تھے۔" الخ

بس آپ سجدے وغیرہ کے الفاظ حدیث میں دکھلا دیں۔ ورنہ اپنی اصطلاح ظلم کو واپس لیں۔

اور سنئے! آپ نے ص۸۵ پر علامہ مودودی امیر جماعت اسلامی دام اقبالہ کے متعلق ان کی توہین کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے۔

"امیر جماعت بول اٹھے۔ اللہ دی امان' خدا حکومت پاکستان کو سلامت رکھے۔ میں حکومت کا وفادار ہوں۔ میں تو ممدوٹ کے حضور حاضر ہو کر پاکستان کی وفاداری کا یقین دلا آیا ہوں اور وزیر داخلہ شہاب الدین کی خدمت میں بھی اپنا لٹریچر بھیج کر گذارش کر چکا ہوں کہ حضور میرا لٹریچر ملاحظہ فرمالیں۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ صرف مذہبی تبلیغ سے متعلق ہی ہے اور میں سر سے پاؤں تک حکومت کا وفادار ہوں۔" (انتھی بلفظہ)

پس آپ ان الفاظ سے مولانا مودودی کی یہ کلام ثابت کریں ورنہ وہ یہ آیت پڑھنے میں حق بجانب ہوں گے۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔

اور آپ کا یہ ظلم قرار پائے گا :

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں .
باہر ہے اختیار سے ان کی زبان بھی

اگر جناب محترم المقام حکیم صاحب اپنے ان ظلمات کو جو انہوں نے فتنہ مودودیہ میں کئے ہیں واپس لے لیں تو ہم بھی اپنا ایک ظلم واپس لینے میں دریغ نہیں کریں گے۔

جناب حکیم صاحب ناظرین کو مخاطب کر کے استفسار فرماتے ہیں کہ منقول اور منقول عنہا دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟

حضور عالی! جواب یہ ہے کہ دونوں کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ازباب روایت بالمعنی ہے۔ جامع ترمذی کتاب العلل میں امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول سن لیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصد قونی انما ھو المعنیٰ۔ ''کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں جو سنتا ہوں بعینہ وہی ادا کرتا ہوں تو تم میری بات نہ مانو۔ میں تو صرف مطلب ادا کرتا ہوں۔''

میں نے بھی آپ کے کلام میں تغیر یسیر کرتے ہوئے صرف مطلب ادا کیا ہے۔ آپ علماء دین سے تصدیق کرالیں۔ کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا نہیں؟

مزید تشریح آپ کی کلام مبارک سے اور کر دیتا ہوں۔ آپ ص ۹۴ میں فرماتے ہیں۔

''آج اس حکومت پاکستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس کی وفاداری کی وفائت اور حمایت میں یوں گویا ہیں۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (پارہ۵) ''اے ایمان والو حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور جو صاحب امر ہیں تم میں سے۔''

گویا آپ کے نزدیک یہ آیت برطانوی نظام پر حکومت چلانے والوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ نعوذ باللہ من ھذا الاعتقاد الفاسد۔

حضرات اہل علم جو سرکاری کمیٹی کی دستوری سفارشات پر تنقید و تبصرہ کرنے والے ہیں۔ حکیم صاحب کے اس غیر شرعی صنیع پر بھی حیرت نہ کریں۔ ذرا ان کی ایک اور عبارت بمعہ عنوان ملاحظہ فرمالیں۔ پھر مولانا کی یہ کتاب ان ۳۱ علماء کی کانفرنس میں پیش کردیں۔ جو آئندہ دستوری خاکہ پر تحقیقی بحث کرنے والی ہے یا حکیم صاحب کو دعوت دیں کہ وہ یہ فرما دیں۔

حکومت پاکستان کی اطاعت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کے وجوب کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ اولی الامر کا ترجمہ اصحاب الامر ہے یعنی اختیار اور حکم والے (خلفاء' ولاۃ' امراء' سلاطین' حکام)

اور مِنۡکُمۡ تم میں سے"

تو حاصل مطلب (۱) یہ ہوا کہ مسلمان حاکموں کی اطاعت کرو۔ اور پاکستان مسلمان حاکموں (۲) کی حکومت کا نام ہے بس بروئے قرآن پاکستان کی حکومت کی فرمانبرداری اور وفاداری مسلمانوں پر واجب ہوئی۔ اور جو حکومت کی نافرمانی کرے گا وہ غادر قرار پاکر عنداللہ گنہگار ہو گا۔" (انتھٰی بحروفہٖ)

ناظرین! واقف کاران حکومت و ماہرین کتاب و سنت حکیم صاحب کی قوت استدلالیہ کی داد دیں۔ ہم نفس مسئلہ پر تو کسی دوسری فرصت میں تنقیدی معروضات پیش کریں گے۔ یہاں صرف ان کا محدثانہ فیصلہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور ان کی علمی تحقیق کا مظاہرہ ہے۔ کہ وہ حکومت اسلامی اور امیر شریعت کی حقیقت کے کس طرح کے ماہر ہیں۔ آپ استدلال قرآنی کے بعد استدلال حدیثی سے کام لیتے ہوئے حکومت پاکستان کے نظام موجودہ پر عامل ہونے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

حکام کی اطاعت کے متعلق ارشاد رسول ﷺ: عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ۔ (الحدیث) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے میری فرماں برداری کی یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی اور جس نے میری نافرمانی کی پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے اطاعت کی امیر (حاکم اعلیٰ) کی پس تحقیق اطاعت کی میری اور جس نے نافرمانی کی امیر کی پس تحقیق نافرمانی کی میری۔" (تا آخر)

ان احادیث (۳) میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں وَمَنۡ یُّطِعِ الۡاَمِیۡرَ۔ امیر یا امام کی اطاعت میری اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے۔

معلوم ہوا کہ وقت کے مسلمان بادشاہ حاکم اعلیٰ یا گورنر جنرل کی نافرمانی رسول ﷺ کی نافرمانی ہے اور اطاعت نبی اکرم ﷺ کی اطاعت ہے۔ (انتھٰی بلفظہ)

---

(۱) کیا اگر اس کی بنیاد کفری اصول اور قانون پر رہے تب بھی؟ اتقوا اللہ ان کنتم مومنین۔

(۲) جناب حکیم جی میں نے آپ کی کلام کا حاصل مطلب لیا تو آپ خفا ہو گئے۔ اب آپ کلام الٰہی کا حاصل مطلب کیوں لے رہے ہیں۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

(۳) ایک حدیث کو کئی احادیث بنا دیا یہ بھی حکیمانہ تصرف ہے۔

پھر حکومت کے متعلق رائے زنی کرنے والوں کی ہدایت کے لئے دوسرا عنوان قائم کرتے ہیں۔

حکام کے عیبوں اور کوتاہیوں پر صبر کا حکم: پھر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی لکھتے ہیں۔ اور ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

"ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دیکھے اپنے حاکم سے کوئی چیز کہ مکروہ اور ناپسند جانے اس کو (شرعاً یا طبعاً) پس چاہیے کہ صبر کرے۔ (یعنی مخالف اور غادر بن کر اس کی اطاعت نہ چھوڑ دے) کیونکہ جو کوئی (سلطان یا حاکم اعلیٰ کی) جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہوا (اور علیحدگی میں بغیر توبہ) مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (انتھٰی بلفظہ)

(نوٹ) اس مضمون کی مزید اقساط دستیاب نہیں ہو سکیں۔ (خلیل)

کتبہ عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد ۳۱، شمارہ ۱۳، ۱۴ ماہ رجب سنہ ۷۰ ۱۳ھ

کچھ حافظ عنایت اللہ اثری گجراتی کے بارے میں

حافظ عنایت اللہ "اثری" گجراتی جن کا گزشتہ ماہ انتقال ہوا، جب بقید حیات تھے، اپنے بعض مخالف اہل حدیث عقائد اور تحریروں کی وجہ سے جماعت میں ایک متنازعہ فیہ شخصیت بنے رہے ہیں۔ یہی صورتحال تقریباً ان کی وفات کے بعد ہے اسی انداز کا ایک مضمون برائے اشاعت ادارہ "الاعتصام" کے نام آیا ہے، جس میں حافظ عنایت اللہ صاحب کی علمی و فکری لغزشوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ذاتیات سے قطع نظر علمی اور مسلکی نقطۂ نظر سے یہ تنقیدی مضمون ذیل میں دیا جارہا ہے کہ اہل حدیث کا قدیم سے یہ امتیازی وصف رہا ہے کہ وہ تعدیل کے ساتھ "جرح" کو بھی برابر ذکر کر دیتے ہیں خصوصاً جس صاحب علم کی ایسی تحریر لوگوں میں موجود ہو جو قرآن مجید احادیث اور مسلک صحابہ و تابعین، تبع تابعین بلکہ اجماع امت کے خلاف ہو تو اس کو ظاہر کر دینا ضروری ہے ورنہ کتمان حق کے وعید کا خطرہ ہے۔ معتقدین کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق!

بہرحال احقاق حق کے نقطۂ نظر سے یہ تحریر شائع کی جا رہی ہے تاکہ تصویر کے دونوں

رخ عوام کے سامنے آجائیں یہ مقصد چونکہ درج ذیل تحریر سے ان شاء اللہ حاصل ہو جائے گا اس لیے آئندہ اس موضوع پر اور کوئی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ (مدیر ہفت روزہ الاعتصام)

ہفت روزہ "الاسلام" گوجرانوالہ کے ۱۳ جون کے شمارے میں "ضروری وضاحت" کے عنوان سے ایک مضمون حافظ عنایت اللہ اثری گجراتی کی بابت شائع ہوا ہے جس میں لکھا گیا ہے۔ "پچھلے شمارہ میں حافظ عنایت اللہ صاحب اثری کی وفات پر اظہار تاسف کیا گیا تھا۔"

افسوس کہ وہ شمارہ کمترین کو نہیں ملا۔ معلوم نہیں کہ اس میں کیا گلفشانی کی گئی ہے لیکن لفظ تاسف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا ہو گا جو ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے مذہب اہل حدیث بلکہ اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ علماء اہل حق کے نزدیک ان کی کچھ وقعت نہ تھی انہوں نے گمراہ کن کتابیں لکھیں مزید کہا گیا ہے (جو اظہار تاسف سے بھی بدتر ہے)۔

"حافظ صاحب کے حالات دو قسم کے تھے ان سے جو کچھ سرزد ہوا وہ حالت اضطراب میں تھا جس میں وہ مرفوع القلم تھے ان کے حواس و عقل درست نہ تھے۔"

یہ باطل تاویل ایسے ہی ہے جیسے کوئی مرزا غلام احمد قادیانی کی بابت کہے کہ اس کے حالات دو قسم کے تھے ایک حالت استقامت جب کہ انہوں نے براہین احمد یہ لکھی تھی۔ دوسری حالت اضطراب کہ جب انہوں نے امام مہدی اور مسیح عیسیٰ اور نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ مراق کی وجہ سے مرفوع القلم تھے۔ ان کے حواس اور عقل درست نہ تھے اس لیے ان کے بیانات میں تضاد ہے۔ لہٰذا مرزا قادیانی کو کافر نہ کہنا چاہیے۔ جیسے یہ تاویل باطل اور مردود ہے ایسے ہی حافظ عنایت اللہ کی بابت تاویل باطل اور مردود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حافظ عنایت اللہ نے جب کتابیں عیون زمزم، بحر قلزم، نظر حزیم، النظر الصحیح فی ولادۃ مسیح وغیرہ لکھی ہیں ان کے عقل و حواس درست تھے چنانچہ جن علماء اہل استقامت نے ان کی تردید کی تھی۔ ان کو ایسے دندان شکن جواب دیئے تھے کہ پھر وہ خاموشی کے گوشہ میں معتکف ہو کر بیٹھ گئے۔ حافظ عنایت اللہ کا یہ عقیدہ مردود تھا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا باپ یوسف نجار تھا اور ان کی

والدہ مریم نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ان صاحب نے چودہ کتابیں لکھیں ہیں۔ یہ باطل تاویل کرتے ہوئے اتنا خیال نہیں آیا کہ جو شخص اتنا مرفوع القلم ہے وہ علمی لحاظ سے کتاب کیا ایک صفحہ بھی نہیں لکھ سکتا۔ تعجب ہے کہ ایک اخبار کے اڈیٹر کو اتنا علم بھی نہیں کہ شرعاً مرفوع القلم کون کون شخص ہیں اس سلسلے میں جو حدیث آتی ہے اسے ذرا غور سے ملاحظہ کریں۔ یہ حدیث سنن ابو داؤد' نسائی وغیرہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل۔ یعنی "تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو سویا ہوا ہے جب تک بیدار نہ ہو دوسرا بچہ جب تک بالغ نہ ہو تیسرا مجنون اور دیوانہ شخص جب تک عقلمند نہ ہو جائے۔" پس گجرات کی جماعت اہل حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ حافظ عنایت اللہ نہ نائم تھے اور نہ بچہ نہ دیوانہ اور پاگل بلکہ عالم اور حافظ قرآن تھے۔ ہاں حافظہ میں فرق آگیا تھا اور نسیان عارض ہو گیا تھا لیکن جب انہوں نے اپنے باطل مسلک پر کتابیں لکھیں ہیں اس وقت ان کے ہوش و حواس عقل و فکر سب درست تھے اسی وجہ سے عام اور خاص لوگوں نے ان کی مخالفت کی چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب نظر حذیم کے شروع میں یہ لکھا ہے کہ

> "عیون زمزم شائع ہونے پر مقامی اور غیر مقامی طور پر علمائے عصر نے اپنے اپنے خطبات جمعہ میں اس کی تردید فرمائی اور فتوے بازی سے کام لے کر جیسے ابتداء سے ان کا طریقہ چلا آرہا ہے میری سخت مخالفت کی چکڑالوی' قادیانی' خاکساری' اہل تشیع' بریلوی' دیو بندی' اسلامیہ جماعت اور اہل حدیث سب خلاف ہو گئے اور اشتہارات میں علمائے کرام سے میری بابت فتویٰ کفر و ارتداد کا پرزور مطالبہ کیا گیا بلکہ بعض نے تو مجھے واجب القتل ٹھہرایا۔ جس کی وجہ سے کچھ دنوں تک میری نگرانی ہوتی رہی۔ علمائے کرام کے فتوے کے مطابق نماز و خطبات جمعہ میں بہت سے دوستوں نے حاضری چھوڑ دی۔"

اس صراحت سے صاف ظاہر ہوا کہ حافظ عنایت اللہ مخبوط الحواس اور مجنون اور مرفوع القلم نہ تھے۔ ورنہ اتنی کثیر التعداد میں علماء اور عام مسلمان ان کی مخالفت نہ کرتے بلکہ یہ مشتہر کر دیتے کہ حافظ عنایت اللہ کا دماغ خراب ہو چکا ہے اور وہ مخبوط الحواس اور دیوانہ

مرفوع القلم ہیں ان کے کسی مسئلہ کا اعتبار نہ کیا جائے لیکن ایسا کام ان کی جماعت اور غیر جماعت کسی نے بھی نہ کیا تو اب آزاد صاحب کی اس تاویل سے عوام مغالطے میں نہ پڑیں گے تو اور کیا ہو گا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ صاحب خود رائے مجتہد بنے ہوئے تھے اور علمی پندار میں مبتلا تھے اور بل اَضَلَّہُ اللّٰہ علی علم کا مصداق تھے۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے یہ کسی کے علم اور عقل پر موقوف نہیں ہے نبی اکرم ﷺ باوجود رسول اللہ ﷺ ہونے کے یہ دعا بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ ﷺ یہ دعاء کثرت سے پڑھتے ہیں حالانکہ ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کتاب و سنت پر ایمان رکھتے ہیں کیا آپ کو ہماری طرف سے کوئی ڈر اندیشہ لاحق ہے؟ آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں تمام دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان میں ہیں وہ جدھر چاہے پھیر دے۔" پس جو عالم ہو کر گمراہ ہو وہ سب سے برا ہے کہ اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ چنانچہ حافظ عنایت اللہ کی اکثر تصنیفات گمراہی سے پر ہیں جن کو پڑھ کر بہت لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ جن علماء نے ان کی تردید کی یا اصلاحی مکتوبات لکھے ان کے جوابات بھی موصوف نے کتابی صورت میں شائع کر دیئے۔ جن کے نام نظر حزیم نعم الوکیل، نعم النصیر وغیرہ ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل سابق امیر جمعیت اہل حدیث مرحوم پنجاب میں چوٹی کے عالم تھے۔ آنجناب نے ایک مشفقانہ مکتوب حافظ عنایت اللہ کو لکھا جس کی نقل مندرجہ ذیل ہے۔

الجامعتہ السلفیہ لائل پور۔ تاریخ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۳ء مکرم حافظ صاحب! تحیۃ مسنون مزاج گرامی

کل غلام رسول صاحب گجرات سے تشریف لائے تھے انہوں نے اس ہنگامہ کا ذکر کیا جو آپ کی نئی کتاب کی اشاعت کے بعد گجرات میں رونما ہوا۔ اس عمر میں رات جاگنے دن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کوشش فرماتے تو وقت کے لحاظ سے موزوں ہوتا مگر آپ کی تاویل پسندی نے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ کل کے جمعہ میں سید عنایت اللہ صاحب نے جو کچھ فرمایا اس سے زیادہ آپ کا لحاظ کیا کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی تصنیفات سے اہل حدیث کو کیا فائدہ ہوا یہ تو جناب کو معلوم ہو گا۔ لیکن اس اکتشاف سے نقصان کہیں زیادہ ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

شہر میں ہنگامہ کے متعلق جو اطلاعات مجھے ملی ہیں اگر وہ مبالغہ آمیز نہیں تو میرا خیال ہے کہ کچھ مدت کے لیے آپ گجرات چھوڑ دیں۔ گوجرانوالہ یا وزیر آباد میں رہائش اختیار فرمائیں۔ ہر معاملہ کا فیصلہ ضد اور ہٹ نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں بھی ایک اشتہار چوک میں لگایا گیا ہے۔ جن لوگوں نے دیکھا ہے ان کا اندازہ بھی یہی ہے جو میں نے عرض کیا۔ اس لیے مناسب ہے کہ آپ ترک وطن فرمائیں اصل مسئلہ کے متعلق عرض کرنا بے سود ہے۔ کتاب (عیون زمزم) بھی نہیں دیکھی۔ اور ذہن بھی بالکل مختلف ہے شائد دیکھنے پر کچھ فائدہ بھی نہ ہو گا۔ مسجد کا انتظام کسی مناسب آدمی کے سپرد کر دیا جائے۔ اگر کوئی موزوں اور مناسب آدمی مل جائے تو شاید جماعت کو کچھ فائدہ ہو جائے۔ مسجد میں ممکن ہے کچھ رونق بڑھ جائے۔ آپ نے اچھا کیا اسے اپنے خطبہ کا موضوع نہیں بنایا۔ والسلام

مولانا محمد اسماعیل مرحوم نے حافظ عنایت اللہ کو توجہ دلائی تھی کہ اس عمر میں رات جاگتے دن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کوشش فرماتے تو وقت کے لحاظ سے موزوں ہوتا۔ یہ بالکل صحیح مشورہ تھا جس کی طرف حافظ عنایت اللہ نے توجہ نہ دی۔

ایڈیٹر "الاسلام" نے حافظ عنایت اللہ کی دو حالتیں بغیر کسی ثبوت کے بیان کی ہیں تو اب ان دو حالتوں کی مدت بھی متعین کرنی چاہیے کہ استقامت کتنی مدت تک رہی اور اضطراب کب شروع ہوا اور کب تک رہا۔ اور کون سی کتابیں حالت استقامت میں لکھی تھیں اور کون حالت اضطراب میں۔ اگر ان سب باتوں کا تفصیلی علم نہیں ہے تو آپ نے اس آیت کے خلاف کیوں کیا۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ کہ "جس چیز کا تم کو علم نہیں ہے اس کے درپے نہ ہو۔" جب ان کے شاگرد زندہ موجود ہیں ان کی کتابیں موجود ہیں۔ ذرا ان کا مطالعہ تو کر کے دیکھیں کہ آیا یہ مضمون اور ترتیب اور دلائل کسی دیوانہ اور مرفوع القلم کے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح حالت اضطراب کی تصنیفات بھی آپ کو مجبور کر دیں گی کہ یہ صاحب دیوانہ اور مرفوع القلم تو نہ تھے جو اپنے علم سے گمراہی کی طرف جا رہا ہے جیسے دیگر علماء گمراہ فرقوں کے کہ وہ اپنے علم سے صحیح اور حق باتوں کو تاویلوں اور ہیر پھیر سے سچ کو جھوٹا ثابت کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ اصل میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بے پدری معجزانہ پیدائش سے سرسید احمد خاں نیچری نے سب سے پہلے انکار کیا تھا اس کی تفسیر پڑھ کر حافظ عنایت اللہ متاثر ہوئے اور انہوں نے سرسید احمد خاں سے بھی زیادہ کوشش کی

کہ سیدنا مریم کا نکاح ثابت کر کے یوسف نجار کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کیا جائے اور آیات و احادیث کی باطل تاویلوں سے تکذیب کی ہے اور پھر ایک ایک لفظ کو لے کر پدری پیدائش کی دلیل بنایا ہے۔ مثلاً لفظ کلمتہ اللہ۔ انجیل احضت' حصینہ وغیرہ۔ اور فرشتہ کے روح پھونکنے پر سیدنا مریم علیہا السلام کے حاملہ ہونے کا مذاق اڑایا ہے اور سیدنا مریم علیہا السلام پر بہتان قرار دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ سب باتیں اسلامی مسلمات' مسلک سلف بلکہ اجماع امت کے خلاف ہیں۔ ایسے عقائد باطلہ کے حامل شخص کی وکالت کسی اہلحدیث کے لیے اچھی بات نہیں ہے۔ ان کا معاملہ تو اب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے لیکن وہ اپنی گمراہ کن تحریروں کی صورت میں جو مواد چھوڑ گئے ہیں' ہمارا فتویٰ اسی ظاہر کے مطابق ہو گا تاکہ لوگ اصل حقائق سے بے خبر نہ رہیں۔ والعلم عند اللہ

عبدالقادر عارف حصاری

الاعتصام' جلد ۳۱' شمارہ ۵۲' مورخہ ۲۵ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء

ایک "مولوی صاحب" اور ان کے بعض عقائد

اصل مقصود کے اظہار سے پہلے دو شرعی مسئلوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ مضمون کو پڑھنے سے پہلے ان کو پیش نظر رکھیں پہلی بات یہ کہ ہمارا شمار امت محمدیہ میں ہے، جس کی صفت قرآن کریم پارہ نمبر۲ کے شروع میں مذکور ہے۔ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِتَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ یعنی "تم کو ہم نے سب امتوں سے بہترین امت بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو۔" کہ تم اعتقاد و اخلاق و اعمال میں افراط و تفریط سے پاک ہو اور حد اعتدال پر قائم ہو۔ بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جنازہ پر سے گزرے تو اس میت کی بہت تعریف کی کہ وہ نہایت صالح شخص تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو تین دفعہ یہ فرمایا۔ وَجَبَتْ کہ اس پر واجب ہو گئی۔ پھر ایک جنازہ کے پاس سے گزرے تو لوگوں نے اس میت کی مذمت اور برائی بیان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَجَبَتْ کہ اس پر واجب ہو گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دو جنازوں پر سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے حق میں وَجَبَتْ فرمایا اس کا مطلب کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی میت کی تم نے تعریف اور مدح بیان کی تو اس پر جنت واجب ہو گئی اور دوسری میت کی تم نے برائی اور مذمت بیان کی ہے تو اس پر دربار الٰہی سے دوزخ واجب ہو گئی پھر تین دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا انتم شهداء الله فی الارض۔ یعنی "تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔" جس پر تم اچھی گواہی دو گے وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں صالح قرار پائے گا وہ جنتی ہو گیا۔ اور جس کے حق میں تم اس کے برا ہونے کی گواہی دو گے وہ طالح قرار پائے گا اس پر عدالت الٰہی میں دوزخی ہونے کا حکم نافذ ہو گا۔ تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔ دوسری روایت میں یہ وارد ہے کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

پس یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔ جب اس امت کو امت عادلہ اور شهداء الله فی الارض قرار دیا گیا ہے اس پر واجب ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اس کے عقائد اور اعمال کے پیش نظر جو اس کو معلوم ہوں سچ بیان کرے جھوٹ نہ بولے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت کا سچا گواہ نہ ہو گا اور وہ امت عادلہ سے خارج قرار پائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص / وفات پاجائے اور وہ موحد مسلمان ہو لیکن اس سے کچھ گناہ صادر ہوئے ہوں لیکن اس کے اعمال صالحہ گناہوں پر غالب ہوں تو اس کی وفات پر اس کے محاسن ذکر کرنے چاہییے اور گناہوں کی بابت اس کے حق میں دعائے مغفرت و رحم کرنی چاہییے اور اگر اس کے عقائد خراب ہوں تو پھر اس کی مذمت کرنی چاہییے خصوصاً جب کہ وہ عالم کہلاتا ہو اور وہ باطل عقیدے اور مسائل فاسدہ بیان کرتا رہا ہو تو پھر ضرور اس کے غلط مسائل اور باطل عقائد کی تردید کرنی چاہییے۔ تاکہ اس کے باطل عقائد اور مسائل فاسدہ سے جو لوگوں میں تاثرات پیدا ہوئے ہیں وہ دفع ہو جائیں۔

آمدم بر سر مطلب : ان مسائل کے پیش نظر اب عبداللہ نلّی والہ کے بارہ میں جو اخبار الاعتصام مطبوعہ یکم جمادی الاخری شمارہ نمبر ۲۸ صفحہ ۱۳ پر محمد یٰسین راہی نے یہ لکھا ہے "مولانا عبداللہ ڈیرہ غازی خاں ۳۰ مارچ بروز اتوار وفات پاگئے۔ مرحوم تبلیغ کا بڑا جذبہ رکھتے تھے اور آپ کی تبلیغ سے بہت سے لوگ شرک و بدعت سے تائب ہوئے اور کتاب و سنت پر عمل پیرا ہوئے مرحوم میرے سسر تھے۔ بعض مسائل میں ان کا نقطۂ نظر مسلک سلف سے ہٹا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے قارئین بھی دعائے مغفرت فرمائیں۔"

یاسین راہی کی عبداللہ نلّی والے کے بارہ میں شہادت صحیح نہیں اور غالباً رشتہ داری کی وجہ سے دعائے مغفرت کی اپیل کی ہے۔ اور کئی غلط کاموں کا ارتکاب کیا ہے۔ اول اس کا جنازہ پڑھایا ہے۔ یہ کبیرہ گناہ کیا ہے دوسرا یہ کہ اس نے اپنے سسر کے بارہ میں شہادت جھوٹی دی ہے۔ تیسرا یہ گناہ کیا ہے کہ شہادت صادقہ کا اس نے کتمان کیا ہے جو بہت بڑا ظلم ہے۔ چوتھا یہ کہ اخبار کے مدیر سے اصل حالات چھپائے کہ ان کو عبداللہ کا اصل حال اور مسلک ظاہر نہیں کیا ورنہ وہ اس باطل شہادت کی اشاعت نہ کرتے۔ اب اس کی تفصیل سنئے۔

عبداللہ نلّی والا جس کو مولانا کہا گیا ہے جو ممنوع ہے اس میں یہ جذبہ تھا کہ مسائل نادرہ کی اشاعت کر کے شہرت حاصل کی جائے۔ چنانچہ اس نے مندرجہ ذیل مسائل مردودہ اپنے زمانہ تبلیغ میں یکے بعد دیگرے جاری کیے اور لوگوں کو گمراہ کیا۔

(ا) برہنہ سر نماز پڑھنا ناجائز ہے اور سر ڈھانکنا ضروری ہے اور کپڑے ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا بدعت ہے۔ تین کپڑے ہونے ضروری ہیں۔

(۲) امامت، خطابت، تعلیم قرآن و حدیث و فقہ کی اجرت اور تنخواہیں لینا حرام ہے جو علماء اہل حدیث اور علماء حنفیہ امامت، خطابت تعلیم کی تنخواہیں لیتے ہیں یہ سب حرام خور ہیں۔ ان کے پیچھے نمازیں پڑھنی جائز نہیں ہے۔

(۳) قربانی صرف ایک دن دسویں تاریخ ذوالحجہ کو ہے باقی دنوں میں قربانی کرنا ناجائز اور مال ضائع کرنا ہے۔

(۴) نماز تراویح مصنوعی نماز ہے اس کا کچھ ثواب نہیں ہوتا۔ ملا مولویوں نے جاری کی ہے۔

(۵) گھوڑے کا گوشت حرام ہے۔

(۶) میت کے ورثاء جو میت کی طرف سے قربانی کرتے ہیں اور حج بدل کرتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ اور صدقہ خیرات کرتے ہیں یہ شرک ہے اور کرنے والے سب مشرک ہیں۔

(۷) کتاب دو زندگیاں لکھ کر شائع کی جس میں یہ لکھا کہ زندگیاں صرف دو ہیں۔ ایک دنیا کی زندگی اور دوسری آخرت کی زندگی۔ تیسری کوئی زندگی نہیں ہے۔ قبروں میں سب لوگ مُردے ہیں۔ حساب کتاب اور عذاب و ثواب سب غلط باتیں ہیں۔ قبر میں فرشتوں کا آنا منکر و نکیر کا حساب لینا سب جھوٹ ہے۔ اس بارہ میں جو احادیث ہیں سب جھوٹی اور بناوٹی ہیں۔ بخاری مسلم اور صحاح ستہ کی احادیث کا بھی کوئی اعتبار نہیں ان میں جھوٹی اور موضوع احادیث ہیں۔ منکرین حدیث پرویز وغیرہ کے اخباروں اور رسالوں کا مطالعہ کر کے اس نے حدیث دشمنی شروع کر رکھی تھی۔

حلانکہ عذاب قبر کی احادیث تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔ مرام الکلام فی عقائد الاسلام کے ص ۶۴ پر لکھا ہے۔ وتسمی فتنته القبر والحدیث به متواترا۔ پھر ان حدیثوں کو ذکر کر کے یہ لکھا ہے احادیثہ تبلغ التواترا المعنوی کہ فتنہ و حساب قبر کے بارہ میں اس قدر حدیثیں وارد ہیں کہ وہ سب تواتر معنوی کو پہنچ جاتی ہیں اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ شرح حدیث النزول ص ۵۱ میں فرماتے ہیں :

الاحادیث الصحیحة حدا المتواتره تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال۔ یعنی "احادیث صحیحہ متواترہ کی حد کو پہنچ چکی ہیں کہ روح کو بدن کی طرف لوٹا کر سوال کیا جاتا ہے۔"

تدریب الراوی میں احادیث متواترہ کا شمار کرتے ہوئے حساب قبراور منکر نکیر کی حدیث کو متواتر قرار دیا ہے جب یہ حدیث حساب قبر کی متواتر ہے تو اس کا منکر اور مکذب کافر ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر کے ص۱۹۹ میں ہے وفی المحیط من انکر الاخبار المتواترة فی الشریعة کافر۔ یعنی "شریعت میں جو احادیث متواترہ وارد ہیں ان کا منکر کافر ہے"

اور تذکرہ قرطبی عبدالوہاب شعرانی کے ص ۳۶ میں عذاب قبر کا ذکر کرکے یہ لکھا ہے : من شک فی ذالک فھو ملحد کہ عذاب قبر میں جو شخص شک کرے وہ ملحد ہے۔ علامہ ابو شکور سالمی نے تمہید کے ص۲۲۵ میں عذاب قبر کا ذکر کر کے یہ لکھا ہے۔ من انکر عذاب القبر کافر۔ کہ عذاب قبر کا منکر کافر ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جس کو پانچ صد علماء نے مرتب کیا ہے اس کے ص۳۰۱ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ عذاب قبر کا منکر کافر ہے کتاب الروح ص۸۳ میں ہے : عذاب القبر حق لاینکرہ الاضال او مُضِلٌ کہ عذاب قبر کا برحق ہے اس انکار وہی شخص / کرتا ہے جو گمراہ ہے اور گمراہ کنندہ ہے۔ اور کتاب الروح میں امام ابن القیم نے حساب و عذاب قبر کی حدیثوں کا ذکر کر کے پھر ص۱۱۱ میں یہ لکھا ہے کہ جس چیز کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے اس کی تصدیق کرنی اور ایمان لانا واجب ہے۔ ھذا اصل متفق علیه بین اھل الاسلام لاینکرہ الامن لیس منھم۔ یعنی یہ قاعدہ متفق علیہ اس پر سب اہل اسلام کا اتفاق ہے اس سے وہی انکار کرے گا۔ جو مسلمان نہیں ہے۔ وما علینا الا البلاغ' عبدالقادر عارف حصاری۔

الاعتصام : ان "مولوی صاحب" نے اپنے ملحدانہ نظریات شائع کرکے دور دور تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ خود کو "اہل حدیث" کہلا کر حدیث پاک کے خلاف لکھتے تھے۔ جیسا کہ جہلم کے فیض عالم صدیقی صاحب ہیں جو "اہل حدیث" کہلا کر انکار حدیث کا پرچار کرتے ہیں اور "صدیقہ کائنات" جیسی ملحدانہ کتاب لکھتے ہیں جس میں حقائق کا انکار کیا گیا ہے۔ امام زہری اور امام بخاری تک پر زہریلی تنقید کی گئی ہے۔

ایسے لوگوں کی علمی حیثیت عوام کو بتا دینی چاہیے۔ تاکہ وہ مغالطوں سے بچ سکیں اسی۔ وجہ سے مولانا حصاری مدظلہ کی دینی غیرت پر مبنی یہ تحریر شائع کی جارہی ہے۔ جزاہ اللہ تعالٰی۔ (ع ح)

ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد۳۱' شمارہ۴۲' مورخہ ۳۰ مئی سنہ۱۹۸۰ء

مولانا عبدالقادر حصاری رحمۃ اللہ علیہ

...... بنام ......

قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری رحمۃ اللہ علیہ

شیوۂ غلط بیانی سیکھو نہ ہرگز اے بتو!
دیکھو' دیکھو دل دکھانا ہر کسی کا منع ہے

ہفت روزہ "الاسلام" گوجرانوالہ جلد۶' شمارہ ۳۴ میں ایک مضمون ص ۷ پر بعنوان "اہل حدیث کا فرزند جلیل" شائع ہوا ہے جس میں مولانا قاضی محمد اسلم سیف نے مولانا عبدالجلیل صاحب جھنگوی ثم دہلوی مرحوم اور ان کے شیخ الحدیث مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی مرحوم کے حالات لکھے ہیں۔ پھر صفحہ ۸ پر مضمون کے آخری حصہ میں اس احقر العباد عارف حصاری کے بارے میں ریویو کیا ہے جو بالکل نامناسب اور مضمون سے غیر متعلق ہے کیونکہ بندہ حصاری کا نہ دہلوی خاندان سے کوئی رشتہ ہے اور نہ ان علماء دہلویہ سے شرف تلمذ حاصل ہے اور نہ ہی سلسلہ بیعت کی رُو سے ان علماء کے ساتھ کوئی جماعتی شمولیت ہے' صرف ان کے رسالہ "صحیفہ اہلحدیث" کا زمانہ قدیم سے مضمون نگار چلا آرہا ہے۔
"الاسلام" کے مضمون نگار کی عبارت میرے بارے میں حسب ذیل ہے :

> "مولانا عبدالقادر حصاری اپنی کھردری زبان' تیزی طبع' تشدد فی المسائل کی وجہ سے اپنا علمی ودینی تشخص نمایاں نہ کرسکے۔ اب دور افتادہ مقام پر رہائش پذیر ہو گئے۔ ضعف بصارت' پیرانہ سالی اور بیماری کی وجہ سے وہ بھی ان کے خلا کو پر نہیں کرسکیں گے۔"

سوال یہ ہے کہ جب بندہ کو اس جماعت سے بحیثیت رکن ہونے کے کوئی تعلق نہیں تو پھر یہ میرے بارے میں تبصرہ کرنے کی ضرورت کیا تھی' یہ آپ اس وقت کہہ سکتے تھے جب اس بارہ میں جماعت غرباء کا کوئی اجلاس شوریٰ ہوتا جس میں کوئی شخص میرا نام پیش کرتا اور اس وقت آپ اس اجلاس میں بحیثیت رکن شامل ہو کر رائے زنی کرتے اور وہ

نکتہ چینی کرتے جو اوپر درج ہے تو خیر ایک بات بن سکتی تھی لیکن اب اس کا اخبار میں کیا تک ہے۔ ناقد جس نے راقم الحروف کی پیرانہ سالی کا نقص ظاہر کیا ہے کسی حد تک یہ ٹھیک ہے لیکن ؎

کمزور ہوں لیکن تو میرا عزم جواں دیکھ
اے دیدۂ مغرور میری تاب وتواں دیکھ
مغرور ہے تو قوت بازوئے قوی پر
قوت ہے مری دولت ایمان میں نہاں دیکھ

قاضی صاحب نے کھردری زبان کا بھی نقص ظاہر کیا ہے لیکن اس کے جواب میں میرے مضامین کو پسند کرنے والے کہہ سکتے ہیں

ع گل است سعدی ودر چشم "ناقدان" خار است

اور جہاں تک تیزی طبع کا تعلق ہے وہ بحمد اللہ غیرت دینی کے تقاضا سے ہوئی ہو گی جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے لیے اسوہ ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم کو میرا وصف معلوم ہے؟ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ لوہے کے سینگ ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوہے کے سینگ کا کیا مطلب؟ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا امیر شدید لا تأخذہ لومۃ لائم یعنی "سخت حاکم جو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والا" سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تو ایک شخص نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قیامت کو آپ سے سوال کیا کہ عمر کو تم نے خلیفہ بنایا جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ سخت مزاج ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میں کہوں گا کہ یااللہ میں نے اپنے خیال میں سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنایا تھا' میں نے تو خیر کا ارادہ کیا تھا' میں غیب نہیں جانتا تھا۔"

اس سے واضح ہوا کہ نفس تیزی طبع دین میں کوئی عیب نہیں۔ باقی رہا مسائل میں تشدد یہ بھی دلائل کے ساتھ ہو تو کوئی عیب نہیں۔

چنانچہ یہ واقعہ مشہور ہے کہ دو شخص کسی امر میں جھگڑتے ہوئے فیصلہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ میں یہ فیصلہ عمر

(رضی اللہ عنہ) سے کراؤں گا۔ جب دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا' اس نے آتے ہی سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ اس نزاع کا فیصلہ عدالت نبوی سے میرے حق میں ہو چکا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے شخص سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ہاں یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے حق میں کر دیا ہے لیکن میں آپ سے صحیح فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا دونوں یہاں ٹھہرے رہو۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ گھر سے تلوار لے کر آئے تو اس شخص کو جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ فیصلہ طلب کیا' تلوار سے قتل کر دیا اور یہ کہا کہ فیصلہ نبوی نہ ماننے والے کے حق میں میرا فیصلہ یہ ہے۔ دوسرے شخص نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی کہ جس نے آپ کا فیصلہ نہیں مانا تھا' اس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ما کنت اظن ان یجتری عمر علی قتل مومن۔ "کہ میں یہ گمان نہیں رکھتا تھا کہ عمر ایک مومن کے قتل کی ایسی جرات کرے گا" تب یہ آیت فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ الاية "اے ہمارے نبی! قسم ہے تیرے رب کی کہ جو کسی نزاع اور اختلاف میں آپ کا فیصلہ نہیں مانتے وہ لوگ مومن نہیں ہیں (یعنی کافر ہیں)" نازل ہوئی۔

پس جس شخص کو عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے وہ مومن نہیں کافر تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مومن کو قتل نہیں کیا کافر کو کیا ہے۔ تب عمر رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا گیا بلکہ ان کو رہا کیا گیا۔ (۱)

اس لیے میرا مسلک یہ ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث کا حکم وفیصلہ کسی امر میں تسلیم نہ کرے' نفسانی خواہشات کے مقابلہ میں یا تقلید شخصی جامد کے مقابلہ میں یا اپنے رواج قومی کے مقابلہ میں ٹھکرا دے تو ایسے شخص کا اسلام مشکوک ہے۔ میرے اس مسلک کی وجہ سے مجھ پر اگر تشدد کا الزام لگایا جاتا ہے تو مجھے اس پر ندامت نہیں۔

اس دور ضلالت میں بندہ حصاری متبع سنت کو مجاہد بالسیف فی سبیل اللہ سے افضل جانتا ہے' اپنے پاک جوتا سے نماز پڑھنا سنت جانتا ہوں اور پڑھ لیا کرتا ہوں۔ لوگ مجھے متشدد کہتے ہیں لیکن میں بلا خوف لومة لائم اسی پر عمل کرتا ہوں۔ اسی طرح بے نماز کو کافر ومشرک خارج از اسلام جانتا ہوں۔

---

(۱) لیکن اس شان نزول کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے غریب جدًا (بہت ہی عجیب وغریب ہے) لکھا ہے اور اس روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ اس میں عبداللہ ابن لہیعة راوی ضعیف ہے۔ (ع'ح)

عقیدۂ صابونیہ میں لکھا ہے : واختلف اهل الحدیث فی ترک المسلم صلوة الفرض متعمدا فکفره بذالک احمد بن حنبل وجماعة من علماء السلف رحمهم الله واخرجوه من الاسلام للخبر الصحیح الخ۔ (عقیدة السلف واصحاب الحدیث للصابونی در مجموعه رسائل منیریة جلد اول' صفحه۱۲۵ طبع مصر) بروئے حدیث تارک صلوٰۃ کو امام احمد اور ایک جماعت علماء سلف کی کافر خارج از اسلام قرار دیتی ہے۔

اور کتاب الصلوٰۃ کے حاشیہ ص۶ میں ہے : لقد تضاهرت النصوص الصحیحة الصریحة فی کفر تارک الصلوٰة وخروجه من الملة۔ یعنی "بے نماز کافر خارج از ملت اسلامیہ ہے اس پر صحیح اور صریح نصوص وارد ہیں جو ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں۔"
اس بناء پر بندہ عارف حصاری نہ بے نمازوں کا نکاح پڑھتا ہے اور نہ جنازہ کرتا ہے' نہ ان سے سلام لیتا ہے تو لوگ مجھ پر تشدد فی المسائل کا الزام لگاتے ہیں۔ اگر یہ تشدد ہے' کیونکہ دنیا میں بے نمازوں کی اکثریت ہے اور اکثر علماء بھی بے نمازوں کو اپنے اسلامی بھائی کہتے ہیں تو اس "تشدد" میں جماعت غرباء اہلحدیث کے وہ اکابر علماء جن کی قاضی محمد اسلم صاحب نے اپنے مضمون میں مدح سرائی کی ہے' شامل ہیں۔

ان میں متعدد مسائل ایسے ہیں جو جماعت غرباء کے خصائص سے ہیں جن میں دوسرے علماء اہلحدیث ان سے متفق نہیں اور ان کو جماعت کے مسائل شدیدہ تصور کرتے ہیں۔ بنابریں راقم عزیزم قاضی محمد اسلم صاحب سے دریافت کرتا ہے کہ آپ بھی اور علماء جمعیت اہلحدیث بھی ان کے مسائل خاصہ کو حق وصواب جانتے ہیں یا نہیں؟ غالبا جواب نفی میں ہوگا تو پھر جماعت غرباء کے ان علماء کو جن کی آپ نے مدح سرائی کی ہے متشدد فی المسائل کہتے ہیں یا نہیں؟ اگر کہتے ہیں تو پھر بندہ پر بالخصوص تشدد فی المسائل کا الزام کیوں دھرا ہے؟ اس کی کوئی معقول وجہ بیان کریں' ودونہ خرط القتاد۔ ہاں پیرانہ سالی کا ذکر آپ کا درست ہے جس کا مجھے اعتراف ہے ؎

ہائے چھاتا جا رہا ہے مہ گذاروں پر دھواں
ہائے ڈھلتا جا رہا ہے آفتاب زندگی

اس حالت میں بھی خدمت دین کئے جا رہا ہوں' الحمد للہ علی ذالک۔

دور کاش —— ہے جس —— میں ہوں اچھا ہوں
گذر رہی ہے یہ کس رنگ میں حیات نہ پوچھ

قاضی سیف صاحب فرماتے ہیں کہ "تشدد فی المسائل کی وجہ سے اپنا علمی ودینی تشخص نمایاں نہ کر سکے۔" اولاً یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ تشدد فی المسائل سے تو "تشخص" زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ دور نہ جایئے اپنے ممدوحین "غرباء اہلحدیث" کو ہی لیجئے' کیا وہ اپنے عجیب وغریب مسائل ہی کی وجہ سے مشہور نہیں ہے۔

ثانیًا شہروں میں علماء کا ذکر اخباروں' اشتہاروں' جلسوں واجلاسوں کے ذریعہ ہوا تو ان کا "تشخص" نمایاں ہو گیا' کچھ آپ ایسے اسٹیج سیکرٹریوں نے تقریروں سے پہلے ان علماء کا تعارف کرایا تو خوب مدح سرائی کی جو ان کے روبرو کرنی منع تھی' یہ سب ذرائع ان کے تشخص نمایاں ہونے کے تھے۔ دیہات میں رہنے والے علماء دین کی کتنی ہی خدمت کرتے رہے' شہری علماء کی طرح وہ اپنا "تشخص" نمایاں نہ کر سکے۔

ثالثًا اصل مقصد علمی کام اور دینی خدمت ہے۔ خفیہ صدقہ اعلانیہ صدقہ سے اور آہستہ بلااخفاء ذکر' ذکر بالجہر سے افضل ہے۔ اسی طرح جن اعمال میں ریاء' نمود اور شہرت کا احتمال ہے' ان سے ان اعمال صالحہ کی زیادہ فضیلت ہے جن میں اخلاص اور رضاء الٰہی ہو اور ان میں ریا نمود' شہرت کا احتمال نہ ہو۔

راقم نے جو دینی خدمت کی ہے' اس کا اظہار تو نہیں چاہیے لیکن رفع الزام کی وجہ سے عرض کرتا ہوں کہ بندہ کی دیہاتی تبلیغ سے دو غیر مسلم شرف بہ اسلام ہوئے' یہ متحدہ ہند کا واقعہ ہے۔ ایک سو سے زیادہ لوگ جو گمراہ فرقوں میں تھے' اہلحدیث ہوئے۔ دو سو کے قریب میرے شاگرد ہوں گے جن کو قرآن کریم پڑھایا ہے اور متحدہ ہند میں قوم اوڈ آباد تھی' ان کے مدرسہ کا مدرس ہو کر رہا تو قرآن وحدیث' صرف ونحو وغیرہ متفرق علوم جن کو پڑھائے ان کی تعداد یاد نہیں رہی۔ البتہ تعلیم کا کام دو سال فاضلکا میں ہوتا رہا اور دو سال تک دیپ سنگھ والا ریاست فرید کوٹ (مشرقی پنجاب) میں تعلیم کا کام کیا۔

یہ مدرسوں کی تعلیم کا ذکر ہے ورنہ جہاں کہیں رہا' تعلیم کا کام جاری رہا اور اب بھی جاری ہے۔ ہر مقام میں جہاں میری رہائش رہی یا اب رہتی ہے' مسجد میں رہنا لازم رکھتا ہوں۔ صبح سے شام کتابوں کے مطالعہ اور فتوؤں کے لکھنے اور اخبارات میں مضامین لکھ کر بھیجنے اور رسائل' کتابیں تالیف کرنے میں مصروف رہتا ہوں۔ عمر بھر اخباروں میں مضمون نگاری کا کام کیا ہے۔ "اہلحدیث" سوہدرہ' اخبار "الاعتصام" لاہور' "تنظیم اہلحدیث" امرتسر

اور لاہور "صحیفہ اہلحدیث" کراچی وغیرہ میں مدت مدید سے مضامین طبع ہو رہے ہیں۔ جس قدر مضامین شائع ہوئے شمار نہیں کیے جا سکتے اور جو سوالات واستفسارات مختلف علاقوں اور شہروں' لاہور' سیالکوٹ' لائلپور (موجودہ فیصل آباد)' ساہیوال' بہاولنگر' ملتان' ڈیرہ غازی خان' کراچی اور مختلف دیہات سے آتے رہے' ان کے جوابات بصورت فتوؤں کے ارسال ہوتے رہے ہیں۔

نیز بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں جن میں اکثر شائع اور بعض زیر کتابت وطباعت ہیں اور بعض قلمی رکھی پڑی ہیں۔ (۱) مقلد ولی نہیں ہوا (۲) ظہر احتیاطی (۳) تحفہ قادریہ' یہ رسالے متحدہ ہند میں شائع ہو کر ختم ہو گئے۔ (۴) فیصلہ سید الابرار در حرمت نکاح شغار' یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔ ایک شائع ہو چکا ہے' دوسرا قلمی پڑا ہے۔ (۵) شرعی داڑھی (۶) کتاب الکبائر' کبیرے گناہوں کے بیان میں (۷) فاتحہ خوانی (۸) ظل رسول' جس میں سایہ رسول ﷺ کا ثبوت ہے (۹) حرمت سیاہ خضاب (۱۰) سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اهل الایمان (۱۱) قبر پر اذان (۱۲) کتاب الجمعہ (۱۳) کتاب الاذان (۱۴) ضرب تبر پر منکر عذاب قبر (۱۵) الوسیلہ بالاموات (۱۶) اہلحدیث کی صداقت (۱۷) مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں (۱۸) قطع حلق در ذکر اول الخلق (۱۹) رفع یدین در صلوٰۃ بالنعلین (۲۰) اربعین قادری (۲۱) احکام رکعتی الفجر۔ علاوہ ان کے دیہات میں جو تبلیغ کی اور تنازعات میں فیصلے کیے اور کئی مقلات پر مُردہ سنتیں زندہ کیں اور بریلوی' رافضی گمراہ فرقوں نے راقم پر مقدمات چلائے' ان میں کامیابی حاصل کی' ان کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ورنہ یہ مضمون رسالہ بن جائے گا۔ میرے کارنامہ اور خدمات دین کی اخبارات میں کبھی رپورٹیں درج نہیں ہوتیں' نہ کرائی گئیں۔ اس لیے دیہاتی سادہ مولوی ہوں' اپنی شخصیت نمایاں کرنا پسند نہیں کہ خدمت دینی مقصود ہے' شہرت مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے' والسلام۔

عبدالقادر عارف الحصاری

ہفتہ روزہ الاعتصام لاہور جلد ۲۸' شمارہ ۲۲' ۲۳۔ ۹ و ۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۷ھ

حکیم محمد علی..... چند یادیں' چند باتیں

بندہ راقم الحروف کی عمر اس وقت ۷۵ سال کی ہے۔ اس ضعیف العمر کا حافظہ کمزور ہے' نہ اپنے حالات مفصل یاد رہے اور نہ اپنے دیگر احباب ذہن میں ہیں۔ البتہ مجمل سا یہ حال معلوم ہے کہ بندہ عبدالقادر عارف حصاری ضلع حصار کا باشندہ ہے۔ حافظ عبدالواحد صاحب مراد آبادی اس بندہ عارف حصاری کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں جو کفار ہنود کے ساتھ تھا' چندہ کے لیے اپنے ساتھ لائے۔ ہم ضلع ساہیوال کے ایک مشہور گاؤں بلاں بلا میں پہنچے۔ وہاں بندہ نے توحید و سنت پر لگاتار آٹھ روز تقریریں کیں۔ جوانی کا زمانہ تھا' باشندگان دیہہ باوجود حنفی المذہب ہونے کے میری تقریروں سے بہت متاثر ہوئے۔ خصوصاً مسمی امیر خان مرحوم جو گاؤں کے نمبردار اور ذیلدار تھے' اس قدر متاثر ہوئے کہ بندہ کو اپنی جامع مسجد کا خطیب مقرر کر لیا اور سخت مجبور کیا اور کہا کہ آپ اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے پاس آکر مقیم ہو جاؤ۔ میں اکیلا ہی آپ کے تمام اخراجات برداشت کروں گا۔ بندہ راقم الحروف نے وہاں رہائش اختیار کر لی اور تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا۔ موضع بلاں بلا میں صرف ایک ہی شخص میاں امیر خان ذیلدار اہلحدیث تھا' .بفضلہ تعالیٰ بندہ کی تبلیغ سے چالیس' پچاس آدمی اہلحدیث ہو گئے اور گردونواح میں بھی توحید و سنت کی روشنی پھیل گئی۔ موضع بازیدہ تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا' جس میں مختلف فرقے آباد تھے۔ صرف ان میں دو تین گھر اہلحدیث مذہب کے تھے جن میں مولوی حکیم محمد علی مرحوم کا گھر خاص طور پر اہل حدیث وہابی کے نام پر مشہور تھا۔

حکیم محمد علی مرحوم نے جب میرا تذکرہ عام لوگوں سے سنا کہ میاں محمد امیر خاں ذیلدار نے ضلع حصار سے ایک عالم اہل حدیث کو بلا کر اپنی مسجد کا خطیب مقرر کیا ہے جو بڑی دھواں دھار تقریریں کرتا ہے۔ حکیم محمد علی مرحوم کو جلسوں میں جانے اور علمائے اہل حدیث کی تقریریں سننے کا بڑا شوق تھا۔ وہ میرا ذکر سن کر بلاں بلا میں تشریف لائے اور ملاقات کی تب ہمارا باہم تعارف ہوا' ان کی اول روز کی گفتگو سے ان کا موحدانہ عقیدہ اور سنت نبوی کا شغف اور اخلاص ظاہر ہوا۔ اس تعارف کے بعد ہماری باہمی آمدورفت شروع ہو گئی۔ حکیم مرحوم بندہ کو کئی دفعہ ساتھ لے کر بازیدہ میں تبلیغ توحید و سنت کی کراتے

رہتے۔ جب ہمارا اخوت اسلامی ومذہبی کا رشتہ بڑھ گیا تو بندہ ایک ماہ یا دو ماہ میں ایک بار ضرور جلایا کرتا تھا کہ حکیم جی اور ان کے والد بزرگوار کو تبلیغ حق وابطال باطل کا نہایت شوق تھا۔ بندہ اس وقت اپنی پوری جوانی میں تھا۔ حکیم صاحب مرحوم ہمارے یار غار ان دنوں نو عمر تھے۔ ان کی شادی نہیں ہوئی تھی' ان کے بڑے بھائی شادی شدہ تھے اور ان کے والد صاحب ضعیف العمر تھے لیکن بڑے راسخ العقیدہ انہی کی تربیت' جسمانی وروحانی سے حکیم محمد علی مرحوم موحد اور خاص اہلحدیث ہوئے۔ ان کے والد صاحب مرحوم جن کا اسم گرامی بوجہ ضعف حافظہ نسیاً منسیا ہو گیا۔ علم پنجابی کے تعلیم یافتہ تھے' ان کے پاس اکثر کتابیں مولانا حافظ محمد مرحوم لکھوی کی تصنیفات سے تھیں۔ اہل بدعت کی بہت تردید کیا کرتے تھے' انہی کے تاثرات پڑھ کر حکیم صاحب توحید وسنت کے مجاہد بنے۔

بندہ راقم الحروف نے جب توحید کی ڈنکے کی چوٹ سے اشاعت کی تو عوام جہلا اور ملاؤں اور پیروں نے بڑی مخالفت کی اور ہمارے مقابلے ہوئے' کیونکہ اس علاقے میں شرک وبدعت کا طوفان برپا تھا' جن کے قلع قمع کے لیے ہمیں جہاد لسانی کرنا پڑا۔ حکیم محمد علی صاحب عظیم الشان مجاہد بن کر میرے ساتھ پورا تعاون کرتے رہے۔ میاں محمد امیر خاں رئیس بلاں بالا تبلیغ حق میں میرے معاون ومددگار رہے اور حکیم محمد علی صاحب میری تصدیق میں لگے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہمارے شامل حال رہا اور ہم ہمیشہ غالب رہے۔ علمائے اہل بدعت ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور توحید اور سنت کا ہر طرح بول بالا ہو گیا۔ پچاس ساٹھ آدمی اہل حدیث ہو گئے۔

کئی ایک مردہ سنتوں کو زندہ کیا گیا۔ مثلاً آمین بالجہر' رفع الیدین' تراویح مسنونہ آٹھ رکعت' وتروں کو سنت کے طور پر پڑھنا' عورتوں کو عیدین میں باہر لے جانا وغیرہ۔ ان پر عوام بلکہ خواص رئیس لوگوں کے شور شغب اور احادیث کی تکذیب کرنے کی مدافعت کی تھی۔ یہاں تک کہ یہ امور مشروعہ جاری ہو گئے اور بغاوت دفع ہو گئی۔ حکیم صاحب انصار اللہ میں شامل ہو کر برابر میری تصدیق وتائید میں جہاد کرتے رہے اور عوام کو سمجھاتے رہے۔

بندہ نے وہاں صبح کا درس قرآن جاری کیا اور رات کو درس حدیث شروع کیا تو مذہب اہلحدیث کی حقیقت سب پر روشن ہو گئی' بازیدہ حکیم جی بندہ کو لے جا کر تبلیغ کراتے' وہاں اہل ضلالت میں اکثر وجودی مذہب کے لوگ تھے جن کے اس عقیدہ باطلہ کا قلع قمع کیا گیا

اور ان کے مولویوں کو اعلانیہ چیلنج مناظرہ کیا گیا لیکن کوئی مقابلہ میں نہ آیا۔ پہلے تو حکیم صاحب اور ان کے والد مرحوم اپنے گھر میں بحکم واجعلوا بیوتکم قبلة واقیمو الصلوٰة مسجد بنا کر نمازیں باجماعت پڑھا کرتے تھے پھر کچھ جگہ ملی تو وہاں نماز باجماعت اور نماز جمعہ پڑھنے لگے اور کئی لوگ شامل جماعت ہوئے۔

مولوی حکیم محمد علی مرحوم کو اسلامی جلسوں اور تبلیغی وعظوں میں جانے اور علمائے اہلحدیث کی تقریریں سننے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ مجھے بھی جلسہ کرانے کا مشورہ دیا۔ بندہ نے جو درس گاہ قائم تھی اس میں قاعدے' پاروں اور بوسیدہ قرآن کے اوراق جمع ہو گئے۔ بندہ نے ان کو قریب کے قبرستان میں لے جا کر جلا دیا اور راکھ کو دفن کر دیا' اس پر بہت شور برپا ہوا تھا' یہاں تک نوبت پہنچی کہ میاں محمد امیر خان بھی ناراض ہو گئے۔ بندہ نے خطابت اور اپنی تبلیغی تقریروں اور مسائل صفہ کی اشاعت کے لیے میاں محمد امیر خاں سے یہ وعدہ لیا ہوا تھا کہ بندہ ہر مسئلہ کتاب وسنت کو بلا خوف اور لومتہ لائم بیان کرے گا اور گمراہ فرقوں اور رواج عامہ خلاف شرع کی تردید شدید کرے گا۔ آپ کو یا دیگر لوگوں کو میرے ساتھ مقابلہ کرنے اور لڑنے جھگڑنے کا کوئی حق نہ ہو گا۔ ہاں میرے بیان کردہ مسئلہ کی تغلیط کرنے کے لیے کسی عالم دین کو لا کر مناظرہ یا تبادلہ خیال کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ اس معاہدہ کی بناء پر میاں محمد امیر خاں نے جو سرکاری مدارس کے تعلیم یافتہ تھے اور ساہیوال کی سرکاری کمیٹی کے ممبر تھے' خود اس کا ثبوت لینا چاہا تو بندہ نے' جو اِن کے پاس مظاہر حق تھی' اس سے یہ مسئلہ نکال کر سمجھا دیا۔ یہ کتاب حنفی مذہب کی شرح مشکوٰة اردو میں تھی جن کو خان صاحب نے بڑے غور سے ملاحظہ کیا۔ پھر بخاری شریف مترجم میں یہ مسئلہ دکھلایا تو ان کی تسلی ہو گئی اور عوام کو زجر و توبیخ کر کے اس شور وفساد کو بند کر دیا۔ تاہم عوام کو بہت حیرت اور استعجاب ہوا اور بابا بالا کے ماحول میں بہت چرچا ہوا۔ تب بندہ نے دیگر علمائے اہلحدیث اور علماء حنفیہ سے استفتاء لکھ کر فتوے منگوائے۔

چنانچہ دیوبند' دہلی' امرتسر' لاہور وغیرہ کے مشاہیر مفتیان دین کے فتوے آگئے کہ یہ جائز ہے پھر حکیم صاحب مرحوم نے بندہ کو مشورہ دیا کہ اس موقع پر علمائے اہلحدیث کو دعوت دے کر جلسہ تبلیغی ضرور کرانا چاہیے۔ چنانچہ ہم دونوں نے میاں محمد امیر خاں رئیس نمبردار بابا بالا سے درخواست کی' انہوں نے منظور کرلی' تب اشتہار دے کر تمام علاقہ میں اطلاع عام

کی گئی اور تمام فرقوں کو تبادلہ خیالات کرنے کا چیلنج کیا گیا۔ چنانچہ تواریخ معینہ پر تین روز جلسہ ہوا جس میں اکابر علمائے اہلحدیث مدعو تھے۔ مثلاً حضرت حافظ عبداللہ محدث روپڑی' جناب مولانا سید محمد داؤد غزنوی' مولانا سید محمد شریف' جناب مولانا عنایت اللہ صاحب محدث گجرات وغیرہم۔ علاوہ ان کے دیگر علماء اس موقعہ کا کوئی شمار یاد نہیں ہے۔ سب علمائے کرام نے اپنے اپنے وقت میں تقریریں کیں اور محدث مرحوم نے صبح قرآن پاک سے حاضرین کو فیض یاب کیا۔

بلا بالا کا تھانہ جو چک کے حلقہ میں تھا' وہاں انسپکٹر صاحب بھی جلسہ میں آکر شامل ہوتے رہے۔ چنانچہ تھانیدار نے ایک استفتاء علمائے کرام کی خدمت میں پیش کیا کہ قرآن جلانا جائز ہے یا نہیں اور قرآن جلانے والے کا حکم کیا ہے؟

شاہ محمد شریف مرحوم نے بندہ عارف حصاری سے کتابیں بخاری شریف' مظاہر حق وغیرہ طلب کیں۔ بندہ نے کتابیں پیش کر دیں اور اس مسئلہ کے حوالہ نکال کر ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ شاہ صاحب نے اس سوال کے جواب میں فرمایا بوسیدہ قرآن جو بیکار ہو چکا ہو۔ اوراق قاعدے' پاروں کے جو بیکار ہو گئے ہوں' ان کا جلا دینا جائز ہے اور جلانے والے پر شرعی لحاظ سے کوئی جرم نہیں ہے بلکہ سنت عثمانی کے زندہ کرنے کا ثواب ملتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی اور عہد صدیقی کے سب قلمی قرآن منگوا کر ان میں سے ایک قرأت پر قرآن کاتبوں سے نقل کرا کر باقی سب آگ میں جلا دیئے۔ اس پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عمل کی تحسین فرمائی۔

فتح الباری میں یہ سنت عثمانی قرار دی گئی کہ بیکار و خراب شدہ اوراق جلا دینے چاہییں۔ حدیث میں ہے : فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين۔ "تم میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔" یہ فتویٰ جلسہ کے خاتمہ پر مولانا حضرت عنایت اللہ صاحب وزیر آبادی ثم گجراتی نے پڑھ کر سنایا۔ پس تھانیدار اور تمام مجمع پر سناٹا چھا گیا اور آئندہ کے لیے شور شغب بند ہو گیا۔

مولوی حکیم محمد علی میرے تبلیغی مشن کے پروپیگنڈہ سیکرٹری تھے۔ مخالفین کی مخالفت فرو کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ بندہ نے ایک دفعہ ایک شخص کو یہ کہا کہ تم اپنی عورت سے مرغ ذبح کرا کر کھاؤ۔ چنانچہ اُس نے کئی عورتوں کے سامنے اپنی عورت کو ذبح کا طریقہ سمجھا

کر مرغ ذبح کروایا اور کھلایا۔ اس پر عوام میں بڑا طوفان اٹھا کہ حرام کھلایا گیا اور مرغی کی بانگ روا ہو گئی۔ بندہ نے اپنی تقریروں اور خطبوں میں اس مسئلہ کا ثبوت دے کر عوام کے خیال فاسد کی خوب تردید کی اور محمد امیر خان جو میرے پشتیبان تھے اور حکیم محمد علی جو میرے دست راست تھے' یہ دونوں مخالفین کو عقل اور نقل سے خوب سمجھاتے رہے لیکن مخالفین مخالفت کی ایک ہی وجہ پیش کرتے تھے کہ آج تک اس پر کسی جگہ عمل نہیں ہوا۔ تم نے یہ مسئلہ نکالا ہے۔ ہم نے حدیث اور فقہ سے ثبوت دیا کہ عورتوں نے جانور ذبح کئے اور وہ جائز کئے گئے۔

اسی طرح کئی ایک مُردہ مسائل اور مُردہ سنتیں زندہ کی گئیں جن پر بڑا شور برپا ہو تک۔ بلآخر ہمارے ٹھوس دلائل اور میاں محمد امیر خان کی سیاست سے سب شوروشغب فرو ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں بینک کے بیاج کی سخت تردید کی گئی اور بیاج لینے والوں کو ماں سے نکاح کرنے والے گنہگار سے بھی بدترین قرار دیا گیا تو بینک اسی گاؤں میں جس شخص کے گھر میں تھا وہ بڑا رئیس تھا اور میاں محمد امیر خان ذیلدار کا داماد تھا' وہ سخت مخالف ہے اور ذیلدار کا بھائی کچھ کہنے لگا تو محمد امیر خاں ذیلدار نے اپنے اس حقیقی بھائی کے جو بڑا رئیس تھا تھپڑ مارا کہ کیوں ہمارے عالم کی توہین کرتا ہے اور حق مسئلہ کی تکذیب کرتا ہے۔ اگر تم اس مسئلہ میں سنجیدہ ہو کہ بینک کا بیاج جائز ہے تو ہمارے مقابلہ میں کوئی اپنا عالم لاؤ' تم جاہل ہو' تم کو کوئی دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ بس سب شور فرو ہوا اور اکثر لوگ بینک سے سودی رقمیں لینا چھوڑ گئے۔

میں نے یہ اعلان کیا ہوا تھا کہ میں بے نماز کا جنازہ نہ پڑھوں گا کیونکہ وہ ازروئے کتاب وسنت واجماع صحابہ کافر خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ ایک میت کے جنازہ پر بندہ کو بلایا گیا' صفیں بندھ گئیں' ذیلدار صاحب پہلی صف میں تھے' میں نے میت کے وارثوں اور عوام سے دریافت کیا کہ یہ شخص نماز پڑھتا تھا کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر شہادت دو۔ ان سب لوگوں نے یہ کہا کہ یہ شخص بے نماز تھا' اس نے نماز کبھی نہیں پڑھی۔ میں نے جنازہ نہ پڑھایا اور چھوڑ کر چلا آیا۔ لوگوں نے کسی دوسرے گاؤں کے کسی ملاں کو لا کر جنازہ پڑھا لیا۔ اسی طرح جب گمراہ فرقوں کی شادی برات آتی تو بندہ نے کبھی نکاح نہ پڑھایا کہ یہ جائز نہیں کہ گمراہ فرقے ناجیہ فرقہ اہل حدیث کے کفو نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل میرا

رسالہ سیاحۃ الجنان بمناکحت اھل الایمان میں ہے۔ مولوی حکیم محمد علی صاحب کو حق مسائل کی تبلیغ کرنے اور کرانے کا بہت شوق تھا۔ اکثر اپنے گاؤں لے جا کر تبلیغ کراتے اور پتوکی میں کئی بار تبلیغ کرانے کے لیے لے گئے تھے اور جہاں جاتے مخالفین کو مناظرہ کا چیلنج دیتے تھے۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ کسی کو سامنے آنے کی جرآت نہ ہوئی۔ حکیم محمد علی صاحب نے اسی زمانے میں محمد اشرف مرحوم سندھو سے میرا تعارف کرا کر ہم میں دوستانہ تعلق قائم کرایا۔ وہ اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے' یہ تعلق آخر تک قائم دائم رہا۔ ان کی بعض تصنیفات پر میری تصدیق و تقریظ درج ہے۔

دوسرے سال ہم نے سب کے مشورہ سے پھر جلسہ کرایا' جس میں وہی اکابر علمائے کرام بلائے گئے تو ان کی تقریروں سے مذہب اہلحدیث کا بول بالا ہوا اور اہل بدعت مرعوب ہو گئے۔ چنانچہ ایک قریب کے گاؤں میں عرس ہو رہا تھا' جس میں اس علاقہ کے علماء اور پیروں کا اجتماع تھا' ڈھولکیاں بج رہی تھیں اور قوال غزلوں' نعتوں اور کافیوں سے لوگوں کو مست کر رہے تھے۔ میاں امیر خان بندہ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے اور رات کو منادی کر دی کہ گاؤں کے چوک میں قرآن مجید وحدیث کا وعظ اور تقریر ہو گی۔ عرس کے مجمع عظیم میں بھی منادی نے ندا کر دی' وہ سب ذیلدار سے خائف ہو کر مجلس وعظ میں آکر شریک ہو گئے اور عرس کی کارروائی ملتوی ہو گئی۔ بندہ عارف حصاری نے رات کو تین گھنٹے توحید بیان کر کے شرک کی تردید کر دی اور سنت کی فضیلت اور حکم بیان کر کے بدعت کی سخت تردید کی۔ تقریر ختم ہونے پر سب علماء اور پیر اور مرید بندہ سے مصافحہ کرنے لگے اور میری تقریر کی صاف لفظوں میں تائید کی اور اپنی بد رسموں عرس' گیارہویں وغیرہ کے بدعت ہونے کا اعتراف کیا اور یہ کہا کہ یہ رسمیں ہم نے اپنے شکم پروری کے لیے ایجاد کی ہیں۔ شرع میں فی الواقع کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن ہمارے علاقہ کے لوگوں نے خفیہ درخواستیں ڈپٹی کمشنر کو بہت لوگوں کے انگوٹھے چسپاں کر کے ساہیوال ارسال کیں کہ بلہاں بالا میں ایک عالم جس نے تمام علاقے میں بڑا فساد قائم کر رکھا ہے اور حکومت کے خلاف تقریریں کرتا ہے اور مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے میاں محمد امیر خاں کو بلایا اور لوگوں کی درخواستیں ملاحظہ کرا کر میرے حالات دریافت کیے۔ ذیلدار صاحب نے میرا تعارف کرا کر سب حقیقت حال بیان کی تو ڈپٹی کمشنر نے تمام درخواستیں داخل دفتر کر دیں اور اپنی طرف سے ایک خفیہ جاسوس

سارجنٹ بھیجا کہ وہ میری تقریروں' وعظوں کا جائزہ لے اور دفتر اور کتب خانہ کی پڑتال کرے۔ چنانچہ وہ ایک ماہ بلال بلا میں رہا اور میرے درس قرآن اور جمعہ کے خطبہ اور عام تقریروں میں شامل ہوتا رہا۔ آخر جاتے وقت اس نے بندہ سے مصافحہ کیا اور اپنا حال اور تقرری جاسوسی اور رپورٹ کا انکشاف کیا' تب ڈپٹی کمشنر کو تسلی ہوئی۔

پھر بندہ بیمار ہو کر قصبہ کوہلہ کے ہسپتال میں پہنچا تو وہاں کمپونڈر سے اہل بدعت نے سازباز کر کے بندہ کو زہر دینے کی تجویز کی۔ ڈاکٹر مسلمان نہایت دیانت دار تھا' اس کو علم ہوا تو اس نے لوگوں کو جھڑک دیا اور میرا نہایت ہمدردی سے علاج کیا۔ الحمد للہ' اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی۔ بندہ نے ڈاکٹر کو علاج کی فیس اور ادویہ کی قیمت دینی چاہی تو انہوں نے انکار کر دیا کہ میں نے فی سبیل اللہ علاج کیا ہے' صرف دعا خیر چاہتا ہوں اور مجھے بطور خیر خواہی یہ کہا کہ آپ اس علاقے سے اپنے وطن واپس چلے جائیں کیونکہ اس علاقہ کے اکثر لوگ آپ کے دشمن ہیں اور آپ کے قتل کی تجویزیں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ پہلے انہوں نے کمپونڈر سے سازباز کی' اس نے مرض لاحقہ کے لیے مضر دوا دی۔ میں نے معلوم کیا تو اس کو ڈانٹ دیا۔ تب بعض لوگ مجھ سے ملے اور مبلغ پانچ سو روپے دینے کئے تھے کہ کوئی زہریلی یا مضر دوا اس وہابی کو دے کر ختم کر دو۔ میں نے ان کو زجر اور توبیخ کی کہ اس مسلمان عالم کا خون ناحق کرنے پر ہم تم سب قیامت کے دن جہنم رسید ہو جائیں گے۔ ہم تمہارے کہنے پر اپنی عاقبت خراب نہیں کرتے' وہ شرمندہ ہو کر چلے گئے۔ علاوہ اس کے میں نے اور بھی منصوبے آپ کے خلاف سنے ہیں۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی جان بچانا چاہتے ہیں تو اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ میں نے کہا کہ آپ کی خیر خواہی کا از حد شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر بخشے۔ لیکن بندہ کا اللہ پر بھروسہ ہے' حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل۔

بندہ نے حکیم محمد علی مرحوم اور میاں محمد امیر خاں صاحب مرحوم سے یہ واقعہ ذکر کر کے مشورہ لیا تو انہوں نے مجھے تسلی دی اور یہ کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں کہ وہ ہر حال میں آپ کا مددگار ہے۔ انبیاء کرام اور ائمہ اور علماء اہل حق کے ساتھ ایسے واقعات پیش آئے تو صبر کر کے ثابت قدم رہے۔ ہم آپ کے ساتھ انصار اللہ ہو کر پوری مدد اور تعاون کریں گے۔ چنانچہ بندہ جب کہیں تقریر کرتا ہوتا تو خان صاحب پستول یا بندوق وغیرہ

اسلحہ سے مسلح ہو کر بطور مدد تشریف فرما ہوا کرتے تھے اور جب کہیں تبلیغ کرنے جانا ہوتا تو ایک دو آدمی ضرور ساتھ بھیجا کرتے تھے۔ اکثر ہر جمعرات کو میری تقریر ہوا کرتی تھی اور دیگر مقامات پر حکیم محمد علی صاحب مغفور جایا کرتے تھے۔ ان کو احقاق حق وابطال باطل کرانے کا اور کرنے کا بہت شوق تھا۔ آپ کے والد صاحب اس وقت ضعیف العمر تھے۔ لیکن طاقتور تھے اور مخالفین پر ان کا اچھا اثر و رعب تھا کیونکہ حکمت کرتے تھے۔ اکثر لوگ مریض ہونے پر ان کے محتاج تھے۔ حکیم محمد علی صاحب نے بھی اپنے والد بزرگوار سے قرآن مجید اور پنجابی کتابیں پڑھی تھیں اور انہی سے حکمت اور طبابت سیکھی تھی۔ ان کے بڑے بھائی دوکان کرتے تھے اور حکیم حکمت کرتے تھے' اس لیے باشندگان بازیدہ باوجود مخالفین مذہبی ہونے کے حکیم جی سے بڑے متاثر تھے۔ بندہ راقم السطور بھی کچھ ضمنی طور پر طبابت کرتا تھا۔ اس لیے حکیم جی سے امراض اور نسخہ جات کے سلسلے میں تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔

بندہ حصاری ضلع حصار تحصیل سرسہ کو واپس چلا گیا تھا۔ خان صاحب ذیلدار کبھی مجھے واپس جانے نہ دیتے لیکن سبب یہ ہوا کہ بندہ نے خطبہ جمعہ میں بار بار فریضہ حج ادا کرنے پر زور دیا۔ فضائل حج عمرہ بیان کرنے کے علاوہ یہ وعید سنا دی کہ جو شخص فریضہ حج و عمرہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اور پھر حج و عمرہ نہیں کرتا تو وہ یہودی یا نصاریٰ کے حکم میں ہو کر مرے گا' مسلمان ہو کر نہیں مرے گا اور وہ کافر ہے۔ اس پر سب رؤسا نے تیاری کر لی اور اس وفد کے مقدمتہ الجیش میاں محمد امیر خان صاحب تھے۔ بندہ نے اس وفد مبارک کو وداع کیا اور خود بھی اپنے وداع ہونے کی تیاری کرنے لگا۔

ہمارے وطن میں ایک مولانا عبداللہ صاحب تھے جو بہت مشہور حکیم تھے۔ قصبہ روڑی میں آپ کا مشہور دواخانہ بنام سلیمانیہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے عہد لیا ہوا تھا کہ میں اپنے قصبہ میں ایک درس گاہ قائم کرنی چاہتا ہوں' جس میں آپ کو مدرس رکھنا ہے۔ آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جب درس گاہ تیار کر لوں' آپ کو یہاں آنا پڑے گا' خواہ کسی جگہ ہوں۔

میں نے وعدہ کر لیا تو ان کا دعوت نامہ آنے پر جس میں وعدہ یاد دلایا گیا تھا بندہ بلاں بلا سے اپنی کتابیں اور خانگی سامان لے کر رخصت ہوا اور قصبہ روڑی میں مقیم ہو کر تدریس کا کام شروع کر دیا۔ جب بندہ نے بلاں بلا سے جانے کی تیاری کی تو آخری تقریر کی' جس میں الوداع کی ایک اپنی پنجابی نظم پڑھی جو دردناک آواز سے خاص تاثیر رکھتی تھی' جس کو سن کر

گاؤں کا مجمع کثیر جس میں اکثر باشندگان دیہہ مرد اور عورتیں شامل تھیں' اس قدر متاثر ہوا کہ زاروقطار روتے تھے اور میری صداقت اور حقانیت کا اعتراف کر کے اپنی گستاخیوں اور غلطیوں کی معافی مانگتے تھے اور پھر سب ہی مجبور کرتے تھے کہ آپ یہاں ہی قیام رکھو اور ہم ہر طرح کی خدمت اور مالی ایثار کریں گے۔ اگر دائمی قیام نہیں کر سکتے تو کم از کم میاں محمد امیر خان وغیرہ حجاج کے وفد کی واپسی تک قیام رکھو تاکہ ذیلدار صاحب ہم سب پر یہ الزام نہ لگا سکیں کہ تم نے میرے عالم خطیب مقرر کردہ کو تنگ کر کے نکال دیا۔ میں نے اپنی معذرت عہدنامہ کی پیش کی اور یہ کہا کہ ذیلدار صاحب کو میں معذرت نامہ خود لکھ کر یہ الزام رفع کر دوں گا' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

راقم الحروف آخری وقت میں اپنے دوست یار غار حکیم محمد علی صاحب اور ان کے والد بزرگوار اور دیگر احباب جماعت سے ملاقات کرنے گیا تو سب محبت سے ملے اور زاروزار رونے لگے کہ اب ہمارے علاقہ سے علم وعرفان کا خزانہ اٹھا لیا گیا اور رحمت وبرکت کے بادل جو برستے تھے وہ چھن گئے۔ آخر بندہ نے سب سے معانقہ اور مصافحہ کر کے الوداع کہا اور اپنے وطن کی درسگاہ میں پہنچ گیا۔

حکیم محمد علی کو نہ دل سے فراموش کیا اور نہ ہی وہ بھولے' باہمی طور خط وکتابت جاری رہی۔ جب حکیم صاحب کے والد بزرگوار اس دارفانی سے رخصت ہوئے تو حکیم صاحب بازیدہ سے پتوکی میں انتقال مکان کر گئے' جہاں ان کا بھائی پہلے دکان کرتا تھا کہ شاید اُن کے سسرال والے وہاں پر تھے۔ اس لیے حکیم صاحب مذکور نے جبھی وہاں ہی اپنی شادی کرا کر حکمت اور طبابت کی دکان کر لی۔

بندہ راقم الحروف خونی انقلاب عظیم میں ضلع ساہیوال میں مہاجر ہو کر آباد ہو گیا اور کتب خانہ چھوڑ آیا۔ ان نازک حالات میں بھی پتوکی جا کر حکیم جی سے ملاقات کر کے آیا اور بعض تبلیغی جلسوں میں بھی علماء کرام کے اجتماع میں حکیم صاحب مرحوم سے شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا۔ حکیم صاحب نے دوستانہ حق خوب ادا کیا کہ میرے ساتھ اخلاق حسنہ سے پیش آتے رہے اور گاہے گاہے مالی ایثار کرتے اور حسن عقیدت اس قدر تھی کہ بہت سے علماء کے مقابلہ میں میرے تحقیقی مسائل کو ترجیح دیا کرتے تھے کہ تقریری اور تحریری بحثوں میں وہ میرا امتحان کر چکے تھے۔ میرا تعلق روپڑی علماء اور لکھنوی علماء سے

تھا۔ حکیم جی مرحوم بھی انہی خاندانی علماء سے وابستہ رہے۔

بندہ مرض نزول الماء موتیا سے بیمار ہونے کی وجہ سے نظر سے معذور ہو گیا' صرف ایک آنکھ کا آپریشن ٹھیک ہوا تو لکھنے پڑھنے کا کام کرتا رہا کہ بارہ (۱۲) عدد مختلف مسائل پر رسالے لکھ کر شائع کرائے اور اپنے تمام مذہبی اخبارات تنظیم اہلحدیث' اہل حدیث' الاعتصام' صحیفہ اہلحدیث کراچی اور اہلحدیث سوہدرہ' الارشاد کراچی میں تبلیغی مضامین اور اختلافی مسائل پر تحقیقی مضامین شائع کراتا رہا۔ حکیم صاحب مرحوم میرے مضمون پڑھ کر بہت خوش ہوا کرتے اور داد دیا کرتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ عرصہ تک بندہ ان سے ملاقات کی تمنا رکھتا رہا اور ان سے آخری ملاقات کا شرف حاصل نہ کر سکا اور حکیم صاحب اس دارفانی سے ملک جاودانی کو رخصت ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ○ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ۔

عبدالقادر عارف الحصاری

صحیفہ اہلحدیث کراچی جلد ۸' شمارہ ۳' ۴۔ یکم و ۱۶ صفر سنہ ۱۳۹۷ھ

خدا کے بعد ایک سہارا تھا سو وہ بھی نہ رہا

راقم الحروف عبدالقادر عارف حصاری کا پوتا عزیزم یحییٰ جو مورخہ ۵/ مئی سنہ ۱۹۷۸ء جمعہ کے دن ایک درخت سے گرا تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں' وہ دو ماہ ۱۶ دن موت وزندگی کی کشمکش میں مبتلا رہ کر مورخہ ۲۱ جولائی کو جمعہ کی رات میں .مقتضائے الٰہی وفات پا گیا' اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس کی وفات حسرت آیات نے ایک غیر متوقع صبر آزما صورت حال ہمارے لیے پیدا کر دی ہے۔ اگرچہ اس دار فانی' جہاں آب وگل میں کوئی ناقابل انکار حقیقت چیز ہے تو وہ صرف موت ہے جو بروئے قانون کلیہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ذی روح پر واقع ہوتی ہے لیکن عزیزم یحییٰ راقم الحروف ضعیف العمر کی حیات مستعار کا ایک خدائی سہارا تھا جس سے اچانک محروم ہو جانے پر قلب حزیں پر زخم کسی قدر گہرا اور اس کی جدائی کا سانحہ کسی قدر اثر انگیز ہے۔ حسب فرمان نبوی وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَااِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ بندہ پراگندہ حال غمگین ہو گیا لیکن الفاظ کا میدان کسی قدر وسیع اور قلم کا شاہسوار کتنا تیز رفتار ہوا۔ امنگوں اور خیالات کی جولانگاہ کتنی بے پایاں ہو مگر موت کی ناقابل انکار حقیقت الٰہی کی مشیت کا ایسا اٹل فیصلہ ہے جس کے سامنے تمام انسانی بلند پروازیاں ختم ہو کر جبیں عبودیت کو سر بسجود ہونا پڑتا ہے۔

ایسے امتحان اور ابتلاء کے وقت وہ نفوس بے حد عظیم اور قابل مثال واتباع ہیں جو اپنے ایمان کی بنیادوں کو اپنے صبر سے متزلزل نہ ہونے دیں اور انہی کے تقاضوں کو خندہ پیشانی اور صبر کے ساتھ قبول کر کے رضینا برضاء اللّٰہ کا اظہار کریں۔ زندگی خواہ کسی فرد واحد کی ہو یا قوم کی ہو' بچے کی ہو یا جوان کی' حوادث ونامساعد حالات سب کا مقدر ہیں۔ لیکن طبعی اور دلی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ عزیزم یحییٰ طالب العلم اور زندہ رہتا تو ہمارے اور اس کے لیے مفید تھا کہ وہ نمازی اور رمضان کے روزوں کا صائم تھا۔

حدیث میں ہے : لا یزید المومن عمرہ الاخیرًا یعنی درازی عمر مومن کے لیے زیادہ نیکی کرنے کا باعث ہے۔ لیکن ہمارے خیالات اور آرزوئیں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ وَاللّٰہ غالب علی امرہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کرنے پر غالب ہے۔ یفعل ما یشاء کہ وہ جو کام چاہتا ہے کر گزرتا ہے' اس پر کوئی اعتراض اور جرح قدح نہیں کر سکتا۔ لا یسئل عما یفعل

وھم یسئلون یعنی اللہ تعالیٰ کے کام اور حکم پر سوال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حلیم وحکیم مطلق ہے' عالم الغیب والشہادت ہے اور تمام انسانوں سے خواہ وہ نبی ہوں یا ولی اللہ' اللہ تعالیٰ ان کے کاموں پر سوال کرنے کا حق رکھتا ہے کیونکہ وہ سب کا خالق ومالک ہے' سب سے محاسبہ کر سکتا ہے۔ یہی اس کی وحدانیت کی زبردست دلیل ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک نبی صاحب کسی درخت کے نیچے لیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے' ایک چیونٹی نے یہ گستاخی کی کہ ان کو کاٹ کر بے آرام کر دیا۔ وہ بیدار ہوئے تو غصہ میں آ گئے جیسا کہ بشریت کا تقاضا ہے۔ وہاں چیونٹیوں کا بل جو پاس ہی تھا' آگ سے سب جلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر عتاب سے خطاب فرمایا کہ تم نے یہ کیا کیا کہ تم کو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا' تم نے سب چیونٹیوں کو آگ سے کیوں جلا دیا۔ یہ سب چیونٹیاں تو میرا ذکر کرتی تھیں اور تسبیح پڑھتی تھیں۔

اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے پر شہد کھانا حرام کر لیا کہ اس میں بو آتی ہے جس سے میری بیویاں نفرت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو خود بھی بدبو والی چیز سے نفرت تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے عتاب سے خطاب فرمایا : يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی اے نبی! کیوں حرام کیا تو نے اس چیز کو جو حلال کی تھی اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے اور تو چاہتا ہے اس حلال کو حرام کرنے میں خوشنودی اپنی بیویوں کی؟ اچھا اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت مہربانی ہے۔ تمہاری غلطی کا تدارک کرنا ضروری ہے۔

بایں طور کہ آپ اپنی اس قسم کا کفارہ ادا کریں تاکہ تیری امت کے لیے یہ اسوۂ حسنہ ہو جائے کہ جو شخص کسی حلال چیز کو حرام کر لے تو وہ اس قسم کا کفارہ دے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام اور حکم پر سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی شان یہ ہے یفعل ما یرید کہ اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اس کو کر گزرتا ہے۔ پس انسان کا رزق اور عمر قضاء الٰہی میں مقدر ہے جب ان دونوں چیزوں کی میعاد ختم ہو جاتی ہے تو انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ مولانا عاجز شاعر نے یہ خوب کہا ہے ؎

مریض کھا چکا جو اس کا آب و دانہ تھا
برائے موت مرض تو فقط ایک بہانہ تھا

عزیزم یحییٰ گگو کے ہسپتال میں داخل ہوا' وہاں اس کا علاج نہ ہو سکا تو ملتان کے ہسپتال میں داخل کرایا گیا' دو ماہ اس کا علاج ملتان کے ہسپتال میں ہوا' وہاں سے مایوسی ہوئی تو وہاڑی کے قریب ایک بستی میں کوئی حکیم ماہر تھا جو ٹوٹی ہڈیاں جوڑتا ہے' اس کے سپرد کیا گیا۔ ۱۵۔۲۶ ایام یہاں اس کا علاج ہوتا رہا تو پھر اس کو پیٹ کا مرض اور ہیضہ ہو گیا جو اس کی موت کا موجب ہوا اور وہ چل بسا۔

میرے مسلک میں وہ شہید ہوا اور یہ شہادت صغریٰ ہے۔ درخت سے گرنا اور اسہال سے مرنا شہادت کا موجب ہیں۔ دیگر یہ کہ اس کا دو ماہ دردناک مرض اور بخار اور ہیضہ مکفر سیئات اور رفیع الدرجات ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث وارد ہے کہ کسی مسلمان کو کوئی رنج اور دکھ اور کوئی فکر و غم اور ایذا پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ جھاڑ دیتا ہے اور دیگر روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ رہتی ہے بلا کسی مسلمان مرد یا عورت کی ذات میں یا اس کے مال میں' اولاد میں یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے تو اس کا کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا۔ اور بروایت مسند احمد یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک درجہ رفعت کا ہے جو اس کو کسی عمل صالح سے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں یا مال میں یا اولاد میں کوئی مصیبت نازل کر دیتا ہے جس پر وہ صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو درجہ بلند پر فائز المرام کر دیتا ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتا ہے۔

پس بروئے ان احادیث کے عزیز یحییٰ جو سخت امراض میں مبتلا رہا ہے' جنت میں اس درجہ پر ان شاء اللہ فائز المرام ہو گا۔ علاوہ ازیں عزیز یحییٰ ابھی نابالغ ہی تھا اس کے گناہوں کا اندراج دفتر الٰہی میں شروع ہوا تھا تو یہ تمام تکلیفات اس درجہ بلند حاصل ہونے کا موجب ہوں گی۔ علاوہ ازاں ایک یہ فضیلت بھی حاصل کر چکا ہے کہ وہ جمعہ کے دن درخت سے گرا اور جمعرات میں وفات پا کر جمعہ کے دن بعد از نماز جمعہ غسل و نماز جنازہ قبرستان میں داخل ہوا۔

حدیث میں ہے : ما من مسلم یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة الا وقاه اللّٰه فتنة القبر۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں کوئی مسلمان کہ مرے وہ دن جمعہ یا رات جمعہ کے مگر یہ کہ بچا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو فتنہ قبر سے۔ (ترمذی' احمد' بیہقی)

عزیز یحییٰ وہاڑی کے قریب جس بستی میں فوت ہوا' وہاں کے لوگوں نے بہت منت

سماجت کی کہ ہم اس کو غسل کفن جنازہ کر کے دفن کر دیتے ہیں لیکن اس کے والد نے تسلیم نہ کیا اور وہ ہمارے گاؤں چک نمبر۱۲۰ میں لے آیا لیکن جب تک یحییٰ کی میت اس بستی میں رہی' تمام رات انہوں نے کھانا نہیں پکایا۔ جب جیپ پر اس کو لے کر روانہ ہوئے تو پھر کھانا پکایا۔ یہ بھی ایک رسم جاہلیت ہے کہ گاؤں میں میت پڑی ہو تو کھانا پکانا منع سمجھتے ہیں' شہر میں ہو تو محلہ والے کھانا نہیں پکاتے۔

راقم الحروف ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں میں گیا تو مغرب کا وقت تھا' تمام گاؤں کے باشندگان نے کھانے نہ پکائے۔ مرد' عورتیں بچے سب بھوکے تھے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا یہاں ایک شخص فوت ہو گیا ہے' اس کی میت پڑی ہے۔ جب تک میت گاؤں میں رہے گی' کھانا پکانا جائز نہیں سمجھتے۔ بندہ راقم الحروف نے اس رسم کی سخت تردید کی تو لوگوں نے کھانے پکائے۔ دیہات میں اکثر یہ رسم ہے جو گناہ ہے۔ لیکن تعجب اور مزید افسوس ہے کہ حقہ سب نوش کرتے ہیں اور حقہ نوشی جو حرام ہے اسی قدر رائج ہے کہ ماتم پر' قبرستان میں حقہ نوشی کرتے رہتے ہیں۔ جب دفن سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو دروازہ پر فرش بچھا کر بیٹھتے ہیں اور وہاں حقہ کا دور چلتا ہے' سب حقہ پیتے ہیں اور ساتھ ہی فاتحہ خوانی بھی کرتے رہتے ہیں۔ ایک شخص ہمارے گاؤں میں حقہ پیتا پیتا فوت ہو گیا اور نڑی اس کے منہ میں تھی۔ لوگوں نے سمجھا کہ سویا پڑا ہے' جب بہت دیر ہوئی تو اس کو بیدار کرنے لگے تو وہ مردہ پایا گیا۔ حالانکہ وہ بیمار نہ تھا' بالکل تندرست تھا۔ حالانکہ حقہ تو ویسے ہی حرام ہے لیکن قبرستان اور ماتم پر حقہ نوشی کرنا تو بالاجماع ناجائز ہے۔

یہ امر مخفی نہ رہے کہ میت کے گھر والے تو غم اور صدمہ سے معذور ہوتے ہیں' نہ وہ موت کے ہوتے ہوئے کھانا پکا کر کھاتے ہیں' نہ میت کے بعد ایک دن وہ کھانا پکاتے ہیں۔ اس لیے حدیث میں دوسرے مسلمانوں کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کھانا پکا کر اس میت والے گھر کو دیں لیکن کھانا پکانا کسی کو بھی منع نہیں۔ نہ میت والوں کو اور نہ دوسرے کو منع ہے بلکہ میت پاس پڑی ہو اور کسی ضرورت کی وجہ سے ان کو کھانا پکانا پڑے مثلاً مہمان وغیرہ کے لیے یا بچوں کے لیے تو یہ جائز ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے جو سیدنا ابو ہریرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم ایک جنازہ پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ گئے تو یہ دیکھا کہ ایک

توم اہل میت اپنی نیچے کی ازاریں اُتار کر صرف قمیضوں میں جا رہے تھے۔ اہل عرب کی قمیضیں بہت لمبی گھٹنوں کے نیچے تک ہوتی ہیں' ان میں چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم مسلمان ہو کر پھر بھی جاہلیت کی رسمیں کرتے ہو۔ میں ارادہ کرتا ہوں کہ تمہارے حق میں بددعا کروں کہ تمہاری شکلیں مسخ ہو جائیں۔ ان لوگوں نے یہ سنا تو فوراً قمیضوں کے نیچے چادریں باندھ لیں اور پھر آئندہ یہ رسم کبھی نہ کی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جاہلیت کی رسم اور بدعت کتنی بری چیز ہے کہ اس معمولی رسم پر رسول اللہ ﷺ کس قدر ناراض ہوئے کہ شکلیں مسخ ہونے کی بددعا پر آمادہ ہو گئے۔ اب تو لوگوں نے دین کی شکل بنا کر بدعات کو رائج کر دیا ہے۔ میلاد' عرس' تیجہ' ساتواں' چالیسواں' ختم' فاتحہ خوانی وغیرہ بدعات رائج ہیں اور مدعیان اسلام نے ان کو اسلام کے احکام میں شامل کر رکھا ہے جو سراسر ظلم ہے۔ ہم نے اپنے عزیز یحییٰ کے مرنے پر .بفضلہ تعالیٰ کوئی رسم نہیں کی۔ عوام جہلا مرد عورتیں ہمارے گھر والوں پر بہت طعن ملامت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اہل حدیث یحییٰ کے مرنے پر خوش ہیں اور کھانے پکا کر کھا رہے ہیں اور اس کے مرنے کا شکریہ ادا کر رہے ہیں کہ نہ فاتحہ خوانی کی نہ ہفتہ تک اس کی روح کو روٹی دے کر ایصال ثواب کیا' کوئی فائدہ پہنچایا۔ الغرض بدعات اور رسمیں اس دارالضلالت میں اسلام کا جز بن گئی ہیں۔ جہاں اہل بدعت کی آبادی ہے اور ان کی اکثریت ہے' وہاں جو عوام اہلحدیث ہیں وہ بھی اہل بدعت کے ساتھ ان سے تاثرات لے کر شامل ہیں۔ عمر کا تقاضا تو راقم الحروف کے لیے تھا کہ یحییٰ سے پہلے اس سرائے فانی سے رخصت ہو جاتا کہ اسی (۸۰) سال کے قریب عمر پہنچ چکی ہے' بندہ کے معاصرین علماء کرام بندہ سے پہلے ہی اس سجن الدنیا سے خلاصی پا کر عالم برزخ میں پہنچ چکے ہیں۔ رحمھم اللہ وغفرلھم۔

کئی دفعہ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوا اور موت سے خائف ہوا اور اللہ تعالیٰ سے کچھ مہلت طلب کرتا رہا اور الحمد للہ' اللہ تعالیٰ اب تک مہلت دیتا آرہا ہے۔ حدیث نبی اکرم ﷺ ہے : لا یرد القدر الا الدعا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : لا یتمنّٰی احدکم الموت انه کان محسنا فاعله ان یزداد خیراً۔ (الحدیث) یعنی کوئی تمہارا موت کی آرزو نہ کرے' اگر نیک کار ہے تو شاید زیادہ نیکیاں کرے۔ چنانچہ بندہ سے ایسا ہی صدور

ہو رہا ہے۔ الحمد للّٰہ علٰی ذالک۔ اور اگر برا ہے تو شاید توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر لے۔ الحمد للہ اس صورت میں بندہ اپنے گناہوں اور تقاصیر سے اللہ تعالیٰ سے معافی اور استغفار کرتا رہتا ہے۔ بلآخر بندہ غمگین اپنے محسنوں اور معاونوں کا شکریہ ادا کرتا ہے' جنہوں نے بندہ مریض اور عزیز یحییٰ مرحوم کی مصیبت عظمیٰ پر مالی تعاون فرمایا' جزاحم اللّٰہ تعالٰی احسن الجزاء۔

مرکزی جماعت غرباء اہلحدیث' جماعت اہلحدیث راجووال' جماعت اہلحدیث کراچی کے اخوان خصوصی' جماعت حویلی لکھا' جماعت اہلحدیث گگو منڈی' جماعت اہلحدیث چک نمبر ۱۲ اور مقامی جماعت کے رفقاء وغیرہم سب شکریہ کے مستحق ہیں اور سب کے لیے دعائیں کرتا رہا۔ اگر مسبب الاسباب ان حضرات کے مالی تعاون کا سبب نہ بناتا تو بندہ ان حالات میں اخراجات کا متحمل نہ ہو سکتا۔ بندہ سب کا نہایت تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ سب کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے اور اجروثواب سے مالامال کرے' (آمین!)

والسلام۔

غمزدہ عبدالقادر عارف حصاری

صحیفہ اہلحدیث جلد ۵۹' شمارہ ۲۱' یکم ذیلقعدہ سنہ ۱۳۹۸ھ

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر...19191......